فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

خادم الافتاء و الحدیث جامعہ قاسمیہ

مدرسہ شاہی مرادآباد، الہند

(جلد ۱۱)

المجلد الحادی العشر

بقیۃ الزکوٰۃ، کتاب الصدقات، الصوم

بتمام ابوابہا الیٰ صدقۃ الفطر

۴۴۰۵ ـــــــ ۴۸۷۳

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، الہند

01336-223082

فتاویٰ قاسمیہ

صاحب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

بحق صاحبِ فتاوی شبیر احمد القاسمی 09412552294

بحق مالک مکتبہ اشرفیہ دیوبند 09358001571

01336-223082 08810383186

پہلا ایڈیشن محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، ضلع سہارنپور، الھند

01336-223082

ASHRAFI BOOK DEPOT

DEOBAND, SAHARANPUR, INDIA

Phone: 01336-223082

Mob. : 09358001571،08810383186

مکمل اجمالی فہرست ایک نظر میں

❖❖　　❍❖❍

۱۱/ بقية كتاب الزكوٰة

مسئلہ نمبر: ۷/ باب: مدارس میں زکوٰۃ صرف کرنے کا بیان صفحہ نمبر

۸/ باب: حیلۂ تملیک

۹/ باب: مدز کوٰۃ تنخواہ یا تعمیر میں صرف کرنے کا حکم

❑ ۱۰/ باب: سفراء کے احکام

۱۱/ باب: مکاتب میں زکوٰۃ صرف کرنے کا حکم

۱۲/ باب: اسکول میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنے کا حکم

۱۳/ باب العشر والخراج

(۱۲) کتاب الصدقات

۱۳/ کتاب الصوم

۱/باب الصوم و متعلقاته

۲/باب رؤیة الهلال

۳/ باب السحور والإفطار

۴/باب مایفسد الصوم ومالا یفسد

۵/ باب القضاء والكفارة والفدية

۶/باب الاعتکاف

۸/باب صدقة الفطر

بقية كتاب الزكوٰة

(۷) باب: مدارس میں زکوٰۃ صرف کرنے کا بیان

کس طرح کے مدارس کیلئے چندہ وصول کرنا جائز ہے؟

سوال: [۴۴۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام صاحب ایک گاؤں کے خستہ و پرانے مدرسہ جس میں خورد ونوش کا مستقل نظام نہیں ہے صرف پارہ حفظ وناظرہ ودینیات پڑھا کر دوسرے مدرسوں میں داخلہ کی رغبت دلائی جاتی ہے، چندہ وصول کرتے ہیں، جس میں سب طرح کی رقومات آتی ہیں، بعدۂ حیلہ تملیک کراکر مدرسہ کے مصارف میں خرچ کرنا گناہ ہے یا ثواب اور امام موصوف کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی حرج ہے یا نہیں؟ امام موصوف بعد نماز عشاء معارف القرآن سے پڑھتے ہیں، بعض لوگ سنتے ہیں، لیکن بعض اپنے احباب کو بھی بیٹھنے سے منع کرتے ہیں، اور خود فضائل اعمال سے صبح کی نماز کے بعد پڑھتے ہیں، لوگ سنتے ہیں اکثر نمازی نماز سے فارغ ہوکر چلے جاتے ہیں، نیز امام بھی کثرت مشاغل کی وجہ سے نہیں بیٹھتا ہے، تو کیا امام گنہگار ہوگا، اور کیا جو لوگ اسی وجہ سے بغض رکھ کر البغض للہ سے ملاتے ہیں اور امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھنے کو مکروہ تحریمی بتاتے ہیں، وہ حق پر ہیں یا ناحق پر؟ جو بھی صحیح معاملہ ہو شریعت کی روشنی میں حل فرما کر ممنون فرمائیں؟

المستفتی: خلیل احمد ندوی، مسجد مقدس، سیوزی، بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسامدرسہ جس کی ضرورت وہاں کے لوگوں کی امدادی رقوم سے پوری ہوجاتی ہے، تو اس کیلئے زکوٰۃ کے روپیہ کو حیلہ تملیک کر کے استعمال کرنا ممنوع ہے، واضح رہے کہ صرف نفس حیلہ ممنوع ہے مگر لوگوں کی زکوٰۃ بہر حال ادا ہوجائیگی، اور ایسا مدرسہ جس کی ضرورت لوگوں کی امدادی رقم سے پوری نہیں ہوتی اور وہاں کوئی دوسرا مدرسہ بھی نہیں ہے، اور وہاں اس مدرسہ کی سخت ضرورت بھی ہے، اور مدزکوٰۃ میں حیلہ کے بغیر اسکی ضرورت پوری ہونے کیلئے کوئی شکل نہیں ہے، ایسی صورت میں وقتی طور پر حیلہ تملیک سے کام لیا جائے، تو اس کی گنجائش ہے اسلئے کہ یہ حیلہ کسی کی حق تلفی کیلئے نہیں بلکہ حرام سے حفاظت اور دینی ضرورت کیلئے ہے، شاید مذکورہ مدرسہ بھی ایسا ہی ضرورت مند ہو۔

كل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلىٰ حلال فهي حسنة الخ. (هنديه، كتاب الحيل، زكريا ديوبند٦/ ٣٩٠، جديد زكريا٦/ ٣٩٣)

(۲) امام صاحب کے پیچھے بلا کراہت نماز جائز ہے۔

(۳) امام صاحب نے معارف القرآن کے درس کا سلسلہ جاری فرمایا ہے، بہت اچھا کیا ہے، جولوگ اس میں بیٹھنے سے لوگوں کو منع کرتے ہیں، وہ سخت گنہگار ہوں گے، البتہ جولوگ اپنی ضرورت کی وجہ سے خود چلے جاتے ہیں، وہ گنہگار نہیں ہوں گے، اور اسی طرح صبح کو فضائل اعمال کی تعلیم کا سلسلہ بھی نہایت عمدہ اور لوگوں کو ہدایت کا ذریعہ ہے اس میں بھی لوگوں کو جوڑ جوڑ کر بٹھانا چاہئے، اگر امام صاحب یا کوئی دوسرا شخص اپنی ضرورت کی وجہ سے بغیر بیٹھے چلے جاتے ہیں، وہ بھی گنہگار نہیں ہوں گے، البتہ قرآن کی تفسیر یا فضائل اعمال کی تعلیم میں بیٹھنے سے منع کرنے والے سخت گنہگار ہوں گے، ان لوگوں کو اس فعل شنیع سے باز آجانا لازم ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ قرآن کریم کی آیت کا سیکھنا سورکعت نفل نماز سے زیادہ افضل ہے، اور دین کا ایک مسئلہ سیکھ لینا ایک ہزار رکعت نفل نماز سے زیادہ بہتر ہے، فضائل قرآن/ ۴۸، اب جو شخص قرآن کی تعلیم اور تفسیر سننے سے منع کریگا وہ کتنا بڑا گنہگار

ہوگا، اللہ تبارک وتعالیٰ بہتر جانے۔

عن أبي ذر رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال لي رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یا أبا ذر لأن تغدو فتعلم آیة من کتاب اللہ خیر لک من أن تصلی مائة رکعة ، الحدیث: (سنن ابن ماجه ، العلم ، باب فضل من تعلم القرآن وعلمه ، النسخة الهندیة ۱/ ۲۰، دارالسلام رقم: ۲۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۷ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۳۳)	۱۴۱۶/۴/۲۷ھ

کیا مدارس زکوٰۃ کا مصرف نہیں؟

سوال: [۴۴۰۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ لوگ جو عالم دین نہیں ہیں، ان کا کہنا ہے کہ مدارس میں زکوٰۃ کی رقم لینا جائز نہیں ہے، مدرسہ زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے، علماء نے جو زکوٰۃ کی رقم مدرسہ میں خرچ کرنے کا حیلہ اختیار کر رکھا ہے، وہ عقل ونقل کے خلاف ہے ہماری سمجھ میں نہیں آتا، تمام علماء اس مسئلہ میں (جو مدارس میں زکوٰۃ دینے کو جائز کہتے ہیں) غلطی پر ہیں، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ حضرات ایک مدرسہ کے ارکان منتظمہ بھی ہیں، اور اپنے مدرسہ کیلئے (جس میں صرف دو چار بیرونی طلبہ ہیں) زکوٰۃ لیتے ہیں، چرم قربانی وصول کرتے ہیں، اور یہ بھی کہتے ہیں، کہ اللہ معاف کرے ہم پر بھی زکوٰۃ مدرسہ میں لینے کی وجہ سے قیامت میں ڈنڈے پڑیں گے کیا ایسے خیالات کے باوجود ان لوگوں کو زکوٰۃ کی رقم مدرسہ کیلئے لینا درست ہے، جو خود اپنے اس فعل کو از روئے شرع ناجائز سمجھتے ہیں، ایسے لوگوں کو چرم قربانی یا زکوٰۃ کی رقم دینا کیسا ہے؟

المستفتی: سلیم الدین، سہسپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ فی نفسہ مصرف زکوٰۃ نہیں بلکہ مصرف بغیرہ ہے، یعنی جب مدرسہ میں غریب ومحتاج طلبہ زیر تعلیم ہوں اوران کی کفالت کا کوئی نظم نہ ہوتو ایسا مدرسہ صدقہ واجبہ زکوٰۃ چرم قربانی وغیرہ کا مصرف ہوجاتا ہے، اورزکوٰۃ دہندہ کی زکوٰۃ بغیر کسی تأمل کے ادا ہوجاتی ہے، چنانچہ جوحضرات اس مسئلہ میں علماء کو غلط ٹھہراتے ہیں، ان کے لئے اس سے تائب ہونا ضروری ہے، کیونکہ علماء حضرات نے ایسے ہی مدرسہ میں زکوٰۃ دینے اور لینے کو جائز قرارنہیں دیا ہے، اوروہ مدرسہ جہاں کوئی غریب طالب علم زیر تعلیم نہ ہو یا دوچار موجود تو ہوں، لیکن اس کا پورا خرچ امداد وصدقات نافلہ سے پورا ہوجاتا ہوتو ایسے مدرسے میں زکوٰۃ کی رقم لینے اوردینے کو جائز نہیں کہتے۔

وقد قال فی البدائع فی سبیل اللّٰہ جمیع القرب فیدخل فیه کل من سعی فی طاعة اللّٰہ وسبیل الخیرات إذا کان محتاجاً الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، زکریا دیوبند۳/۲۸۹، کراچی ۲/۳۴۳، بدائع الصنائع کراچی ۲/۴۵، زکریادیو بند ۲/۱۵٤) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۳؍رجب ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۱۹)

مدرسہ میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا

سوال: [۴۴۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جامع مسجد رانی کھیت میں ایک مدرسہ خارج از مسجد تیس چالیس سال سے چل رہا ہے، جو پوری قوم کے اتفاق سے قیام میں آیا، جومکتب کی شکل میں آج تک چل رہا تھا، اب مدرسہ کی کمیٹی نے باہر کے غریب طلبہ کا قیام وطعام کا انتظام کیا ہے، لہٰذا فطرہ زکوٰۃ کا پیسہ اس مدرسہ میں خرچ کیا جاسکتا ہے؟ تملیک کے ساتھ یا بلا تملیک کے خرچ نہیں کیا جاسکتا ہے؟

المستفتی: شاہد رضا، رانی کھیت، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو بیرونی طلبہ مذکورہ مدرسہ میں رہتے ہیں، ان پر زکوٰۃ کا پیسہ بلاتملیک خرچ کرنا جائز ہے، ان کے کھانے میں، ان کے کپڑے میں ان کے وظائف وغیرہ میں دیا جاسکتا ہے، مگر مدرسہ کی تعمیر وغیرہ میں تملیک، یا بلاتملیک خرچ کرنا درست نہیں ہے، بلکہ تعمیر میں امدادی پیسہ ہی خرچ کیا جائے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ. (التوبة: ٦٠)

وقيل طلبة العلم ...... ويشترط أن يكون الصرف تمليكا ، لا إباحة (تحته في الشامية) فلا يكفي فيها الإطعام إلا بطريق التمليك .
(در مختار مع الشامی ، کتاب الزکاة، باب المصرف ، زکریا دیوبند ۳/ ۲۸۹ تا ۲۹۱ ، کراچی ۲/ ۳۴۳، ۳۴۴)

وينبغي أن يلحق به طالب العلم لا شتغاله عن الكسب بالعلم .
(البحرالرائق ، قبیل باب صدقة الفطر ، زکریا ۲/ ۴۳۷، کوئٹه ۲/ ۲۵۰)

لايصرف إلى بناء نحومسجد (وفي الشامية) كبناء القنطرة إلى قوله والحج والجهاد وكل مالا تمليك فيه . (شامی، کراچی ۲/ ۳۴۴، زکریا۳/ ۲۹۱)

ولا تدفع الزكاة، لبناء مسجد ، لأن التمليك شرط فيها، ولم يوجد وكذا بناء القناطر ، وإصلاح الطرقات ، وكرى الأنهار ، والحج ، والجهاد، وكل مالا تمليك فيه . (مجمع الأنهر ، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۲۸، مصری قديم ۱/ ۲۲۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍شوال ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۰/۲۸ھ

کس طرح کے مدارس میں زکوٰۃ جائز ہے؟

سوال: [۴۴۰۸]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ(۱) ایک مدرسہ ہے جس میں صرف لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں، اسمیں باہر کی لڑکیاں مقیم نہیں ہیں، گاؤں ہی کی رہنے والی لڑکیاں پڑھتی ہیں، تواس مدرسہ میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا کیسا ہے؟

(۲) اسی طرح ایک مدرسہ ہے جس میں مقامی و بیرونی لڑکے تعلیم پاتے ہیں، مقامی طلباء زیادہ ہوتے ہیں، اور بیرونی کم اس مدرسہ میں مطبخ اور قیام کا بھی نظم ہے، تواس میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے کی اجازت ہے یانہیں؟ اس مدرسہ میں مقامی نابالغ لڑکیاں بھی تعلیم پاتی ہیں؟ وضاحت فرمائیں؟

المستفتی: حافظ شمیم احمد، مدرسہ اسلامیہ عربیہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) زکوٰۃ فقیروں اورغریبوں کا حق ہے جب مذکورہ مدرسہ میں مستحق زکوٰۃ فقیروں کا خرچ نہیں ہے، تو زکوٰۃ کس کام کیلئے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة ولا يصرف إلى بناء نحو مسجد الخ. (در مختار، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند۳/۲۹۱، كراچی ۲/۳٤٤)

(۲) جی ہاں اس مدرسہ میں مستحق زکوٰۃ طلبہ کا خرچ ہے کھانا وغیرہ سب ہے چاہے کم ہو یا زیادہ بہرحال مستحقین ہیں، اسلئے زکوٰۃ کی رقم اس میں دے سکتے ہیں۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة الخ. (در مختار، زكريا ديوبند۳/۲۹۱، كراچی ۲/۳٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۵/۱۱/۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ٦۳۷۵)	۱۵/۱۱/۱۴۲۰ھ

مدرسوں کے لئے ضرورت سے زائد زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم

سوال: [۴۴۰۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس مدرسہ میں صرف پانچ سات بیرونی طالب علم حصول تعلیم میں مشغول ہیں، اور لوگوں کے گھروں پر جا کر یا گھروں سے لا کر کھانا کھاتے ہیں، اور ان پر مدرسہ کی جانب سے سالانہ صرف ہونے والی رقم مثلاً پانچ ہزار ہے تو اس مدرسہ کیلئے پچاس ہزار روپیہ زکوٰۃ کی مد میں یکمشت یا متفرق طور پر چندہ کی شکل میں لینا کیسا ہے؟

المستفتی: سلیم الدین، سہسپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس مدرسہ میں صرف پانچ سات بیرونی طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہوں اور ان کی کفالت بھی گاؤں والوں کے ذمہ ہو تو ایسے مدرسہ کو ضرورت سے زیادہ زکوٰۃ کی رقم وصول کرنا درست نہیں؟

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ. (التوبة: ٦٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/۷/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۱۱۹)

محض چند طالبات کو وظیفہ دینے کیلئے زکوٰۃ کی وصولیابی کا حکم

سوال: [۴۴۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں زید **مدرسة البنات للمسلمین** کا ذمہ دار ہوں، اس مدرسہ میں صرف لڑکیوں کی تعلیم کا نظم ہے، تعلیمی نصاب قرآن کریم، ناظرہ، اور اردو دینیات کے علاوہ درجہ ایک سے درجہ آٹھ تک ہندی انگریزی سائنس وغیرہ کی تعلیم کا نظم ہے، مدرسہ ہذا میں نہ تو مطبخ کا نظم ہے اور نہ ہی طالبات کا قیام البتہ مدرسہ میں پڑھنے والی کچھ نادار غریب طالبات

کو ماہانہ وظیفہ (قائم مقام کھانا) دیا جاتا ہے، نیز کسی غریب نادار کی شادی پر اس کا مالی تعاون مدرسہ ہٰذا سے کیا جاتا ہے، جامعہ کی طالبات سے برائے نام ماہانہ فیس لی جاتی ہے، جو مدرسہ کے اخراجات کیلئے ناکافی ہے اس لئے ماہ رمضان میں منجانب مدرسہ زکوٰۃ وصولیابی کا اور عیدالأضحیٰ کے موقع پر چرم قربانی کا نظم رہتا ہے، دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ موجودہ شکل میں مدرسے کے لئے زکاۃ وصول کرنا اور زکاۃ کو مدرسے کے اخراجات میں (مدرسین کی تنخواہ مدرسے کی تعمیر وغیرہ میں) صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے، تو جواز کی شکل کیا ہے واضح فرمائیں؟

المستفتي: صادق حسین، کاشی پور، اترا کھنڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ میں ذکر کردہ صورت حال میں مذکورہ مدرسۃ البنات میں صرف غریب نادار طالبات کو جو ماہانہ وظیفہ دیا جاتا ہے، وہی مد زکاۃ سے دیا جاسکتا ہے، باقی مدرسے میں کوئی مصرف زکاۃ نہیں ہے، لہٰذا صرف غریب طالبات کو وظیفہ دینے کی وجہ سے زکاۃ وصدقات واجبہ کا باضابطہ چندہ کرنا بے محل ہے اس لئے اس مدرسے کے چلانے کے لئے رمضان میں باضابطہ زکاۃ کی وصولی کرنا زکاۃ دہندگان کو دھوکہ اور غفلت میں رکھنا ہے، جو شرعاً درست نہیں اور زکاۃ کی وصولی ایسے مدارس کیلئے جائز ہے، جہاں غریب طلبہ کیلئے باضابطہ قیام وطعام کا نظم ہوتا ہے، اور یہاں ایسا کوئی نظم نہیں بلکہ طالبات سے فیس بھی لی جاتی ہے، اور فیس کے ذریعہ سے جو ضرورت پوری نہیں ہو پاتی ہے اس کے لئے سرمایہ داروں سے صاف وضاحت کے ساتھ رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے، کہ ضرورت پوری نہیں ہو پارہی ہے، امداد کی ضرورت ہے، اور غریب نادار لڑکیوں کی شادی میں خرچ کرنے کے لئے مدرسہ ذمہ دار نہیں ہے، اور نہ ہی مدرسہ کو اس کے لئے چندہ کرنا چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۹/۵۹۴-۵۹۶)

قال اللہ تعالیٰ: إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ. (التوبۃ: ٦٠)

مصرف الزكاة هو فقير وهو من لهٗ أدنى شيء أى دون نصاب .

(شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف کراچی ۲/ ۳۳۹، زکریا۳/ ۲۸۳، مراقی الفلاح قدیم /۲/ ۳۹۲، دارالکتاب دیو بند/ ۷۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۵/۹ھ

زکوٰۃ کی رقم مدرسہ کی کن مدات میں صرف کر سکتے ہیں؟

سوال: [۴۴۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کا روپیہ مدرسہ کی کس کس مد میں لگا سکتے ہیں؟

المستفتی: مہتمم جامعہ اخلاق العلوم، چکر کی ملک، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: طلبہ کے کھانے کپڑے وغیرہ میں صرف کیا جا سکتا ہے۔

ويشترط أن يكون الصرف تلميكاً لا إباحة الخ. (الدر المختار، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریا دیوبند۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳۴۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ صفر ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۲/۸ھ

مدرسہ کی زکوٰۃ کا مصرف اور تملیک کا طریقہ

سوال: [۴۴۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کا مال مدرسہ کے کن کن مصارف میں استعمال ہوسکتا ہے، نیز تملیک کا شرعی طریقہ کیا ہے؟ مستند

دلائل کے ساتھ جواب مرحمت فرمادیں؟

المستفتی: مقیم الدین قاسمی، خادم:
مدرسہ عمر فاروق، ہلدانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کی زکوٰۃ کے پیسے کا مصرف مدرسہ کے غریب اور مستحق طلبہ ہی ہوتے ہیں، لہٰذا ان کے کھانے کپڑے میں زکوٰۃ کا پیسہ خرچ کرنا درست ہے، اور تملیک کا شرعی طریقہ یہی ہے، کہ طلبہ کے قبضہ میں زکوٰۃ کا پیسہ دے کر ان کو مالک بنادیا جائے، اسی طرح زکوٰۃ کے پیسہ سے بنا ہوا کھانا طلبہ میں تقسیم کردیا جائے، تو یہ بھی تملیک کا بہترین طریقہ ہے، نیز مستفتی نے تملیک کا شرعی حکم پوچھا ہے وہی ہم نے لکھ دیا ہے، حیلہ تملیک نہیں پوچھا۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة (وتحته في الشامیة) فلا یکفی فیها إلا طعام إلا بطریق التملیک. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف کراچی ۲/۳٤٤، زکریا دیوبند ۳/۲۹۱) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۳/ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۳۰)

چندہ کی رقم مدرسہ کی کن ضروریات میں خرچ کی جاسکتی ہے؟

سوال: [۴۴۱۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب خیر نے اپنی ذاتی سوا ایکڑ (۴۹ گٹھے) زمین کے ٹکڑے پر مختلف عمارتیں بنا کر ایک مولوی صاحب سے یہ کہا کہ میں نے یہ مدرسہ بنادیا ہے، آگے آپ اسے چلائیں میں آئندہ کسی قسم کی مدد نہیں کروں گا، آگے مرمت، رنگ، روغن، ٹوٹ پھوٹ وغیرہ کے مصارف بھی آپ کے ذمہ رہیں گے، مولوی صاحب نے ہامی بھر لی اور چندہ کر کے مدرسہ چلانا شروع کر دیا تقریباً چھ سال کا عرصہ ہو گیا ہے ان صاحب نے یہ زمین کا ٹکڑا وقف نہیں کیا ہے؟

اب تک جس قدر مال صرف کیا گیا ہے، وہ حتی الوسع احتیاط کے ساتھ طلبہ کی ضروریات میں ہی صرف ہوا ہے، مثلاً لائٹ ، پنکھے ان کے لگائے ہوئے خراب ہوگئے تو مدرسہ کی رقم سے بدل دئے گئے ، دیواروں کا رنگ بالکل خراب ہوگیا تو رنگ کروادیا ، بارش کے موسم میں گھاس پھوس بڑھ جاتی ہے، تو کٹوادی اور ابھی ایک دوجگہ نشیبی حصہ میں بھراؤ کرنا ہے، تاکہ بارش کا پانی جمع ہوکر گندگیوں اور امراض کے پھیلنے کا سبب نہ ہو اور مزید نالیاں بنانی ہیں، تاکہ مدرسہ کے اندر کا پانی باہر نکل جائے، جس میں اچھی خاصی رقم خرچ ہوجانے کا اندازہ ہے، سوال یہ ہے کہ اب تک جو کچھ خرچ ہوا ہے، اور آئندہ جو خرچ ہوگا یہ چندہ کی رقم سے صحیح ہے یا غلط؟ کیونکہ زمین ان کی ذاتی ہے، وقف نہیں، اگر اللہ نہ کرے یہ خرچ غلط ہے تو جو کچھ خرچ ہوا ہے، اس کی تلافی کی کیا صورت ہوگی، اور یہ کہ آئندہ اس مدرسہ کی ترتیب کو جاری رکھا جائے یا بند کردیا جائے، ملحوظ رہے کہ بار بار ترغیب دینے اور سمجھانے کے باوجود صاحب زمین وہ حصہ وقف کرنے پر آمادہ نہیں ہے لہٰذا تشفی بخش مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتي: خلیل احمد، عبدالغفار خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چندہ کی رقم مذکورہ مدرسہ کی بالفعل ضروریات پانی بجلی پنکھے وغیرہ میں خرچ کرنا درست ہے اور تعمیری کام اور ہر پائیداری کام اس وقت تک چندہ کے پیسے سے نہ کیا جائے، جب تک مالک زمین اپنی ملکیت میں سے نکالکر مدرسہ کے نام منتقل نہ کردے، ہاں البتہ وقتی ضرورت کیلئے رنگ وغیرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور گڑھے وغیرہ کا بھراؤ بھی تعمیر میں شامل ہے۔ (قاعدہ/۲۷۰)

لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک الغیر بغیر إذنه. (قواعد الفقه، اشرفیه دیوبند/۱۱۰، الموسوعةالفهقیة الکویتیة ۲۹۶/۲۸، شرح المجلة لسلیم رستم، باز اللبناني اتحاد دیوبند۱/ ۶۱، رقم: الماده : ۹۶ ۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍صفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۰۹۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۲/۲۶ھ

زکوٰۃ کے دو اہم مصرف میں سے کسی کو دینا زیادہ افضل ہے؟

سوال: [۴۴۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے دو مصرف ایسے ہیں، جنکو زکوٰۃ دینے سے دوگنا ثواب ملتا ہے، ایک اعزہ واقارب ہیں، ان کو دینے سے ایک تو صلہ رحمی کا دوسرے زکوٰۃ ادا کرنے کا، اور دوسرے نمبر پر مدارس عربیہ ہیں ان میں دینے سے بھی دوگنا ثواب ملتا ہے، ایک تو اشاعت علم دین کا دوسرے زکوٰۃ ادا کرنے کا، اب آپ تحریر فرمائیں، ان دونوں میں سے کس کو دینا زیادہ افضل ہے اگر مدارس عربیہ میں دینا افضل ہے، تو" ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین و ابن السبیل'' میں تطبیق کی صورت کیا ہوگی؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے اعزہ واقارب کو ذکر کیا ہے، فقہاء یا محدثین کس کے دینے کو زیادہ افضل قرار دیتے ہیں، مسئلہ کی وضاحت فرما کر جواب تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی؟

المستفتی: کلیم اللہ غفرلہ، مقام: فتح پور، کملاپور، ضلع: سیتاپور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محتاج عالم دین وطالب علم اور ذورحم سب افضلیت میں برابر ہیں لیکن حالات کے پیش نظر کبھی فرق بھی ہوتا ہے، کہ اگر طالب علم اور اہل علم ذورحم سے زیادہ ضرورت مند ہیں، تو ان کو دینا زیادہ افضل ہوگا، اور اگر ذورحم زیادہ ضرورت مند ہے تو اس کو دینا زیادہ افضل ہوگا۔

لأن المقصود منها، سدّ خلة المحتاج فمن كان أحوج كان أولىٰ وأنفع للمسليمن بتعليم ..... التصدق على العالم الفقير أفضل من الجاهل

الفقير الخ. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح كتاب الزكاة، باب المصرف قديم /۳۹٤، دارالكتاب ديوبند/۲ ۷۲، وهكذا فى الهنديه زكريا ۱/۱۸۷، جديد زكريا، تبيين الحقائق، مكتبه امداديه ملتان ۱/۳۰۲، زكريا ديوبند ۲/۱۲٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۴/۲۴۷)

امداد نہ آنے والے مدرسہ میں زکوٰۃ صرف کرنا

سوال: [۴۴۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس مدرسہ میں بیرونی طلبہ نہ رہتے ہوں تو اس مدرسہ میں زکوٰۃ وصدقات وغیرہ تملیک کر کے لگانا کیسا ہے، اور احقر کے گاؤں میں مدرسہ ہے، اور حالت یہ ہے کہ اگر زکوٰۃ وصدقات وغیرہ نہ لگایا جائے تو تعمیر کرانا تو بہت ہی مشکل بات ہے، ایک مدرس کی تنخواہ بھی دینی مشکل پڑے گی، اور بچوں کے اعتبار سے تین مدرسوں کی ضرورت ہے اور گاؤں کے اندر بدعت بھی ہے، تو ایسے حالات میں کیا کریں؟

المستفتی: احقر عبد الحفیظ، نور پور،
بڑھاپور، نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ کی رقم مدرسہ کی تعمیر میں اور مدرسین کی تنخواہ میں لگانا اور خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

وكذلك فى جميع أبواب البر التى لا يقع بها التمليك كعمارة المساجد وبناء القناطر، والرباطات لايجوز صرف الزكاة، إلىٰ هذه الوجوه. (عالمگيرى، كتاب الحيل زكريا ديوبند٦/۳۹۲، جديد زكريا٦/۳۹٥)

اور بلاضرورت شرعی کے مدزکوٰۃ کی تملیک بھی جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر کسی علاقہ

میں دور دور تک کوئی مدرسہ نہیں ہے، اور وہاں جہالت پھیلی ہوئی ہے، دینی انحطاط بڑھتا جا رہا ہے، اور امداد کہیں سے نہیں آ رہی ہے، تو ایسی مجبوری کی صورت میں مدز کوٰۃ کی تملیک کر کے اس دینی ضرورت کو پوری کرنے کی گنجائش ہے، اب آپکا مدرسہ اس ضرورت کے دائرہ میں داخل ہے یا نہیں؟

والحيلة في ذلک أن يتصدق السلطان بذلک على الفقراء ثم الفقراء يدفعون ذلک إلى المتولي ثم المتولي يصرف ذلک إلىٰ الرباط.

(عالمگیری، زکریا دیوبند ۶/ ۳۹۲، جدید زکریا ۶/ ۳۹۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۷۵)

مہتمم صاحب کا دوسرے مدرسہ کے طالب علم کو زکوٰۃ کی رقم دینا

سوال: [۴۴۱۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبد اللہ نے ایک مدرسہ میں دینی تعلیم کی ابتداء کی پھر عربی چہارم سے فارغ ہو کر اس نے کسی بڑے ادارہ میں داخلہ لے لیا جبکہ اس مدرسہ میں فراغت تک تعلیم ہوتی ہے، عبد اللہ کی مالی حالت خستہ ہے لہذا اس نے اپنے ابتدائی مدرسہ کے مہتمم صاحب سے اپنی پریشانیاں بیان کیں، اور وظیفہ کی درخواست کی لہذا انھوں نے ماہانہ دوسو روپیہ وظیفہ دینا شروع کیا تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ عبد اللہ کیلئے یہ رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے، اور عبد اللہ یہ نیت کرے کہ فی الحال ضرورت کے پیش نظر میں اس رقم کو استعمال کرلوں گا، لیکن فراخی اور خوشحالی کے بعد انشاء اللہ ساری رقم اس مدرسہ کو لوٹا دوں گا، تو اس صورت میں اس کیلئے استعمال کی گنجائش ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبد الستار، مہاراشٹری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :مذکورہ طالب علم مستحق زکوٰۃ ہے اور مدرسہ کے مہتمم صاحب زکوٰۃ ہی کا پیسہ دیتے ہوں گے، اورزکوٰۃ دہندگان عام طور پر یہ قید نہیں لگاتے ہیں، کہ مدزکوٰۃ کا پیسہ ایسے غریب طالب علم کو نہ دیں جو دوسرے بڑے مدرسہ میں تعلیم حاصل کر رہاہے، اورزکوٰۃ میں چونکہ صرف مستحق کو مالک بنانا شرط ہوتا ہے، اوروہ شرط یہاں موجود ہے،لہٰذا بعد میں واپس کرنا اس پر لازم نہ ہوگا۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکالا إباحة الخ. (درمختار، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریادیوبند۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۱۴۱۶/۲/۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۲/۴۳۴۴)

الجواب صحیح:
احقرمحمدسلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۲/۱۶ھ

دارالافتاء، دارالمطالعہ وغیرہ کیلئے زکوٰۃ کی رقم سے کتابیں خریدنا

سوال: [۴۴۱۷]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایسے دارالافتاء کوزکوٰۃ کے پیسہ سے کتابیں خرید کر دینا جہاں طلبہ نہیں پڑھتے عوام کے مسائل حل کرنے کیلئے اسکا قیام عمل میں آیا ہوتو زکوٰۃ کے پیسہ سے کتابیں خرید کر دینا کیسا ہے، اس طرح وہاں جومفتی صاحب رہیں گے، ان کوتنخواہ لینا کیسا ہے؟

المستفتی:عبدالرحمٰن،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :دارالافتاء، دارالمطالعہ اور مدارس اسلامیہ کی لائبریریاں مستحق زکوٰۃ نہیں ہیں، لہٰذا ان میں زکوٰۃ کے پیسے سے کتابیں خرید کر دینا جائز نہ ہوگا، بلکہ مصرف خیر سے خرید کر دینا چاہئے، اور جومفتی صاحب دارالافتاء میں کام کریں گے، انکی تنخواہ بھی مصرف خیر سے دینا ضروری ہے، اگر کسی شہر میں ایسا دارالافتاء قائم ہے اور ایسے کوئی معتبر مفتی صاحب اس دارالافتاء کی ذمہ داری ادا کریں تو اس شہر والوں کیلئے ضروری

ہے، کہ مصرف خیر سے مفتی صاحب کی تنخواہ کا انتظام کریں۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا، (تحته فی الشامیة) فلا یکفی فیها الاطعام إلا بطریق التملیک . (شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریا دیو بند۳/۲۹۱، کراچی ۲/۳٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۷۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۴/۱۴۲۶ھ

مقروض مدرس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے

سوال: [۴۴۱۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مسجد میں امامت کرتا ہے، اور ایک مدرسہ میں مدرس ہے، مجموعی طور پر دونوں جگہوں سے اتنی تنخواہ ہے کہ جس کے ذریعہ گھر کا خرچ بمشکل چلتا ہے، نیز زید مقروض بھی ہے، مذکورہ صورت میں جواب طلب امر یہ ہے کہ کیا زید کو ادائیگی قرض کیلئے زکوٰۃ دینا درست ہے یا نہیں؟ نیز کیا زید کو زکوٰۃ دینے میں بمقابلہ دیگر کے زیادہ ثواب ملے گا؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب مرحمت فرما کر ممنون ومشکور ہوں؟

المستفتی: رئیس احمد، نجیب آباد، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب زید صاحب نصاب نہیں ہے، اور مسجد ومدرسہ کی تنخواہ قرض کی ادائیگی کیلئے کافی نہیں ہے، اور قرض کی ادائیگی کی کوئی اور صورت بھی نہیں ہے، تو زید کو شرعی طور پر زکوٰۃ کی رقم دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور عام لوگوں کے مقابلہ میں مستحق زکوٰۃ عالم کو دینا زیادہ افضل ہے۔

وکره إعطاء فقیر نصاباً أو اکثر إلا إذا کان المدفوع إلیه مدیوناً

أو كان صاحب عيال بحيث لو فرّقه عليهم لا يخص كلا أو لا يفضل بعد دينه نصاب فلا يكره. (شامي، كتاب الزكاة، باب المصرف، زكريا ديوبند ۳/۳۰۳، ۳۰۴، كراچی ۲/۳۵۳)

الدفع إلىٰ من عليه دين أولىٰ من الدفع إلى الفقير. (هنديه، زكريا ۱/۱۸۸، جديد زكريا ۱/۲۵۰)

التصدق على الفقير العالم أفضل من التصدق على الجاهل. (هندية، زكريا ۱/۱۸۷ جديد زكريا ۱/۲۴۹، طحطاوى على المراقى الفلاح، دار الكتاب ديو بند /۷۲۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۷/ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۱۹)	۱۴۳۵/۱۱/۱۷ھ

امام صاحب کیلئے صدقات واجبہ کی رقم وصول کرنا

سوال: [۴۴۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر امام غریب ہے، اخراجات نہیں چلتے تو فطرہ زکوٰۃ اس کو لینا کیسا ہے؟

المستفتی: گلزار احمد، سہارنپور، امام مسجد جھاڑی، ضلع: سیکر، صوبہ: راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بطریق زکوٰۃ وصدقہ جائز ہے، اور بطریق اجرت امامت ناجائز ہے، کیونکہ زکوٰۃ وفطرہ بلا کسی عوض کے مستحق کو دے دینا واجب ہے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً الخ. (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند ۳/۲۹۱، كراچی ۲/۳۴۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/۱۱/۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۱۱/۱۴۱۰ھ

ڈرافٹ کا خرچہ مدزکوٰۃ سے ادا کرنا

سوال: [۴۴۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بہت سے لوگوں پر دس ہزار روپیہ مثلاً زکوٰۃ فرض ہے، اسلئے مدرسہ کو زکوٰۃ کا پیسہ بھیجنے کیلئے ڈرافٹ بنوایا اور ڈرافٹ رجسٹری کے ذریعہ سے مدرسہ کو بھیجا تو رجسٹری میں اور ڈرافٹ بنوانے میں جو پیسہ خرچ ہوا ہے وہ دس ہزار روپیہ میں سے ہی تھا، الگ سے نہیں تھا، ایسا کرنے سے دس ہزار روپیہ پوری زکوٰۃ ادا ہوگئی یا ڈرافٹ پیسہ بنوانے میں یا رجسٹری کرنے میں اپنے پاس سے پیسہ خرچ کرنا چاہئے؟

المستفتی: قاری تسلیم احمد، مدرس مدرسہ انوار العلوم، کرتپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدزکوٰۃ سے رجسٹری اور منی آرڈر خرچ اور ڈرافٹ خرچ ادا کرنا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ اس میں تملیک فقراء نہیں پایا گیا اور تملیک فقراء ادائے زکوٰۃ کیلئے شرط ہے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة الخ. (درمختار، كتاب الزكاة، باب الصرف، زكريا ديوبند ۳/ ۲۹۱، كراچی ۲/ ۳٤٤)

لہذا یہ خرچ اپنے پاس سے ادا کرنا ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/۱۰/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۶۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۱۰/۱۴۱۴ھ

ذمہ دار حضرات زکوٰۃ مصرف میں نہ خرچ کریں تو گناہ کس پر ہے؟

سوال: [۴۴۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے چندے کا پیسہ وصول کر کے مدرسہ کے ذمہ دار حضرات کو سونپ دیا کہ اس کو صحیح جگہ پر صرف کریں، ان حضرات نے نامعقول جگہ پر پیسہ خرچ کیا تو زید کسی گناہ یا باز پرس کا مستحق ہوگا یا نہیں؟

المستفتي: احقر محمد ارشاد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مدرسہ کے ذمہ دار حضرات نے زکوٰۃ کا پیسہ اگر مصرف زکوٰۃ میں خرچ نہیں کیا ہے تو یہ لوگ شرعاً خائن اور گنہگار ہونگے، ان کے ذمہ اس کا تاوان ادا کرنا لازم ہے۔

وللوكيل أن يدفعه لو لده الفقير لا لنفسه(درمختار) لا يملك الدفع إلى غيره. (شامی، کتاب الزکاۃ، کراچی ۲/ ۲۶۹، زکریا۳/ ۱۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ رشعبان ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۴۷)

نامعلوم سفراء کو زکوٰۃ دینے کا مسئلہ

سوال: [۴۴۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یہاں سعودی عرب میں رمضان المبارک میں مختلف ممالک کے مدارس اور رفاہی تنظیم کے سفراء چندہ کیلئے آتے ہیں، لوگوں سے زکوٰۃ صدقات وغیرہ وصول کرتے ہیں، ان میں بعض دھوکہ باز بھی ہوتے ہیں، اگر کسی شخص کی زکوٰۃ وصول کنندہ بجائے مصرف کے اپنے اوپر خرچ کر لے جیسا کہ دیکھنے میں آیا ہے، کہ کاغذی مدرسہ یا تنظیم بنا کر عرب حضرات سے کافی مقدار میں چندہ جمع کر کے اپنا کاروبار شروع کر دیتے ہیں، تو کیا ایسی صورت میں زکاۃ دینے والوں کی زکاۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اور کیا زکوٰۃ دہندگان پر دوبارہ زکوۃ لازم ہوگی، اور کیا وصول کنندہ پر پہلی رقم قرض ہوگی؟

المستفتي: حبیب اللہ تاج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زکوٰۃ دہندگان نے لاعلمی سے ایسے شخص کو زکوٰۃ دیدی ہے تو ان کی زکوٰۃ ادا ہوگئی اور دھوکہ دیکر وصول کرنیوالا شخص جب تک اس رقم کو مصرف تک نہ پہونچائے گا، اس وقت تک عنداللہ یہ مستحق مؤاخذہ ہوگا، اس شخص پر اس رقم کو مصرف تک پہونچانا لازم ہے، اور اگر زکوٰۃ دہندگان نے معلوم ہونے کے باوجود ایسے شخص کو زکوٰۃ کی رقم دیدی، تو پھر ایسی صورت میں یہ لوگ اپنے فریضہ سے بری نہ ہوں گے، بلکہ زکوٰۃ بدستور ذمہ میں باقی رہے گا۔

وإن بان غناه .... لا يعيد لأنه أتى بما في وسعه . (الدر المختار على رد المختار ، كتاب الزكاة، باب المصرف ۲/۳۵۳، زکریا ۳/۳۰۳)

حتى لو دفع بلا تحر لم يجز إن أخطأ أى إن تبين له أنه غير مصرف فلو لم يظهر له شيئى فهو على الجواز . (شامی، کراچی ۲/۳۵۳، زکریا ۳/۳۰۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۹۷۵)

مدرسہ کے آٹا پسائی کی اجرت زکوٰۃ کی رقم سے دینا

سوال: [۴۴۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بچوں کے لئے گیہوں پیسائی کی اجرت زکوٰۃ کی رقم سے دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح لکڑی وغیرہ کی قیمت اور اس کی ڈھلائی وغیرہ زکوٰۃ کی رقم سے ادا کرسکتے ہیں یا نہیں؟ جوابِ باصواب سے نوازیں کرم ہوگا؟

المستفتی: زاہد الاسلام مدرسہ رحمانیہ، محمد نگر، سہاگ پور، شہڈول

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس کی یہ شکل ہوتی ہے کہ معطی جس کو زکوٰۃ کی رقم دے رہا ہے، وہ صرف معطی کا وکیل ہے طلباء کا وکیل نہیں اور معطی اپنے وکیل کو یہ ہدایت کرتا ہے، کہ اس پیسے کے ذریعے فلاں چیز ادائے زکوٰۃ کیلئے تیار کرنی ہے، اور یہ پیسہ اسی چیز میں خرچ کرنا ہے، مثلاً یہ کہہ کر کے دیدیا کہ اس پیسے سے کھانا بنوا کر بمدزکوٰۃ طلباء کو کھانا تقسیم کرنا، تو ایسی صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی اس وقت تک نہ ہوگی جب تک تیارشدہ کھانا طلباء کے ہاتھوں میں نہ پہونچ جائے، درحقیقت معطی کی طرف سے بشکل طعام ہی زکوٰۃ ادا ہورہی ہے، اور پیسے دیتے وقت اس پیسے کو بمدزکوٰۃ کہنا صرف نام کے لئے ہے، لہٰذا اس پیسے کے ذریعے سے کھانا تیار کرنے کے لئے تمام اشیاء کا خریدنا اور آٹا پیسائی کی اجرت دینا، لکڑی کی قیمت ادا کرنا، اور طباخ کی اجرت دینا سب جائز ہے، اس لئے کہ یہ پیسہ ابھی زکوٰۃ نہیں بنا بلکہ ان تمام چیزوں میں پیسہ خرچ ہونے کے بعد تیارشدہ کھانا ہی زکوٰۃ ہوگا، لہٰذا تیارشدہ کھانا جب تک مستحقین کے ہاتھوں میں نہ پہونچ جائے، اس وقت تک معطی کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

إلا إذا دفع إلیہ المطعوم ..... بنیۃ الزکوٰۃ یملکہ فیصیر آکلاً من ملکہ . (شامی، کتاب الزکاۃ، کراچی ۲/ ۲۵۷، زکریا ۳/ ۱۷۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱/ ۶/ ۱۴۲۲ھ

زکوٰۃ کی رقم سے ماہانہ فیس ادا کرنا

سوال: [۴۴۲۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے بچے احسن العلوم طویلہ میں پڑھ رہے ہیں، اب ان کے کورس اور ماہانہ فیس کا مسئلہ ہے میرے اندر اتنی وسعت نہیں کہ میں اپنے بچوں کے کورس اور ماہانہ فیس کے پیسے دے سکوں تو دریافت یہ کرنا ہے، کہ اگر ان بچوں کی فیس اور کورس کے پیسے اس مدرسہ کے ذمہ دار بمدزکوٰۃ دیدیں، تو کیا یہ میرے لئے جائز ہے، میرے پاس اس وقت کچھ نہیں ہے، گھر کا خرچہ بھی

قرض وغیرہ سے چل رہا ہے، شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں؟

المستفتي: محمد لئیق، دولت باغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ میں آپ نے اپنے جو حالات ظاہر کئے ہیں، ان حالات کی وجہ سے آپ کیلئے زکوٰۃ کا استعمال جائز ہے، اسلئے مدزکوٰۃ سے آپ کے بچوں کی فیس ادا کرنا یا بچوں کو کورس کی کتابیں لیکر دینا شرعاً جائز ہے، لیکن فیس کے مسئلہ میں اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، کہ اگر فیس ادا کرنے والے نے اپنے ہی مال کی زکوٰۃ کو فیس کی شکل میں دیدیا ہے تو وہ پیسہ پہلے آپکے یا آپکے بچوں کے ہاتھ میں آئے اس کے بعد آپ یا آپکے بچے فیس ادا کریں، تب اسکی گنجائش ہے، ورنہ فیس ادا کرنے والے کی زکوٰۃ خطرہ میں پڑ جائیگی۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ. (التوبة: ٦٠)

مصرف الزكوٰة والعشر هو فقير. (شامی، کتاب الزكاة، كراچی ٢/٣٣٩، زكريا٣/٢٨٣)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة. (شامی، باب المصرف كراچی ٢/٣٤٤، زكريا٣/٢٩١)

دفع الزكوٰة إلىٰ صبيان أقاربه برسم عيد أو إلىٰ مبشر أو مهدى الباكورة جاز (درمختار) قوله إلىٰ صبيان أقاربه أى العقلاء ؛ وإلا فلا يصح إلا بالدفع إلىٰ ولي الصغير. (شامی، كراچی ٢/٣٥٦، زكريا٣/٣٠٧، طحطاوی علی الدر كوئٹه ١/٤٣١، عالمگیری، زكريا١/١٩٠، جديد زكريا ١/٢٥٢، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح ، دارالكتاب ديوبند/٧١٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۴/۱۳ھ

محفل قرأت کے اخراجات زکوٰۃ کی رقم سے پورے کرنا

سوال: [۴۴۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مجلس تبلیغ قرآن (رجسٹرڈ) خالص قرأت قرآن کی خدمت کرنے کا ادارہ ہے ملک کی عالمی سطح پر قرأت کے اجتماعات کراتا ہے، آپ کے تمام دارالعلوم ومدارس میں شعبہ تجوید کے شعبہ جات عام ہیں، یہ مجلس کی کاوشوں کا نتیجہ ہے، مجلس کی کوئی آمدنی نہیں ہے، صرف اہل خیر سے جب سالانہ جلسہ ہوتا ہے، چندہ جمع کیا جاتا ہے، اہل خیر اور قرآن کے عاشقین مجلس کی خدمت کرتے ہیں، قراء مہمانوں کے قیام اور طعام اور زائد ہرہ (کرایہ) تمام اخراجات جن میں پنڈال اشتہارات وغیرہ شامل ہیں، کے ان اخراجات کو زکوٰۃ کے پیسہ سے پورا کیا جاسکتا ہے؟

المستفتي: خادم قرآن: چودھری محمد عارف

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کے مستحق فقراء ومساکین ہی ہیں، اس طرح کے ادارے ومجالس وغیرہ کی ضروریات زکوٰۃ کے مصارف میں شامل نہیں ہیں، اسلئے مذکورہ اخراجات میں زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی رقم صرف کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، اور جو زکوٰۃ دہندگان جان بوجھ کر ایسی جگہ زکوٰۃ دیں گے ان کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ. (التوبة: ٦٠)

ولا تصرف في بناء مسجد و قنطرة .... ورباط......... ولا يبنى بها قبر، ولا يقضى بها دين ميت ولا يعتق عبد ولا يكفن ميتا.

(الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في من توضع فيه الزكاة، زكريا۳/۲۰۸، رقم: ٤١٤٠)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة كما لايصرف إلىٰ بناء

نحو مسجد و کل ما لاتملیک فیه . (در مختار مع الشامی، کتاب الزکاة ، باب المصرف کراچی ۲/۳٤٤، زکریا۳/۲۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۹۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱۱/۳ھ

زکوٰۃ، صدقات اور چرم قربانی کی رقم سے انجمن اور مدرسہ کی کتابیں خریدنا کیسا ہے؟

سوال: [۴۴۲۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قربانی کی کھال کی رقم یا زکوٰۃ فطرہ کی رقم انجمن میں کتابوں وغیرہ کیلئے دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر دیدی تو انجمن میں کتابوں وغیرہ کیلئے خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد عزیز، مدرسہ اشرف العلوم، لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ وصدقات اور چرم قربانی کی رقم سے انجمن یا مدرسہ کی کتابیں خریدنا جائز نہیں ہے، بلکہ محتاجوں اور غریبوں کو صدقہ کر دینا لازم ہے۔

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بما لاینتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه لأن القربة انتقلت إلیٰ بدله . (هدایه آخرین ، کتاب الأضحیة ، جیسوری ٤/٤٣٤، اشرفیه دیوبند٤/٤٥٠، وکذا فی العالمگیریة کوئٹه وزکریا٦/٣٩٢، جدید زکریا ٦/٣٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۰/۲/۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۰۵۱)

زکوٰۃ کی رقم اور غلہ بلا تملیک مطبخ میں استعمال کرنا

سوال: [۴۴۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کی رقم بغیر حیلۂ تملیک کے بعینہ مطبخ کے صرفہ میں آسکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ طلباء میں مالدار بھی ہوتے ہیں، اور غریب بھی ہوتے ہیں، یا زکوٰۃ کا اناج وغیرہ آیا تو اس کو بعینہ مطبخ میں صرف کرسکتے ہیں یا نہیں؟ بغیر حیلۂ تملیک کے؟

المستفتي: سعید احمد، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کا پیسہ اور زکوٰۃ کا غلہ بغیر حیلۂ تملیک کے طلباء کے مطبخ میں استعمال کرنا بلاتردد جائز ہے، اور مدارس میں مد زکوٰۃ میں آیا ہوا پیسہ اور غلہ کا اصل مصرف یہی مطبخ ہے، چاہے مطبخ سے صاحب حیثیت لوگوں کے لڑکے بھی کھالیتے ہوں، اس لئے کہ صاحب حیثیت لڑکے جن کے پاس ماں باپ کی دولت سے الگ ذاتی دولت نصاب سے زیادہ ہے اور وہ مطبخ میں خوراکی جمع کر کے کھانا لیتے ہیں، یا مدرسین خوراکی جمع کر کے کھانا کھالیتے ہیں، تو وہ بھی بلاتردد جائز ہے، اسلئے کہ انھوں نے قیمت ادا کردی ہے۔

لأن الدفع لو لد الغني إذا کان کبیراً جائزاً مطلقاً. (البحرالرائق، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا ۲/ ۴۲۹، کوئٹہ ۲/ ۲۴۶) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر صفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۱۷ھ

مدرسہ کے مطبخ کا قرض زکوٰۃ سے ادا کرنا

سوال: [۴۴۲۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک غریب مدرسہ ہے رمضان میں جو چندہ آتا ہے، اس سے مدرسہ کے تین چار ماہ کا خرچ

مشکل سے ہو پا تا ہے، اس کے بعد مدرسہ قرض پر چلتا ہے، مطبخ کا پورا رسد ادھار آ تا ہے، اور جب زکوٰۃ کا پیسہ چندہ میں وصول ہو جا تا ہے، تو اس سے مدرسہ کا قرض ادا کرتے ہیں، تو سوال یہ ہیکہ زکوٰۃ کے پیسے سے طلباء کی ضروریات کیلئے لیا گیا قرض براہ راست زکوٰۃ سے ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفي: شہزاد، بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کے مہتمم نے جو قرض لے کر طلباء کی ضروریات میں خرچ کیا ہے اس قرض کی ادائیگی براہ راست زکوٰۃ کے پیسہ سے کرنا جائز ہے کیونکہ مہتمم طلبہ اور چندہ دہندگان دونوں کا وکیل ہوتا ہے، لہٰذا جب چندہ کا پیسہ ذمہ دار مدرسہ کے قبضہ میں ہے تو چندہ دہندگان کی زکوٰۃ ادا ہوگئی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/۲۵۰، محمودیہ میرٹھ ۱۴/۲۶۲، کفایت المفتی جدید ۴/۲۹۴، جدید زکریا مطول ۶/۲۶۱، ایضاح المسائل/۱۱۳، محمودیہ ڈابھیل ۹/۶۰۰، کفایت المفتی قدیم ۴/۲۷۶)

إذا كان بإذنه وهو فقير فيجوز عن الزكاة علىٰ أنه تمليك منه والدائن بقبضه بحكم النيابة عنه ثم يصير قابضا لنفسه . (فتح القدير ، اشرفيه ۲/۲۷۲، زكريا۲/۲۷۲، كوئٹه ۲/۲۰۸)

من قضى دين غيره بأمره .... فيجوز لو بأمره أى يجوز عن الزكاة على أنه تمليك منه والدائن يقبضه لحكم النيابة عنه ثم يصير قابضاً لنفسه . (شامى، زكريا۳/۲۹۲، شامى، كراچى ۲/۳۴۵)

إذا وقع بأمر المديون لأن بالدفع وقع الملك للفقير بالتمليك وقبض النائب . (فتح القدير ،اشرفيه ۲/۲۷۳، زكريا ۲/۲۷۳، كوئٹه ۲/۲۰۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۵۰)

زکوٰۃ کی رقم سے بلا تملیک قرض ادا کرنا

سوال: [۴۴۲۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مہتمم یا کمیٹی کے لوگ قرض لیکر مدرسہ کی عمارت تعمیر کردیں، اس کے بعد مدرسہ کا مہتمم یا ذمہ داران زکوٰۃ کے پیسہ سے وہ قرض ادا کردیں تو ایسا کرنے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

المستفي: شہزاد، کھاری ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدرسہ کی عمارت کے لئے جو قرض لیا گیا ہے اس کو براہ راست بغیر تملیک کے زکوٰۃ کے پیسہ سے ادا کیا جائے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک شرط ہے اور یہاں تملیک نہیں پائی گئی ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۱۴/ ۲۷۷)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة. (شامی، باب المصرف کراچی ۲/ ۳٤٤، زکریا۳/ ۲۹۱)

بناء مسجد وتکفین میت وقضاء دینه وشراء قن یعتق .... وعدم الجواز لا نعدام التملیک الذی هو الرکن. (البحرالرائق، زکریا۲/ ٤۲٤، کوئٹه ۲/ ۲٤۳)

بناء مسجد أی لا یجوز أن یبنی بالزکاةالمسجد لأن التملیک شرط فیها ولم یوجد. (تبیین الحقائق، زکریا ۲/ ۱۲۰، امدادیه ملتان ۱/ ۳۰۰)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۵۶)

زکوٰۃ کی رقم سے مدرسہ کا قرض ادا کرنا

سوال: [۴۴۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل مدارس میں زکوٰۃ ہی زیادہ وصول ہوتی ہے، اور امداد تو شاذ و نادر ہے، اس لئے مدارس کے ارباب حل وعقد شریعت کے مقررہ طریق حیلۂ تملیک سے فائدہ اٹھالیتے ہیں، مگر ہمارے اہل مدرسہ اس حیلۂ تملیک سے بھی کلی طور پر متفق نہیں ہیں، تو اس صورت میں مہتمم کیا یہ کرسکتا ہے، کہ اول کسی مہاجن وغیرہ سے قرض اٹھالے، اور اس کو مدرسہ کی ضروریات میں خرچ کرلے، بعد میں زکوٰۃ کی مد سے اس قرضہ کو ادا کردے تو کیا مہتمم زکوٰۃ کی مد سے مدرسہ کا قرضہ ادا کرسکتا ہے؟

المستفتي: محمد اظہار الحق، مظہر القاسمی، شریف نگری، ضلع: رتن گڈھ، صوبہ: راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر قرض لیکر مستحق طلبہ کی ضروریات میں خرچ کیا گیا ہے تو مدزکوٰۃ سے ادا کرنا جائز ہے۔

من قضیٰ دین غیر بأمره، فیجوز لو بأمره أي یجوز عن الزکاة علی أنه تملیک منه والدائن یقبضه لحکم النیابة عنه، ثم یصیر قابضا بنفسه.

(شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریا دیوبند۳/ ۲۹۲، کراچی ۲/ ۳۴۵، کوئٹہ ۲/ ۶۸، وهکذا فی الهندیة زکریا ۱/ ۱۹۰، جدید زکریا ۱/ ۲۵۲)

اگر دوسری ضروریات کیلئے قرض لیا ہے تو اس کی ادائیگی میں جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں فقراء کو مالکانہ قبضہ بالواسطہ یا بلا واسطہ کسی طرح بھی نہیں دیا گیا اور مالکانہ قبضہ شرط ہے۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة إلیٰ آخره. (الدر مع الرد، کوئٹہ ۲/ ۶۱، کراچی ۲/ ۳۴۴، زکریا۳/ ۲۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍محرم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۵۹)

مستحق زکوٰۃ سفیر کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۴۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احقر کو بعض قرائن سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ چندہ کرنے والا شخص جو مدرسہ کے لئے چندہ کر رہا ہے، خود مستحق زکوٰۃ بھی ہے میں چندہ میں ایک بڑی رقم مدز کوٰۃ کی اسی شخص کو دیدوں زبان سے نہ کہوں جبکہ نیت اسی کی کرلوں، تو کیا میری زکوٰۃ ادا ہو جائیگی یا نہیں؟ خواہ وہ مدرسہ میں دے یا نہ دے؟

المستفتي: عبدالکریم، الہ آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جی ہاں آپ کی زکوٰۃ ایسی صورت میں ادا ہو جائیگی، لیکن ایک فقیر کو مقدار نصاب سے زائد دینے میں کراہت لازم آتی ہے۔

وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر الخ. (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف ، زکریادیو بند۳/ ۳۰۳، کراچی ۲/ ۳۵۳)

وكره دفع نصاب أو أكثر إلىٰ فقير . (مجمع الأنهر مصرى قديم ۱/ ۲۲۵، دارالكتب العليمة بيروت ۱/ ۳۳۲)

وكره الأغنياء وهو أن يفضل للفقير نصاب . (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، دارالکتاب دیو بند/ ۷۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۴۲)

کیا مالدار طلباء مصرف زکوٰۃ ہیں؟

سوال: [۴۴۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بہت سے مدرسے ایسے ہیں، کہ جہاں بیرون طلباء تو ہیں، مگر بیرونی طلبہ سب سے کثیر تعداد میں مالدار ہیں، کیا ان طلباء پر صرف بیرونی طلبہ ہونے کی بنیاد پر زکوٰۃ فطرہ چرم قربانی وغیرہ مدات کا صرف کرنا جائز ہے؟

المستفتي: قاری تسلیم احمد، مدرسہ انوالعلوم، کرتپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر بیرونی طلبہ ہیں، اور وہ طلبہ از خود مالک نصاب نہیں ہیں، بلکہ انکے والدین مالک ہیں، تو ان کیلئے زکوٰۃ کا مال حلال ہے، اور صدقہ فطرہ وچرم قربانی کی رقم ان پر خرچ کرنا جائز ہے، اس لئے کہ والدین کے مالدار اور صاحب نصاب ہونے سے بالغ اولاد کا صاحب نصاب ہونا لازم نہیں آتا ہے۔

إن طالب العلم يجوز له أخذ الزكوٰة الخ. (درمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند ۳/۲۸۵، كراچی ۲/۳۴۰، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالكتاب ديوبند/۷۲۰)

ولا يسأل أي لايحل له أن يسأل شيئاً من الفوت من له قوت يومه، بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب إلا أن يكون مشتغلا بالجهادأو طلب العلم . (سكب الأنهر، مع مجمع الانهر، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۳۳۳)

بخلاف ماإذا كان كبيراً فقيراً ؛ لأنه لايعد غنيا بيسار أبيه وإن كانت نفقته عليه. (هدايه، اشرفيه ديو بند ۱/۲۰۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ شوال ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۶۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۱۰/۱۴۱۴ھ

مالدار طالب علم کو زکوٰۃ کی رقم دینا

سوال: [۴۴۳۳]: کیا فرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ(۱) ہمارے یہاں کے کچھ لڑکے دارالعلوم دیوبند میں پڑھتے ہیں ان لڑکوں کے والدین صاحب نصاب ہیں، مگر یہ لڑکے جب دارالعلوم جاتے ہیں، تو اپنے خرچ کیلئے چارسو پانچ سو روپئے لیجاتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے، کیا ہم گاؤں کےلوگ جب دارالعلوم جائیں ان لڑکوں کو زکوٰۃ کے پیسے دے سکتے ہیں، کیا طالب علمی کے زمانہ میں اسطرح کے طالب علم مصرف زکوٰۃ ہوتے ہیں۔

(۲) اگر یہ طالب علم مصرف زکوٰۃ ہیں، تو کیا ہم ان کو ان کے گھر پر چھٹیوں میں رہتے ہوئے بھی زکوٰۃ کے پیسے دے سکتے ہیں، یا زکوٰۃ کی رقم سے کتابیں خرید کر ان کو دے سکتے ہیں۔

المستفتي: محمد ایوب، بجنور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱-۲) جو طالب علم خود مالک نصاب نہیں ہے، اور وہ بالغ ہے اس کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا بلا تردد جائز ہے، بلکہ ڈبل ثواب ملیگا۔(۱) اداءزکوٰۃ کا ثواب۔ (۲) اشاعت علم کا ثواب۔ لہٰذا دارالعلوم میں زیر تعلیم ایسے بالغ طلبہ کو وہاں جاکر کے زکوٰۃ کے پیسے دینا یا چھٹیوں کے زمانہ میں گھر کے قیام کے دوران دینا دونوں طرح جائز ہے، ان پیسوں کو وہ اپنی ذات پر استعمال کریں یا کتابیں خریدنے میں استعمال کریں ان کو اختیار ہے ایسے طلبہ کے ماں باپ مالدار ہوں تب بھی جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۱۸، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۹/ ۶۰۰)

وبهذا التعليل يقوى مانسب للواقعات من أن طالب العلم يجوز له أخذ الزكوٰة ولو غنياً إذا فرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب الحاجة داعية إلىٰ مالا بد منه – وفي الشامية تحته – وهذا الفرع مخالف لا طلاقهم الحرمة فى الغنى ولم يعتمده أحد قلت وهو كذلك والأوجه تقييده بالفقر. (شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف، کراچی ۲/ ۳۴۰،

زکریا دیوبند۳/ ۲۸۵، ۲۸۶، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الزکاۃ، باب المصرف ، دارالکتاب دیوبند/ ۷۲۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر محرم الحرام ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۱/۱۴۳۰ھ

زکوٰۃ کی رقم طالب علم کیلئے حلال ہے

سوال: [۴۴۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) زید حافظ قرآن ہے، اور اپنے گھر سے تنگ دست ہے گھر والے اس کا خرچ برداشت نہیں کر سکتے اور وہ مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے، اور مدرسہ کا طعام لینا نہیں چاہتا ہے بلکہ اپنی جانب سے کھانا چاہتا ہے، تو کیا ایسا شخص تراویح میں ختم قرآن کی اجرت لیکر سال بھر کا خرچہ برداشت کرسکتا ہے یا نہیں اور اگر ٹھیک ہے تو اجرت طے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد راغب، محلّہ شیخان،
قصبہ سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ کی رقم غریب طالب علم کیلئے کھانا حلال ہے۔

أن طالب العلم له أخذ الزكوٰة ولو غنياً إذا فرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب والحاجة داعية إلىٰ مالابد منه . (الدر المختار مع الشامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف کراچی ۲/ ۳٤۰، زکریا۳/ ۲۸۵)

اورقرآن کریم کوسنا کر اجرت لینا حرام ہے اور حلال چھوڑ کر حرام کا راستہ اختیار کرنا کہاں کی عقل مندی ہے۔

وأن القراءة لشيء من الدنيا لا تجوز ، وأن الآخذ والمعطى آثمان لأن ذلك يشبه الاستئجار على القراءة ونفس الاستئجار عليها لايجوز .

(شامی، کتاب الصلاۃ، باب قضاء الفوائت، مطلب فی بطلان الوصیة بالختمات والتهالیل کراچی ٢/٧٣، زکریا ٢/٥٣٤)

اور حدیث شریف میں فرمایا کہ قرآن کریم کو حصول رضاء خداوندی کا ذریعہ بناؤ، کمائی کا ذریعہ نہ بناؤ۔

إقرؤوا القرآن وابتغوا به الله عز وجل الحديث: (رواه احمد ٣/٣٥٧، رقم: ١٤٩١٦)

إقرؤوا القرآن ولا تغلوا فيه ولاتجفوا عنه ولا تأكلوا به، الحديث: (رواه احمد ٣/٤٢٨، رقم: ١٥٦١٤)

اور حدیث شریف میں ایسے لوگوں کے بارے میں وعید آئی ہے، جو قرآن کو اجرت اور کمائی کا ذریعہ بناتے ہیں۔

إقرؤوا القرآن وسلوا الله تبارك وتعالىٰ به من قبل أن يجيئ قوم يسألون الناس به. (رواه احمد ٤/٥٤٥، رقم: ٢٠٢٣٩)

اور بطور نذرانہ وتحفہ کے لینا بھی ناجائز ہے، چونکہ یہ شرعی طور پر المعروف کالمشروط کے تحت داخل ہوکر نام کا نذرانہ ہے بلکہ درحقیقت یہ بھی اجرت ہی ہے، چونکہ حافظ صاحب مقتدی حضرات دونوں کے ذہن میں کچھ لینے دینے کی بات ہوتی ہے اس لئے یہ بھی ناجائز ہوگا۔ (مستفاد: دارالعلوم ٦/٦٣، ٣، ٢/٢٩٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٣؍ شعبان ١٤٢٠ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٤/ ٦٣٠٨)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٢٠/٨/١٣ھ

غنی طالب علم کیلئے زکوٰۃ لینا نیز مدرسہ کا کھانا کھانا

سوال: [٤٤٣٥]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا غنی طالب علم کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں، اگر نہیں لے سکتا تو کیا وہ مدرسہ کا کھانا وغیرہ کھا سکتا ہے۔

المستفتي: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسا غنی اور مالدار طالب علم جس کی ملکیت میں نصاب کے بقدر یا اس سے زائد مال ہو تو راجح قول کے مطابق اس کو زکوٰۃ کی رقم دینا یا مد زکاۃ سے اس پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا مالدار اور مستطیع کو چاہئے کہ فیس مدرسہ کو ادا کر کے مدرسہ سے کھانا حاصل کرے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۲۸، بوادر النوادر/ ۱۲۷، احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۵۲، ایضاح النوادر/ ۴۹)

من أن طالب العلم يجوز له أخذ الزكاة ولو غنيا إذا فرغ نفسه لإفادة العلم وهذا الفرع مخالف لإطلاقهم الحرمة في الغني ولم يعتمده أحد. (شامی، کتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ٣/ ٢٨٦، شامی، کراچی ٢/ ٣٤٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/۱/۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۸۴)

مستطیع طلباء کیلئے مدرسہ سے کھانا

سوال: [۴۴۳۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ طالب علم مدرسہ میں رہتے ہوئے مطبخ سے کھانا کھائے جبکہ وہ خود صاحب نصاب ہو تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر کیا طالب علم پر اس کھانے کی قیمت کا ادا کرنا ضروری ہے جو اس نے مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے کھالیا ہے؟

المستفتی: حبیب اللہ تاج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غنی اور صاحب نصاب غیر مسافر طالب علم کیلئے جائز نہیں ہے، اسلئے مدرسہ کے زمانہ میں جو اُسنے لاعلمی میں مطبخ سے کھانا کھایا ہے، اس زمانہ کے اعتبار سے قیمت طعام ادا کردے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۴/ ۲۵۸، جدید زکریا ۴/۲۷۴ جدید زکریا مطول ٦/ ۲۷۰)

لأن الفقر شرط فی الأصناف کلها. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، کراچی ۲/ ۳٤۳، زکریادیوبند ۳/ ۲۸۹، البحرالرائق ، زکریا ۲/ ٤۲۲، کوئٹہ ۲/ ۲٤۲)

وھذا الفرع (أی جواز أخذ الزکوٰۃ لطالب العلم) مخالف لإطلاقھم الحرمۃ فی الغنی ولم یعتمدہ أحد .... والأوجہ تقییدہ بالفقیر . (شامی، کراچی ۲/ ۳٤۰،زکریا۳/ ۲۸٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦۹۹۰)

مستطیع طالب علم کیلئے مدرسہ سے امداد لینا

سوال: [۷۴۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلۂ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) ایک طالب علم جسکے والدین مالک نصاب ہیں، اور اپنے بچے کا کھانا خرچہ برداشت کرسکتے ہیں، تو کیا اس طالب علم کیلئے مدرسہ کا کھانا کھانا جائز ہے۔

(۲) وہ لڑکا بالغ ہے تو کیا حکم ہے۔

(۳) نابالغ ہے تو کیا حکم ہے، اور اگر لڑکا بالغ ہے اور وہ خود صاحب نصاب ہے تو اس کیلئے مدرسہ کا کھانا کھانا درست ہے یا نہیں؟ اور اگر لڑکا صاحب نصاب نہیں ہے، اور اس کے والدین صاحب نصاب ہیں، تو وہ والدین کو خرچہ دینے پر مجبور کریگا یا نہیں؟

المستفتی: وسیم اکرم، بدایوں، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: (۱) اگر وہ طالب علم بالغ ہے تو منجانب مدرسہ اس کے اخراجات بمد زکوٰۃ دیئے جاسکتے ہیں، چاہے اس کے والدین غنی مالدار ہوں یا نہ ہوں۔

فیصرف إلیٰ البالغ ولو ذکراً صحیحاً الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف ، زکریا دیوبند۳/۲۹۸، کراچی ۲/۳۴۹)

بخلاف ولده الکبیر وإن کانت نفقته علی الأب الغني لأنه لا یعد غنیاً بغنائه. (مجمع الأنهر، مصری قدیم ۱/۲۲۴، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/۳۳۰، هدایه ، اشرفیه دیوبند ۱/۲۰۶، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالکتاب دیوبند/۷۲۰،الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۲۳/۳۱۵، تبیین الحقائق، امدادیه ملتان ۱/۳۰۳، زکریا دیوبند۲/۱۲۴)

(۲) اور اگر بالغ طالب علم خود صاحب نصاب ہے، جو اس کی حاجت اصلیہ سے فاضل ہے تو اس کیلئے منجانب مدرسہ بمد زکوٰۃ تعاون حاصل کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی مد زکوٰۃ کا کھانا لینا جائز ہے۔

عن عبد الله بن عمرو ، قال: قال النبی ﷺ لا تحل الصدقة لغني، ولا لذی مرة سوي. (مسند أحمد بن حنبل ۲/۱۶۴، رقم: ۶۵۳۰)

ولا إلیٰ غني یملک قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلیة الخ.

(شامی، کراچی ۲/۳۴۷، زکریا۳/۲۹۵، ۲۹۶)

(۳) اور اگر طالب علم نابالغ ہے اور اس کے والدین صاحب نصاب مالدار ہیں، تو اس طالب علم کو مد زکوٰۃ سے مدرسہ کا کھانا لینا جائز نہیں ہے، والدین پر لازم ہے، کہ از خود اس کا خرچہ برداشت کیا کریں۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/۲۱۹)

ولا إلیٰ طفله أی الغنی (إلیٰ قوله) أن المراد بالطفل غیر البالغ ذکراً کان أو أنثی الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا دیوبند۳/۲۹۸، کراچی ۲/۳۴۹)

ولا إلیٰ ولد غني إذا کان صغیراً لأنه غنیاً بیسار أبیه. (هدایه اشرفیه دیوبند۱/۲۰۶)

وإنما منع من الدفع لطفل الغني؛ لأنه يعد غنياً بغناء أبيه . (البحر الرائق ، زكريا ديوبند ٢/٤٢٩، كوئٹه ٢/٢٤٦، وهكذا في الجوهرة النيرة ، دارالكتاب ديوبند ١/١٥٧، امداديه ملتان ١/١٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۳/۱۴۱۴ھ

غنی طالب علم کا مدرسہ سے وظیفہ لینا

سوال: [۴۴۳۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک طالب علم گھر میں صاحب نصاب ہے اور مدرسہ میں جب اس کو جتنے روپئے کی ضرورت پڑتی ہے، منگوانے سے مل جاتے ہیں، بلکہ جتنے روپئے طلب کرتا ہے، اتنا ہی گھر والے بھیج دیتے ہیں، تو کیا ایسے طالب علم کیلئے مدرسہ کا کھانا کھانا اور وظیفہ لینا فی نفسہ درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد عباس، بردوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسے بالغ طالب علم کو زکوٰۃ اور اس مدرسہ سے وظائف لینا جائز ہے جس کے والدین صاحب نصاب ہیں لیکن اسکی ملکیت میں بقدر نصاب مال نہیں ہے خواہ اس کے گھر سے روپئے حسب چاہت آجاتے ہوں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۱۸، فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۲۲۴، کفایت المفتی جدید ۴/ ۲۷۴، قدیم ۴/ ۲۵۸، جدید زکریا مطول ۶/ ۲۴۰، ایضاح النوادر ۲/ ۶۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/۷/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۷/۱۴۲۰ھ

غنی اور سید طالب علم پر زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا

سوال: [۴۴۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شامی وغیرہ کی تحقیق سے یہ بات ثابت ہے، کہ اگر طالب علم غنی ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ودرست ہے لیکن اگر طالب علم سید ہو تو کیا اس کیلئے بھی زکوٰۃ جائز اور درست ہے، کیا بصورت عدم جواز طالب علم نے مدرسہ میں جو کھایا ہے، اور اسی طرح بجلی پانی اور دیگر زکوٰۃ کی اشیاء کا استعمال کیا ہے، اس کیلئے مدرسہ کو اس تمام رقم کا لوٹا ضروری ہوگا، یا صرف کھانے کی رقم کا لوٹانا ضروری ہوگا؟

المستفتي: رفعت علی قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شامی، کے جس مقام کا حوالہ دیا گیا ہے، وہ غیر مفتیٰ بہ ہے دوسرے مقام پر اسکی وضاحت موجود ہے، کہ طالب علم غنی صاحب نصاب غیر مسافر کیلئے زکوٰۃ جائز نہیں ہے اور سید کے بارے میں بھی یہی مسئلہ ہے کہ سید کو زکوٰۃ جائز نہیں ہے، خواہ وہ طالب علم غنی ہو یا محتاج، لہٰذا اس نے بمد زکوٰۃ سے جو کھایا ہے، اسکو ادا کرے اور اگر نادار ہے، تو ذمہ داران مدرسہ دوسری مد سے اس رقم کو ادا کریں اسی طرح بجلی پانی فرش جگہ وغیرہ کا استعمال کیا تو ان کا بھی مناسب کرایہ یا تو سید طالب علم از خود ادا کرے اور اگر نادار ہے تو ذمہ داران مدرسہ دوسری مد سے کہ جس سے تملیک کی ضرورت نہ ہو اور معطیین کی جانب سے دلالۃً یا صراحۃً بلا تخصیص صرف کی اجازت ہو تو اسمیں سے سید طلباء کیلئے صرف کریں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۵۳)

ولا إلیٰ بنی هاشم ....ثم ظاهر المذهب إطلاق المنع . (شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف کراچی ۲/ ۳۵۰، زکریا ۳/ ۲۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۵ھ

زکوٰۃ کی رقم سے طلبہ کو بٹھا کر کھانا کھلانا

سوال: [۴۴۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ میں زکوٰۃ کے فنڈ کی رقم سے بغیر کسی حیلۂ تملیک کے طلبہ کیلئے کھانا تیار کیا جاتا ہے، اور طلبہ بھی یہ جانتے ہیں، کہ یہ کھانا زکوٰۃ کے فنڈ کی رقم سے تیار کیا گیا ہے، اور وہ کھانا طلبہ کو حسب مصلحت (آداب طعام ودعاء وغیرہ سکھانے اور تضییع اوقات سے روکنے اور کھانا ضائع کرنے سے بچانے کی غرض سے) ایک ساتھ بیٹھا کر کھلایا جاتا ہے، بعض طلبہ کو وقت الاطعام حاضر نہ ہونے کی صورت میں الگ سے کھانا دیدیا جاتا ہے، اور کھلانے والے طلبہ کو بھی الگ سے کھانا تقسیم کردیا جاتا ہے، اور طلبہ بخوبی جانتے ہیں، کہ ان کی تربیت کی غرض سے ایک ساتھ بیٹھا کر کھلایا جاتا ہے، جیسا کہ مدارس میں ایسا بکثرت ہوتا ہے، اب دریافت ۔طلب بات یہ ہے کہ مکتوبہ تفصیل کی صورت میں زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر ہوتی ہے، تو کیا کھانا تیار کرنے میں صرف شدہ کل رقم کی ادا ہوتی ہے، یا اس میں کوئی تفصیل ہے'' اور جو کھانا باقی رہ جاتا ہے، یا خراب ہوجاتا ہے، اس کا کیا حکم ہے'' اور اگر بیٹھا کر کھلانے میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی ہے، تو کیا صرف کردہ کل رقم کی نہیں ہوتی ہے، یا کوئی تفصیل ہے اور ابتک جو رقم ایک ساتھ بیٹھا کر کھلانے میں صرف ہوئی ہے، اس کا کیا حکم ہے، اور زکوٰۃ کے فنڈ کی رقم کو طلبہ کیلئے کھانا وغیرہ تیار کرانے میں حیلۂ تملیک کے بعد صرف کرنا بہتر ہے یا بغیر حیلۂ تملیک کے مسئولہ، صورتوں میں کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو کھانا زکوٰۃ کے پیسہ سے بٹھا کر کھلایا جاتا ہے، اسکی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اسلئے کہ یہ تملیک نہیں ہے بلکہ اباحت ہے اور ادائے زکوٰۃ کیلئے تملیک شرط ہے، اور بغیر قبضہ کے تملیک کا ثبوت نہیں ہوتا اور جو کھانا تقسیم کرکے طلبہ کے قبضہ

میں دیدیا جاتا ہے، اسکی زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے ، لہٰذا جوکھانا بیٹھا کر کھلایا جاتا ہے، یا باقی رہ جاتا ہے، اسکی زکوٰۃ ادانہ ہوگی ،اور جو تقسیم کردیا جاتا ہے،اس کی زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے ،اور طلبہ پر زکوٰۃ کی رقم صرف کرنے اور کھانا پکاکر طلبہ کے قبضہ میں دیدینے میں حیلۂ تملیک کی نہ ضرورت ہے نہ ہی مناسب ہے۔

وأما الطعام فما يدفعه إليه بيده يجوز أيضاً لما قلنا بخلاف ما يأكله بلا دفع إليه الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، زکریا دیوبند۳/ ۱۷۲، کراچی ۲/ ۲۵۷)

إذا اشتریٰ بالزکوٰۃ طعاماً فأطعم الفقراء غداءً وعشاء ولم يدفع عين الطعام إليهم لايجوز لعدم التمليک الخ. (بدائع الصنائع، کراچی ۲/ ۳۹، زکریا۲/ ۱۴۲، ۱۴۳، ھکذا فی البحر الرائق ، کوئٹہ ۲/ ۲۰۱، زکریا۲/ ۳۵۳)

لہٰذا اب تک جوکھانا بیٹھا کر کھلایا گیاہے، ان سب کی زکوٰۃ باقی ہے مدرسہ کے ذمہ داران پر اداءِ زکوٰۃ کی ذمہ داری باقی رہ جائیگی ۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/ ۱۱/ ۱۴۱۴ھ

مالدار و مستحقین زکوٰۃ طلبہ کا ایک ساتھ کھانا پکانا

سوال: [۴۴۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ کے مطبخ سے کھانے والے طلبہ دو قسم کے ہوتے ہیں، (الف) غریب مستحق زکوٰۃ کے طلبہ۔ (ب) مالدار طلبہ جن کیلئے زکوٰۃ کا مال کھانا حرام ہے،اور وہ اپنی خوراک کی رقم مطبخ میں دے کر کھانا لیتے ہیں، ان دونوں قسم کے طلبہ کا کھانا ایک ساتھ پکانا درست ہے یا نہیں؟ جبکہ زکوٰۃ فطرہ کے غلہ سے کھانا پکایا جاتا ہے،اور دونوں قسم کے طلبہ کو اس میں سے کھانا دیا جاتا ہے،اور اگر مالدار طلبہ کا کھانا علیحدہ پکانا ضروری ہو تو ان کا غلہ، مصالحہ، ایندھن حساب وغیرہ سب کچھ علیحدہ کرنا ضروری ہوگا، جس میں حرج عظیم ہے،لہٰذا کون سا طریقہ اختیار کیا جائے؟

المستفتی: محمد شہید اللہ ہاوڑوی، مدرسہ اشرف العلوم، کیتھن، بردوان، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مالدار طلبہ جوخورا کی جمع کرتے ہیں، اور جو مدرسین خورا کی جمع کرکے مدرسہ سے کھاتے ہیں، ان کا حساب الگ جوڑ کر رکھنا چاہئے، پھر مستحق زکوٰۃ طلبہ کیلئے مد زکوٰۃ سے جو کھانا بنایا جاتا ہے، ان کے ساتھ ملاکر پکانا جائز اور درست ہے، اسلئے کہ مطبخ کا حساب متعین ہے کہ ایک آدمی کی خورا کی کتنی مقدار ہے اس طریقے سے ساتھ میں ملاکر پکایا جائے تو بلاتردد جائز اور درست ہے، یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ مالدار مدرسین نے زکوٰۃ کے پیسے کا کھانا کھایا بلکہ اپنے پیسے کا کھانا کھایا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/۲۲۳، ڈابھیل ۹/ ۶۰۸)

إن تخالطوهم فإخوانكم والمقصود الحث على المخالطة المشروعة بالإصلاح مطلقاً أى إن تخالطوهم فى الطعام والشراب والمسكن والمصاهرة تؤدوا اللائق بكم لأنهم إخوانكم أي في الدين وبذلک قرأ ابن عباسؓ وأخرج عبد بن حميد عن المخالطة أن يشرب من لبنک وتشرب من لبنه ويأكل فى قصعتک وتأكل فى قصعته ويأكل من تمرتک ويأكل من تمرته الخ. (روح المعانی، زکریا ودارالفکر بیروت ۲/ ۱۷۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۹۰)	۲۵/۵/ ۱۴۲۵ھ

زکوٰۃ وصدقات کی رقم سے بنے ہوئے کھانے کو غیر امدادی طلبہ کا کھانا

سوال: [۴۴۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ میں زکوٰۃ وصدقات امداد سبھی قسم کا راشن مثلاً غلہ گھی مرچ مسالہ وغیرہ مشترک

رہتا ہے، اور اسی سے کھانا تیار ہوتا ہے، طلبہ میں بعض وہ ہیں، جو غیر امدادی کھانا کھاتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ غیر امدادی طلباء اسی میں سے کھانا کھائیں، یا ان کیلئے الگ سے کھانا تیار کرایا جائے، نیز اگر راشن کی تملیک کرادی جائے، تو کیا پھر غیر امدادی طلبہ کا اسمیں سے کھانا درست ہے، مذکورہ جو بھی صورت بہتر ہو یا ان کے علاوہ کوئی صورت ہو تو اس سے آگاہ فرمائیں؟

المستفتي: محمد اسلم قاسمی، خادم: مدرسہ حسینیہ قاسم العلوم، دھامپور، ضلع: بجنور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: امدادی وغیر امدادی طلبہ کا کھانا ایک ساتھ تیار کرنا جائز ہے، اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، اسی طرح جو اساتذہ قیمتاً مدرسہ سے کھانا کھاتے ہیں، ان کا کھانا بھی طلبہ کے مدز کوۃ کے کھانے کے ساتھ پکانا جائز اور درست ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْيَتَامیٰ قُلْ إِصْلاَحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَإِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ ، الآية: (سورۃ البقرۃ، آیت ۲۲۰)

والمقصود الحث على المخالطة المشروعة با لإصلاح مطلقاً أى إن تخالطوهم فى الطعام والشراب والمسكن والمصاهرة تؤدوا اللائق بكم لأنهم إخوانكم أي في الدين وبذالک قرأ ابن عباسؓ وأخرج عبد بن حميد عن المخالطة أن يشرب من لبنک وتشرب من لبنه ويأكل فى قصعتک وتأكل فى قصعته ويأكل من تمرتک ويأكل من تمرته الخ. (روح المعانی، زکریا ۲/ ۱۷۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۱/۵ھ

مدرسہ میں زکوٰۃ کی رقم سے بننے والے کھانے کا اساتذہ یا مہمان کا استعمال کرنا

سوال: [۴۴۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے مدرسہ میں مطبخ قائم ہے، اور مدرسین بھی اس سے کھانا کھاتے ہیں، مطبخ میں صدقہ زکوٰۃ کا پیسہ استعمال ہوتا ہے، کیا یہ مدرسین کیلئے جائز ہے، جبکہ مدرسین بھی اس سے کھانا کھاتے ہیں، اور مدرسین کیلئے الگ سے کھانا بنانا مشکل ہے، نیز ناظم مطبخ کیلئے امدادی فنڈ سے پیسہ لگانے کا امتیاز بھی بہت دشوار ہے، لہٰذا اگر کوئی گنجائش ہو تو تحریر فرمائیں؟

ایک مدرسہ کے ذمہ دار ہیں، اور وہ صاحب نصاب بھی ہیں، مدرسہ کی ہر وقت نگرانی کی فکر رہتی ہے، بعض موقعوں پر مہمانوں کا آنا اور ان کا مطبخ کے کھانے میں شریک کرنا کیسا ہے؟ اگر ایسا نہ ہو تو بھی بہت برا محسوس ہوتا ہے، کہ وہ ایک طرف کو بیٹھے رہیں، باقی لوگ کھانا کھاتے رہیں، نیز چائے وغیرہ کا امتحان وغیرہ کے موقعہ پر مدرسہ کے فنڈ سے انتظام ہوتا ہے، اس میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: رحمت اللہ قاسمی، مدرسہ اسلامیہ عربیہ، مسافر خانہ دونگر سرائے، سنبھل، ضلع: مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی رقم مدرسین وملازمین کی تنخواہوں میں دینا جائز نہیں اور مدرسہ کے مطبخ میں صدقات واجبہ اور زکوٰۃ کی مد سے طلبہ کیلئے جو کھانا وغیرہ تیار ہوتا ہے، اس میں سے بھی ملازمین و مدرسین کو کھانا دینا جائز نہیں ہے، البتہ اگر ہر ایک خوراک کی قیمت متعین کر کے ملازمین و مدرسین سے اس کے بقدر فیس وصول کر لی جائے یا ان کی تنخواہوں میں سے کاٹ لی جائے تو ایسی صورت میں طلبہ کے

کھانے کے ساتھ مدرسین کا کھانا بھی ایک ہی دیگ میں پکانا جائز اور درست ہو جاتا ہے۔

اسی طرح مدرسہ میں جو مہمان وغیرہ آتے ہیں، ان کو مطبخ سے صدقات واجبہ کی رقم سے پکا ہوا کھانا کھلانا بھی جائز نہیں ہے، نیز امتحان اور دیگر تقاریب میں آئے ہوئے مہمانوں کیلئے چائے وغیرہ کا انتظام بھی صدقات واجبہ کی مد سے درست نہیں بلکہ ایسے اخراجات کیلئے صدقات غیر واجبہ اور امداد خصوصی کا الگ سے فنڈ بنانا چاہئے، تاکہ اسی میں سے خرچ کیا جائے ۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۴/۲۶۳، ۴/۲۶۹، جدید زکریا مطول ۶/۲۷۰، ایضاح المسائل/ ۱۱۸)

فهي تمليک المال ……….. بشرط قطع المنفعة عن المملک من كل وجه الله تعالىٰ . (الهندية كتاب الزكاة ، الباب الاول، زكريا ديوبند ١/ ١٧٠، جديد زكريا ١/٢٢٣، الدر مع الرد، زكريا ديوبند٣/١٧٣، كراچى ٢/٢٥٨، مجمع الأنهر ، مصرى قديم ١/١٩٢، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٢٨٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۱؍شعبان ۱۴۱۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۹۹۵)

کیا طالب علم مدرسہ کے کھانے کو بیچ سکتا ہے؟

سوال: [۴۴۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں : کہ ایک طالب علم کی امداد مدرسہ سے جاری ہے لیکن وہ کسی وجہ سے مثلاً اسکو مدرسہ کا کھانا برداشت نہیں ہوتا ہے، یا وہ چاول کھانے کا عادی ہے، جس کی وجہ سے روٹی برداشت نہیں ہوتی تو اپنا کھانا جو اس کو مدرسہ سے ملتا ہے، وہ کسی کو بیچ دیتا ہے اگر نہیں بیچتا ہے تو کبھی پھینک دینا پڑتا ہے، اور ایسا ہوتا ہے کہ اگر وہ نہ بیچے تو اس کے پاس اتنا روپیہ نہیں کہ الگ سے روپئے لگا کر چاول وغیرہ خریدے تو اس کے لئے یہ کھانا بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ اور بیچنے کا یہ طریقہ ہوتا ہے، کہ جو ٹکٹ اس کو مدرسہ کی طرف سے ملتا ہے بیچنے والا

اس ٹکٹ کو جس کو وہ اپنا کھانا بیچتا ہے دے دیتا ہے، اور خریدنے والا وہ ٹکٹ لیکر مطبخ سے کھانا اٹھالیتا ہے، اور مہینہ میں ایک مقدار روپے خریدنے والے سے لیتا ہے، مثلاً دوسو روپیہ میں بیچتا ہے اگر وہ نہ بیچے تو مدرسہ سے بدل طعام لیتا ہے تو بہت کم روپیہ ملتا ہے، مثلاً سوروپیہ ملتا ہے، جس سے اس کا کام نہیں ہوتا تو کیا اس طرح کھانا فروخت کرنا درست ہے جبکہ اسمیں ایک خرابی یہ ہے کہ یہ بیع قبضہ سے پہلے ہے، اور دوسری خرابی یہ ہے، کہ مجہول کی بیع ہے، اگر یہ کہا جائے کہ مدرسہ کا کھانا متعین ہے، کہ دونوں ٹائم دودوروٹی اور ایک ڈبا سالن ملتا ہے، تو جہالت تو نہیں البتہ دوسری خرابی قبضہ وہ نہیں پایا گیا لیکن اگر چہ فی الفور قبضہ نہیں تو بھی یہ معاملہ مفضی الی المنازعۃ نہیں تو مفضی إلی المنازعۃ نہ ہونے کی وجہ سے یہ معاملہ درست ہوگا، اسی طرح مدرسہ سے جوطالب علم کھانا خریدتا ہے، اس کو بھی روپیہ لیکر ایک ٹکٹ دیدیا جاتا ہے، اور وہ ٹکٹ لیکر مطبخ سے کھانا وصول کرتا ہے، یہاں بھی مبیع مجہول معلوم ہوتی ہے، اور قبضہ بھی نہیں، قبضہ صرف ٹکٹ پر ہے، تو کیا مدرسہ سے اس طرح کھانا خریدنا درست ہوگا، دونوں مسئلوں میں اگر درست نہیں ہے تو جواز کی کوئی صورت اگر ہوا سے لکھدیں؟

المستفتي: محمد عباس بردوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طعام کا ٹکٹ مدرسہ کی طرف سے حق امداد ہے، جب مدرسہ نے طالب علم کو ٹکٹ دیدیا تو طالب علم کا مدرسہ سے ملنے والی امداد یعنی طعام میں حق متعین ہوگیا، اب اسکی خرید وفروخت کا کیا حکم ہے، اس کو جاننے کیلئے تین پہلو سے غور کیا جانا ضروری ہے۔

(۱) اس معاملہ میں جہالت ہے یا نہیں؟

(۲) اس میں غرر ودھوکہ ہے یا نہیں؟

(۳) حق امداد کس نوعیت کا ہے، اور بیع جائز ہے یا نہیں؟

۱/تو سب سے پہلے جہالت کی جہاں تک بات ہے، اگر مان بھی لیا جائے، کہ طعام میں جہالت ہے کہ کسی دن روٹیاں بڑی اور کسی کسی دن چھوٹی کسی دن سالن کم کسی دن زیادہ ہوسکتا ہے، تو یہ جہالت جہالت یسیرہ ہے اور عقد اس جہالت کا متحمل ہوتا ہے، کیونکہ جہالت یسیرہ مفضی إلی المنازعۃ نہیں ہوتی ہے۔

ففي كل ذلك تنتفي الجهالة الفاحشة عن المبيع ، وتبقى الجهالة اليسيرة التي لاتنافي صحة البيع . (شامی، کتاب البیوع، قبیل مطلب فی الزق بین الأثمان والمبیعات کراچی ٤/ ٥٣٠، زکریا دیوبند٧/ ٥١)

لہٰذا جہالت کی بنیاد پر اس معاملہ کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا ہے۔

۲/دوسری بات یہ ہے کہ یہاں غرر ودھوکہ نہیں ہے، کیونکہ جب ذمہ داران مدرسہ نے طعام کا ٹکٹ طالب علم کو دیدیا تو یہ متعین ہوگیا کہ روزانہ دوٹائم اس کو کھانا ملنا متعین ہے۔

۳/تیسرا پہلو جہاں تک حق امداد کی بات ہے تو حق امداد اصلاً فروخت کرنا جائز نہیں ہے، لیکن کسی شخص کیلئے صلح اور دست برداری کے طور پر عوض لیکر حق امداد منتقل کرنا جائز ہے، کیونکہ متأخرین احناف نے وظائف سے دستبرداری کے طور پر عوض لینے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

فيفتى بجواز النزول عن الوظائف بمال . (الدر مع الرد، مطلب فی النزول عن الوظائف بمال، زکریا دیوبند٧/٣٥، کراچی ٤/ ٢٨٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٩/ ٢٨٣)

نیز علامہ شامیؒ نے مفتی ابوالسعود کا فتویٰ نقل کیا ہے: **ورأيت بخط بعض العلماء عن المفتي ابي السعود أنه أفتى بجواز أخذ العوض في حق القرار والتصرف وعدم الرجوع.** (شامی، قبیل مطلب فی خلو الحوانیت زکریا دیوبند٧/ ٣٧، کراچی ٤/ ٥٢٠)

نیز ٹکٹ پر قبضہ کو قبضہ حکمی اور تخلیہ کے درجہ میں رکھ کر بھی اس معاملہ کو جواز کے دائرے میں لایا جاسکتا ہے، کیونکہ قبضہ کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) قبضہ حقیقی۔

(۲) قبضۂ حکمی۔

قبضۂ حقیقی کا مطلب یہ ہے کہ عین طعام پر قبضہ ہو جائے، اور قبضۂ حکمی کا مطلب یہ ہے کہ ایسی چیز پر قبضہ ہو جائے، جو طعام کیلئے تخلیہ کا درجہ رکھتی ہو تو اب ٹکٹ پر قبضہ قبضۂ حکمی کے درجہ میں ماننا لازم ہوگا، اسلئے کہ جب طالب علم کو ٹکٹ مل جاتا ہے، تو ہر ایک جانتا ہے، کہ اس کو پورا سال کھانا ملیگا، البتہ اتنی بات طے ہو جانا ضروری ہے کہ جس کے نام کا ٹکٹ ہے اگر اس کے کسی جرم کی وجہ سے کھانا بند ہو گیا تو جن دنوں میں کھانا بند رہا ان دنوں کا پیسہ ٹکٹ بیچنے والے کو نہیں ملیگا، حتی کہ وہ پیسہ مشتری طالب علم کو واپس کرنا ضروری ہے، نیز اس میں یہ شرط بھی ہے کہ اسی مدرسہ کے طلبہ کو فروخت کرے جس مدرسہ سے یہ ٹکٹ ملا ہے، دوسرے مدرسے کے طلباء یا عام آدمی کے ہاتھ یہ ٹکٹ فروخت کرنے کی گنجائش نہیں ہوگی، کیونکہ ان لوگوں کیلئے بھی گنجائش دیدی جائے تو مدرسہ کا نظام خراب ہو سکتا ہے، اور جو طالب علم پیسہ دیکر مدرسہ سے کھانا خریدتا ہے، یہ بلا شبہ جائز ہے، کیونکہ مدرسہ نے ایسی چیز پر قبضہ دیدیا ہے جو قبضۂ حکمی اور تخلیہ کا درجہ رکھتی ہے اور مبیع اہل مدرسہ کیلئے مقدور التسلیم ہے، اور مبیع کا مقدور التسلیم ہونا کافی ہے۔

وكونه مقدور التسليم فلم ينعقد بيع المعدوم وماله خطر العدم.

(شامی، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة زكريا ديوبند ۷/۱۵، کراچی ٤/٥٠٥)

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۰/۱۱/۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۷ ۶۲۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱۱/۲ھ

مدارس میں مال زکوٰۃ کا استعمال کیسے ہو؟ (ایک تحقیقی جائزہ)

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ أَمَّا بَعْد!

❁

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْن .(التوبة الآية: ٦٠)

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِماً اَبَداً ❖ عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

مدارس اسلامیہ میں نوے فیصد زکوٰۃ کی رقم آتی ہے، اوردس فیصد مشکل سے امداد کی رقم آتی ہے، اورزکوٰۃ کی رقم میں تملیک فقراء شرط ہے،اور بعض دفعہ تملیک اورحیلۂ تملیک کے اختیار کرنے میں بڑے مدارس میں سخت دشواریاں بھی پیش آتی ہیں؛ اس لئے اس سلسلے میں کہاں تک گنجائش نکل سکتی ہے؟ اس کے اثبات ونفی سے متعلق یہ مضمون پیش خدمت ہے۔

کس قسم کے مدارس کیلئے زکوٰۃ وصول کرنا جائز ہے؟

جن مدارس میں طلبہ کے قیام وطعام کا انتظام ہے ان تمام مدارس کے لئے زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کی رقوم مسلمانوں سے وصول کرنا جائز اوردرست ہے، چاہے وہ مدارس چھوٹے ہوں یا بڑے، ہاں البتہ جن مدارس میں طلبہ کے قیام وطعام کا نظم نہیں ہے جیسا کہ مکاتب ان کیلئے زکوٰۃ اورصدقاتِ واجبہ وصول کرنا درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ ان مدارس میں ان مدات کے مصرف کا وجود ہی نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۵۹۴/۹)

اورایسے مدارس کیلئے زکوٰۃ کی رقوم وصول کر کے طلبہ پر خرچ کرنے کا مسئلہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن بھیجتے وقت جو ہدایات فرمائی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ان کے مالداروں سے زکوٰۃ اورصدقات وصول کرلیا کریں پھر وہی زکوٰۃ وصدقات ان کے فقراء میں تقسیم کردیں۔

لمبی حدیث شریف کا ٹکڑا ملاحظہ فرمائیے:

أَنَّ اللّٰہَ قَدْ اِفْتَرَضَ عَلَیْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِیَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَائِهِمْ الخ. (بخاری ۱/۲۰۳، رقم: ۱۴۷۴)

بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر اپنے مال کی زکوٰۃ فرض فرمادی ہے اور وہ زکوٰۃ ان کے مالداروں سے وصول کرکے ان کے فقراء پر خرچ کی جائے۔

ضرورت مند علماء کو زکوٰۃ دینا

تدریس وتصنیف اور تبلیغ میں مصروف علمائے دین اگر مد زکوٰۃ کے مصرف (فقیر) ہیں، تو ان کو مد زکوٰۃ میں سے بطور تبرع دینا جائز اور درست ہے، مگر بغیر تملیک فقراء کے تنخواہوں میں دینا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ تنخواہیں اجرت ہوتی ہیں جو کام کے عوض میں لی جاتی ہیں، اور زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کو اجرت میں دینا جائز نہیں ہے؛ بلکہ بغیر اجرت اور بلا عوض کے مستحق کو مالک بنادینا لازم ہوتا ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۴/ ۲۴۹، زکریا جدید ۴/ ۲۹۳، جدید زکریا مطول ۶/ ۲۷۸، محمودیہ میرٹھ ۴/ ۲۶۷ تا ۲۷۰، ایضاح المسائل/ ۱۱۸، امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۲، احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۵۲)

اس حکم کو بدائع الصنائع میں ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے:

وَأَمَّا قَوْلُهٗ تَعَالٰی: وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ عِبَارَةٌ عَنْ جَمِیْعِ الْقُرَبِ فَیَدْخُلُ فِیْهِ کُلُّ مَنْ سَعٰی فِیْ طَاعَةِ اللّٰہِ تَعَالٰی، وَسَبِیْلِ الْخَیْرَاتِ إِذَا کَانَ مُحْتَاجًا.

(بدائع الصنائع زکریا ۲/ ۱۵۴)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد "وفی سبیل اللہ" اس سے تمام نیکی کے کام مراد ہیں؛ لہٰذا اس میں ہر وہ شخص داخل ہوجائے گا جو اللہ کی طاعت اور خیراتی کاموں میں سرگرم عمل ہو بشرطیکہ وہ محتاج (مستحق) ہو

طلبہ کو مالک بنائے بغیر ان پر خرچ کرنا

سوال ۳ میں پوچھا گیا ہے کہ زکوۃ اور صدقاتِ واجبہ کی رقوم کا طلبہ کو مالک بنائے بغیر ذمہ دار مدرسہ طلبہ کی مصلحتوں اور ضرورتوں میں اپنے طور پر خرچ کردیں تو مالک بنانے کے قائم مقام ہوجائے گا یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ طلبہ کو مالک بنائے بغیر اپنے طور پر ان کی ضروریات اور مصلحتوں میں خرچ کرنے کی بہت سی صورتیں جواز کے دائرے میں داخل ہیں، مثلاً طلبہ کے کھانے کے لئے مطبخ کے فنڈ میں خرچ کردیا جائے یا طلبہ کیلئے کپڑا خرید کران میں تقسیم کردیا جائے تو یہ صورتیں جائز اور درست ہیں؛ اس لئے کہ لوٹ کر طلبہ کے پاس بطور تملیک کے آجاتی ہیں، مگر طلبہ کی وہ ضروریات جو استہلا کی مصارف میں شامل ہیں، مثلاً روشنی، پانی، معلمین، خدام اور ملازمین کی تنخواہ، درس گاہ، کتب خانہ، اور کتابوں وغیرہ کے خرچ سے متعلق جو مسئلہ ہے وہ سوال ۸ اور ۹ کے ذیل میں موضوع بحث بنایا گیا ہے؛ اس لئے یہاں پر اس کو نہیں لکھا جارہا ہے وہاں پر غور کیا جائے گا۔

اس حکم کو شامی میں ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے:

وَيَشْتَرِطُ اَنْ يَكُوْنَ الصَّرْفُ تَمْلِيْكاً لاَ إِبَاحَةَ. (وَتَحْتَهُ فِى الشَّامِيَّةِ:) فَلاَ يَكْفِيُ فِيْهَا الإِطْعَامُ إِلاَّ بِطَرِيْقِ التَّمْلِيْكِ. (شامی، باب المصرف زکریا ۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤)

شرط یہ ہے کہ زکوۃ کا پیسہ مالک بنانے کے طور پر صرف کیا جائے اباحت کے طور پر نہیں۔ (اس کے تحت شامی میں ہے کہ) لہٰذا کھانا کھلانا کافی نہیں ہے الا یہ کہ کھانے پر قبضہ دے کر مالک بنانے کے طریقہ سے ہو۔

اور شامی میں دوسری جگہ یہ حکم ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے:

إِذَا كَانَ يَعُولُ يَتِيماً وَيَجْعَلَ مَا يَكْسُوهُ وَيُطْعِمُهُ مِنْ زَكوةِ مَالِهِ ، فَفِي الْكِسْوَةِ لاَ شَكَّ فِي الْجَوَازِ لِوُجُود الرُّكْنِ وَهُوَ التَّمْلِيكُ ، وَأَمَّا الطَّعَامُ فَمَا يَدْفَعُهُ إِلَيْهِ بِيَدِهِ يَجُوزُ أَيْضًا لما قُلْنَا، بِخِلاَفِ مَا يَأْكُلُهُ بِلاَ دَفْعِ إِلَيْهِ. (شامی، زکریا۳/۱۷۲، کراچی ۲/۳۳۱، تاتار خانية ۳/۲۱٤، رقم:٤١٥٩)

جب یتیم کی پر ورش کی جائے، اور اپنے مال کی زکوۃ میں سے اس کو پہنا ئیں اور کھلائیں تو پہنانے کے جواز میں کوئی شک نہیں، رکن زکوۃ کے پائے جانے کی وجہ سے اور رکن زکوۃ مالک بنانا ہے، بہر حال کھانا کھلانا تو جو کچھ اپنے ہاتھ سے اس کے قبضہ میں دیا جائے تو وہ بھی جائز ہے، بخلاف ان چیزوں کے جو وہ کھاتا ہے بغیر اس کے قبضہ میں دیئے ہوئے۔

حیلہ ٔتملیک کیسے ہو؟

حضرات ِفقہاء نے حیلہ ٔتملیک کی جوصورت بیان کی ہے، وہ یہی ہے کہ فقیر کو زکوۃ کی رقم دے کر پھر اس سے مدرسہ کی ضروریات کے نام سے مطالبہ کیا جائے۔ اور اس کو ترغیب دی جائے کہ یہ پیسہ تمہارے پاس آچکا ہے، اور مدرسے کو پیسوں کی سخت ضرورت ہے؛ لہٰذا اگر آپ یہ پیسہ مدرسے کو دے دوگے تو آپ کو اس کا اجر ملے گا، اور اس پر ترغیبی انداز سے دباؤ ڈالنے کی بھی گنجائش ہے، جو فقہاء کی عبارت: **”ثم یأمر بعد ذلک بالصرف إلیٰ هذه الوجوه“** وغیرہ کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے، کہ اس عبارت میں حیلہ ٔتملیک کے موقع پر کم وبیش اصرار اور دباؤ کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اس سلسلے میں چند عبارتیں ذیل میں درج ہیں۔

اس حکم کو ”الفتاوی التاتارخانیہ“ میں ان الفاظ سے نقل کیا گیا ہے:

وَالْحِيلَةُ لِمَنْ أَرَادَ ذٰلِكَ أَنْ يَّتَصَدَّقَ يَنْوِيَ الزَّكوٰةَ عَلىٰ فَقِيرٍ، ثُمَّ يَأْمُرُهُ بَعْدَ ذٰلِكَ بِالصَّرْفِ إِلىٰ هَذِهِ الْوُجُوهِ، فَيَكُونَ لِصَاحِبِ الْمَالِ ثَوَابُ الصَّدَقَةِ، وَلِذٰلِكَ الْفَقِيرُ ثَوَابُ هٰذَا الصَّرْفِ. (الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ۳/۲۰۸، رقم: ۴۱۴۱، ۳۱۸/۱۰،رقم: ۱۴۸۶۰، ۱۴۸۶۱، هندیه ۳۹۲/۶، جدید زکریا ۴۷۳/۲، شامی ،کتاب الزکاة ، زکریا ۱۹۱/۳، کراچی ۲۱۱/۲)

وہ شخص جو مال زکوۃ کو غیر مصرف میں خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے، اس کے لئے حیلہ کی شکل یہ ہے کہ زکوۃ کی نیت سے فقیر پر صدقہ کردے، پھر اس کے بعد فقیر کو ان غیر مصرف کارخیر میں خرچ کرنے کا حکم کرے، تو ایسی صورت میں صاحب مال کو زکوۃ کا ثواب اور اس فقیر کو اس کارخیر میں خرچ کرنے کا ثواب ملے گا۔

اس کو محیط برہانی میں ان الفاظ سے نقل کیا گیا ہے:

وَالْحِيلَةُ لِمَنْ أَرَادَ ذٰلِكَ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِمِقْدَارِ زَكوٰتِهٖ عَلىٰ فَقِيرٍ، ثُمَّ يَأْمُرُهُ بَعْدَ ذٰلِكَ بِالصَّرْفِ إِلىٰ هٰذِهِ الْوُجُوهِ، فَيَكُونُ لِصَاحِبِ الْمَالِ ثَوَابُ الصَّدَقَةِ، وَلِلْفَقِيرِ ثَوَابُ هٰذِهِ الْقُرْبَةِ. (المحيط البرهاني ڈابھیل ۲۱۲/۳،رقم: ۲۷۸۴،

جو شخص مد زکوۃ کو دیگر کارخیر میں خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہو اس کے لئے حیلہ کی شکل یہ ہے کہ مقدار زکوٰۃ کے برابر فقیر پر صدقہ کردے، پھر اس کے بعد فقیر کو ان دیگر کارخیر میں خرچ کرنے کا حکم کرے، تو ایسی صورت میں صاحب مال کو ادائے زکوٰۃ کا ثواب ملے گا، اور فقیر کو اس کارخیر کا ثواب ملے گا۔

وکذا البحر الرائق زکریا ۲/۴۲۴، تبیین الحقائق، زکریا ۲/۱۲۱، النهر الفائق ۱/۳۲۸، مجمع الأنهر ۱/۳۲۸، فقیه الأمت دیوبند ومصری)

حضرات فقہاء نے حیلۂ تملیک کا مسئلہ خاص طور پر حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے مستنبط کیا ہے، کہ جب حضرت نسیبہؓ نے صدقہ کا بکرہ حضرت بریرہؓ کو پیش کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ بریرہ کے لئے صدقہ ہے، ہمارے لئے ہدیہ ہے۔

عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ الْأَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ: دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ؟ فَقَالَتْ: لاَ إِلَّا شَيْءٌ بَعَثَتْ بِهِ إِلَيْنَا نُسَيْبَةُ مِنَ الصَّدَقَةِ، فَقَالَ: إِنَّهَا قَدْ بَلَغَتْ مَحِلَّهَا.

(بخاری ۱/۲۰۲، رقم: ۱۴۷۲)

حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، کہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لاکر فرمایا: کیا تمہارے پاس کچھ کھانے کی چیز ہے؟ تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ کچھ نہیں ہے، مگر نسیبہؓ نے بریرہؓ کے واسطے جو صدقہ کا بکرہ بھیجا ہے، اس میں سے کچھ ہے، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ بے شک وہ بکرہ اپنی جگہ پہنچ چکا ہے۔

ایک روایت کچھ الفاظ کے فرق کے ساتھ حضرت انسؓ سے مروی ہے، ملاحظہ فرمائیے:

عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِلَحْمٍ تُصُدِّقَ بِهِ عَلَى بَرِيرَةَ رضي الله عنها، فَقَالَ هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ وَهُوَ لَنَا هَدِيَّةٌ.

(بخاری، النسخة الهندية ۱/۲۰۲، رقم: ۱۴۷۳، مسلم ۱/۳۴۵، دارالسلام رقم: ۱۰۷۴)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ بے شک نبی کریم ﷺ کے پاس کچھ ایسا گوشت پیش کیا گیا جو حضرت بریرہؓ پر صدقہ کیا گیا تھا، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ بریرہؓ کے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ہے۔

ابوداؤد شریف اور ابن ماجہ کی حدیث شریف کے اسی ٹکڑے سے بھی حیلۂ تملیک کی بات سمجھ میں آتی ہے، ملاحظہ فرمایئے:

لِرَجُلٍ كَانَ لَهُ جَارٌ مِسْكِيْنٌ فَتَصَدَّقَ عَلَى الْمِسْكِيْنِ فَأَهْدَاهَا الْمِسْكِيْنُ لِلْغَنِيِّ. (ابو داؤد ١/٢٣١، رقم: ١٦٣٦، ابن ماجه ١/١٣٢ رقم: ١٨٤١)

کسی آدمی کا پڑوسی مسکین فقیر ہے پس اس فقیر پر صدقہ کیا جائے، پھر مسکین وہ صدقہ غنی مالدار کے لئے ہدیہ کردے (تو جائز ہے)۔

فقیر کا قرض لے کر مدرسہ کی ضروریات میں خرچ کرنا

سوال ۵ میں جو بات لکھی گئی ہے وہ بات آج کے زمانہ میں ہماری سمجھ سے بالاتر ہے، کہ مستحق زکوٰۃ اور محتاج شخص کو اتنا بڑا قرض کون دے سکتا ہے، تاکہ وہ مدرسہ کی ضروریات میں خرچ کردے؛ کیوں کہ موجودہ زمانہ کے تجربہ سے ثابت ہوا کہ ایسے محتاج شخص کو کوئی شخص بڑی رقم بطور قرض نہیں دیتا ہے، تاہم اگر ایسا کہیں وجود میں آنا ممکن ہے اور فقیر محتاج کو مدرسے میں خرچ کرنے کے نام سے کوئی شخص قرض دے دیتا ہے، اور وہ قرض لے کر مدرسہ کی ضروریات میں خرچ کردیتا ہے، تو مدزکوٰۃ سے اتنی رقم ادائے قرض کے نام سے اس کو دینا جائز ہوسکتا ہے، جیسا کہ فقہاء کی اس طرح کی عبارت سے واضح ہوتا ہے:

وَمَدْيُوْنٌ لَا يَمْلِكُ نِصَابًا فَاضِلاً عَنْ دَيْنِهِ. (وَفِي الظَّهِيْرِيَّةِ: اَلدَّفْعُ لِلْمَدْيُوْنِ أَوْلَىٰ مِنْهُ لِلْفَقِيْرِ (وَتَحْتَهُ فِي الشَّامِيَّةِ) أَيْ أَوْلَىٰ مِنَ الدَّفْعِ لِلْفَقِيْرِ الْغَيْرِ الْمَدْيُوْنِ لِزِيَادَةِ اِحْتِيَاجِهِ. (شامي، كراچی ٢/٣٤٣، زکریا ٣/٢٨٩)

اور ایسے قرض دار کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، جو ایسے نصاب کا مالک نہیں ہے، جو اس کے قرض کی ادائے گی سے فاضل ہو۔ (اور ظہیریہ میں ہے کہ مدیون کو دینا فقیر کو دینے سے زیادہ بہتر ہے، (اس کے نیچے شامی میں ہے کہ) غیر مدیون فقیر کو دینے سے مدیون فقیر کو دینا زیادہ بہتر ہے اس کے زیادہ محتاج ہونے کی وجہ سے۔

کیا عمارت کی تعمیر کے قرض کو مدز کوۃ سے ادا کیا جا سکتا ہے؟

سوال۶۔ میں یہ پوچھا گیا ہے کہ عمارت کی تعمیر کیلئے مہتمم صاحب کسی ایک مالدار شخص یا چند افراد کی کمیٹی سے کہیں کہ آپ لوگ خود اپنی طرف سے یا دوسرے لوگوں سے قرض لے کر مدرسہ کی عمارت بنوا دیں اور ہم کسی طرح ادا کر دیں گے، پھر مدرسہ کے مہتمم زکوۃ کی رقم سے ان کا قرض ادا کر دیں تو کیا رقومِ زکوۃ اور صدقات واجبہ سے ان حضرات کا قرض ادا کرنا جائز ہو سکتا ہے یا نہیں؟

اس سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ یہ قرض موجودہ طلبہ کی فوری ضرورت میں خرچ نہیں ہوا ہے، اور نہ ہی اس قرض کے پیسہ سے موجودہ طلبہ نے کسی کا قسم فائدہ اٹھایا ہے؛ بلکہ آئندہ سالوں میں آنیوالے طلبہ ان عمارتوں سے فائدہ اٹھائیں گے؛ اس لئے یہ قرض موجودہ طلبہ کی طرف سے ثابت کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے؛ لہٰذا زکوۃ کی رقم سے تعمیر کیلئے لئے گئے قرض کی ادائیگی کے بارے میں بغیر تملیک فقراء کے جواز کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔

لاَ يَصْرِفُ إِلىٰ بِنَاءِ نَحْوَ مَسْجِدٍ (وتحته في الشامية) كَبِنَاءِ الْقَنَاطِرِ وَالسّقَايَاتِ وَإِصْلَاحِ الطُّرُقَاتِ وَكَرى الأَنْهَار وَالْحج وَالْجِهَاد وَكُلُّ مَالاَ تَمْلِيك فِيهِ.

(شامی زکریا۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/)

زکوۃ کی رقم مسجد وغیرہ کی تعمیر پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے، ایسا ہی رفاہ عام کے پل اور پیاؤ ومسافر خانہ کی تعمیر، راستوں اور سڑکوں کی پختگی میں، نہروں کی کھدائی میں، حج اور جہاد میں اور ہر اس چیز میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے جس میں مالک بنانا نہ پایا جاتا ہو

زکوۃ کے پیسہ سے مطبخ کا قرض ادا کرنا

اگر کوئی مدرسہ غریب ہے اور بحرانی حالت میں ہے، اور دوکان دار سے ادھار سامان

لاکر مطبخ اور دیگر ضروریات پوری کرتا ہے، اور بعد میں زکوۃ کے پیسہ سے دوکاندار کا قرض ادا کردیا جاتا ہے، تو ایسی صورت میں زکوۃ ادا ہوجائیگی یانہیں؟ اور بلاتملیک کے زکوٰۃ کے پیسہ سے قرض ادا کرنا درست ہوجائے گا یانہیں؟

اس بارے میں وضاحت آگے آرہی ہے کہ قبضۂ زکوۃ کے بارے میں مہتمم، ذمہ دار مدرسہ اور مہتمم کے نائبین سفراء وغیرہ زکوۃ دہندگان کے وکیل ہونے کے ساتھ ساتھ طلبہ کے بھی وکیل ہیں؛ لہٰذا طلبہ پر خرچ کرنے میں جو قرض ہوا ہے وہ قرض طلبہ کی طرف سے وکیل بن کر مدزکوۃ سے ادا کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے؛ چنانچہ دوکان دار کا قرض طلبہ کے واسطے ہوا ہے؛ اس لئے طلبہ کی طرف سے وکیل بن کر مدزکوۃ سے ادا کرنا جائز اور درست ہوجائے گا جیسا کہ حسب ذیل فقہی جزئیات سے واضح ہوتا ہے:

أما دين الحي الفقير فيجوز لو بأمره (وتحته في الشامية) لأن من قضىٰ دين غيره بأمره له أن يرجع عليه بلا شرط الرجوع في الصحيح، فيكون تمليكاً من المديون علىٰ سبيل القرض، وقوله: يجوز عن الزكوٰة على أنه تمليك منه والدائن يقبضه لحكم النيابة عنه ثم يصير قابضا لنفسه.

(شامی، زکریا ۳/ ۲۹۱، ۲۹۲، کراچی ۲/ ۲٤٤)

بہرحال زندہ فقیر کا قرض ادا کرنا اگر اس کی اجازت سے ہو تو جائز ہے (اور اس کے تحت شامی میں ہے کہ) بیشک جو شخص غیر کا قرض اس کے حکم سے ادا کرتا ہے اس کیلئے رجوع کی شرط لگائے بغیر صحیح قول کے مطابق مقروض پر رجوع کرنا جائز ہے، تو ایسی صورت میں مدیون کی طرف سے قرض کے طور پر تملیک ثابت ہوجائے گی اور زکوۃ کی ادائے گی جائز ہوجائے گی اس وجہ سے کہ مدیون کی طرف سے تملیک پائی گئی اور دائن کا اس کو قبضہ کرنا اس کی طرف سے نیابت کی وجہ سے ہے، پھر اس کے بعد وہ اپنے لئے قبضہ کرنے والا بن جاتا ہے۔

اورشامی کی ذیل کی عبارت سے بھی یہ بات مستفاد ہوتی ہے، ملاحظہ فرمائیے:

وهو أن يوكل المديون خادم الدائن بقبض الزكوة ثم بقضاء دينه ، فبقبض الوكيل صار ملكاً للموكل ولا يسلم المال للوكيل إلا في غيبة المديون لاحتمال أن يعزله عن وكالة قضاء دينه حال القبض قبل الدفع. (شامی، زکریا۳/۱۹۱، کراچی ۲/۲۷۱)

اور وہ یہ ہے کہ مدیون دائن کے خادم کو قبضۂ زکوۃ کا وکیل بنائے ، پھر اپنے قرض کی ادائیگی کا وکیل بنائے ،تووکیل کے قبضہ کی وجہ سے موکل کی ملکیت ثابت ہوجائے گی، اور مال وکیل کوسونپا نہیں جائے گا،مگر مدیون کی غیبو بیت میں مال کی ادائے گی سے پہلے قبضہ کی حالت میں اس کے قرض کی ادائے گی کی وکالت سے معزول کردینے کے خطرہ کی وجہ سے۔

تملیک کی بہترین شکل

سوال ۷میں جوطریقہ لکھا گیا ہے مدارس میں تملیک کیلئے وہ سب سے بہتر شکل معلوم ہوتی ہے، کہ جتنا ماہانہ خرچ بشمول مطبخ، تعلیم، تنخواہ مدرسین وملازمین وغیرہ آتا ہے، اس کوطلبہ کی تعداد پر تقسیم کرکے ہر ایک کے حصہ میں آنیوالی رقوم بطور فیس مقرر کردی جائے ، اور ہر مہینہ فیس کے بقدر رقم بطور وظیفہ طالب علم کو مدزکوۃ سے دے دی جائے ، پھر طالب علم سے بطور فیس وصول کرکے ذمہ دار مدرسہ ، مدرسے کی مذکورہ تمام ضروریات میں خرچ کرتے رہیں، یہ صورت مدارس اسلامیہ میں مدزکوۃ کی رقوم کی تملیک کی بہترین شکل ہے، اگر اس شکل پر حتی الامکان عمل ہوجائے تو کوئی اشکال باقی نہیں رہے گا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر/۴/۲۲۴، محمودیہ ڈابھیل ۹/۶۰۳، رحیمیہ ۵/۱۵۰، محمودیہ الفتاویٰ ۲/۱۴۷، کتاب المسائل ۲/۲۷۳)

لہٰذا جن مدارس میں اس شکل پر عمل ممکن ہوتوان مدارس کے ذمہ داروں کواس شکل کواپنالینا چاہئے، اور جومدارس بہت بڑے ہیں،جن میں ہزاروں سے زائد طلبہ قیام

وطعام کیساتھ رہتے ہیں، ان مدارس میں اس شکل پر عمل کرنا دشوار ہوسکتا ہے؛ اسلئے ان مدارس کیلئے الگ سے کوئی دوسرا حل تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ اور مذکورہ شکل میں صراحت کیساتھ فقیر کو مال زکوۃ کا مالک بنا دینا پایا جاتا ہے، جو فقہاء کی ذیل کی صریح عبارت کے تحت داخل ہے:

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة. (شامی، زکریا۳/ ۲۹۱) شرط یہ ہے کہ زکوۃ کا پیسہ مالک بنانے کے طور پر صرف کیا جائے اباحت کے طور پر نہیں۔

مدزکوۃ سے سفراء کی تنخواہ

مدارس کے سفراء کو" العاملین علیہا" کے حکم میں قرار دیکر ان کو زکوۃ کی رقم میں سے بلا تملیک تنخواہ دینا درست ہوگا یا نہیں؟

اس سلسلے میں ہمارے اکابر میں سے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے سفراء کو "**العالمین علیہا**" کے دائرے میں داخل کر کے مدزکوۃ سے ان کو تنخواہ دینا جائز قرار دیا ہے اور صرف یہ قید لگائی ہے، کہ ان کی وصول کی ہوئی رقم کے نصف سے زائد تنخواہ دینا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم۴/ ۲۶۹، جدید زکریا۴/ ۲۸۶، جدید زکریا مطول ۶/ ۲۷۷)

لیکن حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے" معارف القرآن" میں کافی تفصیل کے ساتھ مختلف دلائل سے یہ ثابت کر دیا ہے، کہ مدارس کے سفراء کو عاملین کے حکم میں قرار نہیں دیا جاسکتا؛ لہٰذا ان کو عاملین کے حکم میں قرار دے کر مدزکوٰۃ سے ان کو زکوۃ دینا درست نہیں ہو سکتا ہے۔ (مستفاد: معارف القرآن۴/ ۱۶۹، تحت سورۂ توبہ، آیت: ۶۰)

کیوں کہ العاملین علیہا کے حکم میں قرار دینے کے لئے لازم ہے کہ امیر المؤمنین کی طرف سے سفراء مقرر کئے گئے ہوں اور مہتمم مدرسہ کو ولایت عامہ اور قوت عسکری حاصل نہ ہونے کی وجہ سے امیر المؤمنین کے حکم میں نہیں قرار دیا جاسکتا ہے؛ اس لئے سفراء کو عاملین علیہا کے حکم میں داخل نہیں کیا جاسکتا۔

نیز حضرت تھانویؒ قدس سرہ نے ’’امداد الفتاویٰ‘‘ میں اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ نے ’’عزیز الفتاویٰ‘‘ میں اور حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ نے ’’احسن الفتاویٰ‘‘ میں یہی نقل فرمایا ہے کہ سفراء کو عاملین کے حکم میں قرار دے کر ان کو مد زکوۃ سے تنخواہ دینا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ زکریا ۲/ ۵۶، عزیز الفتاویٰ کراچی/ ۳۶۳، احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۵۲)

تو اکابر میں سے جواز کے قائل صرف حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب قدس سرہ تنہا رہ جاتے ہیں، اور قریب قریب تمام اکابر اہل فتاویٰ اس پر متفق ہیں کہ سفراء کو امیر کی طرف سے مقرر کردہ عاملین کے حکم میں قرار دیکر ان کو مد زکوۃ سے بلا تملیک تنخواہ دینا جائز نہیں ہے۔ اور یہی حکم محاسبی اور دفتر کے ملازمین کی تنخواہ کے بارے میں بھی ہوگا، خصوصاً جب وہ لوگ حساب زکوۃ کے علاوہ دوسرے کام بھی انجام دیتے ہوں؛ لٰهذا مد زکوۃ سے سفراء اور دیگر ملازمین کو تنخواہ دینا جائز نہیں ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر، ص: ۲۲۹ تا ۲۳۱، مکتبہ نعیمہ)

کیا مہتمم امیر المؤمنین کے حکم میں ہوسکتا ہے؟

سوال ۸ اور ۹ زیادہ اہمیت کے حامل ہیں، اور دونوں سوالوں میں مہتمم اور ذمہ دار مدرسہ کو امیر المؤمنین کے درجہ میں قرار دینے کا حکم اٹھایا گیا ہے، ان کو امیر المؤمنین کے درجہ میں قرار دینے کی بات ہماری سمجھ سے بالا تر ہے، اسلئے کہ امیر المؤمنین کو ولایت عامہ بھی حاصل ہوتی ہے، اور قوت عسکری بھی حاصل ہوتی ہے اور یہ دونوں چیزیں مدارس کے مہتمم اور ذمہ دار مدرسہ کو حاصل نہیں ہوتیں، ہاں البتہ مدارس کے مہتمم اور ذمہ دار کو قوت ارادی حاصل ہوتی ہے اور جس کو قوت ارادی حاصل ہوتی ہے اس کو امیر المؤمنین کا درجہ حاصل نہیں ہوسکتا ہے؛ اس لئے یہ مسئلہ موضوع کے پیش نظر انتہائی نازک ہے؛ لہٰذا اس مسئلہ میں براہ راست نصوص سے استفادہ کر کے سمجھنے کے بجائے بڑے بڑے اکابر و مشائخ اور معتبر اہل فتاویٰ کا سہارا لے کر سمجھنا زیادہ مناسب ہوگا۔

تو اس سلسلے میں سوال نامہ میں جن اکابر کا نام لیا گیا ہے، یعنی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تحریرات کو پیش نظر رکھ کر گفتگو کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے،؛ لھذا حضرات اکابر کی تحریرات کا نچوڑ یہاں پر نقل کر دیتے ہیں ملاحظہ فرمایئے۔

مہتمم معطیین وطلبہ دونوں کا وکیل

مہتمم اور سفراء بالاتفاق معطیین کے وکیل ہیں؛ لیکن سوال یہ ہے کہ طلبہ اور فقراء کے بھی وکیل ہیں یا نہیں؟ تو اگر ان کو صرف زکوۃ دہندگان کی طرف سے وکیل تسلیم کیا جائے اور طلبہ کی طرف سے وکیل تسلیم نہ کیا جائے تو زکوٰۃ دہندگان کی زکوۃ اس وقت تک ادا نہ ہوگی جب تک یہ لوگ مصرف میں خرچ نہ کردیں؛ لہٰذا اگر مصرف میں خرچ ہونے سے قبل ضائع ہو جائے تو معطیین کی زکوۃ ادا نہ ہوگی، اس پر زکوۃ بدستور باقی رہے گی؛ لیکن اگر مہتمم اور سفراء کی طرف سے کوئی تعدی نہیں ہوتی ہے تو ان پر تاوان بھی لاگو نہیں ہوگا۔

نیز ایسی صورت میں اگر کسی مدرسے میں زکوۃ کی رقم کئی سال خرچ ہوئے بغیر جمع رہ جائے تو وہ اگر بقدر نصاب ہو تو ان معطیین پر ان سالوں کی زکوۃ بھی دوبارہ ادا کرنا لازم ہوگا۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمہ نے ''معارف القرآن'' میں اس کو خوب وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ (معارف القرآن ۴/ ۱۶۹ تحت سورۂ توبہ، آیت: ۶۰)

مگر ہمارے اکثر اہل فتاویٰ نے مہتمم کو طلبہ اور معطیین دونوں کا وکیل تسلیم کیا ہے اور طلبہ کا وکیل ہونے کی وجہ سے مہتمم اور اس کے ماتحت لوگوں کے قبضہ کرنے پر زکوۃ دہندگان کی زکوۃ اسی وقت ادا ہو جاتی ہے؛ لہٰذا اگر طلبہ پر خرچ ہونے سے قبل بلا تعدی ہلاک ہو جائے تو معطیین کے وکیل اور امین ہونے کی وجہ سے ان پر کوئی تاوان لازم نہ ہوگا اور طلبہ کے وکیل ہونے کی وجہ سے معطیین کی زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ نیز کئی سال سے جمع شدہ رقم پر کسی شخص حقیقی

کی ملکیت تامہ نہ ہونے کی وجہ سے ان سالوں کی زکوٰۃ بھی ادا کرنا لازم نہ ہوگا۔

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ فرماتے ہیں، کہ معطیین کے حق میں اہل مدرسہ بیت المال کے عمال کے مثل ہیں، طلبہ اورآخذین کی طرف سے وکلاء ہیں؛ لہٰذا نہ اس پر زکوۃ واجب ہوگی اور نہ ہی معطیین زکوۃ واپس لے سکتے ہیں۔ (فتاویٰ خلیلیہ مکتبہ مظاہر العلوم، سہارنپور/۳۱۹)

اور یہی مضمون مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ نے ''فتاویٰ محمودیہ'' میں بھی نقل فرمایا ہے کہ جب طلبہ نے مہتمم کے اہتمام وانتظام اور قوانین کو تسلیم کر کے داخلہ لیا ہے تو گویا یوں کہہ دیا کہ آپ میرے وکیل ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۹/۵۱۴)

اور حضرت قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ نے صاف اور واضح الفاظ میں مہتمم کو طلبہ کا وکیل قرار دیا ہے۔ (مستفاد: تذکرۃ الرشید ۱/۱۶۴، بحوالہ حاشیہ فتاویٰ خلیلیہ ۱/۳۲۰)

قوت دلائل کی روشنی میں اگر چہ مہتمم کو طلبہ کا وکیل قرار نہیں دیا جاسکتا، جیسا کہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ''معارف القرآن'' میں نقل فرمایا ہے؛ لیکن اساطین امت اور اہل فتاویٰ کی ایک بڑی جماعت نے مہتمم اور اہل مدرسہ کو طلبہ کا وکیل قرار دیا ہے؛ اس لئے مسلم ہوگا کہ مہتمم اور اہل مدرسہ، سفراء معطیین اور طلبہ دونوں کی طرف سے وکیل ہوں گے، نیز حضرت تھانویؒ نے بھی ''امداد الفتاویٰ'' ترتیب قدیم مطبوعہ رحمانیہ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے مذکورہ جواب کو تحریر فرمایا ہے، جس سے شبہ اور تردد بالکل مرتفع ہوجاتا ہے۔ (امداد الفتاویٰ ترتیب قدیم ۴/ ۲۱۸)

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی آخری عمر میں اس فتویٰ سے رجوع کر کے اعلان کردیا ہے، جس میں مہتمم اور اہل مدرسہ کے طلبہ کی طرف سے وکیل ہونے کا مفتی صاحبؒ نے انکار کیا تھا۔ اور اکابر کے اس فتویٰ سے اتفاق کرلیا ہے، جس میں مہتمم اور اس کے مامور کردہ حضرات کے طلبہ کی طرف سے وکیل ہونے کی صراحت ہے، اور رجوع کا تفصیلی فتویٰ ''جواہر الفقہ'' ۴/ ۳۸۷، میں امین اشرف متعلم شعبہ افتاء دارالعلوم کراچی کے

پانچ ذیقعدہ ۱۳۹۵ھ کے سوال کے جواب کے تحت موجود ہے۔ اور ان کی وفات دس اور گیارہ شوال کی درمیانی شب ۱۳۹۶ھ میں ہوئی ہے؛ لہٰذا وفات سے تقریباً گیارہ مہینے پہلے رجوع فرما کر حضرت گنگوہیؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ اور حضرت تھانویؒ کی تحریر سے اتفاق کرلیا ہے۔ (امداد المفتیین کراچی/ ۱۰۸۵، جواہر الفقہ قدیم ۴/ ۳۸۷، جدید سلمان عثمان اینڈ کمپنی دیوبند ۳/ ۳۱۴ تا ۳۲۱)

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ جو اشیاء مہتمم یا اس کے نائب کو حاصل ہوتی ہیں اس میں تین شکلیں ہوں گی:

شکل ۱: صاحب خیر زکوۃ کی رقم یہ کہہ کر دے کہ یہ طلبہ کی فلاں ضرورت میں خرچ کر دینا، تو ایسی شکل میں ذمہ دار مدرسہ معطیین اور طلبہ دونوں کا وکیل ہوگا، معطی کا وکیل اس لئے ہے کہ اس نے صراحت کیساتھ وکیل بنایا ہے، اور طلبہ کا وکیل اس ضرورت کی وجہ سے ہے؛ لہٰذا اگر طلبہ کا وکیل تسلیم نہ کیا جائے تو زکوۃ کی چیز اہل مدرسہ کے ہاتھ میں آتے ہی معطی کی زکوٰۃ کی ادائیگی ثابت نہ ہوگی؛ بلکہ ادائے گی معلق رہے گی۔

شکل ۲: صاحب خیر اہل مدرسہ کو بغیر کسی صراحت کے زکوۃ کی چیز دیدے، تو ایسی صورت میں بھی اہل مدرسہ معطیین اور طلبہ دونوں کے وکیل ہوں گے۔ اور موضوع سے متعلق زیر بحث مسئلہ میں یہی شکل زیادہ پیش نظر ہے۔

شکل ۳: صاحب خیر امداد کی رقم دیدے، تو ایسی صورت میں مہتمم اور اہل مدرسہ صرف معطی کے وکیل ہوں گے طلبہ کی وکالت کی ضرورت نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ رقم بمد زکوۃ نہیں ہے؛ لہٰذا جب تک صحیح مصرف میں خرچ نہیں ہوگی اس وقت تک وہ رقم معطی کی ملکیت سے خارج نہ ہوگی۔ نیز جہاں خرچ کرنیکی صراحت کردی ہے وہاں خرچ کر دینا واجب ہوگا۔

(مستفاد: ایضاح النوادر، مکتبہ فرید/ ۲۲۶ تا ۲۲۹)

المستفاد: قوماً بنوا مسجدا و فضل من خشبهم شيء – إلىٰ– يكون الفاضل لهم يصنعون ما شاؤا. (البحر الرائق كوئٹه ۵/ ۲۵۰)

اگر کسی قوم نے رقم واسباب جمع کرکے مسجد کی تعمیر کی ہے اور کچھ سامان فاضل بچ جائے تو وہ انہیں چندہ دہندگان کی ملکیت میں ہوگا اور وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔

وکالت نامہ پر دستخط کافی کیوں نہیں؟

مذکورہ وضاحت سے یہ بات سامنے آ گئی کہ مہتمم اور ذمہ دار مدرسہ طلبہ کے وکیل ہوتے ہیں، اور اس بارے میں تمام اکابر اہل فتاویٰ کا اتفاق ہو چکا ہے، جیسا کے ماقبل کے عنوان سے واضح ہو چکا ہے، مگر اس پر غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ مہتمم اور ذمہ دار مدرسہ چندہ وصول کرتے وقت کن طلبہ کے وکیل ہوتے ہیں۔

یہ بات واضح ہے کہ عمومی طور پر پچانوے فیصد زکوۃ کا پیسہ رمضان المبارک میں وصول ہوتا ہے، اور ظاہر بات ہے کہ رمضان میں جو پیسہ وصول ہوتا ہے وہ آئندہ آنے والے سال شوال میں جو طلبہ داخل ہونے والے ہیں، ان ہی کی طرف سے وکیل بنکر وصول کیا جاتا ہے، یعنی جو طلبہ مدرسہ میں ابھی داخل نہیں ہوئے ہیں اور نہ ہی وہ طلبہ مدرسہ کے قوانین وضوابط کے پابند ہوئے ہیں، اور نہ ہی انھوں نے مہتمم اور ذمہ دار مدرسہ کی ماتحتی کو ابھی قبول کیا ہے اور وہ مجہول الذات اور مجہول الکمیت بھی ہیں، ان کی طرف سے وکیل بنکر زکوۃ کا پیسہ وصول کیا جاتا ہے، اور اکابر نے مہتمم اور ذمہ دار مدرسہ کو ان غیر داخل طلبہ کی طرف سے وکیل تسلیم کر لیا ہے، حضرت گنگوہیؒ نے اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے فتویٰ میں اس بات کی صراحت بھی ہے کہ اگر چہ وہ طلبہ مجہول الذات اور مجہول الکمیت کیوں نہ ہوں تب بھی مہتمم مدرسہ ان کی طرف سے وکیل ہے۔ (فتاویٰ خلیلیہ/ ۳۹۱، تذکرۃ الرشید/ ۱۶۴، امداد الفتاویٰ جدید ۶/ ۲۶۳، قدیم ۶/ ۲۷۳)

اب اس پر ہمارا ایک سوال ہے کہ جب غیر داخل طلبہ جو ابھی مہتمم یا ذمہ دار مدرسہ کی

ماتحتی میں مدرسہ کے کسی طرح کے قوانین وضوابط کے پابند نہیں ہیں اور ابھی تک وہ مجہول الذات اور مجہول الکمیت ہیں ان کی طرف سے سارے اکابر نے مہتمم اور ذمہ دار مدرسہ کو وکیل تسلیم کرلیا ہے تو شوال میں جو طلبہ معلوم الذات اور معلوم الکمیت ہوکر مہتمم اور ذمہ دار مدرسہ کی ماتحتی میں مدرسہ کے سارے قوانین وضوابط کی پابندی کا عہد کر کے داخل ہو جاتے ہیں، ان کی طرف سے ان کی متعلقہ تمام ضروریات روشنی ، پانی، رہائش اساتذہ کی تنخواہیں، کتابوں وغیرہ میں خرچ کرنے کا مہتمم اور ذمہ دار مدرسہ وکیل کیوں نہیں بن سکتے؟

لہٰذا اگر داخلہ فارم پر پورے سال کا ایک طالب علم کے پیچھے بجٹ کے حساب سے جو بھی امکانی خرچ ہوسکتا ہے، اس کو تفصیل سے درج کردیا جائے اور طالب علم اس کو پڑھ کر اس پر دستخط کردے کہ میری طرف سے ان تمام اخراجات کا مہتمم اور ذمہ دار مدرسہ وکیل ہے تو ایسی صورت میں یہ وکالت کیوں جائز نہ ہوگی۔

اس سلسلہ میں علماء کرام سے گذارش ہے کہ غور فرمائیں لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی گذارش ہے کہ وکالت نامہ کی یہ شکل صرف ان مدارس کے بارے میں زیر غور ہونی چاہئے، جن میں طلبہ کی تعداد ہزاروں سے زائد ہے، کیونکہ حضرات فقہاء کے لکھے ہوئے حیلۂ تملیک کی صورت پر عمل کرنا ان مدارس میں دشوار ہے، یہ پیش کش احقر کے طرف سے حضرات علماء کرام کی خدمت میں غور کرنے کیلئے کی گئی ہے ابھی اپنی طرف سے کسی قسم کی رائے کا اظہار نہیں ہے۔

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۰ / ربیع الاول ۱۴۳۵ھ

(رجسٹر خاص)

(۸) باب: حیلۂ تملیک

حیلۂ تملیک

سوال: [۴۴۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حیلہ کا کیا حکم ہے؟ مدارس میں جو حیلۂ تملیک کراتے ہیں شرعاً جائز ہے یا نہیں، جسکی صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی طالب علم کو مہتمم صاحب کہتے ہیں، ہم اس مال کا آپ کو مالک بنائیں گے پھر تم قبضہ کرنے کے بعد یہ کہنا کہ میں نے یہ مال مدرسہ کیلئے وقف کیا تو کیا اس طرح تملیک کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ جب کہ مہتمم صاحب کی نیت مالک بنانے کی نہیں ہوتی بلکہ حکم شرعی (تملیک) کا اسقاط مقصود ہوتا ہے، لھذا آپ سے گذراش ہے کہ حیلہ کا صحیح طریقہ تحریر فرمائیں۔

نوٹ: جن علماء نے اس کو جائز قرار دیا ہے، اور جن علماء اس کو ناجائز قرار دیا ہے، دونوں فریقین کے دلائل قرآن وحدیث اور کتب فقہ سے مدلل فرمائیں۔

المستفتی: مفتی حسام الدین، مقیم امراوہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حیلۂ تملیک مطلقاً ہر جگہ جائز نہیں ہے بلکہ خاص قیودات کے ساتھ سخت ضرورت کے تحت جائز ہوتا ہے، مثلاً جس مدرسہ میں قرآن وحدیث تفسیر وفقہ کی تعلیم ہوتی ہے اور مدرسین کی تنخواہیں امداد کے پیسے سے پوری نہیں ہوتیں اور بغیر تنخواہ کے مدرس میسر نہیں ہوتے ہیں، تو ان کی تنخواہوں میں دینے کیلئے حیلۂ تملیک کی گنجائش ہے، اور حیلہ کی شکل یہ ہوتی ہے، کہ کسی فقیر یا غریب طالب علم کے قبضہ میں زکوۃ کا پیسہ دیدیا جائے پھر اس کے بعد اس سے مانگ کر لیا جائے کہ مدرسہ میں دیدو تم کو ثواب ملے گا، یہ حیلۂ تملیک کا طریقہ ہے اور بہتر شکل یہ ہے کہ مدرسہ کی سالانہ ضروریات یا ماہانہ ضروریات اور تنخواہوں کا حساب لگا لیا جائے اور پھر اس حساب سے فی طالب علم کتنا بیٹھتا ہے، اس کا بھی

حساب لگا کر ہر طالب علم کو لفافے میں یا یوں ہی اتنا پیسہ دیدیا جائے اور ہر طالب علم بطور فیس کے مدرسہ میں جمع کردے ایسی صورت میں کوئی شکوک وشبہات باقی نہ رہیں گے، نیز ضرورت کے وقت حیلۂ تملیک کے مسئلہ میں کسی نے اختلاف کیا ہو نظر سے نہیں گذرا حیلۂ تملیک کی عبارت حسب ذیل ہے۔(مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۴۸)

والحيلة في الجواز في هذه الأربعة أن يتصدق بمقدار زكوته على فقير ثم يأمره بعد ذلك بالصرف إلى هذه الوجوه فيكون لصاحب المال ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب، كذا في المحيط.

(البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف كوئٹه ۲/ ۲۴۳، زكريا ديوبند ۲/ ۴۲۴)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:	کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ	۲۴؍ صفر ۱۴۲۹ھ
۱۴۲۹/۲/۲۵ھ	(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۸۳/۳۸)

تملیک وحیلۂ تملیک میں فرق

سوال: [۴۴۴۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تملیک اور حیلۂ تملیک میں کیا فرق ہے، مدارس میں جو طریقہ رائج ہے وہ اگر حیلۂ تملیک ہے تو تملیک کی شکل بتائی جائے تاکہ اسکے تحت پرائمر اور جونیئر بھی چلایا جا سکے۔

المستفتي: محمد یوسف قاسمی، جامعہ شمس العلوم، کاشی پور، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تملیک اور حیلۂ تملیک میں یوں فرق ہے کہ تملیک میں دینے والے کے دل میں کسی ترکیب سے فقیر کے ہاتھ سے نکالنے کا ارادہ نہیں ہوتا مثلاً کسی ان جان شخص کو مستحق زکوٰۃ ہونے کی بناء پر دیدیا جائے پھر اس سے کوئی توقع نہ رکھی جائے، وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہے جسطرح چاہے خرچ کرسکتا ہے، اس صورت میں

مدرسہ ہو یا جونیئر کسی میں بھی مال زکوۃ پہونچنے کی کوئی شکل اور موقع نہیں ہوسکتا۔

التملیک هو جعل الرجل مالکاً . (قواعد الفقه/۲۳۷)

والمالک هو المتصرف فی الأعیان المملوکة کیف شاء من الملک الخ. (بیضاوی شریف/۷)

اور حیلۂ تملیک کی شکل یہ ہے کہ کسی فقیر کو مال زکوۃ اس طرح دیا جائے کہ کسی ترکیب سے مثلاً کارخیر کی ترغیب وغیرہ کے ذریعہ سے اسکے ہاتھ سے نکالنے کی توقع ہو جو صرف دینی مدارس میں شدت ضرورت کی بناء پر جائز ہے، جو جونیئر وغیرہ میں کسی حال میں بھی جائز نہیں ہوسکتا ہے پرائمری دینی تعلیم مدرسہ کے تابع ہوتی ہے اسلئے اشکال نہ ہونا چاہئے۔

والحیلة أن یتصدق علی الفقیر ثم یأمره بفعل هذه الأشیاء فتکون لرب المال ثواب الزکاة وللفقیر ثواب هذا التقرب الخ. (الدر المنتقی شرح الملتقی ، کتاب الزکاة ، باب فی بیان أحکام المصارف ، دارالکتب العلمیة بیروت ۳۲۸/۱، قدیم ۲۲۲/۱، فتاویٰ عالمگیری زکریا دیوبند۳۹۲/٦، کتاب الحیل الفصل الثالث ، زکریا ۳۹٤/٦، الدرالمختار مع الشامی، کراچی ۳٤٥/۲، زکریا دیوبند۳۹۳/۳)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۹٦/۲۴)

کیا حیلۂ تملیک سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

سوال: [۴۴۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوۃ کی رقم کی ادائیگی کس طرح سے ہوتی ہے، مدارس میں کام کرنے والے کسی زکوۃ کے حقدار بچے کو پوری رقم دیدیتے ہیں، جو دیگر شہروں سے وصول کر کے لائی جاتی ہے وہ بچہ اپنی طرف سے اس رقم کو مدرسہ میں امداد کر دیتا ہے پھر اس رقم کو تعمیر تنخواہ وغیرہ میں خرچ کیا جاتا ہے اس طرح سے زکوۃ دینے والے کی زکوۃ ادا ہو جائیگی یا نہیں؟

نوٹ: جبکہ لوگوں سے رقم غرباء ویتیم بچوں کی پڑھائی کھانا اور کپڑوں کیلئے کہہ کرلی جاتی ہے اور جس بچے کو رقم دی جاتی ہے اس سے یہ وعدہ کر کے دیجاتی ہے کہ وہ رقم مدرسہ کی امداد میں واپس کرے گا؟

المستفتي: نفیس الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس طریقہ کار کو حیلۂ تملیک کہتے ہیں اور یہ حیلہ ہر قسم کے مدارس میں جائز نہیں ہے بلکہ صرف ان مدارس میں جائز ہے جن میں باہر کے طلبہ اور مطبخ وغیرہ ہو اور اگر پہلے واپسی کا وعدہ کرایا جاتا ہے تو حیلۂ تملیک صحیح طریقہ پر نہیں ہوگا، اس حیلہ سے نہ طالب علم اس کا مالک ہوگا اور نہ رقم زکوۃ اپنی مد سے منتقل ہوگی، ہاں البتہ اگر پہلے کوئی بات نہیں کہی ہے اور یونہی فقیر کے قبضہ اور ملکیت میں دے کر پھر اس فقیر سے اس طرح مانگے جس طرح چندہ کرتے وقت مالکان سے مانگا تھا، ورنہ زکوۃ ادا نہ ہوگی۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۱۳)

والحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء فتكون لرب المال ثواب الزكوة وللفقير ثواب هذا التقرب. (مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب المصرف، دارالكتب العلمية بيروت ١/٣٢٨، قديم مصرى ١/٢٢٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۷۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۲/۱۹ھ

بغیر تملیک کے زکوۃ ادا نہیں ہوتی ہے

سوال: [۴۴۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بقرعید کے موقعہ پر قربانی کی کھال یا اس کی قیمت لاوارث نعش میں بغیر تملیک کے لگا سکتے ہیں

یانہیں؟ کیونکہ بقرعید سے پہلے کچھ لوگوں نے جامعہ نعیمیہ سے فتویٰ لیا تو انھوں نے فتویٰ اس طرح دیا کہ زکوۃ ،فطرہ بغیر تملیک کے کسی بھی مصرف میں نہیں لگا سکتے البتہ یہ کام کارخیر ہے اس میں انھوں نے تملیک کی شرط نہیں لگائی اور حوالہ دیا درمختار کا اس کو صحیح تحریر فرما کر شکریہ کا موقع دیں؟ نوازش ہوگی۔

المستفتي: ربیع الدین، جھبو کا نالہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کی کھال فروخت کرکے اس کی قیمت لاوارث نعش کی تجہیز وتکفین میں صرف کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اس کی قیمت کا صدقہ کر کے کسی زندہ فقیر کو مالک بنا دینا لازم ہے اور یہی حکم زکوۃ وفطرہ کا بھی ہے، اگر بلا تملیک کسی مصرف میں صرف کردی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی بلکہ مالک نصاب پر زکوٰۃ کی ادائیگی بدستور باقی رہے گی، اور وہ عند اللہ مؤاخذہ دار بھی ہوگا۔

فإن بيع اللحم أو الجلد به أو بدراهم تصدق بثمنه. (الدرالمختار مع الشامی كتاب الأضحية كراچی ٦/٣٢٨، زكريا٩/ ٤٧٥)

ولا يبنى بها مسجد ولا يكفن بها ميت لانعدام التمليك وهو الركن فإن الله تعالىٰ سماها صدقة وحقيقة الصدقة تمليك المال من الفقير وهذا فى البناء ظاهر وكذا فى التكفين لأنه ليس تمليكا للكفن من الميت ولا الورثة . (فتح القدير مع الهدايه ، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز زكريا٢/ ٢٧٢، كراچی ٢/ ٢٠٧، بيروت ٢/ ٢٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۱/۱۴۲۶ھ

کیا حیلۂ تملیک من گھڑت ہے؟

سوال: [۴۴۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بہت سے لوگ تملیک کو بھی من گھڑت مسئلہ بتاتے ہیں، کہ یہ کوئی مسئلہ نہیں مولویوں کا من گھڑت ہے؟ یا حقیقت سے کچھ اس کا تعلق ہے؟

المستفتی: قاری تسلیم احمد، کرت پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئلہ تملیک من گھڑت نہیں ہے بلکہ اس کے جواز کیلئے ضرورت شدیدہ اور خالص دینی ضرورت شرط ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر/ ۱۵۹)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۴/۱۰/۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۰/۱۷ھ

تملیک کا صحیح طریقہ

سوال: [۴۴۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کی رقم کی تملیک کیلئے کوئی تعداد رقم متعین ہے یا نہیں یا کتنی بھی رقم ہو اس کے بارے میں بھی تملیک ہو سکتی ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں؟

المستفتی: قمر الاسلام انصاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک فقیر کو اتنی زکوٰۃ دینا کہ وہ صاحب نصاب ہو جائے مکروہ ہے البتہ نصاب سے کم کم دینا جائز ہے اور اگر فقیر مدیون ہو یا صاحب عیال ہو تو اسکو بقدر نصاب یا اس سے زائد رقم دی جا سکتی ہے، بشرطیکہ اس رقم کو تمام بچوں وغیرہ پر تقسیم

کرنے کے بعد نصاب باقی نہ رہتا ہو۔

وکره إعطاء فقير نصاباً إلا إذا كان مديونا أو صاحب عيال لو فرقه عليهم لايخص كلا أو لايفضل بعد دينه نصاباً فلايكره . (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ۲/۳۵۳، زكریا۳/۳۰۳، هنديه ، كتاب الزكوٰة ، الباب السابع فی المصارف ، زكريا ديو بندجديد ۱/۲۵۰، ۱/۱۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ ر شعبان ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۸۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۸/۳ھ

دینی ضروریات کیلئے حیلۂ تملیک

سوال: [۴۴۵۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حیلۂ تملیک کی اجازت صرف دینی ضروریات کو چلانے کے واسطے ہے یا دوسری ضروریات مثلاً امام مسجد کی تنخواہ کنواں وغیرہ بھی بنوایا جاسکتا ہے یانہیں؟ یا جونیئر ہائی اسکول اور ہاسپٹل وغیرہ کی تعمیر کرائی جاسکتی ہے یانہیں؟

المستفتي: محمد شفیع قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حیلہ صرف ایسی دینی ضروریات کیلئے جائز ہے، جن کے بغیر اسلامی شعار اور دینی علوم وغیرہ ضائع ہوجانے کا سخت خطرہ ہو، چونکہ امور مسجد بھی دینی ضروریات میں شامل ہیں، عام مسلمانوں کیلئے کہیں پانی کا انتظام نہیں ہورہا ہے تو کنواں بھی دینی ضرورت میں شامل ہوگا۔

والحيلة له أن يتصدق بمقدار زكوته على فقير ثم يأمره بعد ذلك بالصرف إلىٰ هذه الوجوه ، فيكون للمتصدق ثواب الصدقة ولذلك

الفقیر ثواب بناء المسجد و القنطرة الخ. (هندیه ، کتاب الحیل ، الفصل الثالث فی زکوٰة زکریا دیوبند ٦/ ٣٩٢، جدید ٦/ ٣٩٤)

جونیئر ہائی اسکول دینی ضروریات میں داخل نہیں اسلئے اس میں جائز نہ ہوگا ، ہاسپٹل کی اتنی ضرورت نہیں جسکی وجہ سے مال زکوٰۃ کو حیلہ کرکے اس میں صرف کرنا پڑے جبکہ حکومت کی طرف سے بغیر دیگر وجوہات سے علاج ومعالجہ کا انتظام ہرجگہ وافر طریقہ سے موجود ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱رذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲۲/۲۳)

صدقات واجبہ کی چیز کھا کر اندازے سے تملیک کرنا

سوال: [۴۴۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) کیا صدقہ یا فطرہ کی چیز کو کھا کر بعد میں اندازے سے اسکی تملیک کرسکتے ہیں ، یا نہیں؟

(۲) تملیک کا مستحق کون ہے یا ہر شخص تملیک کرسکتا ہے؟

المستفتی: طاہر حسین ، فاضل پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) صدقہ یا فطرہ کی اشیاء فقراء کی ملکیت میں دیدینا واجب ہوتا ہے اس کو کھالینا ممنوع ہے اگر کھالیا ہے تو اس کے تاوان میں اتنی چیز صدقہ یا فطرہ کی نیت سے فقراء کو دیدینا لازم ہے۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة الخ. (الدرالمختار ، کتاب الزکاة ، باب المصرف زکریا ٣/ ٢٩١، کراچی ٢/ ٣٤٤)

(۲) زکوٰۃ اور صدقہ کا مالک ایسے شخص کو بنانا لازم ہے جو نصاب کا مالک نہ ہو یعنی

ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا مالک نہ ہو۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۱۱/۱۴۱۵ھ

تملیک کیلئے پیسہ لیکر واپس نہ کرنے پر زبردستی کرنا

سوال: [۴۴۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کو تملیک کیلئے پیسے دیئے اس نے لینے کے بعد دوبارہ دینے سے انکار کر دیا تو کیا اس سے جبراً وہ پیسے لینے کا حق ہے یا نہیں اور اگر جبراً وہ پیسے اس سے لے لئے تو کیا تملیک ہوگی یا نہیں؟ آجکل جو ہر آدمی تملیک کا بہانا بنا کر جگہ جگہ مدرسہ کھول بیٹھا ہے اور لوگوں سے زکوٰۃ وغیرہ وصول کرتا ہے تو کیا ایسے مدرسہ والوں کو زکوٰۃ دی جائے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تملیک کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کا مال فقیر کو بنیت زکوٰۃ دیکر مالک بنادیا جائے اور اس کے بعد اس سے اسی طرح درخواست کی جائے جس طرح چندہ دہندگان سے درخواست کی جاتی ہے، اب اگر وہ نہ دے تو جبر نہیں ہونا چاہئے، لہٰذا اگر زبردستی لیا جائیگا تو تملیک صحیح نہ ہوگی۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۱۲)

الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء .

(الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ۲/ ۳٤٤، زكريا ديوبند ۳/ ۲۹۳)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۱۲/۱۴۱۸ھ

صاحب نصاب معذور سے یا کسی کو انعام دے کر تملیک کرانا

سوال: [۴۴۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) کوئی شخص ہاتھ و پیروں سے تو معذور ہے مگر صاحب نصاب ہے تو کیا ایسے شخص کو مدز کوٰۃ یا چرم قربانی وغیرہ کی تملیک کرائی جاسکتی ہے؟

(۲) آجکل تملیک کرانے کا طریقہ اس طرح سے ہے کہ زکوٰۃ وغیرہ کی کل رقم معذور شخص کو دیدی جاتی ہے، اور اس سے کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ روپیہ مدرسہ کا ہے وہ شخص کل روپیہ لیکر پھر واپس کر دیتا ہے اب مہتمم صاحب اس شخص کو اس روپیہ میں سے ۳۰۰ یا ۴۰۰/ روپئے جو بھی مناسب سمجھتے ہیں دیدیتے ہیں، کیا یہ طریقہ درست ہے؟

المستفتي: محمد اسلم امروہوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ایسا شخص جو صاحب نصاب ہے اس سے زکوٰۃ کے مال کی تملیک کرانا ہرگز جائز نہیں ہے اگر چہ وہ ہاتھ پیروں سے معذور ہی کیوں نہ ہو۔ (مستفاد: کفایت المفتی جدید ۴/ ۲۷۶، ۴/ ۲۶۰، جدید زکریا مطول ۶/ ۲۴۲)

والحيلة أن يتصدق على الفقراء ثم يأمره بفعل هذه الأشياء . (شامی، کتاب الزكاة، باب المصرف کراچی ۲/ ۳٤٤، زکریا ۳/ ۲۹۳)

(۲) انعام یا کچھ دیکر مدز کوٰۃ کی تملیک کرانا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۳۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۳۶)	۳۰/ ۶/ ۱۴۱۹ھ

کیا بذریعہ چیک حیلۂ تملیک کی شکل ہوسکتی ہے؟

سوال: [۴۴۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل

عام طور پر مدارس میں زیادہ رقومات، زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کی آتی ہیں، جن کو دیگر مصارف میں خرچ کرنے کے لئے جو حیلۂ تملیک رائج ہے، وہ محض حیلہ بن کر رہ گیا ہے، اور بعض اکابر رحمہم اللہ کے بقول یہ حیلہ محض لاشئی ہے کیوں کہ دینے والا بھی ہازل ہے اور لینے والا بھی ہازل اسلئے ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی ایسی صورت تجویز کی جائے جس میں تملیک واقعی کا کسی حد تک تحقق ہو جائے۔

اس سلسلہ میں مجلس عاملہ دارالعلوم دیوبند کی ہدایت پر ایک مجلس نے غور وخوض کے بعد درج ذیل صورت تجویز کی ہے:

(تجویز کا متن)

مروجہ حیلۂ تملیک وتوکیل کے بجائے مدارس میں طلبہ کے ضروری مصارف مثلاً مصارف مطبخ، روشنی، پانی، علاج، مصارف کتب، صفائی، مصارف تعلیم وامتحانات کے اعتبار سے ہر طالب علم پر ایک مقررہ رقم عائد کردی جائے اور مہینہ کے ختم پر اسے مدزکوٰۃ سے سند حوالہ (چیک) دیدیں پھر اسی طالب علم سے سابقہ واجب الأ داء رقم بذریعہ چیک واپس وصول کر کے مدعطایا میں داخل کردی جائے۔ تو کیا یہ صحیح ہے؟

برائے کرم جلد جواب سے نوازیں۔

المستفتي: مولانا مرغوب الرحمٰن،
مہتمم دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چیک کی دو قسمیں ہیں، (۱) صرف ادارہ کے اندر اندر اس کا عتبار ہے حکومت اور عوام میں اس کا اعتبار نہیں ہے، تو اس طرح کا چیک مال کا بدل یا سند نہیں بن سکتا! اور اس طرح کے چیکوں کے ذریعے سے لین دین اور طلبہ کے مصارف کی خانہ پوری اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حال اس سے زیادہ لاشئی اور ہزل ہے جو سوال نامہ میں مروجہ حیلۂ تملیک کے بارے میں کہا گیا ہے۔

(۲) سرکاری چیک جوعوام اور حکومت دونوں میں معتبر ہوتا ہے بلکہ بعض حالات میں دوسری حکومتوں میں بھی اس کا اعتبار ہو جاتا ہے، کیونکہ جس حکومت نے کاغذی نوٹ کوثمن عرفی کی حیثیت دے رکھی ہے اسی نے سرکاری چیک کوبھی کاغذی نوٹ کے بدل کی حیثیت دے رکھی ہے، اس لئے وہ چیک صرف سرکاری بینک ہی سے حاصل ہوسکتا ہے اور بڑے بڑے ادارے، فرم اور کمپنی کی رقم جب بینک میں جمع ہوجائے پھر ادارے اگر چاہیں تو بینک سے اپنی ضرورت کے مطابق سرکاری چیکوں کی پوری پوری کا پیاں حاصل کر سکتے ہیں، اور ایک ایک چیک بک میں کافی تعداد میں چیک ہوتے ہیں، لہٰذا اگر اس طرح کیا جائے کہ روشنی، مطبخ، پانی، تعلیم اور امتحانات وغیرہ تمام مصارف کیلئے طالب علم پر جو مقررہ رقم عائد کردی ہے اس رقم کا مدز کوٰۃ سے اس سرکاری چیک کے ذریعے سے طالب علم کو ذمہ دار کے دستخط کے بعد مالک بنادیا جائے اور پھر طالب علم اپنے دستخط کے بعد سابقہ واجب الاداء رقم یا آئندہ واجب ہونے والی رقم کو اس چیک کے ذریعے دفتر میں داخل کردے، اور پھر دفتر والے طالب علم کی طرف سے بینک میں جمع شدہ رقم اس چیک کے ذریعے سے وصول کرلیں اور پھر اس رقم کو ادارہ کسی بھی مصرف میں خرچ کرے تو اس کی شرعاً گنجائش معلوم ہوتی ہے، بشرطیکہ ادارے کی رقم بالفعل بینک میں موجود ہو کیونکہ سرکاری چیک کو ہم غیر ملکی کرنسی کے حکم میں سمجھتے ہیں۔

ومنه يعلم حكم ما تعورف في زماننا من الشراء بالقروش فإن القرش في الأصل قطعة مضروبة من الفضة (إلىٰ قوله) ثم إن أنواع العملة المضروبة تقوّم بالقروش فمنها مايساوي عشرة قروش (وقوله) فإذا اشترى بمائة قرش فالعادة أنه يدفع ما أراد إما من القروش أو مما يساويها من بقية أنواع العملة من ريال أو ذهب ولايفهم أحد أن الشراء وقع بنفس القطعة المسماة قرشابل هى أو مايساويها من أنواع العملة المتساوية فى الرواج المختلفة فى المالية. (شامی، کتاب البیوع، مطلب هم في حكم الشراء

بالقروش فی زماننا کراچی ٤/٥٣٧، زکریا ٧/ ٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳۰/ ۷/ ۱۴۲۲ھ

فدیہ کی رقم کی تملیک کیسے ہو؟

سوال: [۴۴۵۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فدیہ کی بڑی رقم ہے جسمیں بعض تو نماز کا فدیہ ہے اور بعض روزہ کا، ہمارے یہاں طریقہ یہ ہے کہ زکوٰۃ وصدقات کی جو رقم وصول ہوتی ہے، وہ تو طلبہ سے تملیک کرا دیتے ہیں، اس کی صورت یہ ہوتی ہے، کہ ماہانہ دو ہزار روپئے کے حساب سے طلبہ کو دیتے ہیں، جو اپنی خورا کی فیس میں جمع کر دیتے ہیں، فدیہ میں کیا صورت اختیار کی جائے، فدیہ میں سے دو ہزار روپیہ ایک طالب علم کو دیدیں تو متعدد فدیہ ایک کو دینا ہوگا، نیز فدیہ مکمل دینا چاہئے، اور مذکورہ صورت میں کمی بیشی ہوگئی، سفیر لوگ فدیہ کی رقم چندہ میں لاتے ہیں، اور معلوم نہیں ہوتا ہے کہ معطی نے کس حساب سے فدیہ نکالا ہے؟

مہتمم کے قبضہ سے زکوٰۃ فدیہ وغیرہ کی ادائیگی ہوجائے گی کہ وہ طلبہ کا وکیل ہوکر وصول کرے اور پھر طلبہ پر صرف کردے؟

المستفتي: محمود غفرلہ سورت

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فدیہ کے مصارف وہی ہیں، جو زکوٰۃ کے مصارف ہیں۔

مصرف الزکوٰۃ هو فقیر وهو من لهٗ أدنیٰ شيء، ومسکین من لا شيء لهٗ وتحته فی الشامیة: وهو مصرف أیضا لصدقة الفطر والکفارة والنذر وغیر ذلک من الصدقات الواجبة. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الزکاة، زکریا ۳/ ۲۸۳، کراچی ۲/ ۳۳۹)

اورفدیہ کی ادائیگی کیلئے تملیک ضروری ہےاورتملیک کادرج کردہ طریقہ فدیہ کی رقوم میں بھی جاری کرنادرست ہے۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا یصرف إلیٰ بناء المسجد ولا إلیٰ کفن میت (إلیٰ قوله) لعدم التملیک وهو الرکن وقد منا أن الحیلة أن یتصدق علی الفقیر ثم یأمره بفعل هذه الأشیاء . (شامی، زکریا۳/۱ ۲۹، ۲۹۳، کراچی ۲/۳۴٤، ۳٤٥)

اورآپ کے ذکرکردہ تملیک کے طریقہ میں ایک طالب علم کے حصہ میں متعدد فدیوں کی رقم آنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

ویدفع عن کل صلاة نصف صاع حنطة منوین ولو دفع جملة إلی فقیر واحد جاز. (تاتار خانیة دارالإیمان ۱/٤۸٦، جدید زکریا دیوبند۲/٤٥۹، رقم: ۲۹۹۲)

اسی طرح ایک فدیہ کی رقم کا متعددطلبہ کے درمیان تقسیم ہونابھی شرعاً جائزہے۔

ولو أدی اثناعشر منا إلیٰ أربعة وعشرین مسکینا اختلفوا فیه قال بعضهم یجوز کما فی صدقة الفطر إذا أدی إلی مسکین مناً ومناً إلیٰ مسکین یجوز . (تاتارخانیة ۱/٤۸۷، جدید زکریا ۲/٤٥۹، رقم: ۲۹۹٤)

وفی الولوالجیة : ولو دفع عن خمس صلوات تسع أمناء لفقیر واحد ومنا لفقیر واحد قال أبوبکر الإسکاف یجوز ذلک کله . (تاتار خانیة ۱/٤۸۷، مطبع دالایمان جدید زکریا ۲/٤٥۹، رقم:۲۹۹۳)

اوراکثر ارباب فتاویٰ کی رائے کے مطابق مہتمم اورسفراء حضرات زکوٰۃ اور دیگرصدقات واجبہ فدیہ وغیرہ کی وصولیابی میں اداکنندگان اورزکوٰۃ دہندگان کی طرح طلبہ کے بھی وکیل ہیں، اس اعتبار سے فدیہ کی رقم سفراء اورمہتمم حضرات کے قبضہ اور تحویل میں آتے ہی فدیہ دہندگان کی طرف سے فدیہ ادا ہو جائے گا،لیکن ان حضرات پر لازم ہے کہ وصول شدہ زکوٰۃ وفدیہ اور دیگر صدقات واجبہ کی رقوم کوطلبہ کے

مصارف ہی میں خرچ کریں ۔ (مستفاد: ایضاح النوادر۲/ ۵۰، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۱۸، جدید ڈابھیل۹/۵۱۳، تذکرۃ الرشید۱/۱۶۴)

وأما الفقير البالغ فلا يقع القبض لهٗ إلا بتوكيله. (تاتار خانية قديم ٢/ ٢٧٤، جديد زكريا ٣/ ٢/ ٢١٢، رقم: ٤١٥٣)

إذا دفع الزكاة إلىٰ الفقير لا يتم الدفع مالم يقبضها أو يقبضها للفقير من له ولاية عليه. (هنديه، زكريا قديم ديوبند١/ ١٩٠، جديد زكريا ١/ ٢٥٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۶۶)

عشر اور صدقہ کے تملیک کی صورت

سوال: [۴۴۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عشر اور صدقہ کے غلہ کی تملیک کی کیا صورت ہے۔

المستفتي: عبد القدوس، گیاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مستحق زکوٰۃ فقیر کو مالک بنادیا جائے اور اس میں اپنا کوئی اختیار باقی نہ رکھے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً الخ. (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند٣/ ٢٩٣، ٢/ ٣٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۲۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۱/۱۴۱۶ھ

حیلۂ تملیک کی بہتر شکل کیا ہے؟

سوال: [۴۴۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حیلہ تملیک کی جو شکل فقہاء کرام نے تحریر کی ہے اس میں مناسب شکل کونسی ہے؟

اسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حیلۂ تملیک کی ایک مناسب شکل یہ ہے کہ مدرسہ کا جتنا سالانہ خرچ ہے اس کو تمام طلبہ اور ہر ایک طالب علم پر جتنا خرچ آتا ہے حساب لگا کر دیکھ لیا جائے اور اتنی رقم بطور وظیفہ طالب علم کو دیدی جائے پھر طالب علم وہ رقم فیس کے طور پر مدرسہ کو دیدے، تو اس طرح مدرسہ میں آنے والی رقم مدرسہ کے تمام مصارف میں خرچ کی جاسکتی ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر/۲۲۴، فتاوی رحیمیہ ۷/ ۱۵۶، کتاب المسائل ۲/۲۷۳)

الحيلة فى الجواز في هذه الأربعة أن يتصدق بمقدار زكاته على فقير ثم يأمره بعدذلک بالصرف إلىٰ هذه الوجوه فيكون لصاحب المال ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ٢/ ٤٢٤، البحرالرائق، كراچی ٢/ ٢٤٣، تبيين الحقائق، زكريا ٢/ ١٢١، امداديه ملتان ١/ ٣٠٠)

والحيلة لمن أراد ذلک أن يتصدق ينوى الزكاة على فقير ثم يأمره بعد ذلک بالصرف إلىٰ هذه الوجوه فيكون لصاحب المال ثواب الصدقة ولذلک الفقير ثواب هذا الصرف. (تاتارخانية زكريا ٣/ ٢٠٨، رقم: ٤١٤١، مجمع الأنهر دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٣٢٨، قديم مصرى ١/ ٢٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ ربیع الأول ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۶۶)

تملیک کی بہترین شکل

سوال: [۴۴۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) زید یہ کہتا ہے، کہ آجکل مدارس میں جو حضرات تملیک کی صورت اختیار کرتے ہیں، مناسب نہیں اگر چہ اصل مسئلہ کے اعتبار سے یہ جائز ہے لیکن اب اکابر اس کو منع کرتے ہیں، چنانچہ ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند میں بھی حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم نے دوران سبق اس پر کافی لمبی تقریر کی تھی اور یہی کہا تھا کہ ایسا نہیں کرنا چاہئے تو کیا زید کی یہ بات درست ہے؟

نیز زید پھر بھی یہ کہتا ہے کہ اس کا بہترین اور افضل طریقہ یہ ہے کہ اولاً تو مدرسہ کو امداد سے چلانے کی کوشش کی جائے اس کے باوجود اگر تملیک کی ضرورت پڑتی ہو تو پھر مدرسہ کا نظام اس طور پر بنایا جائے کہ ہر بچہ پر فیس رکھدی جائے اور جب آپ فیس متعین کریں تو مدرسہ کے تمام تقاضوں کو سامنے رکھیں مثلاً بجلی کا خرچہ فرشوں کا خرچہ، اساتذہ کی تنخواہ بچوں کا کھانا کپڑے اور کمرے وغیرہ ان تقاضوں کو سامنے رکھکر بچوں پر فیس متعین کی جائے، اب اگر وہ بچہ یا اس کے والدین اتنا خرچہ برداشت کر سکتے ہیں تو بہت اچھا، اور اگر اس کے والدین اتنا خرچہ برداشت نہیں کر سکتے ہیں تو پھر مدرسہ کی زکوٰۃ کا جو فنڈ ہے اس میں سے فیس کے بقدر پیسے لے لئے جائیں اور اس بچہ کو دے دیئے جائیں اور پھر وہ بچہ اپنی فیس مدرسہ کے فنڈ میں جمع کر دے، مثلاً آپ نے ۴۰۰/روپیہ فیس کے متعین کیئے تو زکوٰۃ کے فنڈ سے ۴۰۰/روپیہ بچہ کو دے دیئے جائیں اور پھر ان کو امداد کے فنڈ میں داخل کر دیئے جائیں، اور پھر آپ ان پیسوں کو جہاں چاہے استعمال کر سکتے ہیں، خواہ تنخواہ میں استعمال کریں یا تعمیر میں یا اور کہیں بھی مثلاً آپکے یہاں ۳۰/بچے ہیں، اور اس حساب سے ماہانہ ۱۲۰۰۰/روپیہ جمع ہوئے، اور مثلاً کھانے میں جو بچوں کا خرچ ہوا وہ صرف ۶۰۰۰/کا ہوا تو اب باقی ۶۰۰۰/روپیہ آپ جہاں چاہیں استعمال کر سکتے ہیں، خواہ

تنخواہ میں یا عمارت میں یا بجلی میں تو کیا یہ جائز ہے؟

(۲) اور دوسری صورت یہ معلوم کرنی ہے کہ ہم نے جو فیس متعین کی ہے وہ صرف کھانے کا تقاضہ سامنے رکھکر متعین کی ہے، مثلاً ہم نے ۳۰۰/روپیہ ماہانہ فیس متعین کی اس حساب سے ماہانہ ۹۰۰۰/روپیہ جمع ہوئے اور کھانے میں صرف ۵۰۰۰/روپیہ کا خرچہ ہوا تو کیا باقی رقم عمارت، تنخواہ، بجلی وغیرہ میں استعمال کرنا جائز ہے یا باقی رقم کو کھانے ہی میں استعمال کرنا ضروری ہے؟

(۳) یہ جو ہم نے فیس متعین کی ہے تو کیا بچوں کے ہاتھ میں دینا ضروری ہے یا صرف حساب لگا کر زکوٰۃ کے فنڈ سے امداد کے فنڈ میں داخل کر دینا ہی کافی ہے؟

(۴) اب یہ معلوم کرنا ہے کہ زید کی یہ تمام باتیں درست ہیں یا نہیں اگر درست نہیں تو کونسا راستہ اختیار کرنا چاہئے کیونکہ علاقہ میں مدرسہ کی سخت ضرورت ہے اور اب مدرسوں کے ہمارے یہاں پر اسکول بنتے جا رہے ہیں، اب ہم کیا صورت اختیار کریں، اس کے برخلاف عمرو یہ کہتا ہے کہ فیس متعین نہ کی جائے بلکہ پرانے طرز پر ہی یعنی تملیک کے طور پر مدرسوں کو چلایا جائے، کیونکہ ایک مرتبہ حضرت مولانا عبدالاحد صاحبؒ استاذ دارالعلوم دیوبند نے ویٹ کے مدرسہ میں یہ بات کہی تھی کہ اگر مدرسوں کو فیس پر چلایا جائیگا تو مدرسوں کی روح نکل جائے گی؟

نوٹ: تو اب ہمارا ذہن پریشان ہے کہ مدرسہ بھی چلانا ہے اور اللہ کے یہاں جواب بھی دینا ہے، اسلئے خدا کے واسطے ایسا راستہ بتایئے کہ جس سے مدرسہ بھی چل جائے، اور کسی ناجائز کام کا ارتکاب بھی نہ کرنا پڑے؟

المستفتی: حافظ محمد فرحت، استاذ مدرسہ تجوید القرآن، محلّہ قاضی خیل، قصبہ سیانہ، ضلع: بلند شہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) زید کا یہ کہنا کہ اولاً مدرسہ کو امداد سے

چلانے کی کوشش کی جائے بہت مناسب ہے بصورت دیگر زکوٰۃ وغیرہ کی مدات وصول کرلی جائیں اور ہر بچہ کو وظیفہ دیدیا جائے، تاکہ زکوٰۃ ادا ہوجائے، پھر اگر یہ بچے نابالغ ہیں تو ان کے اولیاء سے ماہانہ فیس کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے وہ اس رقم کو فیس میں داخل کردیں اور اگر وہ لڑکے خود بالغ ہیں تو اولیاء کے توسط کی بھی ضرورت نہیں وہ خود وظیفہ لیکر اس سے اپنی ماہانہ مقررہ فیس ادا کردیں۔

(۲) اب اس فیس کو طعام، تعمیرات، مدرسین کی تنخواہ میں خرچ کرسکتے ہیں، پوری رقم کا کھانے میں خرچ کرنا ضروری نہیں۔

(۳) ماہانہ مقرر کردہ فیس پر طلبہ کا قبضہ کرانا ضروری ہے صرف رجسٹر اور کاغذات میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کردینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، بلکہ مستحق طلبہ کا قبضہ کرانا ضروری ہے۔

والحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء الخ.

(الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند ۳/۲۹۳، كراچى ۲/۳٤٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳٦/۲٤٥)

وفي الهندية فالحيلة أن يتصدق به المتولي على الفقراء ثم الفقراء يدفعونه إلى المتولي ثم المتولي يصرف إلىٰ ذلك. (هنديه زكريا ۲/٤٧۳، جديد زكريا ۲/٤١٧، الفتاوى التاتارخانية زكريا ۱۰/۳١٩، رقم: ٤٨٦٦)

(۴) اور حضرت مولاناؒ کا یہ کہنا کہ طلبہ سے فیس لیکر تعلیم دیجائیگی تو مدرسہ کی روح ختم ہوجائیگی تو اس سے مراد وہ صورت ہے جو اسکولوں، اور کالجوں میں ہوتی ہے یہ مطلب نہیں کہ مدرسہ کے تعاون سے وظیفہ لیکر فیس جمع کردیں گے تو بھی روح ختم ہوجائیگی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الاولی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۵/۲۶ھ

تملیک کی بہترین شکل

سوال: [۴۴۶۰]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) کیا مہتمم طلبہ کا شرعی وکیل ہوتا ہے؟ مفصل جواب مطلوب ہے؟

(۲) زکوٰۃ کی رقم کو مدرسہ کی جملہ مدات میں استعمال کرنے کے لئے وظیفہ کا طریقہ اختیار کرلیا جائے، اور طلبہ سے ماہانہ وظیفہ کے ذریعہ جو رقم اکھٹی ہوتی ہے اس میں مدرسین کی تنخواہیں اور دیگر ضروریات پوری کرلی جائیں، جیسا کہ بعض مدارس میں ایسا بھی ہوتا ہے، تو کیا اس شکل میں مہتمم اس رقم کو جو زکوٰۃ کی ہے، جس کو طلبہ کے وظیفہ میں دیدیا ہے، طلبہ نے اس کو اپنی فیس طعام وغیرہ میں مدرسہ میں جمع کردیا، مدرسہ کی دیگر ضروریات میں وہ رقم خرچ کرسکتا ہے یا نہیں، فی زماننا اس کا بہترین طریقہ کیا ہے، جو شکوک سے بالاتر ہو، نیز اس مسئلہ میں قرآن وحدیث کا کیا حکم ہے، اور تعامل صحابہ اور اجماع امت کیا ہے، اس مسئلہ پر تحقیقی نقطۂ نظر سے قلم اٹھائیں، تو ذرہ نوازی ہوگی، کیونکہ حیلۂ تملیک تو رقم کی ہیرا پھیری کا نام ہے اس مسئلہ پر معترضین کے منھ کس طرح بند کئے جائیں؟

(الف) طلبہ نابالغ ہوں یا بالغ ہی ہوں ۔ (ب) نابالغ طلبہ کو مالک بنانے کی کیا صورت ہے؟ (ج) مستطیع طلبہ ہی ہیں یا غیر مستطیع طلبہ کو مالک بنایا جاسکتا ہے؟ (د) کسی طالب علم کے ورثاء مستحق زکوٰۃ تو نہیں ہیں مگر وہ اپنے بچے کا خرچہ بھی مدرسہ میں نہیں دے سکتے تو اس شکل میں کیا حکم ہے؟ اس پر زکاۃ خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ (ہ) اگر طلبہ کے ورثاء سے لکھوادیا جائے کہ ہم خرچہ برداشت نہیں کرسکتے ہیں، تو کیا ان طلبہ پر زکاۃ خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ (و) کیا یہ بھی درست ہے کہ بیرونی طلبہ جو نابالغ ہوں انکے وارثین کی طرف سے کسی کو سرپرست بنایا جائے اور وہ سرپرست بیت المال سے ان طلبہ کے وظیفہ کی شکل میں رقم لیکر مدرسہ میں جمع کرادے اور مدرسہ اس رقم کو تنخواہ وجملہ مدات میں صرف کرلے؟

المستفتي: محمد اظہار الحق مظہر القاسمی،

شریف نگری، رتن گڈھ، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) مہتمم طلبہ اور معطیین زکاۃ دونوں کی طرف سے شرعی وکیل ہوسکتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۱۵)

(۲) یہ صورت مدارس اسلامیہ کیلئے حیلۂ تملیک وغیرہ سے بہت اچھی ہے کیونکہ اسمیں باقاعدہ مستحق کو مالکانہ قبضہ دیا جاتا ہے نیز مدارس میں شکوک سے بچنے کا بھی بہترین طریقہ ہے اور شدت ضرورت کے وقت نفس حیلہ کا ثبوت قرآن کریم سے ہے۔

قوله تعالیٰ: خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلاَ تَحْنَثْ. (سورہ: ص : ٤٤)

اور یہی معترضین کے جواب کیلئے کافی ہے۔ (عمدہ القاری شرح بخاری، دارالاحياء التراث العربي ٢٤/١٠٨، زكريا ديوبند ٦/٢٣٩، تحت رقم الحديث /٦٩٥٣)

(الف- ب- ج) بالغ یا نابالغ سب طلبہ کو مالک بنایا جاسکتا ہے، لیکن درج ذیل قیود کے ساتھ طلبہ پر کسی طرح بھی جائز نہیں ہے (۱) سید ہوں۔ (۲) مستطیع مالک نصاب ہوں۔ (۳) وہ نابالغ طلبہ جنکے والدین مالک نصاب ہوں۔

لا تدفع إلىٰ غني (قوله ولا إلىٰ ولد غنيٍ إذا كان صغيراً (قوله لاتدفع إلى بنى هاشم الخ). (الجوهرة النيرة، كتاب الزكاة، باب المصرف، امداديه ملتان ١/ ١٦٠، دارالكتاب ديوبند ١/ ١٥٧)

(د) کی جاسکتی ہے عدم موانع کی وجہ سے۔ (ہ) اگر مستحق ہو تو کی جاسکتی ہے۔ (و) اگر نابالغ طلبہ کے اولیاء صاحب نصاب اور سید نہ ہوں تو یہ شکل بھی درست ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۹۰، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۶/ ۲۱۹)

ولا إلىٰ ولد غنى إذا كان صغيراً، لأنه يعد غنيا بمال أبيه -إلىٰ- ولا يدفع إلىٰ ابن هاشم. (الجوهرة النيرة، دارالكتاب ديوبند ١/ ١٥٧، امداديه ملتان

۱/ ٦٠ ۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رمحرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۵۹)

زکوٰۃ کی تملیک کی آسان شکل

سوال: [۴۴۶۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کی تملیک کی صحیح اور آسان شکل کیا ہے کہ جس پر بآسانی عمل کیا جا سکے دارالعلوم میں جو یہ شکل جاری ہے کہ فارم میں تملیک کے متعلق لکھ دیا گیا ہے کہ طالب علم اس پر دستخط کر دیتا ہے تملیک کی یہ شکل کس حد تک درست ہے ہمیں اس شکل پر شرح صدر نہیں ہے۔

المستفتي: مفتی اشرف علی، مدرس جامعہ قاسمیہ جامع الہدیٰ، کھاری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ کی تملیک کی آسان شکل یہ ہے کہ طلباء کے اخراجات کا حساب لگا کر فی کس جتنا بنتا ہے اتنے کا چیک بنا کر مہتمم مدرسہ طلباء کے قبضہ میں دیدیا کریں اور پھر طلبہ اپنے قیام و طعام کی فیس کے نام سے مدرسہ کو دیدیا کریں تو یہ بلاشبہ جائز اور درست ہے اور یہ مدارس اسلامیہ میں مال زکوٰۃ کی تملیک کیلئے بہت بہترین اور مناسب شکل ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۴۸)

اور مروجہ شکل بھی جائز ہے لیکن اسمیں یہ ہے کہ فقیر کو دینے کے بعد فقیر سے باضابطہ اس طرح ترغیب دیگر کے چندہ کے طور پر اس رقم کو لے کہ بھائی تمہارے پاس پیسہ ہے تم مدرسہ کو دیدو مدرسہ کو ضرورت ہے یہ کہکر لے۔

إن الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء الخ.

(الدرالمختار مع الشامی، کتاب الزکاۃ، باب الصرف کراچی ۲/ ۳۴۵، زکریا ۳/ ۲۹۳)

اور دارالعلوم دیوبند کی طرف سے تملیک کی جو شکل بتائی گئی ہے اس سلسلہ میں دارالعلوم

کی تحریر ہمارے پاس بھی آئی ہوئی تھی اس سے ہم اتفاق نہیں کر پائے آپ سے بھی یہی گذارش ہے کہ دارالعلوم کی مذکورہ شکل سے ہمیں اتفاق نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/رجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۴۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۷/۱۴۲۵ھ

تملیک کیلئے کیا فارم داخلہ کی وکالت کافی ہے؟

سوال: [۴۴۶۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جن مدارس میں ذمہ داران مدرسہ طلبہ سے داخلہ فارم پر لکھوا لیتے ہیں کہ ہم مہتمم مدرسہ یا ناظم مدرسہ کو وکیل بناتے ہیں کہ یہ ہماری طرف سے زکاۃ اور صدقات واجبہ وصول کر کے مدرسہ ہذا میں لگائیں، تو ایسی صورت میں ذمہ داران مدرسہ آمدہ رقومات کو عمارت یا مدرسین کی تنخواہ میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: مسعود احمد، متعلم دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: محض داخلہ فارم میں لکھنے کی وجہ سے تملیک فقراء کا ثبوت نہیں ہوتا ہے، اور زکاۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک فقراء شرط ہے، اور ناظم مدرسہ وسفراء حضرات کو معطیین کی زکاۃ کی ادائیگی کے لئے وکیل کے درجے میں قرار دیا گیا ہے، لیکن ان حضرات وکلاء پر لازم ہے کہ زکاۃ کے پیسے پر قبضہ کرنے کے بعد اس پیسے کو طلبہ پر ہی خرچ کریں ہاں البتہ اگر مدرسین کی تنخواہیں امداد کے پیسوں سے پوری نہ ہوتی ہوں، تو بدرجۂ مجبوری صحیح طور پر تملیک کرانے کے بعد زکاۃ کے پیسوں کو تنخواہوں میں خرچ کرنے کی گنجائش ہے، اس لئے کہ تنخواہ کے بغیر کوئی مدرس کام کرنے پر راضی نہ ہوگا، نیز تنخواہوں کا خرچہ مسلسل ہر مہینہ کا ہے، ایسا نہیں ہے کہ دس بیس سال میں ایک آدھ مرتبہ اس کی ضرورت پڑتی ہو، اس کے بالمقابل تعمیرات کا خرچہ سو پچاس سال میں ایک مرتبہ پیش آتا ہے، اس لئے تعمیرات کے واسطے زکاۃ کا وجود ہی نہیں ہوسکتا، اور تعمیر کے بغیر تعلیم کہیں بھی جاری ہوسکتی ہے، مسجد میں بیٹھ

کر، اور چھپر کے نیچے بیٹھ کر بھی تعلیم دی جاسکتی ہے، حاصل یہ ہے کہ مدرسین کی تنخواہوں کیلئے بدرجۂ مجبوری حیلۂ تملیک جائز ہے، اور تعمیرات کیلئے حیلۂ تملیک جائز نہیں ہے۔

رأیتهٔ مکتوباً وعلی هامش الشامی بخطه طال بقائه علیٰ رؤس المستفیدین ، أن التملیک رکن الزکاة، ولم یوجد فی التوکیل . (تصحیح الأغلاط/۲۷، بحواله حاشیة امدادالفتاویٰ۲/ ۱٤)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً ، لا إلیٰ بناء نحو مسجد ولا إلیٰ کفن میت قوله لعدم التملیک وهو الرکن ، وقدمنا أن الحیلة أن یتصدق علی الفقیر ، ثم یأمره بفعل هذه الأشیاء . (شامی، کتاب الزکاة، باب الصرف زکریا ۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤)

لاتدفع الزکاة لبناء المسجد وکذا بناء القناطیر وإصلاح الطرقات، وإن أرید الصرف إلیٰ هذه الوجوه صرف إلیٰ فقیر ثم یأمره بالصرف إلیها .
(مجمع الانهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۳۲۸، قدیم۱/ ۲۲۲)

أراد ببعض الناس أباحنیفة – إلی قوله– لأن مذهبه أن کل حیلة یحتال بها أحدٌ فی إسقاط الزکاة فأثم ذلک علیه – إلیٰ قوله – وقال محمد : یکره لما فیه من القصد إلیٰ إبطال حق الفقراء بعد وجود سببه وهو النصاب . (عمدة القاری ، داراحیاء التراث العربي بیروت ۲٤/ ۱۱۰، زکریا دیو بند۱٦/ ۲٤۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۱/۳/۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۹۴۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۳/۸ھ

کیا فارم میں مدِ زکوٰۃ کے خانہ میں امداد لکھنا جائز ہے

سوال: [۴۴۶۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ادارہ دینیات پچھلے چند سالوں سے قیام مکاتب اور اس کے استحکام، تنظیم و ترتیب مکاتب کے سلسلہ میں جدوجہد کررہا ہے، مکاتب کے اخراجات میں سہولت کے پیش نظر ادارہ نے فیس کا نظام قائم کیا ہے، علاقہ کی نوعیت کے لحاظ سے ماہانہ فیس ۵۰، ۷۵، ۱۰۰، ۲۰۰، روپئے مقرر کی جاتی ہے اس کے باوجود کوئی غریب اپنے بچوں کی فیس ادا نہ کرپائے تو علاقہ کے اہل خیر حضرات کو للہ رقم سے تعاون کی ترغیب دی جاتی ہے، اگر للہ رقم سے فیس کا نظم نہ ہوسکے تو زکاۃ کی رقوم سے فیس ادا کرائی جاتی ہے، اس کے لئے ادارہ نے ایک فارم ''وکالت نامہ'' کے طور پر تیار کیا ہے یہ فارم اصلاح کی غرض سے آپ کی خدمت میں پیش ہے اس فارم میں ایک خاص بات دریافت کرنی ہے، کہ زکاۃ کی مد کے بجائے'' امدادی رقم'' کے الفاظ لکھنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ بعض حضرات مستحق زکاۃ ہونے کے باوجود عزت نفس کی وجہ سے لفظ زکاۃ دیکھ کر یہ فارم بھرنے سے اعراض کرتے ہیں، برائے کرم مدلل جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: بندہ وسیم احمد، ادارۂ دینیات،
مہاراشٹر کالج، ناگپاڑا، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مد زکوٰۃ کے خانے میں زکوٰۃ لکھنے کے بجائے امداد لکھنا جبکہ رقم زکوٰۃ ہی کی ہو جھوٹ اور فریب ہے اس لئے ایسا کرنا جائز نہیں۔

وَاجۡتَنِبُوۡا قَوۡلَ الزُّوۡرِ . (الحج، الآیۃ: ۳)

عن عبد اللّٰہ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال إن الصدق یھدی إلی البر وإن البر یھدی إلی الجنۃ، وإن الرجل لیصدق حتی یکون صدیقاً وإن الکذب یھدی إلی الفجور وإن الفجور یھدی إلی النار وإن الرجل لیکذب حتی یکتب عند اللّٰہ کذابا. (بخاری شریف، کتاب الأدب، باب قول اللّٰہ تعالیٰ یأیھا الذین امنوا اتقوا اللّٰہ وکونوا مع الصادقین الخ، النسخۃ الھندیۃ ۲/ ۹۰۰، رقم

۵۸۵٦، مسلم شریف ، کتاب البر و الصلة و الأدب ،باب قبح الکذب وحسن الصدق ، النسخة الهندیة ۳۲٦/۲، بیت الافکار ، برقم: ۲٦۰۷، ترمذی شریف، ابو اب البر والصلة ، باب ماجاء فی الصدق و الکذب ، النسخة الهندیة ۱۸/۲، دارالسلام ، رقم: ۱۹۷۱، ابو داؤ د شریف ، کتاب الأدب باب التشدید فی الکذب النسخة الهندیة ٦۸۱/۲، دارالسلام برقم : ٤۹۸۹)

عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال إذا کذب العبد تباعد عنه الملک میلاً من نتن ماجاء به . (ترمذی ، النسخة الهندیة ۱۸/۲، باب ماجاء فی الصدق والکذب ، دارالسلام برقم : ۱۹۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۱۱/ ۱۴۳۳ھ

زکوٰۃ کا فارم ملاحظہ فرمائیں:

نَحۡمَدُ ہٗ وَنُصَلِّ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ .... أَمَّا بَعۡدُ!

ہر مسلمان پر علم دین کا حاصل کرنا فرض ہے، چنانچہ علم کے حصول کیلئے تمام اسباب کا مہیا کرنا ہر ایک کی اپنی ذمہ داری ہے، اس ذمہ داری کی ادائیگی سے کسی کو چھٹکارا نہیں ہے۔ لیکن اگر کسی گاؤں کے لوگ تعلیمی نظام کا خرچ برداشت نہیں کر سکتے اور اس کی نگرانی بھی نہیں کر سکتے تو ان کے مطالبہ پر یہ نظم کیا گیا ہے۔

ہر طالب علم کیلئے مدرسہ کی فیس ------------ روپیہ ماہانہ طے کی گئی ہے۔

آپ کتنی فیس ادا کر سکتے ہیں؟ ------------

اگر آپ اپنے بچے کی پوری فیس ادا نہیں کر سکتے تو مندرجہ ذیل فارم بھر کر دستخط کریں۔

وکالت نامہ

میں نیچے دستخط کرنے والا/ والی ------------------ اپنے

بچہ/ بچوں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کی مدرسہ کی فیس فی بچہ۔۔۔۔۔۔۔روپیہ ماہانہ ادانہیں کرسکتا/کرسکتی ۔لہٰذا اپنے بچہ/ بچوں کی فیس ادانہ کرسکنے پر جناب۔۔۔۔۔۔۔ کو اپنی طرف سے فیس کی رقم زکوٰۃ کی مدسے وصول کرنے کا وکیل بناتا ہوں/ بناتی ہوں تاکہ وہ میری طرف سے زکوٰۃ کی رقم وصول کرلیں اور فیس کی مدمیں جمع کرلیں۔

والا/ والی کی دستخط۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ گواہ نمبر۱:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تاریخ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ گواہ نمبر۲:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تملیک میں فقیر نے آدھا روپیہ رکھ لیا تو اس کا ضمان

سوال: [۴۴۶۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے جب کسی سے تملیک کرائی تو اس نے روپئے کو آدھا رکھ لیا آدھا واپس کیا تو اس صورت میں ان روپیوں کا ضامن کون ہوگا؟ دفتر محاسبی کے ملازم یا ناظم؟ تحریر فرمادیں۔

المستفتی: روح الامین الظاہری،
دار العلوم، ارریہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید نے کسی فقیر سے تملیک کرائی اور اس نے آدھا روپیہ اپنے پاس رکھ لیا اور آدھا دیا تو ایسی صورت میں دفتر محاسبی کے ملازم یا ناظم میں سے کوئی بھی اس کا ضامن نہ ہوگا، اس لئے کہ جس فقیر کو زکوٰۃ کا پیسہ دیا گیا ہے وہ مستحق زکوٰۃ ہے، اس کو زکوٰۃ دینے پر زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا ہوگئی ہاں البتہ مدرسہ کے ذمہ داروں کو یہ حق ہے کہ اس سے اسی طریقہ سے مدرسہ کیلئے چندہ مانگیں جس طرح سرمایہ داروں سے مانگا جاتا ہے کہ مدرسہ میں پیسے کی ضرورت ہے آپ یہ پیسہ مدرسہ کے تعاون کیلئے پیش فرمادیں، اگر وہ نہیں دیتا ہے تو زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا ہوگئی دفتر محاسبی کے ملازم یا ناظم اس کے ضامن نہیں ہیں۔

وهل تران يخالف أمره لم أره والظاهر نعم لأنه مقتضىٰ صحة التمليك. (شامی، زکریا ۳/۲۹۳، کراچی ۲/۳٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ رصفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۷۰۲/۳۷)

حیلۂ تملیک کن مدارس میں کیا جا سکتا ہے؟

سوال: [۴۴۶۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کن مدارس میں حیلۂ تملیک سے زکوٰۃ وفطرہ کی رقم خرچ کرنا درست ہے۔

المستفتي: عبداللہ، ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جن مدارس میں فقہ تفسیر حدیث کی تعلیم ہوتی ہو وہاں نہایت شدید ضرورت میں گنجائش ہوتی ہے۔

وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلىٰ حلالٍ فهي حسنة. (الفتاویٰ التاتار خانية ، كتاب الحيل الفصل الاول في جواز الحيل، زكريا ديوبند ۱۰/۳۱۱، رقم: ۱٤۸٤٦، هنديه قديم، زكريا ٦/۳۹۰، جديد ٦/۳۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۰۸۹/۳۳)

زکوٰۃ کی رقم دینی ضروریات میں صرف کرنے کیلئے حیلۂ تملیک کرنا

سوال: [۴۴۶۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حیلۂ تملیک کی اجازت صرف دینی ضروریات کو چلانے کے واسطے ہے یا دوسری ضروریات مثلاً

امام مسجد کی تنخواہ، کنواں وغیرہ بھی بنوایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ جونیئر ہائی اسکول اور ہاسپٹل وغیرہ کی تعمیر کرائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شفیع غفرلہٗ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حیلہ صرف دینی ضروریات کیلئے جائز ہے، جنکے بغیر اسلامی شعار اور دینی علوم اور عبادات وغیرہ ضائع ہونے کا سخت خطرہ ہو امور مسجد بھی دینی ضروریات میں سے ہیں عام مسلمانوں کے لئے پانی کا انتظام نہ ہو تو کنواں بھی دینی ضروریات میں شامل ہوگا!

والحیلة أن یتصدق بمقدار زکوٰته علی فقیر ثم یأمره بعد ذلک بالصرف إلیٰ هذه الوجوه فیکون للمتصدق ثواب الصدقة ولذلک الفقیر ثواب بناء المسجد والقنطرة الخ. (هندیه، کتاب الحیل، قبیل الفصل الثالث فی مسائل الزکاة، زکریا دیوبند ٦/ ٣٩٢، جدید زکریا ٦/ ٣٩٥)

جونیر ہائی اسکول دینی ضروریات میں داخل نہیں ہے، بلکہ اس کی ترقی دینی مدارس کی تنزلی کا سبب بن سکتی ہے، اس لئے اسمیں ہرگز جائز نہ ہوگا، ہاسپٹل کی اتنی ضرورت نہیں جسکی وجہ سے مال زکوٰۃ کو حیلہ کرکے اس میں خرچ کرنا پڑے، جبکہ حکومت کی طرف سے نیز دیگر وجوہات سے علاج معالجہ کا انتظام وافر طریقہ سے موجود ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۲۴)

مقروض کے قرض کو زکوٰۃ میں بدلنے کا حیلہ

سوال: [۴۴۶۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) زید عمرو کا مال لیکر گیا اجرت پر اپنی ذمہ داری میں پھر وہ مال اس شخص سے ضائع

ہو گیا، جب عمرو نے اس سے اس مال کی قیمت کا مطالبہ کیا تو اس نے کچھ روپئے اسمیں سے دیدئے اور باقی آئندہ کیلئے وعدہ کیا وعدہ کئے ہوئے کافی مدت گذرگئی اوراب وہ کہہ رہا ہے کہ جب میرے پاس روپئے ہوں گے تو دیدونگا، ورنہ نہیں دے سکتا اوراب عمرو یہ چاہتا ہے کہ اس روپئے کو (جوزید کے پاس ہے) اسی کو زکوٰۃ میں دیدیا جائے، تو اس صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی ہوگی یانہیں؟ اوروہ شخص مستحق زکوٰۃ بھی ہے؟

(۲) ایک شخص کا روپیہ چند لوگوں پر ہے جس کو ان لوگوں نے بطور قرض کے لیا تھا اور وہ بار بار وعدہ کرتے ہیں، لیکن ادا نہیں کرتے ہیں، اور جب ان لوگوں پر سختی کی جائے تو تعلقات میں خرابی آئیگی اور جس شخص کا روپیہ ہے وہ چاہتا ہے کہ اس روپئے کو جو مقروض پر ہے زکوٰۃ میں دیدے یا بطور صدقہ دیدے تو اس بارے میں کیا حکم ہے، وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: اکرم الحق، سنبھلی گیٹ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دونوں صورتوں میں محض نیت کر لینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اس کا طریقہ یہ ہے کہ اولاً بقدر قرض رقم مقروض کو بہ نیت زکوٰۃ دیدی جائے پھر مقروض اس سے اپنا قرض ادا کردے، بشرطیکہ مقروض مستحق زکوٰۃ ہو۔

وحيلة الجواز أن يعطى مديونه الفقير زكاته ثم يأخذها عن دينه ولو امتنع المديون مد يده وأخذها لكونه ظفر بجنس حقه. (درمختار، کتاب الزکاة کراچی ۲/۲۷۱، زکریا۳/ ۱۹۰، ۱۹۱)

– وتحته فى الشامية – والحيلة إذا خاف ذلك مافى الأشباه وهو أن يؤكل المديون خادم الدائن بقبض الزكوٰة ثم بقضاء دينه فبقبض الوكيل صار ملكاً للموكل ولا يسلم المال للوكيل إلا فى غيبة المديون لاحتمال أن يعزله عن وكالة قضاء دينه حال القبض قبل الدافع. (شامی کراچی ۲/ ۲۷۱، زکریا۳/ ۱۹۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۴/۶۲۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۱۴ھ

حیلۂ تملیک کی ناجائز شکلیں

سوال: [۴۴۶۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک مدرسہ کا مہتمم ہوں، میں نے تملیک کی درج ذیل صورتیں اختیار کیں ہیں کیا شرعاً یہ صورتیں جائز ہیں یا نہیں؟ (۱) میں ایک شخص سے قرض لیکر مدرسہ کی ہر قسم کی ضروریات پوری کرتا ہوں، اور بعد میں زکوٰۃ کے روپئے سے اس قرض کو ادا کر دیتا ہوں۔ (۲) ہمارے یہاں کے طلباء محلّہ میں ایک شخص کے یہاں کھانا کھاتے ہیں، میں بطور قیمت کے زکوٰۃ کا روپیہ اس شخص کو دے دیتا ہوں اور بعد میں وہ شخص وہی روپیہ یا اسی مقدار کے دیگر روپئے ہمیں بطور امداد کے دیدیتے ہیں، نیز واضح رہے کہ وہ شخص طلبہ کو کھانا فری (مفت) میں کھلاتا ہے، اگر تملیک کی مذکورہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں، تو صحیح اور جائز صورت کیا ہوسکتی ہے؟

المستفتی: محمد افضل، مدرسہ قاسم العلوم، بہیڑی، بریلی، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) زکوٰۃ کے پیسہ سے قرضہ ادا کرنا جائز نہیں ہے، اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی ہے، اسلئے کہ زکوٰۃ کا پیسہ مستحق فقیر کو دے کر مالک بنادینا ضروری ہوتا ہے، اور زکوٰۃ دہندگان مہتمم اور مدرسہ کے سفراء کو اسلئے زکوٰۃ کا پیسہ دیتے ہیں، کہ ان کے پاس زکوٰۃ کے مستحق طلبہ ہوتے ہیں، تاکہ مہتمم ان پیسوں کو صحیح مصرف میں خرچ کرے اور صورت مسئولہ میں جب مہتمم زکوٰۃ کے پیسہ کو مستحق طلبہ پر خرچ کرنے کے بجائے براہ راست اس سے قرضہ ادا کررہا ہے تو یہ مستحقین تک نہیں پہنچی اسلئے مذکورہ صورت میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ (فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل ۹/۶۰۹)

وهی تملیک جزء مال عینه الشارع من مسلم فقیر. (الدر المختار، کتاب الزکاة، زکریا۳/ ۱۷۰تا ۱۷۲، کراچی ۲/ ۲۵٦، ۲۵۷)

هی تملیک مال مخصوص لشخص مخصوص. (مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی، دارالکتاب دیوبند/ ۷۱۳، قدیم / ۳۸۹)

(۲) دوسرے شخص کی طرف سے کھانا کھلا دیا جائے اور بعد میں زکوٰۃ کے پیسہ سے اس شخص کو اس کھانے کی قیمت ادا کردی جائے تو اس کیلئے صرف یہ شکل دائرہ جواز میں داخل ہے کہ جو کھانا تیار کیا گیا ہے، اسکی پوری قیمت جوڑ لے اسکی پوری قیمت جوڑنے کے بعد مدرسہ میں آئی ہوئی زکوٰۃ کی ادائیگی کی نیت سے وہ کھانا طلبہ کو کھلا دیا جائے، اور مدزکوٰۃ کے پیسے سے اس کھانے کی قیمت ادا کردی جائے، اور سوالنامہ میں جو شکل آپ نے لکھی ہے، وہ جائز نہیں ہے، اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی ہے، نہ کھانا کھلانے والے کی زکوٰۃ ادا ہوسکتی ہے، اور نہ مدرسہ میں زکوٰۃ دہندگان کی، اور کھانا کھلانے والوں کی زکوٰۃ اسلئے ادا نہیں ہوتی کہ تملیک نہیں پائی گئی، اور تملیک کیلئے ضروری ہے کہ وہ جہاں کھانا چاہیں لیجا کر کھالیں اور بٹھا کر کھانا کھلانے میں تملیک نہیں ہوتی ہے، صرف اباحت ہے۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة کما مر. (الدر المختار، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریا دیوبند۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤)

اور مدرسہ میں زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ اس شکل میں اسلئے ادا نہیں ہوئی کہ اس زکوٰۃ کے پیسہ سے یہ کھانا خریدا نہیں گیا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۴/ ۱۶۶، جدید ڈابھیل ۹/ ۶۰۳)

ولو تصدق أی الوکیل بدفع الزکاة إذا أمسک دراهم الموکل ودفع من ماله لیرجع ببدلها فی دراهم الموکل صح. (شامی، زکریا۳/ ۱۸۹، کراچی ۲/ ۲۷۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ / ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۵۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۴/۶ھ

وجوب زکوٰۃ سے بچنے کیلئے حیلہ کرنا

سوال: [۴۴۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں کچھ حضرات زکوٰۃ کے وجوب سے بچنے کے لئے حفاظت مال کا نام دیکر یہ حیلہ کرتے ہیں کہ اپنے مال نقد روپئے اور سونے اور چاندی کے زیورات کو جیولری کی بڑی دکانوں سے ہیرے کی صورت میں تبدیل کرا کے بینک وغیرہ میں لاکر جمع کر دیتے ہیں، اسی طرح کچھ لوگ اپنی پراٹیاں اپنے نابالغ بچوں کے نام سے خریدتے ہیں، مقصد صرف زکوٰۃ کے وجوب سے بچنا ہوتا ہے، اب وضاحت طلب امر یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ عمل کیسا ہے؟ اور اس طرح حیلہ کرنے سے زکوٰۃ ساقط ہوگی یا نہیں؟ براہ کرم جواب نوازیں؟

المستفتي: محمد توحید عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نیتوں کا حساب اللہ کے پاس ضرور ہوگا لیکن ظاہری حالت کے اعتبار سے مسئلہ بتانے کے مکلّف ہیں، کہ جب سرمایہ دار نے نقد روپئے اور سونا چاندی کو ہیرے میں تبدیل کر دیا ہے تو شریعت کا حکم یہ ہیکہ ہیرے جواہرات میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

سمعت عمر بن الخطابؓ على المنبر قال: سمعت رسول اللهﷺ يقول: إنما الأعمال بالنيات وإنما لامرى مانوى. (بخاری ۱/ ۲، رقم: ۱)

أن من عزم على المعصية بقلبه ووطن نفسه عليها أثم فى اعتقاده وعزمه (إلىٰ قوله) للأحاديث الدالة على المؤاخذة بأعمال القلوب. (شرح نووی ۱/ ۷۸)

عن أبى هريرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ إن الله لاينظر إلىٰ صوركم وأموالكم ولكن ينظر إلىٰ قلوبكم وأعمالكم. (مسلم، كتاب البر والصلة والأدب،

باب تحريم ظلم المسلم الخ، النسخة الهندية ۲/۳۱۷، بيت الافكار رقم ۲۵٦٤)

وأما اليواقيت واللآلی والجواهر فلا زكوٰة ولو كانت حلياً. (هندية، زكريا ديوبند ۱/۱۸۰، جديد، كتبا الزكوة، الباب الثالث: الفصل الثانی فی العروض ۱/۲٤۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۹۴٦)

تعمیر کیلئے حیلۂ تملیک کرنا

سوال: [۴۴۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک ایسی مسلم بستی جس میں دینی تعلیم کیلئے کوئی مدرسہ نہیں ہے، اس بستی میں زکوٰۃ کی رقم سے حیلہ تملیک کے بعد دینی مدرسہ کیلئے زمین خریدنا اور تعمیر کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: تسلیم احمد، مسجد مولانا والی تمبا کو والا ن، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ کی رقم فقیر مسکین اور غریبوں کا حق ہے اور تعمیری ضرورت ایسی ضرورت نہیں ہے جس کی وجہ سے فقیروں مسکینوں کو اپنے حق سے محروم کر کے تعمیر میں لگایا جائے اسلئے سلف سے خلف تک تعلیم کیلئے باضابطہ عمارت اور مدرسہ کی شکل نہیں تھی، بلکہ اکثر و بیشتر علماء مسجد یا چھپر میں بیٹھ کر تعلیم دیا کرتے تھے، لہٰذا یہ ضرورت مسجد اور چھپروں کے ذریعہ سے بھی پوری ہوسکتی ہے اسلئے تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم لگانے کی کوئی شکل نہیں ہے اور ایسی کوئی امداد کی بھی صورت نہیں ہے جس سے پڑھانے والوں کو تنخواہ دی جاسکے، تو اس ضرورت کیلئے حیلۂ تملیک کی گنجائش ہے، اور پڑھانے والے جب تک امداد کے طریقہ سے عمارت تیار نہ ہو اس وقت تک کیلئے مسجد یا کسی کے گھر

یا بیٹھک یا کسی چھپر میں تعلیم دے سکتے ہیں، اسلئے زکوٰۃ کی رقم تعمیر میں لگانے کے واسطہ حیلۂ تملیک کرنے کی گنجائش نہیں۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة کمامر لایصرف إلیٰ بناء نحو – مسجد وتحته فی الشامیة – کبناء القناطر والسقایات وإصلاح الطرقات وکری الأنهار والحج والجهاد، وکل مالاتملیک فیه.

(الدرالمختار مع الشامی، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریا ۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤)

ولیس من أخلاق المؤمنین الفرار من أحکام الله بالحیل الموصلة إلیٰ إبطال الحق. (عمدة القاری، داراحیاء التراث العربی بیروت ۲٤/ ۱۰۹، زکریادیوبند ۱٦/ ۲۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم/رجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۷۲٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱/۷/۱۴۲۳ھ

(۹) باب: مدزکوٰۃ تنخواہ یا تعمیر میں صرف کرنے کا حکم

حیلۂ تملیک

سوال: [۴۴۷۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلۂ ذیل کے بارے میں: کہ ہم اپنے گاؤں میں ایک مدرسہ تعمیر کرنا چاہتے ہیں، آیا تعمیر وتعلیم میں بعداز حیلۂ تملیک زکوٰۃ کی رقم لگانا جائز ہے یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتي: عبدالناصر، ساکن نگلیامائل، ضلع رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حیلۂ تملیک کے بعد تعمیر میں لگانا جائز ہے، بشرطیکہ اس گاؤں اور علاقہ کی امداد کافی نہ ہوتی ہو اور مدرسہ قائم کئے بغیر دینی شعار ختم ہونے کا سخت خطرہ ہو ورنہ حیلہ کرنا جائز نہیں ہے۔

لیس من أخلاق المؤمنین الفرار من أحکام اللہ بالحیل الموصلۃ إلیٰ إبطال الحق . (عمدۃ القاری شرح بخاری، دارإحیاء التراث العربي بیروت ۲۴/۱۰۹، زکریادیوبند ۱۶/۲۳۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۹۵۰)

حیلۂ تملیک کی اجازت کہاں ہے؟

سوال: [۴۴۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلۂ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص ایسے موضع کا رہنے والا ہے کہ جس میں کافی لوگ مزدور طبقہ کے ہیں پانی نکالنے کیلئے کنواں کھودتے ہیں، اور اسی سے پانی پیتے ہیں، یعنی نادار ہیں اور ۷۵/ فیصد ناخواندہ

ہیں، اور کوئی باقاعدہ تعلیم کا نظم نہیں ہے بلکہ ایک صاحب کے مکان پر چار چھ بچے جمع ہو جاتے ہیں، اور صاحب مکان کے لوگوں میں سے جس کو فرصت ہوتی ہے وہ لوجہ اللہ سبق سن کر چھٹی دیدیا کرتے ہیں، ایک طویل زمانہ تک یہ سلسلہ چلتا رہا بعدہٗ ایک حاجی صاحب کا انتقال ہوگیا ان کے کوئی اولاد نہیں تھی دور کے وارثوں نے ان کا یہ مکان مدرسہ کیلئے وقف کردیا کافی جدوجہد سے ایک مولانا صاحب مقیم دبئی نے دو کمرے اور کچھ برآمدہ پختہ بنواد یا نیز گاؤں کے لوگوں نے مٹی کی دیوار سے گھیر کر درست کرلیا اور نام مدرسہ کا ضیاء الاسلام رکھا ہے اور مستقل تعلیم دینے کیلئے مدرس رکھ کر شوری ہوئی جس کے صدر نائب صدر دو عالم بنائے گئے اور مہتمم وخازن وممبران کا تقرر ہوا تاکہ نظم ولگن کیساتھ مدرسہ آگے بڑھے لیکن بوجہ ناداری مدرسہ قائم تو ہے لیکن ترقی نہ کرسکا بہرکیف مدرسہ مذکورہ کے صدر مسجد مقدس محلّہ سیوری بمبئی میں تقریباً ۲۵ رسال سے امامت کے فرائض انجام دے رہے ہیں، انھوں نے لوجہ اللہ بغیر کسی روئیداد وغیرہ کے صرف لوگوں کے اپنے اعتماد کی وجہ سے مدرسہ کیلئے مخصوص لوگوں سے چندہ کی اپیل کی تو لوگوں نے بڑی شفقت ومحبت کیساتھ اپنے امام پر جو مدرسہ مذکورہ کے صدر بھی ہیں، اعتماد وبھروسہ کرتے ہوئے رقم زکوٰۃ وصدقۂ فطر چرم قربانی وغیرہ دینا شروع کردیا امام موصوف بذریعہ رسید مدرسہ صرف محلّہ سیوری بمبئی میں اپنے مخصوص مقتدیوں سے وصول کرتے ہیں، اور جملہ رقم حیلۂ تملیک کراکے مہتمم مدرسہ کے حوالہ کردیتے ہیں، اور کبھی رقم مہتمم کے حوالہ کرتے ہوئے حیلۂ تملیک کی تاکید کرتے ہیں، اس طرح ہر سال بعد حیلۂ تملیک ہی وہ رقم مدرسہ مذکورہ کے مصارف میں صرف ہوتی رہی، یہ سب جدوجہد اسلئے کی جاتی ہے کہ گاؤں کے لوگوں میں علم کے حصول کی رغبت وعقائد کی درستگی ودینداری آئے کیا امام موصوف کے اس طرح حیلۂ تملیک کرنے کے بعد معطی کی زکوٰۃ وغیرہ درست وادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور امام موصوف گنہگار رہوں گے یا کچھ ثواب کی بھی امید ہے نیز ایسا چھوٹا مدرسہ جہاں خورد ونوش کا مستقل نظم نہ ہو اور صرف چند پارہ حفظ وناظرہ ودینیات پڑھا کر دوسرے مدرسوں میں

داخلہ کی رغبت دلانے والے امام کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے یا نہیں؟

المستفتي: خلیل احمد ندوی، مسجد مقدس، سیوری، بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلاضرورت شدیدہ حیلۂ تملیک ممنوع ہے مگر پھر بھی حیلۂ تملیک سے بہرکیف لوگوں کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، ان کے اوپر زکوٰۃ کی ذمہ داری باقی نہیں رہتی اور اگر وہاں مدرسہ کی شدید ضرورت ہے اور اس کے علاوہ دوسرا مدرسہ بھی نہیں ہے جس سے دینی تعلیم کی ضرورت پوری ہو سکے اور امدادی رقم بھی اتنی حاصل نہیں ہوتی جس سے کسی حد تک مدرسہ کی ضرورت پوری ہو سکے تو وقتی طور پر ضرورت پوری ہونے تک کیلئے ایسے مدرسہ کیلئے بھی بلا کراہت جائز اور درست ہوگی۔

وکل حیلة یحتال بها الرجل لیتخلص بها عن حرام أو لیتوصل بها إلیٰ حلال فهي حسنة الخ. (هندیه کتاب الحیل زکریا دیوبند ۶/ ۳۹۰، جدید ۶/ ۳۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:	کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ	۲۷؍ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ
۱۴۱۶/۴/۲۷ھ	(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۳۴)

مدز کوٰۃ سے طلبہ کی فیس ادا کرنا

سوال: [۴۴۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا یہ صورت درست ہوگی کہ ایک طالبعلم جو مستحق زکوٰۃ ہے ادارہ اس کے طعام قیام تعلیم اور دوسری سہولتوں کا انتظام کرتا ہے، اس کے طعام پر ماہانہ خرچ سو روپئے آتا ہے اس کی رہائش کیلئے جو مکان فراہم کیا گیا ہے (مکان کی تعمیر عام چندے سے کی گئی ہے) بازاری نرخ کے حساب سے اس کا کرایہ ۲۵؍ روپئے ماہانہ ہے اساتذہ کے شہریہ (ماہانہ تنخواہ) وغیرہ پر جو خرچ آتا ہے اسی طرح دیگر انتظامی امور پر جو مامور ہیں ان کا مجموعی شہریہ اگر فی

طالب علم تقسیم کی جائے تو فی طالب علم ۲۵ر روپئے ماہوار پڑتا ہے اس طرح ایک طالب علم پر کل اخراجات ماہانہ مثلاً ڈھائی سو روپئے آتے ہیں، مدرسہ یہ نظم بناتا ہے کہ ہر طالب علم سے ڈھائی سو روپئے ماہانہ لئے جائیں مستطیع طلبہ یہ اخراجات اپنے پاس سے ادا کریں اور غیر مستطیع طلبہ کی طرف سے یہ مقررہ فیس مدرسہ مد زکوٰۃ سے ادا کرے یا مدرسہ اس رقم کا چیک اس طالب علم کے نام دیدے اور وہ چیک وصول کرنے کے بعد مدرسہ میں جمع کردے کیا یہ صورت جائز ہوگی؟

المستفتی: مجاہد الاسلام قاسمی،
فقہ اسلامی، پٹنہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر طلبہ کے اخراجات کا حساب لگا کر فی کس جتنا بنتا ہے اتنے کا چیک بنا کر مہتمم مدرسہ طالب علم کے قبضہ میں دیدیا کرے اور طلبہ اپنے قیام وطعام کی چیز کے نام سے مدرسہ کو واپس دیدیا کریں تو بلا شبہ جائز اور درست ہوگا، اور یہ مدارس اسلامیہ میں مال زکوٰۃ کی تملیک کیلئے بہت بہترین اور مناسب شکل ہے اور یہ حیلۂ تملیک نہیں بلکہ تملیک کے دائرہ میں داخل ہو جائیگی اور اگر مالدار اور مستطیع طلبہ سے فی کس کے تناسب سے فیس لیا کرے تو یہ بھی جائز اور درست ہے البتہ وہ غنی طالب علم جس کی ملکیت میں نصاب سے زائد مال اور رقم ہو راجح قول کے مطابق اس کو زکوٰۃ کی رقم دینا یا مد زکوٰۃ سے اس پر خرچ کرنا جائز نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ زکریا ۱۹/۲، احسن الفتاویٰ زکریا ۲۵۲/۴)

اور صاحب درمختار نے جو غنی طالب علم کیلئے اخذ زکوٰۃ کو جائز لکھا ہے اس کو علامہ شامی نے یہ کہہ کر مسترد کردیا ہے کہ یہ اس قول کے خلاف ہے جس میں مطلقاً غنی کیلئے حرمت زکوٰۃ کو ثابت کیا گیا ہے، اور جواز کے قول کا کسی نے اعتبار نہیں کیا ہے۔

وهذا الفرع مخالف لإطلاقهم الحرمة في الغني ولم يعتمده أحد. (شامی، کتاب

ترجمہ: اور یہ جزئیہ فقہاء کے غنی کے حق میں علی الاطلاق حرمت زکوٰۃ کے قول کے مخالف ہے اور (اس جواز کے قول)

کا کسی نے اعتبار نہیں کیا ہے۔ الزکاۃ، باب المصرف زکریا دیوبند ۲۸۶/۳، کراچی ۳۴۰/۲)

اور اگر فقیر طلبہ کو مہتمم اور ذمہ داران مدرسہ چیک یا رقم پر قبضہ نہ دیں، اور خود مہتمم یا دیگر ذمہ دار طلبہ کے نام سے اپنے طور پر جمع کرلیں، پھر اس رقم کو تنخواہ وغیرہ میں صرف کیا جائے تو یہ جائز نہ ہوگا، بلکہ اسکے جواز کیلئے یہ شرط ہے کہ طلبہ صراحۃً ذمہ دار کو اس کام کیلئے وکیل بنا دیں اس کے بغیر جواز کے دائرہ میں نہیں آ سکتا ہے اسلئے کہ مہتمم اور اہل مدرسہ اگر چہ طلبہ کے کلی وکیل ہیں، مگر جزئی وکیل نہیں ہیں، اور مذکورہ تصرف میں جزئی وکالت شرط ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۰۵۲/۲۸)

زکوٰۃ کی رقوم میں تنخواہوں کیلئے تملیک کرانا

سوال: [۴۴۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کی رقم کو اساتذہ کی تنخواہ کیلئے تملیک کرانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ کے پیسوں سے اساتذہ کی تنخواہ دینے کیلئے تملیک کرانا ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ ۳۰/۶، جدید فقہی تحقیقات ۳۴۶/۶، فتاویٰ دار العلوم ۲۰۷/۶)

كل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلىٰ حلال فهي حسنة. (تاتارخانية ۳۱۱/۱۰، رقم: ۱۴۸۶۰)

لا يصرف إلىٰ بناء نحو مسجد ...... وكل مالا تمليك فيه وقدمنا أن

الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره يفعل هذه الأشياء. (تاتار خانية ۱۰/۳۱۸، رقم: ۱۴۸۶۰، درمختار مع شامی، زکریا ۳/۲۹۳، شامی کراچی ۲/۳۴۴، مجمع الانهر مکتبه دارالکتب العلمية بیروت ۱/۳۲۸، قدیم ۱/۲۲۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۲/۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۵۴)

صدقات واجبہ کی رقم سے مدرسین کو تنخواہ یا بچوں کو سپارہ دلانا

سوال: [۴۴۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ میں مسلمان عموماً بے دین وجہالت کی زندگی گذار رہے ہیں، بچوں وبچیوں کو دینی تعلیم دلانے کا ذوق تقریباً مفقود ہے ایک دینی ادارہ مدرسہ نورالعلوم کے نام سے ایک عرصہ سے دینی خدمت انجام دے رہا ہے، بستی میں کثیر تعداد میں بچے و بچیاں جہالت کی زندگی بتا رہے ہیں، تمام بچے اور بچیوں کی تعلیم کا انتظام امدادی رقم سے نہیں کر پا رہے ہیں، امدادی رقم کا انتظام قدر ضرورت بھی نہیں ہو رہا ہے، بچوں پر فیس لگانے کی صورت میں بچے دینی تعلیم سے محروم ہوتے ہیں، عوام میں دینی بیداری اس قدر نہیں ہے کہ وہ تمام مدرسین کی تنخواہ کا انتظام اپنے صرفہ سے خود کے ذمہ لیں اور مدرسہ میں امیر وغریب سبھی کے بچے تعلیم پاتے ہیں، امیر غریب میں امتیاز کرنا بھی کوئی آسان وسہل کام نہیں ہے، اور بستی میں عوام کی معاشی حالت بھی کمزور ہے کیا ایسی صورت میں مدرسین کی تنخواہ اور بچوں کو قاعدہ پارہ جات ودیگر ضروری اشیاء بیت المال کی واجبہ یعنی زکوٰۃ وفطرہ چرم قربانی کی رقم سے دے سکتے ہیں یا نہیں؟ بستی کے عوام سے رمضان المبارک میں تمام طور پر زکوٰۃ فطرہ کی رقم وصول کی جاتی ہے، جس میں سے بستی کے یتیم بیواؤں ونادار لوگوں کو ماہانہ وظیفہ کی شکل میں دیا جاتا ہے، اور بیرونی طلبہ کے مطبخ اور ادویہ جات، کتب درسیات صابون، لحاف، گدے وغیرہ میں خرچ کئے جاتے ہیں، سوال طلب امر یہ ہے کہ اسی رقم کو

دینی تعلیم کے انتظام میں براہ راست لا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر براہ راست نہیں لا سکتے تو پھر کوئی شکل جیسے تملیک مستحق کا حیلہ کر کے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جواب تفصیل اور وضاحت کیساتھ عنایت فرمائیں ،اور تملیک مستحق کی کیا صورت ہوگی ، اس کی بھی وضاحت فرمائیں ،امدادی رقم کا انتظام نہ کر پانے کی صورت میں تقریباً مدرسہ کے بند ہونے کا اندیشہ ہے عوام میں اس بابت کافی اختلاف ہے۔

(۱) ایک فریق سرے سے دینی تعلیم ہی کے فریضہ سے غافل ہے۔

(۲) ایک فریق فقط امدادی رقم سے ہی مدرسہ چلانے کے حق میں ہے۔نہ چلے تو بند ہی سہی ۔

(۳) ایک فریق تملیک مستحق کے حیلے کا قائل نہیں ہے، بلکہ براہ راست علوم دینیہ کے فروغ وانتظام میں صدقات حسنہ وصدقات واجبہ لگانے کے حق میں ہے ۔

(۴) ایک فریق دینی تعلیم کے اہم ذمہ سے سبکدوش ہونے کیلئے اس بات کا قائل ہے کہ اگر امدادی رقوم سے ضرورت تعلیم جس کا طلب کرنا فرض قرار دیا گیا ہے، اس کے بندوبست نہ ہونے کی صورت میں تملیک مستحق کا قائل ہے یعنی صدقات حسنہ وصدقات واجبہ وصول کر کے بقدر ضرورت صدقات واجبہ میں تملیک مستحق کا حیلہ کر کے تعلیم کو جاری رکھنے کے حق میں ہے؟

المستفتي: محمد صادق علی، چورو، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسین کو زکوٰۃ کی رقم اجرت میں دینا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ یتیموں اور مسکینوں کا حق ہے ۔(مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۵۳، کفایت المفتی ۴/۲۸۵، جدید زکریا مطول ۶/۲۷۹)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة . (الدر المختار مع الشامی، کتاب الزکاۃ ، باب المصرف کراچی ۲/۳٤٤، زکریا ۳/۲۹۱)

اورایک دوروپیہ کے قاعدے سپارے کیلئے مدزکوٰۃ سے چندہ کرنے کی ضرورت بندہ کی سمجھ سے بالاتر ہے اسلئے کہ ایک دوروپیہ ہرغریب فقیرخرچ کرنے پرقادرہوتا ہے،اس میں کوئی مسلمان کوتاہی نہیں کریگا، زکوٰۃ کی رقم جس مصرف میں صرف ہورہی ہے، وہی صحیح ہے اب اس میں مزیدترمیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے، نیز زکوٰۃ دہندگان نے مدرسہ کے طلبہ کے ساتھ ساتھ نادارفقیروں کیلئے بھی رقم جمع کی ہے،تو پھرایک عالم دین مدرسہ کا ذمہ دار یہ کیسے گوارہ کرسکتا ہے، کہ فقراء کومحروم کرکے تمام زکوٰۃ صرف مدرسہ کے مصرف میں صرف کرتے رہیں شریعت ایسے ظلم کی ہرگزاجازت نہیں دیتی۔

أی مصرف الزكاة والعشر...... هو فقير وهو من له أدنى شيء أي دون نصاب . (شامی، کتاب الزکاۃ، زکریا۳/ ۲۸۳، کراچی ۲/ ۳۳۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۲ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۲۸)	۲۲/۴/۱۴۱۹ھ

صدقات واجبہ کی رقم تنخواہوں یا دیگر ضروریات مدرسہ میں صرف کرنا

سوال: [۴۴۷۶]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ(۱) ہماری بستی کے اندرایک اسلامی ادارہ ہے، جس کے اندرقرآن پاک حفظ وناظرہ اور اردو دینیات کی تعلیم ہوتی ہے، اوراس کے اندر دو مدرس پڑھاتے ہیں، اوراس مدرسہ میں صرف بستی کے بچے پڑھتے ہیں، اوربستی کے علاوہ کوئی بچہ تعلیم حاصل نہیں کرتا اور مہتمم مدرسہ لوگوں سے زکوٰۃ وصدقۃ الفطر وچرم قربانی کا پیسہ وصول کرکے اس مدرسہ میں تملیک کراکر لگالیتے ہیں، اوراس سے مدرسہ کے مدرس کی تنخواہ دیتے ہیں، نیز اس مدرسہ کے اخراجات امدادی رقوم کے ذریعہ پورے نہیں ہوتے توکیا ایسے مدرسہ میں زکوٰۃ وصدقہ الفطر وچرم قربانی کی تملیک کراکرلگانا اوراس سے مدرسوں کی تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) مدرسہ کے فنڈ کے اخراجات میں صرف کیا جائے یا نہیں؟

المستفتي: محمد ناظم بجنوری، متعلم دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) زکوٰۃ وصدقات اور چرم قربانی کی رقم مدرسین کی تنخواہ اور مدرسہ کے ضروریات میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا جہاں تک ہوسکے مدرسہ کے اخراجات امدادی رقم ہی کے ذریعہ پوری کرنے کی کوشش کریں۔

وكذلك في جميع أبواب البر التي لايقع بها التمليك كعمارة المساجد وبناء القناطر والرباطات لايجوز صرف الزكوٰة إلىٰ هذه الوجوه.

(عالمگيرى، كتاب الحيل زكريا٦/ ٣٩٢، الفصل الثالث فى الزكوٰة جديد٦/ ٣٩٥، البناية ، اشرفيه ديوبند٣/ ٤٦٢، تبيين الحقائق ، امداديه ، ملتان ١/ ٣٠٠، زكريا٢/ ١٢٠)

اور بلاضرورت شرعی زکوٰۃ وصدقات کی تملیک بھی جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر اس علاقہ میں دور دور تک کہیں مدرسہ نہیں ہے اور وہاں جہالت پھیلی ہوئی ہے، دینی انحطاط بڑھتا جارہا ہے اور کہیں سے امداد نہیں آرہی ہے تو ایسی مجبوری کی صورت میں بقدر ضرورت تملیک کرکے اس دینی ضرورت کو پوری کرنے کی گنجائش ہے اب آپ کا مدرسہ اس ضرورت کے دائرے میں داخل ہے یا نہیں آپ خود فیصلہ کریں نیز مدرسہ میں جو زکوٰۃ وصدقات کی رقم فنڈ میں موجود ہے اسے مدرسہ میں خرچ کرسکتے ہیں، جبکہ مدرسہ اس کا مستحق ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۵/۱۵۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱/۲۵ھ

مدز کوٰۃ سے مدرسین کی تنخواہ دینا

سوال: [۴۴۷۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مدرسہ میں پڑھاتا ہے، اور اس مدرسہ میں زکوٰۃ خیرات امداد صدقات گویا تمام مدوں

سے رقم آتی ہے، اور کسی بھی مد کی رقم کو الگ نہیں کیا جاتا ہے، سب کو خلط ملط کر دیا جاتا ہے، اور کسی طرح کی تملیک نہیں کرائی جاتی ہے، اور وہی رقم بیرونی طلبہ اور مقامی طلبہ پر صرف ہوتی ہے، اور اسی رقم سے اساتذہ کی تنخواہیں دی جاتی ہیں، کیا ایسی رقم اساتذہ کیلئے درست ہے؟ اور علم ہونے کے باوجود ایسی رقم اساتذہ لیتے رہیں، تو اس کا عذاب کس پر ہوگا؟ دینے والے پر یا لینے والے پر؟ اور کیا ایسے مدرسہ میں پڑھانا درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: ارشد عالم، دارالعلوم دینیہ،
رحمت نگر، کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب مدرسہ میں زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کی رقم آتی ہے، اور نفلی صدقات اور خیرات اور امداد کی رقم بھی آتی ہے تو اس مدرسہ والوں پر لازم اور ضروری ہے کہ زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کا فنڈ الگ اور مدات خیرات کا فنڈ اس سے بالکل الگ تھلگ دوسرا رکھیں اور دونوں کا حساب وکتاب الگ الگ رکھنا بھی ضروری ہے ورنہ مدرسہ کے ذمہ داران اللہ کے یہاں خیانت کی وجہ سے جواب دہ ہوں گے، ہاں البتہ اگر زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی رقم تنخواہوں میں دینے کیلئے سخت ضرورت پیش آجائے تو پہلے ان کی تملیک کرالینا واجب ہے اس کے بعد تنخواہوں میں دینا درست ہے، اگر اس کے بغیر تنخواہوں میں دیں گے، تب بھی ذمہ داران اللہ کے یہاں خیانت کی وجہ سے پکڑ سے نہیں بچ سکیں گے، اور اساتذہ اور ملازمین جن کو اختیارات حاصل نہیں ہیں، اللہ کے یہاں وہ لوگ جوابدہ نہ ہوں گے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الزكاة، باب الصرف، زکریا دیوبند ۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤)

حدثنا حبان بن علی عن حصين بن مذعون قريش التميمی عن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ لا إيمان لمن لا أمانة له ولا دين لمن لا عهد له الخ. (المعجم الكبير، دار احياء التراث العربي بيروت ۱۰/ ۲۲۷، رقم:

۱۰۵۵۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۰۴/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۵/۵ھ

زکوٰۃ کی رقم سے مدرسین یا امام کو تنخواہ دینا

سوال: [۴۴۷۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ و صدقات کے پیسہ سے مدرس یا امام کو تنخواہ دیکر اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں اور مدارس دینیہ کے اندر مدرسوں کو اسی مد سے تنخواہیں دی جاتی ہیں، تو کیا اس مد سے مدرس کو تنخواہ دینے کی کوئی صورت شریعت مطہرہ میں ہے یا نہیں؟

المستفتي: شمیم اختر، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نماز بہرحال درست ہے مگر زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے پیسے سے مدرس یا امام کو تنخواہ دینا جائز نہیں ہے، اس سے زکوٰۃ وصدقات ادا نہیں ہونگے نیز احقر کے علم میں نہیں ہے کہ مدارس میں مد زکوٰۃ سے مدرس کو تنخواہ دی جاتی ہو، اگر دی جاتی ہے تو جائز نہیں ہے، اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ زکوٰۃ جبھی ادا ہوسکتی ہے کہ جب بلا کسی عوض یا اجرت کے مفت میں کسی مستحق کو مالک بنا دیا جائے، اس کے بغیر ادا نہیں ہوسکتی۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة. (الدرالمختار، کتاب الزكاة، باب الصرف، زکریا دیوبند ۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۶/۳/۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۳۷۱/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۳/۸ھ

مدزکوٰۃ سے سفراء کی تنخواہ

سوال: [۴۴۷۹]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدارس کیلئے زکوٰۃ کی وصولی پر جولوگ مقرر کئے جاتے ہیں، وہ ماہانہ تنخواہ پاتے ہیں،اورساتھ ساتھ وہ عملہ جو حساب کتاب کیلئے مقرر ہوتا ہے، اسے بھی ماہانہ تنخواہ دی جاتی ہے، یہ محسوس کیا جارہاہے کہ ماہانہ تنخواہ پر مقرر کئے ہوئے سفراءو محصلین کے ذریعہ جو آمدنی ہوتی ہے،اور ان پر جو خرچ ہوتا ہے، اس سے مدرسہ کو نقصان پہونچتاہے، آمد کا تناسب کم اور خرچ کا تناسب زائد آتا ہے۔

دوسرامسئلہ یہ ہے کہ حساب آمد وخرچ کے اندراج پر جوعملہ مقرر ہے کیااس کی ماہانہ تنخواہ مدزکوٰۃ سےادا کی جاسکتی ہے،جبکہ وہ لوگ دوسرے کام بھی انجام دیتے ہیں؟

المستفتي: مجاہدالاسلام قاسمی،
فقہ اسلامی، پٹنہ، (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: مدارس کے سفراء کوالعاملین علیہا کے حکم میں قرار دیکران کوزکوٰۃ کی رقم میں سے بلاتملیک تنخواہ دینا درست ہوگایانہیں؟ تواس سلسلہ میں ہمارے اکابر میں سے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے سفراء کوالعاملین علیہا کے دائرہ میں داخل کرکے مدزکوٰۃ سے ان کوتنخواہ دینا جائز قرار دیاہے،صرف یہ قید لگائی ہے کہ ان کی وصول کی ہوئی رقم کے نصف سے زائد تنخواہ دیناجائزنہیں ہے۔(مستفاد: کفایت المفتی ۲۶۹/۴، جدیدزکریامطول ۲۷۷/۶،امدادالمفتیین، کراچی/۴۵۸)

(۲) نیز حضرت مفتی شفیع صاحب قدس سرہ نے امدادالمفتیین میں بڑی تفصیل کیساتھ یہی نقل فرمایاہے کہ سفراء کوعاملین کے حکم میں قرار دیکران کومدزکوٰۃ سے تنخواہ دی جاسکتی ہے،لیکن حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے معارف القرآن میں کافی تفصیل کے ساتھ

مختلف دلائل سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مدارس کے سفراء کو عاملین کے حکم میں قرار نہیں دیا جاسکتا ہے اوران کو عاملین کے حکم میں قرار دیکر مدزکوٰۃ میں سے ان کو تنخواہ دینا ہرگز درست نہیں ہوسکتا ہے ۔(مستفاد: معارف القرآن ۴/ ۱۶۹، سورۃ توبہ آیت: ۷)

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت مفتی صاحب موصوف نے جواز کے فتویٰ سے رجوع کر کے عدم جواز کو اختیار فرمالیا ہے، اسلئے کہ یہ مسلّم بات ہے کہ امداد المفتیین بہت پہلے مرتب ہوگئی تھی ، اوراس کے طویل عرصہ کے بعد معارف القرآن تحریر فرمائی ہے تو اب اکابر میں سے جواز کے قائل صرف حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب قدس سرہٗ تنہا رہ جاتے ہیں، اور قریب قریب تمام اکابر اہل فتاویٰ اس پر متفق ہیں، کہ سفراء کو امیر کی طرف سے مقرر کردہ عاملین کے حکم میں قرار دیکر ان کو مدزکوٰۃ سے بلا تملیک تنخواہ دینا ہرگز جائز نہیں ہے ۔

(مستفاد: عزیز الفتاویٰ/ ۳۶۰، احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۸۶)

اور یہی حکم محاسبی اور دفتر کے ملازمین کی تنخواہ کے بارے میں بھی ہوگا، خصوصاً جب وہ لوگ حساب زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے کام بھی انجام دیتے ہوں، لہٰذا مدزکوٰۃ کی رقم سے سفراء و دیگر ملازمین کو تنخواہ دینا ہرگز جائز نہیں ہوسکتا ہے ۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۵۴)

ٹیوشن پڑھانے والے کو زکوٰۃ کی رقم سے تنخواہ دینا

سوال: [۴۴۸۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا ہے کہ جو بھی روزانہ بیوپار ہو اس میں سے کچھ رقم نکال کر اللہ کے دین یا اس کے راستے میں خرچ کروں گا، بحمد اللہ کچھ مدرسوں کو ماہانہ کچھ رقم دیتا ہوں، رشتہ داروں میں جو غریب ہیں، ان پر خرچ کرتا ہوں میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، تقریباً ۴، ۵، سال کے جو زیادہ آمد و رفت والے روڈ کو کراس نہیں کر سکتے ہیں،

کیونکہ مسجد ومدرسہ فاصلہ پر ہے، اسلئے ایک حافظ صاحب کو گھر پر بچوں کو پڑھانے کیلئے مدعو کیا ہے تو کیا ان کو اس مذکورہ رقم میں سے تنخواہ دے سکتا ہوں؟ وہ پانچ سو روپیہ ماہوار لیتے ہیں؟ جو بھی مسئلہ ہو وضاحت فرمائیں کرم ہوگا؟

المستفتي: حمید اللہ، مولانا اسٹور،
جامع مسجد، اندھیری ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حافظ صاحب کی تنخواہ میں زکوٰۃ صدقۂ فطر اور دیگر صدقات واجبہ دینا جائز نہیں ہے اس سے زکوٰۃ اور صدقہ ادا نہیں ہوگا، بلکہ ان حافظ صاحب کی تنخواہ میں وہ پیسہ دینا لازم ہے جو آپ اپنی ذات پر خرچ کرتے ہوں گے، ہاں البتہ زکوٰۃ اور صدقۂ فطر اور صدقات واجبہ کے علاوہ صرف کار خیر میں خرچ کیلئے کچھ پیسہ علیحدہ رکھا ہے تو اس سے حافظ صاحب کو بطور تنخواہ دے سکتے ہیں، لیکن بلا معاوضہ کار خیر میں خرچ کرنے کی جو نیت کی گئی ہے وہ باقی نہیں رہے گی، اسلئے کہ حافظ صاحب کو جو دے رہے ہیں، وہ اجرۃ الخدمت اور کام کے عوض میں دے رہے ہیں، اسلئے وہ کار خیر باقی نہیں رہا ہے بلکہ بچوں کو پڑھانے کی تنخواہ ہو جائے گی۔ (مستفاد: امداد الأحکام ۳/۸۴، احسن الفتاویٰ ۴/۲۵۲)

ولو دفعها المعلم لخليفته إن كان بحيث يعمل لهٗ لو لم يعطه صح وإلا لا أی لأن المدفوع يكون بمنزلة العوض . (شامی، كتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ۲/، زكريا۳/۳۰۸، عالمگيری زكريا ۱/۱۹۰، جديد زكريا ۱/۲۵۲)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة . (الدر المختار مع الشامی، زكريا۳/۲۹۱ ، كراچی ۳/۳٤٤) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ رجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۳۶۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۷/۱۴۲۸ھ

زکوٰۃ، فطرہ اور چرم قربانی کا پیسہ تنخواہ میں دینا

سوال: [۴۴۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نئی آبادی میں ایک مسجد ہے، مسجد کے برابر ہی میں ایک حجرہ ہے، اسمیں مکتب کی شکل میں مدرسہ قائم ہے باہر کے بچے کچھ دن رہ کر بھاگ گئے، محلّہ غریب ہے مدرسہ کا خرچہ برداشت نہیں کرسکتا ہے دو مدرس کام کررہے ہیں، کیا زکوٰۃ وفطرہ و چرم قربانی وغیرہ دینا جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ، فطرہ و چرم قربانی کی رقم کا فقیر مستحق کو مالک بنانا شرط ہے، ورنہ ادا نہیں ہوتی ہے، لہٰذا مذکورہ مکتب کیلئے دینے سے زکوٰۃ فطرہ وغیرہ ادا نہیں ہونگے، نیز چرم قربانی کی قیمت تنخواہ وغیرہ میں دینا جائز نہیں ہوگا۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحةً کما مر لایصرف إلیٰ بناء نحو مسجد الخ. (الدر المختار، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریادیوبند ۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤)

وصدقة الفطر کالزکوٰۃ فی المصارف الخ. (الدرالمختار مع الشامی، کتاب الزکاة، باب صدقة الفطر، زکریا دیوبند ۳/ ۳۲۵، کراچی ۲/ ۳٦۸، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الزکاة، دارالکتاب دیوبند/ ۷۲٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ محرم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۷۴)

مدِ زکوٰۃ کی تملیک کے بعد مدرسین کے مشاہرات یا تعمیر میں صرف کرنا

سوال: [۴۴۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس رقم کی تملیک حیلۂ شرعی کے ذریعہ کیجائے اس کو تملیک کے بعد ملازمین و مدرسین کے مشاہرات

نیز عمارت میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: سلیم الدین، سہسپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس رقم کی تملیک حیلۂ شرعی کے ذریعہ کیجائے اسکو ملازمین ومدرسین کی تنخواہ نیز عمارت وغیرہ میں صرف کرنا درست ہے، مگر حیلۂ تملیک ہر جگہ درست نہیں ہے۔

والحیلة له أن یتصدق بمقدار زکاته علی فقیر ثم یأمره بعد ذلک بالصرف إلیٰ هذه الوجوه فیکون للمتصدق ثواب الصدقة ولذلک الفقیر ثواب بناء المسجد والقنطرة. (هندیه، کتاب الحیل زکریا دیوبند ٦/ ٣٩٢، جدید زکریا ٦/ ٣٩٥، وهکذا فی الشامي، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریا ٣/ ٢٩٣، کراچی ٢/ ٣٤٥، البحر الرائق، کوئٹه ٢/ ٢٤٣، زکریا ٢/ ٤٢٤، تبیین الحقائق، زکریا دیوبند ٢/ ١٢١، مکتبه امدادیه ملتان ١/ ٣٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ۷/ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۱۹)

زکوٰۃ کی رقم تنخواہ یا تعمیر میں صرف کرنے کی شرعی حیثیت

سوال: [۴۴۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کا پیسہ استاذ کی تنخواہ یا مدرسہ کی تعمیر وغیرہ میں صرف کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ مدرسہ میں کوئی زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہے؟

المستفتی: تنویر عالم، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو مدرسہ ایسا ہے جس میں بچوں کا قیام وطعام، مطبخ

وغیرہ کچھ نہیں ہے اس کو مکتب کہتے ہیں، جب اس میں مستحق نہیں تو وہاں زکوٰۃ کا مصرف بھی نہیں ہے، ایسے مکاتب میں زکوٰۃ کا پیسہ دینے والے خود اپنی زکوٰۃ کی حفاظت کریں، اور زکوٰۃ کا پیسہ تعمیر میں لگانا جائز نہیں ہے، اور مدرسین کی تنخواہ میں بھی بلا تملیک دینا جائز نہیں ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ . (التوبه: ٦٠)

مصرف الزكاة هو فقير و مسكين . (شامي ، كتاب الزكاة ، باب المصرف زكريا ديوبند ٣/٢٨٣، كراچی ٢/٣٣٩)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة لايصرف إلىٰ بناء نحو مسجد . (شامي، كراچی ٢/٣٤٤، زكريا٣/ ٢٩١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۸/۱۰/۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۷۷)	۱۸/۱۰/۱۴۳۱ھ

صدقات واجبہ کی رقم تنخواہوں اور تعمیرات میں صرف کرنا

سوال: [۴۴۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) زید ایک اسلامی مدرسہ میں ملازم ہے مدرسہ کی آمدنی زکوٰۃ، فطرات اور چرم قربانی ہیں، فصل پر اناج اکٹھا کیا جاتا ہے، مدرسہ میں بیرونی طلبہ ۲۸ر ہیں، جنکا مدرسہ خود کفیل ہے مدرسہ میں ایک مطبخ چل رہا ہے، جس پر تقریباً ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ نقد خرچ ہوتے ہیں، مدرسہ میں مقامی طلباء وطالبات کی تعداد تقریباً ساڑھے تین سو ہے مدرسہ کی کل آمدنی تقریباً دو لاکھ روپیہ ہے مطبخ کے خرچ کے علاوہ باقی آمدنی سے مدرسین کی تنخواہوں کی ادائیگی مدرسہ میں تعمیراتی کام پر خرچ او ربچوں کے بیٹھنے کیلئے فرش کی خرید پر خرچ کیا جاتا ہے، زید اور مدرسہ کے مدرسین وملازمین زکوٰۃ کی رقم سے تنخواہ لے سکتے ہیں یا نہیں ؟ زکوٰۃ سے تعمیراتی کام اور دیگر امور پر خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) مدرسہ میں زکوٰۃ کی تملیک کرا کر مدرسین کی تنخواہ نہیں دی جاتی ہے یہ کیا ہے؟ زکوٰۃ کی تملیک کیلئے زکوٰۃ کی رقم کسی کی تحویل میں دے دینے سے رقم کے واپس نہ کرنے کا خدشہ ہوتا ہے ایک بار ایسا ہوا بھی ہے کہ جس کی ملکیت میں رقم دی وہ رقم لیکر بھاگ گیا تو اس کا دیگر کوئی طریقہ ہے یا نہیں؟

المستفتي: قمر الاسلام انصاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) زکوٰۃ صدقۂ فطر اور دیگر صدقات واجبہ کی رقم مدرسین کی تنخواہ اور مدرسہ کے دیگر مصارف تعمیر وغیرہ میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے ، جہاں تک ممکن ہو مدرسہ کے اخراجات تعمیر وغیرہ امدادی رقوم ہی کے ذریعہ پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

وكذلك في جميع أبواب البر التي لايقع بها التمليك كعمارة المسجد، وبناء القناطير والرباطات لايجوز صرف الزكوٰة إلىٰ هذه الوجوه. (هنديه ، كتاب الحيل زكريا٦/٢ ٣٩، جديد زكريا ٦/٥ ٣٩، كتاب الزكاة ، الباب السابع في المصارف زكريا١ /١٨٨ ، ومثله في الشامي، زكريا٣/ ٢٩١ ، كراچی ٢/ ٣٤٤)

(۲) بلاضرورت شرعی زکوٰۃ وصدقات کی تملیک کرنا بھی جائز نہیں ہے، البتہ اگر مدرسہ میں امدادی فنڈ نہ ہو اور مدرسین کی تنخواہ کا کسی طرح کا کوئی ذریعہ نہ ہو تو ایسے ناگزیر حالات میں بدرجہ مجبوری بقدر ضرورت تملیک کر کے مدرسین کی تنخواہ اور دینی ضرورت کو پوری کرنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۱۵۴/۵)

البتہ تعمیر میں تملیک کر کے زکوٰۃ وغیرہ کی رقوم کا صرف کرنا پھر بھی جائز نہیں ہے، تملیک کا طریقہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کسی غریب مستحق زکوٰۃ کو دیدی جائے، پھر وہ اپنی جانب سے مدرسہ کے اخراجات کیلئے مدرسہ کو دیدے اس حیلہ کے بعد اسی رقم سے مدرسین کی تنخواہ دینا جائز ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۲۵۲/۶)

وحيلة الجواز أن يعطي مديونه الفقير زكوٰته ثم يأخذها عن دينه وحيلة التكفين بها التصدق على الفقير ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما وكذا في تعمير المسجد. (شامی، زکریا۳/ ۱۹۰، کراچی ۲/ ۳۴۴، هندیه ۶/ ۳۹۲، جدید زکریا ۶/ ۳۹۵)

اوراس کاایک طریقہ وہ ہے جس کوحضرت فقیہ الامت نے ارشاد فرمانے کے ساتھ ساتھ بہت سے مدارس میں جاری بھی فرمایا کہ مستحق طلبہ کو مدرسہ کی طرف سے کھانا کپڑا وغیرہ نہ دے بلکہ کہدے کہ اتنا وظیفہ تم کو دیا جائیگا، اور کھانا کمرہ، وغیرہ کا کرایہ وصول کیا جائیگا، مہینہ پورا ہونے پر وظیفہ ان کو دیدیا جائے، پھر کھانے اور کمرہ وغیرہ کا کرایہ وصول کیا جائے، اور وظیفہ اتنا مقرر کیا جائے کہ معاوضۂ طعام وکمرہ وغیرہ کی اجرت وصول کرنے کے بعد طلبہ کے پاس صابون وغیرہ کی ضرورت کیلئے بھی بچ جائے ۔ (ملفوظات فقیہ الامت قسط:۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ شعبان ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۶۹)

مدارس کی تعمیر اور مدرس کی تنخواہ میں حیلۂ تملیک سے مال زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۴۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آجکل جو مدارس اسلامیہ چل رہے ہیں، ان کی بقاء کے ذرائع بظاہر زکوٰۃ وصدقۃ الفطر اور چرم قربانی وغیرہ ہیں، اور ان ہی آمدنی سے مدارس اسلامیہ چل رہے ہیں۔

کیا ان مکتبوں میں جن میں باہر کے پردیسی نادار طلبہ تو نہیں پڑھتے ہیں، لیکن زکوٰۃ صدقۃ الفطر وغیرہ انکو دیا جاتا ہے، اور ان ہی پیسوں سے مدرسوں کی تنخواہیں اور تعمیر مدرسہ کیجاتی ہے، بعض دل کو سمجھانے کیلئے تملیک کرا لیتے ہیں ان ہی میں سے ایسے سے جو فوراً مدرسہ کو واپس کردے، اگر واپس نہ کرے بلکہ ان پیسوں سے اپنے اخراجات رفع کرے تو ہرگز اہل مدرسہ اس سے خوش نہ ہونگے، بلکہ آئندہ کبھی بھی اس سے تملیک

نہ کرائیں گے، صورت مذکورہ میں کیا ان پیسوں سے مدرسوں کی تنخواہ وتعمیر مدرسہ کرانا جائز ہے؟ اس سے مدرسوں پر تو کوئی جرم عائد نہیں ہوتا؟ کیا زکوۃ، صدقۃ الفطر ادا ہوجائیگا؟ اور کن وجوہات کی بنا پر علماء کرام اس طرف راغب ہوتے ہیں، کہ کوئی بھی چھوٹے بڑے اس طرف دھیان نہیں دیتے عند اللہ ماخوذ تو نہیں ہونگے؟ اس طریقہ سے بیان کیجئے کہ کوئی اشکال نہ رہے؟ مہربانی ہوگی؟

المستفتي: مہتمم مدرسہ خزینۃ العلوم،
موضع، کلڑیا معافی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مکتب کی ضروریات مقامی انداز سے پوری ہوجاتی ہے، تو مکتب کے مدرسین وتعمیر کیلئے زکوۃ، صدقۃ الفطر وغیرہ کا تملیک کرانا جائز نہیں ہے، اور اس میں شامل ہونے والے سب لوگ گنہگار ہونگے۔

وأما الاحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان الخ. (عمدة القاری شرح بخاری، داراحياء التراث العربي بيروت ٢٤/ ١٠٩، زكريا ديوبند ١٦/ ٢٣٩)

(وقوله) عن محمد بن الحسن قال ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلىٰ إبطال الحق الخ. (عمدة القاری، ٢٤/ ١٠٩، فتح الباری ١٢/ ٣٢٩، فيض الباری ٦/ ٤١٨)

نیز حیلۂ تملیک کی اجازت جو دی گئی ہے، وہ نہایت مجبوری اور شدید ضرورت کی بناپر امور دینیہ کی ضیاع سے حفاظت کیلئے ہے اور یہ حیلۂ تملیک صرف ان مدرسوں میں جائز ہے جن کی ضرورت حیلۂ تملیک کے بغیر پوری نہیں ہوسکتی ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ فقیر کو شروع میں ترغیب دئے بغیر مال زکوۃ کا مالک بنادیا جائے اور فقیر اس پر قابض ہوجائے، پھر بعد میں فقیر کو اس طرح ترغیب دیجائے کہ فلاں کار ثواب میں یہ مال دیدو اور فقیر اس کام میں دیدے تو مالک کے زکوۃ کا ثواب مل جائیگا اور اس کی زکوۃ ادا ہوجائے گی اور فقیر کو کار خیر کا ثواب ملیگا! (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۱۳)

والحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء فتكون لرب المال ثواب الزكوٰة وللفقير ثواب هذا التقرب الخ. (الدر المنتقیٰ شرح ملتقیٰ الأبحر، کتاب الزکاة، باب في بیان أحکام المصارف، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/۳۲۸، قدیم ۱/۲۲۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۰۹/۱/۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۴۷)

زکوٰۃ کی رقم حیلہ کے بعد اساتذہ کی تنخواہ اور تعمیر میں لگانا

سوال: [۴۴۸۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ایک مسجد کے اندر مقامی طلبہ کو تعلیم دینے کیلئے ایک پرائیویٹ مدرسہ قائم کیا ہے، اوراس میں کچھ اساتذہ کو متعین کردیا ہے بچوں کو تعلیم دینے کے لئے اب ظاہر سی بات ہے کہ استاذ کو بھی تنخواہ چاہئے تو اس کے لئے بچوں سے فیس لے کر اور مدرسہ کے ممبران وغیرہ سے پیسے وصول کر کے استاذ کو تنخواہ دی جاتی ہے، اور بقیہ دوسری ضروریات میں خرچ کیا جاتا ہے، لیکن پھر بھی مدرسہ کا کام نہیں چل پارہا ہے، اور بچوں کی تعداد زیادہ ہوچکی ہے جس کی وجہ سے جگہ کافی تنگ ہے اسلئے انھوں نے سوچا کہ مسجد کے باہر ایک زمین ہے، اس میں مدرسہ تعمیر کرلیا جائے ٹھیک ہے تو اسکے لئے انھوں نے پیسے کی تنگی کی وجہ سے قربانی کا چمڑا لینا شروع کردیا اور لینے کا حق بھی بنتا ہے اب رہی بات حیلہ تملیک کی تو اس مکتب میں کوئی ایسا غریب نادار طالب علم نہیں پڑھتا ہے جس سے حیلہ تملیک کرایا جائے سب کے سب مقامی ہی طلباء ہیں، تو اس کے لئے لوگوں نے ایک تدبیر سوچی کی کسی فقیر یا مسکین کو یہ پیسہ دیکر حیلہ تملیک کرالیا جائے تاکہ کم ازکم مدرسہ کی تعمیر ہوجائے، جوکہ مسلمانوں کے لئے ایک اہم فریضہ ہے۔ اب اس مسائل کے اندر آپ سے یہ بات پوچھنی ہے کہ کیا اس

مدرسہ والے کو چمڑے کے پیسے لینا صحیح ہے یانہیں؟ اور اگر صحیح ہے تو کیا اس طرح چمڑے کے پیسے کو کسی فقیر سے حیلہ کرانے کے بعد مسجد اور مدرسہ میں خرچ کرسکتا ہے یانہیں؟ یا مدرسہ کے کسی رکن میں خرچ کرسکتا ہے یانہیں؟ جیسا کہ اس عبارت سے تو یہی معلوم ہورہا ہے کہ تملیک کرانے کے بعد خرچ کرنا صحیح ہے۔

وحیلة التکفین التصدق بها علی فقیر ثم یکفن فیکون الثواب لهما وکذا فی تعمیر المسجد. (الرد المختار ، کتاب الزکوٰة کراچي ۲/۲۷۰، زکریا ۳/۱۹۱)

اوردلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ بریرہؓ کے گھر تشریف لے گئے تو ہانڈی میں گوشت بن رہا تھا تو حضور ﷺ نے اس گوشت کو مانگا تو بریرہؓ نے کہا کہ یہ صدقہ کا گوشت ہے آپ ﷺ نے کہا کہ یہ تمہارے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ہے ان سب باتوں سے یہی معلوم ہوتاہیکہ چمڑے کا مال کسی فقیر کو مالک بناکر پھر اس سے لیا جائے تو درست ہوجائے گا۔ ویسے تو یہ پیسہ دینی ہی کام میں خرچ کیا جاتا ہے نہ کہ کسی دوسرے کام میں جیسا کہ عام طور سے دیکھا گیا سرکاری اور غیر سرکاری مدرسہ والے پیسہ کا حیلہ تملیک کرا کے اسکو جہاں چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں، کسی کا اس میں کوئی اعتراض نہیں رہتا۔ برائے مہربانی اس باریک مسئلہ کا قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح جواب عطا فرما کر ممنون ومشکور ہوں؟

المستفتی: مولوی شاہد جمال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں صاف الفاظ میں اس بات کو ذکر کیا جاچکا ہے کہ جو بچے پڑھتے ہیں، وہ سب صاحب حیثیت لوگوں کے بچے ہیں، اور انہیں کے بچوں کی تعلیم کیلئے سارے مسائل کا مدار ہے تو ایسے حالات میں صاحب حیثیت لوگوں کے بچوں کی تعلیم کی غرض سے زکوٰۃ کے پیسوں کا حیلۂ تملیک کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ صاحب حیثیت لوگوں سے امدادی رقم جمع کرکے تعمیر میں لگانا چاہئے لہٰذا زکوٰۃ اور چمڑے کے پیسوں کا حیلۂ تملیک کرکے غریبوں اور فقیروں کا حق سرمایہ داروں کی اولاد کی تعلیم کیلئے ضائع نہ کیا

جائے شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے، ہاں البتہ غریب بچوں کی تعلیم کیلئے استاذ کی تنخواہ کا انتظام امدادی پیسوں سے نہ ہوسکے تو مجبوری کے تحت حیلۂ تملیک کرا کے زکوٰۃ و چمڑے کے پیسوں کا استاذ کی تنخواہوں میں صرف کرنے کی ضرورۃً گنجائش ہے مگر تعمیر میں لگانا ایسی ضرورت نہیں ہے، جس کی وجہ سے فقراء ومساکین کے حق کو حیلہ کرکے استعمال کیا جائے، جیسے مسجد میں تعلیم ہورہی ہے ایسے ہی مسجد میں تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا جائے، جب امدادی رقم کا انتظام ہوجائے، تو تعمیر کردیجائے، اور درمختار کی جو عبارت تکفین وتعمیر مسجد کیلئے حیلہ سے متعلق نقل کی گئی ہے وہ ایسی ضرورت کے وقت میں ہے کہ کفن خریدنے کیلئے زکوٰۃ کے پیسے کے علاوہ کوئی دوسری شکل نہ ہو ورنہ بغیر کفن کے دفن کرنے کی ضرورت پیش آجائے اسی طرح مسجد کی تعمیر کیلئے کسی قسم کا نظم نہ ہونیکی وجہ سے لوگ نماز ہی نہ پڑھتے ہوں اور مسجد بننے کی صورت میں لوگ نماز پڑھیں گے اور جماعت کیساتھ پڑھیں گے مگر تعمیر مسجد کیلئے کوئی شکل نہیں ہے تو ایسی سخت ضرورت میں حیلۂ تملیک کرکے اتنی تعمیر کی گنجائش ہے جتنے میں لوگ نماز پڑھ سکیں اور اتنا کام چھپر کے ذریعہ سے بھی ہوسکتا ہے پھر اس ضرورت کے پوری ہونے کے بعد حیلۂ تملیک کی اجازت نہیں ہے، یہی درمختار کی عبارت کا مطلب ہے اور موجودہ سوال میں کسی حد تک مسجد میں تعلیم جاری ہے نیز بعض لوگوں نے درمختار کی اس عبارت سے حیلۂ تملیک کے جواز کا مسئلہ بتایا ہے تو اس سے سرمایہ داروں نے حیلۂ تملیک کرکے بڑے بڑے اسکول اور ہسپتال وغیرہ کیلئے بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کردیں اور مدزکوٰۃ کے کروڑہا روپئے اسکولوں وہسپتالوں میں خرچ ہورہے ہیں، مگر دینی مدارس جوں کے توں رہ گئے اس لئے حیلہ تملیک کرکے تعمیر کے جواز کا مسئلہ بتانا خود دینی مدراس کیلئے نقصان دہ ہے۔ فقہاء ومحدثین نے اس سے ممانعت فرمائی ہے۔

وأما الاحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان وقال النسفي في الكافي عن محمد بن الحسن قال ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلىٰ إبطال الحق. (عمدة القاری، زکریا ۱۶/۲۳۹، بیروت

۲٤/۱۰۸، ۱۰۹، المبسوط للسرخسي ۲۱۰/۳۰، فتاویٰ عالمگیری، زکریا دیوبند ۳۹۰/٦، جدید ۳۹۳/٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸٦۷٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۵ھ

زکوٰۃ، صدقہ، چرم قربانی کی رقم تنخواہ وتعمیر میں لگانے کی ممانعت

سوال: [۴۴۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شہر مرادآباد میں ایک مدرسہ ہے جو کہ قرآن کریم کی تعلیم اور دینی تعلیم سے بچوں کو آراستہ کررہا ہے، اسمیں داخل بچوں کی تعداد لگ بھگ ۱۵۰/ایک سو پچاس ہے، اورسب کے سب شہری ہیں، مدرسین ومعلماؤں کی تنخواہ وغیرہ سب بچوں کی ماہانہ فیس سے ادا کردی جاتی ہے، مدرسہ میں زیادہ تعداد لڑکیوں کی ہے اب جبکہ مدرسہ میں تعمیرنو کا کام یعنی بالائی منزل کی تعمیر ہونی ہے تو ایسی صورت میں زکوٰۃ صدقات یا چرم قربانی کی رقم مدرسہ کے اخراجات کو پورا کرنے اور تعمیر میں لگانے کی گنجائش ہوگی۔ مہربانی فرماکر اس مسئلہ کی وضاحت کیساتھ جوابی شکل دیکرشکریہ کا موقع دیں؟

المستفتي: محمد اخلاق، کارخانیدار محلّہ کسرول، رحیم اللہ والی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ مدرسین کی تنخواہ اور تعمیرات میں زکوٰۃ، صدقۂ فطر، چرم قربانی کی رقم صرف کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، اگراس میں خرچ کریں گے تو زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادانہیں ہوگی جبکہ اس کواس کاعلم ہو۔

يشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة كما مر لا يصرف إلىٰ بناء نحو مسجد وتحته في الشامية كبناء القناطر والسقايات وإصلاح

الطرقات وكري الأنهار والحج، والجهاد وكل مالا تمليك فيه الخ.
(الدر المختار مع الشامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا دیوبند۳/۲۹۱، کراچی ۲/۳۴۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۰۹)

مدرسہ کے مدّ زکوٰۃ کی رقم بطور قرض لیکر مسجد کی تعمیر میں لگالیا تو کیا کریں؟

سوال: [۴۴۸۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں مدرسہ اور محلّہ کی مسجد کے ذمہ داروں کی ایک ہی کمیٹی تھی اس کمیٹی میں چند بااثر لوگوں نے محلّہ کی مسجد میں تعمیر کے وقت جب روپیوں کی ضرورت پڑی تو مدرسہ کی رقم جسمیں اکثر حصہ صدقات واجبہ کا ہے نکال کر مسجد کی تعمیر میں صرف کر دی جب اس کا علم دیگر لوگوں کو ہوا تو انھوں نے کمیٹی کے ان چندافراد سے باز پرس کی تو اس وقت انھوں نے یہ کہہ دیا کہ ہم نے یہ رقم مدرسہ سے بطور قرض لی ہے، جو مسجد کی آمدنی سے واپس کر دی جائیگی مسجد کی تعمیر کو چھ یا سات سال کا عرصہ گذر چکا ہے اب لوگوں نے ان سے اس رقم کا مطالبہ کیا اب کمیٹی اس رقم کو دینے سے انکار کرتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ مسجد کی آمدنی اتنی نہیں ہے ہم کہاں سے یہ رقم ادا کریں، اب مفتی صاحب سے سوال یہ ہے کہ مدرسہ کی رقم بطور قرض مسجد میں لگا دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو معطیین کی زکوٰۃ کی جو رقم مسجد میں لگ چکی ہے اس سے ان کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ کمیٹی کے ذمہ دار اس قرض کے نہ دینے سے گنہگار رہوں گے یا نہیں؟ اگر مسجد کی آمدنی اتنی نہ ہو تو اس مدرسہ کے قرض کو ادا کرنے کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟ کمیٹی پر یا اہل محلّہ پر جنکے ماتحت وہ مسجد ہے یا مسجد کی جتنی بھی آمدنی ہو اس پر ہوگی اور اگر بالکلیہ قرض ادا کرنے سے یہ کمیٹی کے ذمہ دار منکر ہو جائیں تو ایسی مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ مذکورہ تمام باتوں کا جواب دیکر شکریہ کا موقع

عنایت فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتي: مولانا محمد ہارون قاسمی، رکن کمیٹی:
مدرسہ قاسم العلوم، قصبہ چلکانہ، ضلع سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مدرسہ کی وہ رقم جو مدز کوٰۃ میں سے ہے اس کو بطور قرض مسجد میں لگالینے کے بعد مسجد کے ذمہ وہ پیسہ مدرسہ کو واپس کرنا ہرحال میں لازم ہے اور اس پیسہ کی ادائیگی کے ذمہ دار مسجد کے ذمہ دار لوگ ہونگے، اگر مسجد کے ذمہ دار اس پیسہ کی ادائیگی پر قدرت نہیں رکھتے تو عامۃ المسلمین سے مسجد کے نام سے چندہ جمع کر کے ادا کرنا لازم ہے، اور مسجد کے ذمہ دار اگر اس طریقہ سے بھی ادائیگی کے اہل نہیں ہیں، تو ان کو ذمہ داری سے سبکدوش ہوجانا چاہئے جو اس کے اہل ہیں، ایسے افراد کو ذمہ دار بنا دینا چاہئے کیونکہ مسجد میں جو پیسہ لگا ہے وہ مدِز کوٰۃ کا ہے جس کو مسجد میں لگانا قطعی طور پر جائز نہیں، اسلئے اس پیسہ کی واپسی مسجد کے اوپر ہرحال میں لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۵/ ۴۸)

أخرج عبد الرزاق عن الثوری قال الرجل لايعطی زکوٰة ماله من يحبس علی النفقةمن ذوی أرحامه ولا يعطيها فی كفن ميت ولا دين ميت ولابناء مسجد الخ. (مصنف عبدالرزاق ، الزكاة ، باب لمن الزكاة ، المجلس العلمي بيروت ٤/١١٣، رقم: ٧١٧٠)

يشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة لا يصرف إلىٰ نحو بناء مسجد ولا إلىٰ كفن ميت . (شامی ، كتاب الزكاة ، باب المصرف ، كراچی ٢/٣٤٤، زكريا ديوبند٣/٢٩١، هنديه زكريا ١/١٨٨، جديد ١/٢٥٠، تاتارخانية زكريا٣/٢٠٨، رقم : ٤١٤٠)

ليس للمتولی إيداع مال الوقف .... ولا إقراضه فلو أقرضه ضمن وكذا لمستقرض. (البحرالرائق ، كتاب الوقف ، كوئٹه ٥/٢٣٩، زكرياه/٤٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/۱/۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۸۴)

زکوٰۃ، صدقات، فطرہ اور چرم قربانی کی رقم مسجد میں استعمال کرنا

سوال: [۴۴۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے مکتب میں زکوٰۃ، صدقات، فطرہ چرم، قربانی کا روپیہ مبلغ ۴۰۰۰۰ر ہے اب سوال طلب امر یہ ہے کہ مسجد کی دیوار گرنے کے قریب ہے اور چھت بھی ڈلوانا ضروری ہے، اور فی الحال اتنی رقم کا جمع ہونا جس سے مسجد کی دیوار درست کی جاسکے مشکل ہے، جبکہ ہم اس قرض کو بہت جلد چار ماہ کے اندر اندر ادا کرنے کی کوشش کریں گے، قرآن واحادیث کی روشنی میں جواب مطلوب ہے؟

المستفتي: جابر حسین، گاؤں بھینسیا، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کی رقم مستحق کو دینے سے پہلے وکیل کیلئے بطور قرض صرف کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے سوالنامہ کی درج شدہ صورت میں مسجد کیلئے بطور قرض استعمال جائز نہیں ہوگا۔

الوكيل بدفع الزكوٰة إذا أمسك دراهم الموكل ودفع من ماله ليرجع ببدلها في دراهم الموكل صح، بخلاف ما إذا أنفقها أولاً، على نفسه مثلاً، ثم دفع من ماله فهو متبرّع الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، زکریا دیوبند ۳/۱۸۹، کراچی ۲/۲۶۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ر صفر ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۲/۱۴۲۶ھ

زکوٰۃ کی رقم مسجد کی دوکانوں میں لگانے سے زکوٰۃ ادانہیں ہوگی

سوال: [۴۴۹۰]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد سے علاحدہ مسجد کی دوکانیں ہیں انکی مرمت وغیرہ زکوٰۃ وفطرات کی رقم سے کرسکتے ہیں یانہیں؟ جبکہ دوکانیں مسجد سے بالکل علیحدہ ہیں، حضرت والا سے دست بستہ درخواست ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: عبدالحفیظ، اغوانپور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عدم تملیک کیوجہ سے ناجائز ہے۔

يشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً. (الدر المختار مع الشامی، کراچی ۲/ ۳٤٤، زکریا دیوبند۳/ ۲۹۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۳۲)

زکوٰۃ، فطرہ، صدقہ کی رقم سے مسافر خانہ تعمیر کرنا

سوال: [۴۴۹۱]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ، فطرہ، صدقہ کی رقم سے مسافر خانہ تعمیر کرسکتے ہیں یانہیں؟

المستفتی: عبدالعظیم، بساتیان مسجد، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ فطرہ اور صدقۂ واجبہ کی رقم مسافر خانہ کی تعمیر میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

ولايصرف إلىٰ بناء نحو مسجد وتحته في الشامية كبناء القناطر

والسقايات وإصلاح الطرقات وكري الأنهار الخ. (الدر المختار مع الشامی، كتاب الزكاة ، باب المصرف زكريا ديوبند۳/ ۲۹۱، كراچی ۲/ ۳٤٤، تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب المصرف مكتبه امداديه ملتان ۱/ ۳۰۰، زكريا۲/ ۱۲۰، البناية ، كتاب الزكاة، باب مايجوز دفع الصدقات إليه، اشرفيه ديوبند۳/ ٤٦۲، هنديه ، كتاب الزكاة، الباب السابع فی المصارف ، زكرياديو بند۱/ ۱۸۸، جديد ۱/ ۲٥۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/۷/۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۲۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۷/۱۴۱۳ھ

مد زکوٰۃ سے فقراء کیلئے، مکانات، ہسپتال اور مدرسوں کی تعمیر

سوال: [۴۴۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احقر مد زکوٰۃ کے فنڈ سے زمین خریدنا چاہتا ہے جو کہ منصوبہ بنایا گیا ہے کہ اس کے پیش نظر زمین خریدی جارہی ہے۔

(۱) تعمیر مکانات برائے غرباء۔

(۲) قیام مدرسہ بسلسلہ قرآن پاک اردو وغیرہ۔

(۳) قیام اسپتال برائے غرباء۔

معلومات طلب یہ ہے کہ مد زکوٰۃ کے فنڈ سے میں اپنی تحریر بالا میں ذکر کردہ خواہشات کو پورا کرنے کا مجاز ہوں؟ کیا دائرۂ شریعت میں جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد کامل، محلہ ٹھیٹرہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) اگر مکانات بنا کر غرباء کو مالک بنا دیا جائے اور ان میں آپ کا کوئی اختیار نہ رہے تو جائز ہے ورنہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

كما فی الدر المختار يشرط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً الخ.

(الدر المختار، کراچی ۲/۳٤٤، زکریا ۳/۲۹۱)

(۲) فقرا کو مالکانہ قبضہ دئے بغیر زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، بلکہ اپنی طرف سے ایک تبرک ہوجائیگا۔

(۳) زکوٰۃ ادا نہ ہوگی دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنی فرض وواجب رہے گی، کیونکہ زکوٰۃ کی ادئیگی میں فقیر کو مالک بنانا شرط ہے وہ یہاں مفقود ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍شوال ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۲۶۵)

تملیک کے بعد مسجد ومدرسہ کی عمارت میں صرف کرنے والے کو زکوٰۃ کی رقم دینا

سوال: [۴۴۹۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنی زکوٰۃ کی رقم ایک غریب مدرسہ کی امداد کے طور پر دینا چاہتا ہے، لیکن صورت حال یہ ہے کہ مدرسہ مذکورہ کے ارباب حل وعقد مذکور رقم کو کسی غریب وحاجت مند کے ذریعہ تملیک کرا کر خرید اراضی برائے توسیع مدرسہ ومسجد میں لگانا چاہتے ہیں، جس کا زید کو علم بھی ہے تو ایسی صورت میں زکوٰۃ کی رقم غریب مدرسہ کی امداد کے طور پر دینا درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: حکمت اللہ خاں، لالباغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بمد امداد نہیں بلکہ بمد زکوٰۃ دی جائے اور مدرسہ کے ذمہ دار حضرات صحیح طریقے سے حیلۂ تملیک کرا کر اس قسم کی زمین کی خریداری کریں تو درست ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۱۳)

والحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء فتكون لرب المال ثواب الزكوٰة وللفقير ثواب هذا التقرب الخ. (الدر المنتقیٰ شرح ملتقیٰ الأبحر، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/۳۲۸، قدیم ۱/۲۲۲، شامی زکریا ۳/۲۹۳،

کراچی ۲/ ٣٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر صفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۰۴)

زکوٰۃ کی تملیک کرا کے عمارت میں لگانا

سوال: [۴۴۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قصبہ نور پور محلّہ اسلام نگر میں ہندو ماحول سے آئی ہوئی آبادی کے اندر قریبی اہل علم حضرات کے مشورہ سے حلقہ میں فقدان علم کی وجہ سے ساٹھ ہزار میں اٹھارہ سو میٹر جگہ کی بات کی گئی ہے، بیع نامہ دیدیا گیا ہے، بیعنامہ ان شاء اللہ ۳۱ر مارچ ۱۹۸۹ء کو ہوگا، حضرت اس تعلیمی درسگاہ کیلئے نہ پہلے سے کوئی اثاثہ تھا اور نہ اب ہے، صرف اہل خیر حضرات سے صدقہ، زکوٰۃ وصول کر کے تملیک صحیح کے بعد اس کا بیع نامہ ہوگا، اور بعد ازاں اسکا تعمیری پروگرام ہے آیا ایسی شکل میں کہ قوم کے نونہالان ضروری دینی تعلیم سے محروم ہیں، صدقہ زکوٰۃ وصول کر کے تملیک صحیح کے بعد اس کے بیع نامہ اور اس کی تعمیر پر خرچ کر سکتے یا نہیں؟ اس کے جواز کی شکل مذکورہ بالا ہی ہے یا اس کے علاوہ اور کوئی ہے حوالہ کے ساتھ تحریر فرما کر مشرف فرمائیں۔ ذرہ نوازی ہوگی۔

المستفتی: محمد فرقان، ساکن نور پور، محلّہ اسلام نگر،
فتح آباد ضلع بجنور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صدقۂ واجبہ اور زکوٰۃ فقراء کا حق ہے حیلۂ تملیک کے ذریعہ ان کے حق کو باطل کرنا ہے جو شرعاً ناجائز ہے، ہاں البتہ وہ امور دینیہ ضروریہ جن کے بغیر دین کی حفاظت ناممکن ہو اور ان کی حفاظت کیلئے امدادی رقم بھی نہ مل رہی ہو، تو ایسی صورت میں بقدر ضرورت حیلۂ تملیک کی اجازت ہے، اس لئے حیلۂ تملیک میں تساہلی برتنا

بڑی غفلت کی بات ہے، اگر ایسی مجبوریاں ان مدارس میں پیش آجائیں جن میں فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ فوقانی علوم کی تعلیم ہوتی ہو تو وہاں حیلۂ تملیک جائز ہے، لہٰذا اگر نور پور کے زیر تجویز تعلیمی درسگاہ میں فقہ، حدیث اور تفسیر ہی کی تعلیم مقصود ہے، اور وہاں کے لوگ امداد پر تیار نہیں ہیں، اور ضرورت بھی شدت سے ہے، تو حیلۂ تملیک شدہ صدقۂ واجبہ، زکوٰۃ کی رقم تعمیر میں صرف کرنا جائز ہوگا، لیکن حیلہ کرنے والے عند اللہ گنہگار ثابت ہوں گے، نیز حیلہ کے علاوہ صرف رقم صدقۂ واجبہ کے جواز کی دوسری شکل بظاہر نہیں ہے۔

والاحتيال للهروب عن الحرام والتباعد عن الوقوع فى الآثام لا بأس به بل هو مندوب إليه وإنما الاحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان، وقال النسفي فى الكافي عن محمد بن الحسن، قال ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلىٰ إبطال الحق الخ. (عمدة القاري شرح بخاري، داراحياء التراث العربي بيروت ٢٤/١٠٩، زكريا ديوبند ١٦/٢٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٦ رشوال ١٤٠٩ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٥/١٤٥٩)

بلا حیلۂ تملیک رقوم زکوٰۃ تعمیر میں لگانا

سوال: [٤٤٩٥]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے پاس کچھ زکوٰۃ کی رقم ہے، ہم اس سے ایک دینی مدرسہ تعمیر کرنا چاہتے ہیں، شریعت کی روشنی میں اس کا حل مفصل و مدلل تحریر فرمائیں، حیلہ کا صحیح طریقہ بھی لکھیں؟ نوازش ہوگی؟

المستفتي: ساکنان لالباغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے کسی مستحق زکوٰۃ کو مالک بنانا شرط ہے، اور مدرسہ کی تعمیر میں شرط مفقود ہے اس لئے تعمیر مدرسہ میں زکوٰۃ کی رقم

صرف کرنا جائز نہیں ہے، اگر کرے گا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

لایصرف إلی بناء نحو مسجد الخ (شامی، مطبوعہ کوئٹہ مع الدر ٢/٦٨،

کراچی ٢/٣٤٤، زکریادیوبند٣/٢٩٣)

ضروریات دینیہ کے لئے اس طرح حیلہ کرنا جائز ہے کہ مالک زکوٰۃ کی نیت سے فقیر کو مالک بنادے پھر فقیر مالک کو ہبہ کردے یا خود تعمیر میں صرف کردے۔

الحیلة أن یتصدق علی الفقیر ثم یأمره بفعل هذه الأشیاء الخ.

(الدرالمختار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، کوئٹہ ٢/٦٩، زکریا٣/٢٩٣، کراچی ٢/٣٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/شعبان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۵۱/۲۴)

کیا زکوٰۃ کی رقم تعمیر میں صرف کرنا جائز ہے؟

سوال: [۴۴۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) زید نے اپنی زمین مدرسہ نسواں کیلئے اعلانیہ وقف کر کے اس میں چھوٹی موٹی عمارت قائم کرنے کی غرض سے چندہ کراتا ہے کہ پردہ میں رہ کر خواتین اساتذہ تعلیم دے سکیں، اور لڑکیاں پردہ میں رہ کر تعلیم حاصل کرسکیں تو کیا زید کا یہ عمل کہ تعلیم شروع ہونے سے قبل چندہ کرنا درست ہے؟

(۲) کیا بذریعۂ تملیک زکوٰۃ کا روپیہ تعمیر میں لگا سکتے ہیں؟

(۳) کیا دین کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: آصف الحسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱،۲) دینی مدرسہ قائم کرنے کیلئے چندہ کرنا جائز ہے، مگر تعمیر میں زکوٰۃ کا پیسہ لگانا جائز نہیں ہے، نیز جس مدرسہ کا ابھی وجود بھی نہیں ہے اس

کیلئے حیلۂ تملیک بھی ممنوع ہے کیونکہ حیلۂ تملیک ہر جگہ جائز نہیں ہے بلکہ جس میں حدیث قرآن فقہ کی تعلیم ہوتی ہے اس میں شدت ضرورت کی وجہ سے گنجائش ہے کیونکہ حیلۂ تملیک میں فقراء کا حق مارا جاتا ہے جس کی اجازت نہیں ہے۔

أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل فهي مكروهة. (هنديه، كتاب الحيل ٦/ ٣٩٠، جديد زكريا ٦/ ٣٩٣، الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا ١٠/ ٣١١، رقم: ١٤٨٤٦، عمدة القارى، داراحياء التراث العربي ٢٤/ ١٠٨، زكريا ديوبند ١٦/ ٢٣٩، تحت رقم الحديث/ ٦٩٥٣)

(۳) دین کی راہ میں رکاوٹ کی تفصیل سے آگاہ فرمائیں اس کے بعد شرعی حکم لکھا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/ ۴/ ۱۴۱۸ھ

تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنے کا حکم

سوال: [۴۴۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ کے طلبہ کیلئے رہائش گاہ کی تنگی ہے باہر کے طلبہ کی کثرت کی بنا پر موسم سرد میں دوسرے کے مکان کا سہارا لینا پڑتا ہے اور مدرسہ کے پاس عطیہ فنڈ کی رقم نہیں ہے تو کیا ایسی صورت میں زکوٰۃ وغیرہ کی رقم تعمیر میں لگ سکتی ہے یا نہیں؟ اگر لگ سکتی ہے تو اس کی کیا صورت ہوگی؟ واضح جواب مطلوب ہے؟

المستفتي: بشیر احمد قاسمی، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ کی رقم براہ راست مدرسہ کی تعمیر میں لگانا جائز نہیں ہے۔

ولا يصرف إلى بناء نحو مسجد الخ. (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند ٣/٢٩١، كراچی ٢/٣٤٤، هنديه زكريا ١/١٨٨، جديد ١/٢٥٠، البنايه، اشرفيه ديو بند ٣/٤٦٢)

البتہ اگر زکوٰۃ کی رقم کسی نادار فقیر کو دیدی جائے، اور اسے مدرسہ میں دینے کی ترغیب دی جائے، پھر وہ اپنی مرضی اور خوشی سے مدرسہ کو دیدے تو اس رقم کو تعمیر میں لگانا جائز ہے۔

الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء الخ.

(الدرالمختار، كراچی ٢/٣٤٥، زكريا ديوبند ٣/٢٩٣، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٦/٢٤٥، البحر الرائق، زكريا ٢/٤٢٤، كوئٹه ٢/٢٤٣، تبيين الحقائق، مكتبه امداديه ملتان ١/٣٠١، زكريا ٢/١٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۷۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۳/۱۲ھ

مدرسہ کی عمارت میں زکاۃ کی رقم صرف کرنے کا حکم

سوال: [۴۴۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک حافظ صاحب بستی کے اندر ایک مکان میں بیٹھ کر اسی بستی کے بچوں کو دین اور قرآن کریم کی تعلیم وتربیت دیتے ہیں، اہل بستی کو رغبت اور حافظ صاحب کو اتنی وسعت حاصل نہیں کہ کچھ آراضی خرید کر مدرسہ کو وقف کر دیں کیا وہ حافظ صاحب مدرسوں کی طرح عام طور پر یعنی زکوٰۃ وغیرہ کا چندہ کر کے مدرسہ کو بنیادی طور پر تعمیر کر سکتے ہیں، یا نہیں؟ اگر صورت مسئولہ ناجائز ہو تو شریعت کی روشنی میں مشورہ دیں؟

المستفتی: شمشاد عالم، نورانی مسجد، براپور، سیوہارہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ کے پیسہ سے تعمیر جائز نہیں اور نہ ہی اس کیلئے

زکوٰۃ کی بطورحیلہ تملیک جائز ہے، ہاں البتہ سخت مجبوری میں تنخواہ کیلئے حیلۂ تملیک کی گنجائش ہے جس بستی کا سوالنامہ میں ذکر ہے کیا اس بستی میں کوئی مسجد نہیں، اگر مسجد ہے تو مسجد میں بیٹھ کر بچوں کی تعلیم قرآن کریم جائز ہے۔

يشترط أن يكون الصرف تمليكاً لاإباحة كما مر لا يصرف إلىٰ بناء نحو مسجد وتحته فى الشامية كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكري الأنهار والحج، والجهاد وكل مالا تمليك فيه الخ.

(شامی، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند ٣/ ٢٩١، كراچی ٢/ ٣٤٤، وهكذا فی البناية، اشرفيه ديوبند ٣/ ٤٦٢، البحر الرائق زكريا ٢/ ٤٢٤، كوئٹه ٢/ ٢٤٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۱/ ۱۴۲۵ھ

زکوٰۃ کی رقم مدرسہ کی عمارت میں لگانا

سوال: [۴۴۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکر زید کو اپنی زکوٰۃ دے کر یہ کہتا ہے کہ تم اس رقم سے دینی مدرسہ قائم کرلو جس میں بچے دینی تعلیم حاصل کریں تاکہ میرے بھائی اور والد کو ثواب پہونچتا رہے اب زید اس زکوٰۃ کی رقم سے کس طرح مدرسین کی تنخواہ ادا کرے اور مدرسہ کی عمارت تعمیر کرے اور اگر زید زکوٰۃ کی رقم سے مدرسین کی تنخواہ ادا کرتا ہے اور مدرسہ کی عمارت تعمیر کرتا ہے تو کیا یہ اس کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ یا پھر وہ کس طرح کام کرے؟

المستفتي: محمد زید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن

ہے، اس کی ادائیگی سرمایہ دار پر فرض ہوتی ہے، والد یا بھائی یا دیگر اعزہ کا ایصال ثواب زکوٰۃ کے پیسہ سے نہیں ہوتا بلکہ ایصال ثواب زکوٰۃ کے علاوہ دیگر امداد کی رقم سے صحیح ہوتا ہے، اب رہی یہ بات کہ زکوٰۃ کی رقم مدرسہ کے مدرسین کی تنخواہوں میں خرچ کرنا تو اس کیلئے حیلہ تملیک لازم ہے، اسکے بعد تنخواہوں میں دینا جائز ہے، لیکن ہرجگہ تعمیرات کیلئے حیلہ تملیک کی گنجائش نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ٦/۲۰۴)

والاحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان، وقال النسفیؒ عن محمد بن الحسن، قال ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلىٰ إبطال الحق الخ. (عمدة القاری، کتاب الحيل، باب الزكاة، داراحياء التراث العربی بيروت ۲٤/۱۰۹، زكريا ديوبند١٦/۲۳۹، تحت رقم الحديث /٦۹٥۳، وهكذا فی الهندية زكريا٦/۳۹۰، زكريا ٦/۳۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹٥۸۴/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۲۴ھ

بلاضرورت تعمیر کیلئے تملیک جائز نہیں

سوال: [۴٥۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چند حضرات کافی عرصہ سے ایک مدرسہ چلا رہے ہیں، اب دوتین سال پہلے انھوں نے ایک عمارت ایک نیا مدرسہ قائم کرنے کیلئے خریدی جس کا نام بھی علیحدہ ہے اور اس کے پہلے مدرسہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اس نئی عمارت کو خریدتے وقت اس میں کچھ گڑبڑی تھی جس کا مقدمہ اب تک چل رہا ہے ابھی تک کوئی فیصلہ بھی نہیں ہوا ہے نہ اس عمارت پر مدرسہ والوں کا قبضہ ہے نہ اس میں تعلیمی سلسلہ ہے مدرسہ والے لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر کے اس کے مقدمہ میں لگاتے ہیں، مذکورہ بالاصورت میں ایسی عمارت کے مقدمہ کیلئے زکوٰۃ کی رقم کا تملیک کرانا اور اس رقم کو مقدمہ میں صرف کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ مسئلہ کی وضاحت اس طرح

فرمائیں کہ بات بالکل واضح ہوجائے۔

المستفتي:عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب اس جگہ ایک دینی مدرسہ چل رہا ہے اوراس کے ذریعہ دین کی ترویج ہورہی ہے تو ایسی صورت میں ایک نیا مدرسہ قائم کرنے کیلئے عمارت خرید کر زکوٰۃ کی رقم کو مقدمہ میں لگانا جائز نہیں ہے کیونکہ بلاضرورت تملیک بھی جائز نہیں ہے۔

قال في شرح التنوير لا يصرف مال الزكوٰة إلىٰ بناء نحو مسجد وتحته في الشامية كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرق وكري الأنهار ، والحج والجهاد وكل مالاتمليک فيه . (الدر المختار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف مصری ۲/۵۸، کراچی ۲/۳٤٤، زکریا دیوبند۳/۲۹۱، فی عالمگیری زکریا٦/۳۹۲، جدید زکریا ٦/۳۹۵، البحرالرائق زکریا۲/٤۲٤، کوئٹہ۲/۲٤۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رصفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۴/ ٦۰۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
یکم رصفر ۱۴۲۰ھ

اراضی مدرسہ کی خریداری اور تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم لگانا

سوال: [۴۵۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مال زکوٰۃ مدرسہ کی زمین کی خریداری اور تعمیر میں صرف ہوسکتا ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرما کر زحمت گوارہ فرمائیں؟

المستفتي:اراکین مدرسہ صدیق العلوم،
نئی آبادی، لال باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:مذکورہ صورت میں بغیر تملیک فقراء کے زکوٰۃ ادا نہ

ہوگی اور بعد تملیک جائز رہے گا۔

کما فی الشامی تحت قول الدر المختار ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة کما مر لایصرف إلیٰ بناء نحو مسجد و تحته فی الشامیة کبناء القناطر والسقایات وإصلاح الطرقات وکري الأنهار والحج والجهاد وکل مالا تملیک فیه الخ. (الدر مع الرد، کتاب الزکاة، باب المصرف مصری قدیم ٢/٨٥، زکریا٣/٢٩١، کراچی ٢/٣٤٤، هندیه زکریا ١/١٨٨، جدید ١/٢٥٠، البنایه اشرفیه دیوبند٣/٤٦٢)

والحیلة أن یتصدق علی الفقیر ثم یأمره بفعل هذه الأشیاء فتکون لرب المال ثواب الزکوٰة وللفقیر ثواب هذا التقرب الخ. (الدر مع الرد، کراچی ٢/٣٤٥، زکریا دیوبند٣/٢٩٣، البحرالرائق زکریا ٢/٤٢٤، کوئٹه٢/٢٤٣، تبیین الحقائق، مکتبه امدادیه ملتان ١/٣٠١، زکریادیوبند ٢/١٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۲۲۱۲)

زکوٰۃ کی رقم مدرسہ کی تعمیر یا مدرس کی تنخواہ میں استعمال کرنا

سوال: [۴۵۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ وصدقات وخیرات وفطرہ کے روپیہ سے مدرسہ کی تعمیر کر سکتے ہیں یا نہیں نیز مدرس کی تنخواہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر کوئی ہندو مسجد کی تعمیر میں روپئے دے تو اس کا لینا کیسا ہے؟ یا کوئی مسلمان اگر مندر کی تعمیر میں روپیہ دے تو اس کا دینا کیسا ہے؟

المستفتي: شمیم اختر، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ خیرات وصدقات وفطرہ کے روپیہ سے

مدرسہ کی تعمیر اور مدرسین کی تنخواہ نہیں دے سکتے اور اگر ہندو مسجد کی تعمیر میں نیک کام کی نیت سے دیتے ہیں، اور بعد میں لعن طعن کا اندیشہ نہ ہو تو درست ہے اور مسلمان کیلئے مندر کی تعمیر میں روپیہ دینا اعانت علی المعصیت ہے، لہٰذا درست نہیں۔

لایجوز أن یبنی بالزکوٰۃ المسجد (إلیٰ قوله) وکل مالا تملیک فیه الخ. (عالمگیری، کتاب الزکاۃ، الباب السابع فی المصارف زکریا ۱/۱۸۸، جدید ۱/۲۵۰، هکذا فی الشامی، کراچی ۲/۳٤٤، زکریا ۳/۲۹۱، الموسوعة الفقهية ۳۶/۲٤۵)

لو نوی الزکاة بمایدفع المعلم إلیٰ الخلیفة (إلی قوله) بنیة الزکاة. (هندیه، زکریا ۱/۱۹۰، جدید زکریا ۱/۲۵۲، احسن الفتاویٰ ٤/۲۵۲)

بخلاف بناء البیعة فإن ذلک معصیة فمن أعان علی بنائها یکون آثما. (قاضیخان، علی هامش الهندیة زکریا ۳/٤۹۸، قاضیخان، جدید ۳/۳۶۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۷؍رجب ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۱۲۵)	۱۷/۷/۱۴۱۵ھ

زکوٰۃ کی رقم بعد تملیک مدرسہ میں صرف کرنا

سوال: [۴۵۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کی رقم کو بعد تملیک تعمیر مدرسہ پر خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: بشیر احمد قاسمی،

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خرچ تو کر سکتے ہیں، مگر حیلۂ تملیک ہر جگہ جائز نہیں ہے بلکہ جن مدرسوں میں اعلیٰ تعلیم ہوتی ہے مثلاً فقہ حدیث تفسیر کی تعلیم ہوتی ہے جن امور پر

شریعت کا مدار ہے ایسے مدرسوں میں شدید ضرورت کی وجہ سے تنخواہ وغیرہ کیلئے حیلۂ تملیک کی گنجائش ہوگی، محض تعمیر کیلئے حیلۂ تملیک جائز نہیں ہے کیونکہ ایسی اہم ضرورت جس پر شریعت کا مدار ہو تعمیر نہیں ہے اس لئے تعمیر کے لئے حیلۂ تملیک کا جواز ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيلة الموصلة إلىٰ إبطال الحق الخ. (هنديه ، كتاب الحيل زكريا ديو بند٦/ ٣٩٠، جديد ٦/ ٣٩٣، ايضاح النوادر ١/ ١٦٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/ ۱۲/ ۱۴۱۵ھ

تملیک کے بعد زکوٰۃ کی رقم تعمیر میں صرف کرنا

سوال: [۴۵۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کی رقم بعد تملیک صحیح مدارس کی تعمیر میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: رحمت اللہ مظاہری، تاجپور، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حیلہ ہر جگہ جائز نہیں ہے ایسے مدارس جن میں حدیث وتفسیر وفقہ اور حفظ قرآن کی تعلیم ہوتی ہو اور امدادی فنڈ سے ضرورت پوری نہ ہوتی ہو اور طلبہ کے پڑھنے کیلئے جگہ کی سخت تنگی ہو اور تعمیر کی ایسی ضرورت ہے کہ اگر تعمیر نہیں ہوگی تو ان طلبہ کو مجبوراً تعلیم چھوڑ کر جانا ہوگا، اور تعمیر کیلئے امدادی رقم کسی طرح فراہم نہیں ہو پا رہی ہے، تو ایسی ناگزیر حالت میں ان طلبہ کی تعلیم کی بقا کیلئے حیلۂ تملیک کی گنجائش ہے نیز مکتب کیلئے اجازت نہیں ہے، اس کی ذمہ داری وہاں کے باشندوں پر ہوتی ہے نیز ابھی مدرسہ کا وجود بھی نہیں ہے، اور زکوٰۃ وصول کر کے حیلہ کرتے ہیں، اسکی ہرگز

اجازت نہیں ہے، لہٰذا آپ کا مدرسہ اگر ایسا ہے کہ اس میں بیرونی طلبہ رہتے ہیں، اور حدیث تفسیر فقہ اور حفظ قرآن کی تعلیم ہوتی ہے اس میں وہ ساری مشکلات ہیں جو ہم نے ذکر کیا ہے، تو گنجائش ہے ورنہ مطلقاً اس کی اجازت نہیں ہے۔

وأما الاحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان عن محمد بن الحسن قال ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلىٰ إبطال الحق الخ. (عمدة القاری، کتاب الحیل، داراحیاء التراث العربي ۱۰۹/۲٤، زکریا ۲۳۹/۱٦، تحت رقم الحدیث: ٦۹٥۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رصفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۲۰ھ

تملیک کے بعد زکوٰۃ کی رقم مسجد میں صرف کرنا

سوال: [۴۵۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی آمدنی اخراجات سے کم ہے اس میں حیلہ کر کے زکوٰۃ کی رقم استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: حاجی محمد یسین، احمد آباد، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ درحقیقت فقراء ومساکین کا حق ہے سخت مجبوری اور شدید شرعی ضرورت کی بنا پر ہی علماء نے بعض صورتوں میں حیلہ اختیار کرنے کی اجازت دی ہے، مسجد کے اخراجات کوئی ایسی ضرورت نہیں ہے کہ جس میں کمی کرنے سے کوئی شرعی حرج لازم آتا ہو لہٰذا ایسی صورت میں حیلہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں۔

ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلىٰ إبطال الحق. (عمدة القاری، داراحیاء التراث العربی ۱۰۹/۲٤، زکریا ۲۳۹/۱٦،

تحت رقم الحدیث /٤٩٥٣، هکذا فی الهندیة، زکریا ٦/ ٣٩٠، جدید ٦/٣٩٣، ایضاح النوادر/ ١٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳رشعبان ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۹۷۰)

تملیک کے بعد زکاۃ کی رقم تعمیر میں لگانا جائز ہے؟

سوال: [۴۵۰۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) زکوٰۃ کی رقم بعد حیلۂ تملیک کے مدرسہ کی عمارت میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زاہد نے اپنا مکان مدرسہ کے واسطے وقف کیا اس مکان میں نچلے حصہ میں مدرسہ بنایا جارہا ہے، اور اوپر کے حصہ میں رہائشی مکان تاکہ اس کی آمدنی مدرسہ کو آسکے اس عمارت میں جو اوپر اور نچلے حصہ میں بنائی جارہی ہے اس میں زکوٰۃ کی رقم بعد حیلۂ تملیک صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: عزیز جان خزانچی، مدرسہ جامعہ عربیہ رحمانیہ، محلّہ بازیگران، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱-۲) حیلۂ تملیک کرلیا ہے تو عمارت میں لگانا تو جائز ہوجائے گا، مگر اس طرح نفس حیلہ اختیار کرنا ہر جگہ جائز نہیں ہے، اگر اس عمارت کو بنا کر مدرسہ کی ضروریات میں نہ لگائی جائے تو دینی زبردست نقصان ہوسکتا ہے تو یہ حیلہ جائز ہو سکتا ہے اور اگر زبردست دینی نقصان کا خطرہ نہیں ہے یا امداد کی رقم سے عمارت بنائی جاسکتی ہے تو یہ حیلہ جائز نہیں ہے، اسلئے کہ زکوٰۃ کی رقم غریب فقراء کا حق ہے عظیم ضرورت کے بغیر اس حق کو ضائع کرنا جائز نہ ہوگا۔

لیس من أخلاق المؤمنین الفرار من أحکام اللّٰہ بالحیل الموصلۃ إلیٰ إبطال الحق الخ. (عمدۃ القاری، کتاب الحیل دارإحیاء التراث العربی ۲۴/ ۱۰۹، زکریادیوبند۱۶/ ۲۳۹، تحت رقم الحدیث/ ۶۹۵۳، وھکذا فی الفتاویٰ التاتار خانیۃ زکریا ۱۰/ ۳۱۱، رقم: ۱۴۸۴۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ محرم الحرام ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۲۷۶)

بغیر تملیک کے زکوٰۃ کی رقم سے مدرسہ بنانا اور اسکول کیلئے کرایہ دینا

سوال: [۴۵۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ جمالیہ قصبہ گوھاور، بجنور میں واقع ہے جسکا قیام ۱۹۴۹ء میں ایک عظیم شخصیت کے ذریعہ دین کی بقا کی غرض سے وجود میں آیا، ۱۹۴۹ء سے ۱۹۹۰ء تک خالص دینی مرکز کی حیثیت سے گامزن رہا اور سینکڑوں حفاظ وقراء علوم قرآنیہ سے فیضیاب ہوکر سیراب ہوئے ۱۹۹۰ء میں ضرورت وقت کے مطابق ہندی انگلش جونیئر ہائی اسکول کی ضرورت پیش آئی جگہ نہ ہونے کی وجہ سے عارضی طور پر مدرسہ کی اراضی چھ ماہ کیلئے دیدی گئی جس کا کرایہ ماہوار دینا طے ہوا اب اس میں چھ ہال اور بہت بڑے میدان میں مدرسہ ہے جس کا رقبہ کئی بیگھہ ہے چہار جانب باونڈری اور چھ ہال مکمل زکوٰۃ کی جائیداد ہے، اوراس میں باقاعدہ حکومت کے قانون کے مطابق جونیئر ہائی اسکول چل رہا ہے، اوراس میں غیر شرعی طریقہ پر غیر مسلم لڑکیاں تعلیم دیتی ہیں، اور وہ تمام جائیداد مدرسہ کی حکومت کولکھ کر منظوری لے گئی ہے، اور مدرسہ کا وجود بالکل ختم ہورہا ہے اب ان حالات میں مدرسہ کی بقا کے لئے کیا کرنا چاہئے، جو بھی قرآن وحدیث کا فیصلہ ہو تحریر فرمائیں؟

المستفتي: ڈاکٹر سید سکندر حسن ایم ایچ انصاری، مہتمم جامع مسجد، گوھاور، ضلع بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ عربیہ کی وہ املاک جو مدز کوٰۃ سے خریدی گئی ہیں، ان کو بغیر تملیک کئے خریدنا درست نہیں تھا، مدرسہ کی عمارت کو اسکول کیلئے کرایہ پر دینا قطعاً جائز نہیں ہے، لہٰذا اول فرصت میں اسکول سے مدرسہ کی عمارت کو خالی کرالیا جائے اور اس میں دینی تعلیم کا سلسلہ شروع کرلیا جائے، جن لوگوں نے مدرسہ کی عمارت کو اسکول کیلئے دیا ہے وہ سب گنہگار ہوں گے۔

علی أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفین واجبة . (شامی، کتاب الوقف ، کراچی ٤/٤٤٥، زکریا٦/٦٦٥)

شرط الوقف کنص الشارع . (شامی، کراچی ٤/٤٣٣، زکریا٦/٦٤٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍رجب ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۱۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۷/۱۴۲۴ھ

زکوٰۃ فطرہ کی رقم مدرسہ کی عمارت میں صرف کرنا

سوال: [۴۵۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا زکوٰۃ فطرہ کی رقم مدرسہ کی عمارت میں خرچ کرسکتے ہیں؟

المستفتي: محمد نصیر الدین، نور پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ فطرہ نیز دیگر صدقات واجبہ کی رقم مدرسہ کی عمارت میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ مستحق فقراء ومساکین میں تقسیم کرنا واجب ہے، جن میں مدارس اسلامیہ کے طلبہ سرفہرست ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۳/ ۲۰۷، امداد المفتیین ۱/ ۳۶۲)

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينَ . (التوبه: ٦٠)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة كما مر ولا يصرف إلى بناء نحو مسجد ولا إلى كفن ميت وقضاء دينه . (الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ٢ /٣٤٤، زكريا ديوبند ٢٩١/٣، هنديه ، ١٨٨/١، جديد ١ /٢٥٠، تبيين الحقائق ، مكتبه امداديه ملتان ٣٠٠/١، زكريا٢ /١٢٠، البناية، اشرفيه ديوبند٣ /٤٦٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٦ /٢٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۱/۲/۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۴۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۱۶ھ

زکوٰۃ و چرم قربانی کی رقم سے مدرسہ کی زمین خریدنا اور تعمیر کرنا

سوال: [۴۵۰۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بستی والوں نے دینی تعلیم کیلئے مدرسہ قائم کرنا چاہا ابھی قائم نہیں کیا نام رکھ کر رسیدات چھپوا کر زکوٰۃ و چرم قربانی جمع کیں پھر اس سے زمین خریدی پھر آئندہ سال زکوٰۃ و چرم قربانی سے تعمیر کرانے کا ارادہ رکھتے ہیں، ایسا مدرسہ جس میں تعلیم شروع نہیں ہوئی نہ کوئی عمارت ہے صرف کاغذ پر نام ہے کیا ایسے مدرسہ کو زکوٰۃ و چرم قربانی دینا جائز ہے؟

المستفتي: محمد اطہر، کتب فروش، افضل گڈھ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ و چرم قربانی کے پیسہ سے مدرسہ کیلئے زمین خریدنا اور مدرسہ کی عمارت کی تعمیر کرنا جائز نہیں ہے، اگر زکوٰۃ دہندگان کو معلوم ہونے کے باوجود ایسی جگہ زکوٰۃ دیں تو ان کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی ان پر زکوٰۃ کا فریضہ باقی رہے گا اور دوبارہ ادا کرنا لازم ہوگا، اور زکوٰۃ و چرم قربانی کا پیسہ صرف ان مدارس میں دینا چاہئے جن میں با قاعدہ مطبخ ہو اور طلباء کو کھانا دیا جاتا ہو۔

ولا يصرف إلىٰ بناء نحو مسجد وتحته فى الشامية كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكري الأنهار والحج والجهاد وكل مالا تمليک فيه الخ. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ۲/ ۳٤٤، زکریادیوبند ۳/ ۲۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ ررمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۳۹۹)

زکوٰۃ، صدقات یا چرم قربانی کا روپیہ تعمیر مدرسہ میں لگانا

سوال: [۴۵۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کھیڑا ٹانڈہ مسجد قبرستان کی جانب غسل خانے اور وضو کی نالی کنواں وغیرہ خارج مسجد ہے مزید کچھ جگہ خالی پڑی ہوئی تھی، جملہ جگہ کو شامل کر کے امدادی رقم جمع کر کے تعمیر کرادی اور اس پر وسیع اور عریض لنٹر اوپر مکتب خیر العلوم کے نام سے ڈال دیا اہل محلّہ کو امام کی سخت پریشانی رہتی ہے صرف امامت کیلئے کوئی آدمی تنخواہ کے قلیل ہونے کی وجہ سے نہیں ملتا، لہٰذا مدرسہ کی غرض سے تعمیر کرادی کہ وہی مدرس نماز بھی پڑھائے گا، دونوں جگہوں کی تنخواہ کفایت کر جائے گی، مولوی محمد شفیع قاسمی، نے محلّہ سے زکوٰۃ صدقات چرم قربانی وصول کیں اور روپیہ تعمیر میں تملیک کر کے خرچ کر دیا اور مسئلہ یہ بتایا کہ مجبوراً ان رقوم کی تملیک کرا کے تعمیر میں صرف کرنا جائز ہے، پورا محلّہ مسائل کے بارے میں ان سے اتفاق رکھتا ہے خود انھوں نے زکوٰۃ چرم قربانی اسی مدرسہ میں دی ہیں؟

(۲) مولوی حفظ الرحمٰن صاحب سابق نائب مہتمم مدرسہ شاہی نے بتایا کہ تم لوگ اپنی زکوٰۃ چرم قربانی غارت کر رہے ہو تعمیر میں یہ رقم خرچ نہیں ہوگی نوعمر لوگ اور نئے فارغ مولوی لوگ ان کے ساتھ ہیں دونوں میں سے کس کی بات شریعت کے مطابق ہے اس سال پارٹی بن گئی ہے جواب بحوالہ کتب تحریر فرمائیں؟

المستفتي: عبدالشکور، عبدالغفار، محمد فہیم، محمد یعقوب،
ساکنان، کھیڑہ ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حیلۂ تملیک کے بعد زکوٰۃ صدقات چرم قربانی کی رقم تعمیر اور تنخواہ وغیرہ میں صرف کرنا جائز ہے لیکن حیلۂ تملیک مکتب چلانے اور مسجد کے امام کی تنخواہ پوری کرنے کیلئے اور مکتب کی تعمیر کیلئے ہرگز جائز نہیں ہے اور ایسے امور کیلئے حیلہ کرنے والے گنہگار ہوں گے، نیز زکوٰۃ دہندگان کو اگر معلوم ہے اور معلوم ہوتے ہوئے وہاں زکوٰۃ دیں تو تملیک کی وجہ سے ان کا فریضۂ زکوٰۃ تو ادا ہوجائے گا لیکن ثواب کی کوئی امید نہیں ہے، کیونکہ اس سے زکوٰۃ وصدقات کی روح ختم ہوجاتی ہے اور فقراء اور مستحقین کا حق مارا جاتا ہے، اور مذکورہ امور میں کھیڑا ٹانڈہ جیسے علماء وحفاظ کے علاقہ میں حیلۂ تملیک ایسی شرعی ضرورت کیلئے نہیں ہے، کہ جن امور کے بغیر وہاں کے لوگ دین اسلام سے دور ہوکر گمراہی میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو، لہٰذا شاید مولانا محمد شفیع صاحب کو یوں دھوکہ ہوگیا ہو کہ تملیک سے زکوٰۃ تو ادا ہوجاتی ہے لیکن اس طرف خیال نہ ہوا ہو کہ ہر جگہ حیلہ تملیک جائز نہیں ہے بلکہ ثواب سے محرومی ہوتی ہے، اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا قول حفاظت کیلئے گنجائش ہوتی ہے اور وہاں اگر حیلہ تملیک نہ کیا جائے تو عام لوگوں کا حرام اور گمراہی میں مبتلا ہونے کا کوئی خطرہ نہیں ہے، اسلئے مذکورہ صورت میں حیلہ تملیک جائز نہ ہوگا۔

الاحتیال للهروب عن الحرام والتباعد عن الوقوع فی الآثام لابأس به بل هو مندوب إلیه الخ. (عمدة القاری، کتاب الحیل، داراحیاء التراث العربی ۲۴/۱۰۸، زکریا دیوبند ۱۶/۲۳۹، تحت رقم الحدیث: ۶۹۵۳، وهکذا فی الهندیة زکریا دیوبند ۶/۳۹۰، الفتاویٰ التاتارخانیة ۱۰/۳۱۱، رقم: ۱۴۸۴۵)

ولیس من أخلاق المؤمنین الفرار من أحکام اللّٰه بالحیل الموصلة

إلیٰ إبطال الحق الخ. (عمدة القاری، داراحیاء التراث العربي، ۱۰۹/۲٤، زکریا دیو بند ۲۳۹/۱٦، تحت رقم الحدیث: ٦۹٥۳، وهکذا فی الهندیة زکریا دیو بند٦/ ۳۹۰، الفتاویٰ التاتارخانیة ۳۱۱/۱۰، رقم: ١٤٨٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲؍۱؍۱۴۱۲ھ

۞۞۞

(۱۰) باب: سفراء کے احکام

سفراء مدارس اور عاملین کے درمیان کیا فرق ہے؟

سوال: [۴۵۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضرت والا نے ایضاح النوادر حصہ دوم صفحہ ۵۳ و ۵۴ پر تحریر فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سفراء مدرسہ العاملین علیہا الآیۃ کے مصداق نہیں ہیں، اکثر اکابرین کی بھی یہی رائے ہے اسکی علت کیا ہے؟ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے معارف القرآن میں تفصیل فرمائی ہے مگر اس تفصیل کے اعتبار سے تو سفراء مدرسہ کا طلبہ کے وکیل نہ ہونا ثابت ہوتا ہے، اور پورا مدار اس بات کو ماننے پر ہے جبکہ دیگر اکابرین کی رائے یہ ہے کہ طلبہ جس طرح وکلاء معطیین ہیں، اسی طرح وکلاء آخذین بھی ہیں جیسا کہ آنجناب نے بھی ایضاح النوادر ۲/ ۱۵ پر صراحت فرمائی ہے تو دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ جب راجح قول یہی ہے کہ سفراء مدرسہ طلبہ و معطیین دونوں کے وکلاء ہیں، تو پھر العاملین علیہا کا مصداق بھی قرار دینا چاہئے جیسا کہ حضرت مفتی مولانا کفایت اللہ صاحبؒ کا فتویٰ ہے، اور اگر العاملین علیہا کیلئے حکومت کی طرف سے مقرر ہونا شرط ہے تو کیا جب اسلامی حکومت نہ ہو بیت المال نہ ہو اور یہ کام علماء امت انجام دے رہے ہوں تو مہتممین مدارس کا تقرر حکومت کے تقرر کے قائم مقام نہ ہوگا، برائے کرم اس مسئلہ کو مدلل بیان فرما کر خلجان کو دور فرمائیں؟ خاص کر دونوں میں وجوہ فرق بیان فرما کر ممنون فرمائیں؟

(نوٹ) اگر یہ علت ہے کہ سفراء کی تنخواہ مقرر ہوتی ہے تو اگر مقرر نہ کریں اور عاملین بیت المال کی طرح وظیفہ کے طور پر بعد میں دیدیں تو اس وقت مصداق بن جائیں گے یا نہیں؟

المستفتی: محمد صبیح اختر، کشن گنجی،

متعلم شعبہ افتاء دار العلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق :(۱) آپ کے سوال کا حاصل یہ معلوم ہوتا ہے، کہ سفراء مدارس اور عاملین کے درمیان کیا فرق ہے؟ اور جب سفراء اور ارباب اہتمام عاملین کی طرح معطیین اور طلبہ دونوں کے وکیل ہوتے ہیں، تو عاملین اور سفراء کے درمیان کوئی فرق نہیں رہا، لہٰذا جس طرح عاملین کو مدز کوٰۃ سے تنخواہ دینا جائز ہے اسی طرح سفراء کو بھی مدز کوٰۃ سے بلا حیلہ تملیک تنخواہ دینا جائز ہونا چاہئے؟ تو جواب یہ ہے کہ صرف ایک امر میں ہی تو برابری ہے باقی بہت سے ایسے امور ہیں جن میں برابری نہیں ہوسکتی ان میں سے نوامور بطور مثال یہاں درج کردیتے ہیں تاکہ دونوں کے درمیان کی علت افتراق واضح ہوجائے۔

(۱) عامل ایک دفعہ میں زکوٰۃ دہندہ کی پوری زکوٰۃ وصول کرتا ہے سفراء نہیں کرسکتے۔

(۲) زکوٰۃ دہندہ پر لازم ہے کہ مال زکوٰۃ عامل کے حوالہ کردے مگر سفراء کے حوالہ کرنا لازم نہیں۔

(۳) عامل کو ہر صاحب نصاب سے زکوٰۃ وصول ہوتی ہے مگر سفراء کو نہیں ہوتی کسی نے دیا کسی نے واپس کردیا۔

(۴) عامل کے پیچھے قوت عسکری ہوتی ہے سفراء کے پیچھے نہیں ہوتی۔

(۵) عامل کی زکوٰۃ بیت المال صدقات میں جمع ہوجاتی ہے سفراء کی نہیں۔

(۶) عامل کی زکوٰۃ حکومت کے نظام کے تحت بلا کسی حیلہ جوئی کے مصرف میں صرف ہوتی ہے سفراء کی نہیں بلکہ اس میں اکثر حیلۂ تملیک بھی ہوتا ہے۔

(۷) عامل کے پاس صحیح طریقہ سے نظام حکومت کے تحت پہلے سے بیت المال موجود ہوتا ہے سفراء کے پاس نہیں۔

(۸) عامل کی زکوٰۃ کی حفاظت اور صحیح مصرف پر خرچ نظام حکومت کے تحت ہوتا ہے سفراء کی زکوٰۃ کیلئے منجانب حکومت کوئی انتظام نہیں۔

(۹) تمام عاملین کی زکوٰۃ ایک ہی نظام کے تحت صدقات کے بیت المال میں جمع

ہوتی ہے، پھر ایک ہی نظام کے تحت پورے ملک کے مستحقین پر صرف ہوتی ہے اور سفراء اور مہتممین کیلئے یہ بات امکان سے باہر ہے کہ تمام مدارس کے تمام سفراء کی زکوٰۃ کیلئے ایک ملک گیر بیت المال اور پھر اسی بیت المال سے تمام مدارس کے طلبہ کی تمام ضروریات پوری کی جاسکیں، آج سے تقریباً سات سال قبل جمعیۃ العلماء ہند نے بیت المال قائم کرنے کا ارادہ کیا تھا، اور اسی عنوان سے دفتر میں ایک اہم میٹنگ بھی ہوئی تھی، مگر شرط نمبر ۹ کو پوری کرنے کی کوئی شکل نہیں تھی، اسلئے قائم نہ ہوسکا البتہ امارت فنڈ کے نام سے لوگوں نے میٹنگ میں ہی روپیہ جمع کردیا تھا اب بعد میں اسکا نام بھی بیت المال پڑ گیا، بہرحال ہندوستان میں بیت المال کے دائرہ میں داخل نہیں ہیں، اسلئے عاملین پر سفراء کو قیاس کر کے مدزکوٰۃ سے سفراء کی تنخواہ ادا کرنا صحیح نہیں ہوسکے گا۔

(۲) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ۷/ذیقعدہ ۱۳۹۵ھ میں معارف القرآن اور امداد المفتیین کی اس عبارت سے رجوع کا اعلان فرمادیا ہے جس میں مہتمم اور سفراء کو طلبہ کی طرف سے وکیل ہونے کا انکار فرمایا تھا، اور رجوع کے بعد حضرت مفتی صاحب مرحوم کا اختلاف باقی نہیں رہا۔ (جواہر الفقہ قدیم ۴/۳۸۷، جدید زکریا ۳/۳۲۰) میں یہ اعلان موجود ہے۔

(۳) حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا اس مسئلہ میں اکابر سے ہٹ کر تفرد ہے اس کو کسی نے اختیار نہیں کیا ہے بہت ممکن تھا کہ اگر اکابر ملکران کو توجہ دلاتے تو اپنے موقف سے رجوع فرمالیتے۔

(۴) اس مسئلہ میں مہتمم کو حکومت کے قائم مقام مانا نہیں جاسکتا ہے اور نہ ہی ارباب اہتمام کا فرستادہ سفراء کو حکومت کے فرستادہ عاملین کے قائم مقام مانا جاسکتا ہے بلکہ مدارس کا نظام ایک پرائیویٹ نظام ہے جو کبھی بھی نظام حکومت کے برابر یا اس کے قائم مقام نہیں ہوسکتا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/۳/۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۶۹۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/۳/۱۴۱۷ھ

کیا سفراء عاملین کے حکم میں ہیں؟

سوال: [۴۵۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سفراء مدارس عاملین کے حکم میں ہوں گے یا نہیں؟

المستفتي: مسعود احمد، متعلم دار العلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مدارس کے سفراء عاملین کے حکم میں نہیں ہیں، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے علاوہ تمام اکابر اہل فتاویٰ کی شرعی تعریف ان پر صادق نہیں آتی، لہٰذا! بلا تملیک مد زکاۃ سے ان کو تنخواہ دینا جائز نہیں ہے، بلکہ وصول یابی میں جو بھی رقم حاصل ہو سب کو اولاً مدرسہ کے دفتر میں جمع کریں، اس کے بعد مدرسہ کے فنڈ سے باضابطہ اپنی تنخواہ وصول کریں۔ (ایضاح النوادر حصہ دوم/ ۵۴، مکتبہ فرید بکڈپو، امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۸، عزیز الفتاویٰ/ ۳۶۰، احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۸۴، معارف القرآن اشرفیہ ۴/ ۳۹۹)

وأما العاملون فهم الذين نصبهم الإمام لاستيفاء صدقات المواشي، فيعطيهم مما في يده من مال الصدقة ما يكفيهم وعيالهم. (تاتار خانية ، كتاب الزكاة ، الفصل الثامن من توضع فيه الزكاة ، كوئٹه ۲/ ۲٦۸، زكريا ديو بند۳/ ۱۹۹، رقم: ٤١٢٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۳/۸ھ

مہتمم معطیین وطلبہ دونوں کا وکیل

سوال: [۴۵۱۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مہتمم

مدرسہ زکوٰۃ دہندگان کا وکیل ہے یا مستحقین زکوٰۃ کا؟

المستفتي: مجاہدالاسلام قاسمی، فقہ اسلامی، پٹنہ(بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مہتمم اور سفراء بالاتفاق معطیین کے وکیل ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ طلبہ اور فقراء کے بھی وکیل ہیں یا نہیں؟ تو اگر ان کو صرف زکوٰۃ دہندگان کی طرف سے وکیل تسلیم کیا جائے اور طلبہ کی طرف سے وکیل تسلیم نہ کیا جائے تو زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ اس وقت تک ادا نہ ہوگی جب تک یہ لوگ مصرف میں خرچ نہ کردیں، لہٰذا اگر مصرف میں خرچ ہونے سے قبل ضائع ہوجائے تو معطیین کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اس پر فریضۂ زکوٰۃ بدستور باقی رہے گا، لیکن اگر مہتمم اور سفراء کی طرف سے کوئی تعدی نہیں ہوئی ہے تو ان پر تاوان بھی لاگو نہیں ہوگا، نیز ایسی صورت میں جن مدارس میں زکوٰۃ کی رقم کئی کئی سال خرچ ہوئے بغیر جمع رہتی ہے اگر بقدر نصاب ہو تو ان کے معطیین پر ان سالوں کی زکوٰۃ بھی دوبارہ ادا کرنا واجب ہوگا، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ معارف القرآن میں اس کو خوب وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ (مستفاد: معارف القرآن اشرفیہ دیوبند ۴/ ۱۶۹، تحت سورۃ توبہ آیت: ۶۰)

لیکن بعد میں ۵/ ذیقعدہ ۱۳۹۵ھ کو امین اشرف متعلم شعبہ افتاء دارالعلوم کراچی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے صاف الفاظ میں اپنے سابق فتویٰ سے رجوع کا اعلان کردیا ہے اور تمام اکابر کے اس فتویٰ کو تسلیم کرلیا ہے جسمیں مہتمم اور اس کے مامور کردہ حضرات کو فقراء کا وکیل ثابت کیا گیا ہے، ان کے قبضہ سے معطیین کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ (جواہر الفقہ ۴/ ۳۸۸)

لیکن ہمارے اکثر اکابر اہل فتاویٰ نے مہتمم کو طلبہ اور معطیین دونوں کا وکیل تسلیم کیا ہے، اور طلبہ کے وکیل ہونے کی وجہ سے مہتمم اور اسکے ماتحتی لوگوں کے قبضہ کرنے پر زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ اسی وقت ادا ہوجاتی ہے، لہٰذا اگر طلبہ پر خرچ ہونے سے قبل بلا تعدی ہلاک ہوجائے تو معطیین کے وکیل اور امین ہونے کی وجہ سے ان پر کوئی تاوان لازم نہ ہوگا، اور طلبہ کے وکیل ہونے کی وجہ سے معطیین کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، نیز کئی سال سے جمع شدہ رقم پر کسی

شخص حقیقی کی ملکیت تامہ نہ ہونے کی وجہ سے ان سالوں کی زکوٰۃ بھی ادا کرنا لازم نہ ہوگا۔

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری قدس سرہ فرماتے ہیں، کہ معطیین کے حق میں اہل مدرسہ بیت المال کے عمال کے مثل ہیں، اور طلبہ اور آخذین کی طرف سے وکلاء ہیں، لہٰذا نہ اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور نہ ہی معطیین زکوٰۃ واپس لے سکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ خلیلیہ ۱/ ۳۱۹)

اور یہی مضمون حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ دامت برکاتہم نے فتاویٰ محمودیہ میں نقل فرمایا ہے، کہ جب طلبہ نے مہتمم کے اہتمام اور انتظام اور قوانین تسلیم کر کے داخلہ لیا ہے تو گویا یوں کہدیا کہ آپ ہمارے وکیل ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل ۹/ ۵۱۳، قدیم ۱۲/ ۲۱۸)

اور حضرت قطب عالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ نے بھی صاف اور واضح الفاظ میں مہتمم کو طلبہ کا وکیل قرار دیا ہے۔ (مستفاد: تذکرۃ الرشید ۱/ ۱۶۴، حاشیۃ فتاویٰ خلیلیہ ۱/ ۳۲۰)

اور قوت دلائل کی روشنی میں اگرچہ مہتمم کو طلبہ کا وکیل نہیں قرار دیا جا سکتا ہے جیسا کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ نے معارف القرآن میں نقل فرمایا ہے، لیکن اساطین امت اور اہل فتاویٰ کی ایک بڑی جماعت نے مہتمم اور اہل مدرسہ کو طلبہ کا وکیل قرار دیا ہے اسلئے یہی مسلم ہوگا، کہ مہتمم اور اہل مدرسہ اور سفراء معطیین اور طلبہ دونوں کی طرف سے وکیل ہوں گے۔

نیز حضرت تھانویؒ نے بھی امداد الفتاویٰ ترتیب قدیم مطبوعہ رحیمیہ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے مذکورہ جواب کو تحریر فرمایا ہے جس سے شبہ اور تردد بالکل مرتفع ہو جاتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ قدیم ۴/ ۲۱۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۵۳)

مہتمم وسفراء طلبہ ومعطیین دونوں کے وکیل

سوال: [۴۵۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدارس کے سفراء اور مہتمم معطیین کے وکیل ہوتے ہیں، یا طلبہ کے، معطیین کی طرف سے سفراء اور مہتمم کے ہاتھ میں پیسہ آنے کے بعد انکی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اس سلسلے میں حضرت گنگوہیؒ ،حضرت سہارنپوریؒ ،حضرت تھانویؒ اور حضرت مفتی شفیع صاحب کی آخری رائے کیا ہے اسکو واضح کریں؟ نوازش ہوگی۔

المستفتي: عبداللہ، بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: مدارس کے مہتمم اور سفراء معطیین اور طلبہ دونوں ہی کے وکیل ہوتے ہیں، لہٰذا جب معطیین کے ہاتھ سے پیسہ نکل کران حضرات کے ہاتھ میں آ گیا تو معطیین کی زکوٰۃ ادا ہوگئی حضرت گنگوہیؒ ، حضرت سہارنپوری، حضرت تھانویؒ کا فتویٰ یہی ہے اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی پہلی رائے سے رجوع کر کے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر/ ۲۲۶، جواہر الفقہ ۴/ ۳۸۷، امداد المفتیین / ۱۰۸۵، محمودیہ ڈابھیل ۹/ ۵۱۴، ۵۱۷، معارف القرآن ۴/ ۳۹۹، فتاویٰ خلیلیہ ۱/ ۳۱۹، تذکرۃ الرشید/ ۱۶۴)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/۱/۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۸۳)

چندہ کیلئے مدرسہ کی تصویر لینا

سوال: [۴۵۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض مدارس میں چندہ وصول کرنے کیلئے مدرسہ کی تعمیری عمارت کے ساتھ مہتمم صاحب و دیگر بعض

حضرات تصویر نکالتے ہیں، تاکہ لوگ اعتماد کر کے چندہ دیں جس سے مدارس کی ضرورتیں پوری ہوں، آیا اس طرح مدارس کی ضرورت وحاجت کی بناء پر علماء کا تصویر نکالنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ وضاحت سے بیان فرمائیں؟

المستفتي: مفتی حسام الدین، مقیم امراونی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مدرسہ کی تعمیری عمارت یا مدرسہ کی تیار شدہ عمارت کا فوٹو لینا بلاشبہ جائز ہے، اور وہ فوٹو چندہ دہندگان کو دکھانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ جن فوٹو کی ممانعت ہے، وہ جاندار کی فوٹو ہے۔

عن سعيد بن أبي الحسن، قال: كنت عند ابن عباس رضى الله عنهما إذ أتاه رجل، فقال: يا أبا عباس، إنى إنسان إنما معيشتى من صنعة يدي، وإني أصنع هذه التصاوير – إلىٰ – فقال: ويحک، إن أبيت إلا أن تصنع، فعليک بهذا الشجر، كل شيئى ليس فيه روح. (صحيح البخارى، كتاب البيوع، باب بيع التصاوير، التى ليس فيها روح، ومايكره من ذلك، النسخة الهندية ۲۹۶/۱، رقم ۲۱۷٤، ف: ۲۲۲۵، مسند أحمد بن حنبل ۳٦۰/۱، رقم: ۳۳۹٤، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ۱٦٤/۱۲، رقم: ۱۲۷۷۲)

وفى رواية، فإن كنت لا بدفاعلا، فاجعل الشجر، ومالا نفس له. (مسند أحمد بن حنبل ۳۰۸/۱، رقم: ۲۸۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۴؍صفر ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۸۳/۳۸)	۱۴۲۹/۲/۲۵ھ

چندہ دہندگان کو اختیار ہے جس کو چاہیں دیں

سوال: [۴۵۱۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) آج بعض بڑے اداروں پر اہل خیر حضرات اعتماد کر کے مدارس ومساجد کی تعمیری کام کرانے کیلئے

رقمیں دیتے ہیں، ان بڑے اداروں کے پاس تعمیری کام کرانے کیلئے جو لوگ جاتے ہیں، ان سے یہ کہہ کر فائل جمع کرتے ہیں، کہ مدرسہ اور مسجد کے ضروری کاغذات بنائیں مثلاً درسگاہوں کیلئے آٹھ لاکھ کا بجٹ بنا کر فائل جمع کرتے ہیں، پھر اس کی منظوری ہوتی ہے، پھر جب رقم لینے جاتے ہیں، تو کہتے ہیں، کہ ابھی بجٹ نہیں ہے اور ٹال مٹول کرتے رہتے ہیں، پھر جب زیادہ تقاضہ کیا جاتا ہے تو ایک لاکھ دے کر کہہ دیتے ہیں، کہ کسی اہل خیر سے لیکر قرض کے طور پر کام کرالیں بعد میں آپ کو منظور شدہ رقم ادا کر دی جائے گی، پھر جب جاتے ہیں، تو کہہ دیتے ہیں کہ آپ لیٹ آئے اسلئے آپ کی منظور شدہ رقم کسی دوسری جگہ میں صرف کر دی گئی ،تو دریافت یہ کرنا ہے کہ جو رقم مدرسہ کیلئے یا مسجد کے لئے منظور ہوئی تھی کیا دیگر جگہوں پر صرف کرنے کا کوئی شرعی جواز ہے یا نہیں؟

(۲) اسی طرح دیگر جو بڑے بڑے ادارے ہیں،جن پر عوام الناس کا اعتماد ہے ان کے پاس اہل خیر حضرات کثیر رقم جمع کر دیتے ہیں، تا کہ جہاں مستحقین ہوں وہاں صرف کر دیں ، اور ادارے والے ان رقموں کو ایسی جگہوں پر صرف کرتے ہیں، جہاں لوگ خود خوشحال ہیں، اور خود کفیل ہیں جبکہ ان رقموں کے مستحقین صرف ارتدا دزدہ علاقہ والے لوگ ہی ہیں ، اور بہت سی جگہوں پر مسجد کا کام شروع کر دیتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں، کہ کرسی تک کام بستی والے کرائیں ، بعدہٗ مکمل ہم کرا دیں گے، مگر جب کرسی تک کام کرا دیا جاتا ہے تو اگلے کام میں ٹال مٹول کرتے ہیں، اور کام ادھورا پڑا رہ جاتا ہے، اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ کیا اس کا کوئی جواز ہے یا نہیں؟

المستفتي: اللہ نور ابن عبداللہ، مدرسہ جامعہ دار ارقم چانڈیا کلاں، رائپور، ضلع: پالی، صوبہ (راجستھان)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ میں درج کئے گئے دونوں سوالات کے بارے میں گذارش یہ ہے کہ چندہ دہندگان کو اختیار رہے کہ جہاں چاہیں اور جسکو چاہیں اپنا

چندہ دے دیں، لیکن اگر کسی سے کچھ دینے کا وعدہ کر رکھا ہے تو وعدہ پورا کرنا لازم اور ضروری ہے ورنہ سخت گنہگار رہوں گے، اور چندہ دہندگان کے وعدہ پورا نہ کرنے کیوجہ سے اگر مدرسہ کا نقصان ہوا ہے تو اسکا گناہ چندہ دہندگان یا چندہ میں واسطہ بننے والے کے سر ہوگا، نیز چندہ دہندگان کی طرف سے مدرسہ یا مدرسہ کے ذمہ داران کو بلا وجہ ایذاء پہونچانا اپنے چندہ کے ثواب کو ضائع کرنا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں ارشاد فرمایا:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لاَ تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذیٰ. الآیة: (بقرہ: ۲٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۴/۱۴۳۴ھ

کیا چندہ دہندگان کی آمدنی کی تحقیق لازم ہے؟

سوال: [۴۵۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لوگ مدرسہ میں ہمارے پاس پیسے لیکر آتے ہیں، یا ہم چندہ کرنے کیلئے جاتے ہیں، اور ہم لوگ ان پیسوں کے بارے میں کوئی تحقیق نہیں کرتے تو کیا ایسا پیسہ استعمال کرنا جائز ہے نیز بہت سے لوگ ایک لاکھ دو لاکھ اور زائد بھی روپیہ دیتے ہیں، اور اگر تحقیق کی جائے تو عامۃً ایسے لوگ سود میں مبتلا ملتے ہیں، اور وہ لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں، کہ اگر ہم اپنی تمام آمد سرکار کے سامنے کردیں گے تو پھر ہم کو کوئی بھی نفع نہیں ملیگا، تو کیا ان کا یہ فعل جائز ہے جیسا کہ گاڑی بس وغیرہ کے مالکین حضرات! آج ہی ایک صاحب آئے اور مجھکو کچھ رقم دی اور میں نے ان سے کوئی تحقیق نہیں کی اور پھر انھوں نے وہ رقم واپس لے لی، اور پھر بہت کچھ کہا جو لکھنے کے قابل نہیں؟ دل میں بھی طرح طرح کے وساوس آئے آپ برائے کرم جواب سے مطلع فرمائیں؟

المستفتي: حافظ محمد فرحت، تجوید القرآن، بلند شہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بغیر تحقیق کے چندہ کے پیسہ استعمال کرنا جائز ہے، صرف اتنا معلوم ہونا کافی ہے کہ چندہ دینے والے کے پاس جائز کاروبار بھی ہے، کچھ بھی تفصیل معلوم نہیں تو ان صورتوں میں چندے کے پیسے بلاتردد حلال وجائز ہیں، ہاں البتہ کسی مسلمان کے بارے میں معلوم ہوجائے کہ ان کے پاس حرام آمدنی کے علاوہ حلال کاروبار اورحلال آمدنی بالکل نہیں ہے یا حلال کمائی اورآمدنی اقل قلیل ہے، اکثر حرام ہےاورایسے مسلمان کا چندہ ہمیں مل رہاہے تو ہم کو یہی گمان کرنا چاہئے کہ اس نے ہمیں جو دیاہے، وہ حلال ہےاسی کے ہم مکلّف ہیں، البتہ اگرکسی نے یہ تحقیق کرلی ہےاور یہ معلوم ہوا کہ اس کے پاس حلال کمائی بھی ہےاورحرام کمائی بھی اور دیتے وقت کچھ بھی تفصیل بیان نہیں کی کہ حلال میں سے دیایا حرام میں سےتو چندہ لینے والوں کو یہی گمان کرنا چاہئے کہ ہمیں حلال میں سے دیاہے،اوراس سے چندہ لینا بھی جائز ہے۔

اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَلاَ تَجَسَّسُوْا . الآية: (الحجرات: ۱۲)

وإن كـان غالب ماله حلالاً لابأس بقبول هديته والأكل منها . (هنديه ، الباب الثاني عشر في الهدايا و الضيافات زكرياديوبند٥/٣٤٣، جديد زكريا ٥/٣٩٧)

وفي البزازيةغالب حال المهدي إن حلالاً لا بأس بقبول هديته وأكل مـالـه مـالـم يتبين أنه من حرام ، لأن أموال الناس لايخلو عن حرام ، فيعتبر الـغالب . (مجمع الأنهر ، كتاب الكراهية، فصل في الكسب مصرى قديم ٢/٥٢٩، دارالكتاب العلمية بيروت ٤/١٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۷۰۹/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۱۳ھ

حلال وحرام کاروباری شخص سے چندہ لینا

سوال: [۴۵۱۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک قصبہ میں ایک مسلمان کے پاس ٹیلیویژن اسٹیشن ہے یعنی اسکے پاس ایسی مشین ہیں، کہ شہر کے

لوگوں کے ٹیلیویژنوں میں کنکشن دیا ہے جس سے تمام پروگرام ٹیلیویژن اسٹیشن سے تمام شہر کے ٹیلیویژنوں میں آتا ہے، جس کا کرایہ شہر کے ٹیلیویژن والے اس مسلمان ٹیلیویژن اسٹیشن والے کو ادا کرتے ہیں، اس مسلمان ٹیلیویژن رکھنے والے کی اس آمدنی کے علاوہ کافی کاشتکاری کی زمین بھی ہے جس سے کافی آمدنی ہے اسکے علاوہ مزید آمدنی یہ ہے کہ اسکے دو بھائی باہر ملکوں میں ملازمت کرتے ہیں، وہاں سے بھی کافی رقم آتی ہے، لہٰذا ازروئے شرع اس مسلمان ٹیلیویژن والے کے یہاں سے مدرسہ کا چندہ لینا اور ان کی دعوت کھانا حلال ہے یا حرام؟ جواب سے نوازیں؟

المستفتی: توقیر عالم، پیر غیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ٹیلیویژن اسٹیشن والے کے پاس اس کی اس آمدنی کے علاوہ دوسرے کاروبار بھی ہیں، جن سے حلال آمدنی آتی ہے تو بلا تحقیق ہم کو یہی خیال کرنا چاہئے کہ اس نے حلال مال سے مدرسہ میں چندہ دیا ہے، لہٰذا اس کا چندہ مدرسہ کیلئے لینا اور استعمال کرنا بلا کراہت جائز ہے اور اگر تحقیقی طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے مدرسہ میں چندہ حرام مال سے دیا ہے تو اس کا چندہ لینا جائز نہیں ہے، نیز کسی مسلمان کے بارے میں ہم کو تحقیق کا حق نہیں ہے مسلمان کا چندہ ہمیں مل رہا ہے تو ہم کو یہی گمان کرنا چاہئے کہ اس نے جو پیسہ مدرسہ میں دیا ہے وہ حلال ہے اسی کے ہم مکلّف ہیں، اور اس کے یہاں دعوت کھانا بھی جائز ہے۔

وإن كان غالب ماله حلالاً لا بأس بقبول هديته والأكل منها. (هنديه، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات زكريا ديوبند ٥/٣٤٣، جديد زكريا ٥/٣٩٧، بزازيه على هامش الهنديه زكريا ٦/٣٦٠، خانيه زكريا ٣/٤٠٠)

وإن كان غالب ماله حلالاً فلا بأس بأن يقبل حتى يتبين عنده أنه حرام. (البنايه، اشرفيه، ديوبند ١٢/٢٠٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۴۰-۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۹ھ

خنزیر کے بالوں سے برش بنانے والوں کا چندہ لینا

سوال: [۴۵۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یہاں اکثر لوگوں کا کاروبار حرام ہے (خنزیر کے بالوں کے ذریعہ برش بنتے ہیں) صرف یہی کام ہے ان لوگوں کا تو ان کا چندہ مساجد ومدارس میں اوران کے یہاں دعوت کھانا ان کا ہدیہ قبول کرنا ان کے یہاں بچوں کو ٹیوشن پڑھا کر اجرت لینا کیسا ہے؟

نیز اگر کسی ایسے شخص نے کسی مسجد کا فرش یا نماز جنازہ کیلئے بستی سے باہر چبوترہ یا مدرسہ میں کسی کمرہ کی تعمیر کرائی اوراس میں درس قرآن ہوتا ہو تو اس فرش پر نماز پنجگانہ اور چبوترہ پر نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟ اگر نمازیں پڑھ لیں تو انکا کیا حکم ہے اور مدرسہ میں تعمیر شدہ مکان میں تعلیم وتعلم کا کیا حکم ہے؟ ایسے مدرسہ کے مہتمم ناظم جوان کام کے کرنے والوں کی تعریف اور دعائیں برکت کی دے کر مزید چندہ کا خواہاں ہو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتي: مولوی سلامت اللہ، مدرس مدرسہ تعلیم القرآن شیرکوٹ، ضلع بجنور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: واقعۃً اگر وہاں کے لوگوں کی زائد آمدنی حرام کی ہے، تو ان لوگوں کا چندہ مساجد ومدارس میں لگانا ان کے گھر دعوت کھانا انکا ہدیہ قبول کرنا ان کے بچوں کو ٹیوشن پڑھا کر اجرت لینا جائز اور درست نہیں ہے، نیز اگر اس مال حرام سے مسجد کا فرش یا نماز جنازہ کیلئے چبوترہ یا درس قرآنی کیلئے مدرسہ کے کمروں کی تعمیر کرادی ہے تو اس حرام مال کی مقدار مال طیب سے اس کے مال کو لوٹا دے مالک نہ ہونے کی حالت میں فقراء پر صدقہ کردے ورنہ اس فرش وچبوترہ اور کمروں میں تعلیم ونماز جنازہ اور نماز پنجگانہ ادا کرنا

مکروہ تحریمی ہے،اسی طرح مدرسہ کے مہتمم وناظم کاان لوگوں کےحرام مال میں برکت کی دعا کرنا اور مزید چندہ کا خواہاں رہنا درست نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ،گلستان کتاب گھر دیوبند/ ۵۴۱،زکریا/۵۲۲،مسئلہ نمبر۹۲۱،کفایت المفتی قدیم۷/۶۴-۶۷،زکریا جدید۷/۲)

عن أبي هريرة – رضی اللہ عنه – قال: قال رسول اللہ ﷺ أيها الناس إن اللہ طيب لا يقبل إلا طيباً ،الحديث: (صحيح مسلم ، الزكاة ، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وترتيبها، النسخة الهندية ۱/۳۲۶، بيت الأفكار رقم: ۱۰۱۵)

ولابأس بنقشه خلا محرابه بجص وماء ذهب بماله الحلال(تنوير الابصار) قال تاج الشريعة: أما لو أنفق فى ذلک مالا خبيثا ومالا سببه الخبيث والطيب ، فيكره لأن اللہ تعالىٰ لايقبل إلا الطيب الخ. (الدر مع الرد، كتاب الصلاة ، باب مايفسد الصلاة ، ومايكره فيها قبيل مطلب كلمة لابأس دليل على المستحب غيره ، زكرياديوبند۲/ ۴۳۱، كراچى ۱/۶۵۸)

آكل الربا وكاسب الحرام أهدى إليه ، أو أضافه وغالب ماله حرام لايقبل ، ولايأكل مالم يخبره أن ذلک المال أصله حلال ورثه أو استقرضه . (عالمگيرى ، كتاب الكراهية ، الباب الثانى عشر فى الهدايا والضيافات زكريا ديوبند ۵/۳۴۳، جديد زكريا ۵/۳۹۷ ، وهكذا فى البناية اشرفيه ديوبند ۱۲/۲۰۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۵/۵/۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۱/۴۰۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۵/۲۹ھ

برادری، بدعتی اور ایڈ والے مدرسہ میں چندہ دینا کیسا ہے؟

سوال: [۴۵۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) جن مدرسوں میں ۹۹ر امور میں برادری کا بڑا خاص لحاظ ہوعلاوہ چندہ لینے کے کیا

اس میں چندہ دیا جاسکتا ہے؟

(۲) جن مدرسوں میں عاشورہ شب برأت اور کونڈے کی نسبت باقاعدہ چھٹی ہوتی ہو اور تیجہ، دسواں، چالیسواں، برسی چہلم، چھومک، منگنی بارات یعنی لڑکی کی شادی کی دعوت قبول کی جاتی ہو اور دوکان ومکان پر طلبہ کو باقاعدہ رسمی قرآن خوانی کیلئے بھیجا جاتا ہو وغیرہ اور مہتمم عامی غیر عالم ہو کیا ایسے مدرسوں میں چندہ دیا جاسکتا ہے؟

(۳) جن مدرسوں میں الہ آباد بورڈ یوپی سے باقاعدہ ایڈ آتی ہو اور وہ مدرسے مسلم مالدار دیندار تاجروں کے شہروں میں ہوں کہ سالانہ خرچ وہیں کی امداد، صدقہ، زکوٰۃ وغیرہ سے پورا ہوسکتا ہو تو کیا ایڈ والے مدرسہ میں چندہ دینا جائز ہے؟ اور ایسے مدرسہ میں دوسرے شہر کا چندہ کہ جس کا اس شہر کے چندہ سے کام پورا ہوسکتا ہے، چندہ بیرونی دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبداللہ عاصی سنی حنفی قاسمی، جامعہ اسلامیہ دارالعلوم قاضی باغ، کاشی پور، ادھم سنگھ نگر، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) برادری اور تعصب شرعاً ناجائز ہے لیکن اس کا گناہ الگ سے ہوگا، اور اسمیں چندہ دینے کا ثواب الگ ہوگا، جو لوگ برادری اور تعصب میں مبتلا ہیں، وہ خود اپنے گناہ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

(۲) سوال میں مذکورہ تمام رسومات داخل بدعت ہونے کی وجہ سے ممنوع ہیں، اور یہ سب چیزیں مدارس اسلامیہ کے اندر قطعاً جائز نہیں ہیں، اگر ان چیزوں پر روک تھام کے باوجود باز نہ آئیں تو بجائے ایسے مدارس میں چندہ دینے کے دوسرے اچھے مدارس میں چندہ کا پیسہ بھیج دیا جائے، جہاں اس قسم کی بدعات وخرافات نہ ہوتی ہوں۔

(۳) جس مدرسہ کی ضرورت عام مسلمانوں کے چندہ سے آسانی پوری ہوسکتی ہو انہیں ایڈ کا تعاون لیکر حکومت کا کسمپرسی بننا دینی تعلیم اور دینی مدارس کو اپنی جگہ سے نیچے اتار دینا ہے، اور دینی تعلیم کی حیثیت کو گھٹانا ہے، اس لئے شرعاً حکومت کا تعاون مدارس اسلامیہ کو

نہیں لینا چاہئے، لیکن پھر بھی حکومت سے ایڈ لینے کی گنجائش ہے اور صرف ایڈ سے مدرسہ کی ضروریات پوری نہیں ہوتی ہیں، تو اپنے شہر اور دوسرے شہر سے چندہ کرنا جائز ہے اور دینے والوں کیلئے چندہ دینے کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ　　الجواب صحیح:
۲/۳/۱۴۲۱ھ　　احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۵۱۵)　　۲/۳/۱۴۲۱ھ

سفیر کی شرعی حیثیت

سوال: [۴۵۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سفیر کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ سفیر زکوٰۃ کی رقم کو ذاتی یا مدرسہ کے کام میں خرچ کرلے پھر اپنے پاس سے اس کی بھرپائی کردے تو اس صورت میں زکوٰۃ دہندہ کی زکوٰۃ ادا ہوجائیگی یا نہیں؟ اس طرح کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: ممتاز احمد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدارس کے سفراء زکوٰۃ دہندگان اور طلبہ دونوں کے وکیل ہوتے ہیں، اور زکوٰۃ دہندگان کی طرف سے سفراء کے قبضہ میں زکوٰۃ آتے ہی ان کی زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے، اس کے بعد سفراء کی اگلی ذمہ داری مدارس کے دفتروں میں داخل کرنے تک کی ہے، اور دفتروں میں داخل کرنے سے پہلے پہلے اس پیسہ کو خرچ کرنے میں ایک قسم کی خیانت بھی ہے، او راس میں سے کچھ خرچ کرنے کی صورت میں مکمل ضمانت بھی ان کے ذمہ عائد ہوتی ہے، لہٰذا اس میں سے کچھ خرچ کرنے کے بعد بقیہ پیسہ ضائع ہوجائے، یا چوری ہوجائے تو اپنی جیب سے متعینہ رقم مدرسہ میں مکمل ادا کرنا لازم ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۵۰)

ولو خلط زكاة موكليه ضمن وكان متبرعاً، إلا إذا وكله الفقراء

وتحته في الشامية : لأنه كلما قبض شيئا ملكوه وصار خالطا مالهم بعضهم ببعض ووقع زكاة عن الدافع – إليٰ قوله – وليس له الخلط بلا إذنهم ، فلو خلط أجزأ عن الدافعين وضمن للموكلين . (شامی، کتاب الزکاۃ، کراچی ۲/ ۲۶۹، زکریا۳/ ۱۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ ۸/ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/ ۸/ ۱۴۳۲ھ

وصولی کے ایام کے اخراجات کی رقم تنخواہ سے وضع کرنا

سوال: [۴۵۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بمد ناشتہ تمام مدرسین و ملازمین کے تنخواہ میں رقم شامل کردی گئی ہے، جو تنخواہ کیساتھ مل رہی ہے، تو ایام وصولی میں جو رقم چائے ناشتہ میں صرف کرتے ہیں، وہ رقم اتنے ایام کے ان کے تنخواہ سے کیوں نہ وضع کرلی جائے؟

المستفتي: نبی حسن، خادم دار العلوم، ارریہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آپ کے مدرسہ میں اس سلسلہ میں جو اصول وضوابط متعین اور نافذ ہیں، اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے، مدرسہ میں رہ کر ناشتے کا پیسہ ملتا ہے مگر ناشتہ نہیں ملتا، اور وصولی کے زمانہ میں منجانب مدرسہ لوگوں کے پاس جانے کی وجہ سے لوگ ناشتہ کرادیں تو پھر اس ناشتے کا پیسہ مدرسہ سے وصول نہیں کرنا چاہئے، ہاں البتہ اگر آپ کے مدرسہ کا ضابطہ دوسرا ہے تو اسکے مطابق عمل کرنا چاہئے۔

والمسلمون على شروطهم إلا شرطاً حرم حلالاً أو أحل حراماً .

(ترمذی شریف، الأحکام، باب ماذکر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس ، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام رقم: ۱۳۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۲۰-۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۱۸ھ

کیا پورے دن وصولی کرنا لازم ہے؟

سوال: [۴۵۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وصولی کے ایام منجانب مدرسہ ایام کارکردگی ہیں بیشتر دن ایسا ہوتا ہے کہ صبح ۱۱ر بجے تک وصولی کا کام کیا بقیہ دن یا بعض دن بالکل کام نہیں کیا سوایسا کرنا مدرسہ کیساتھ خیانت تو نہیں؟ اوران ایام کی تنخواہ لینا درست ہے یا نہیں؟ جبکہ مدرسہ میں بکارمدرسہ شمار ہورہا ہے؟

المستفتي: نبی حسن، خادم دارالعلوم ارریہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگروصولی کے زمانہ میں مدرسہ کےوصولی کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہیں کیا جاتا ہے، بلکہ مدرسہ کے وصولی کے دھن اوراس کی فکر میں پورا وقت گزرتا ہے، چاہے پورے دن میں سے چند گھنٹہ کام ہو پاتا ہوتو ایسی صورت میں پورا وقت کارکردگی میں شمار ہوگا، اور وصولی کے زمانہ میں کوئی دوسرا کام کرنے کی منجانب مدرسہ اجازت نہیں ہوتی اس لئے اگر دوسرا کام کیا جاتا ہےتو اس کو واضح کرنا چاہئے کہ مدرسہ کے ذمہ داروں سے دوسرے کاموں کے متعلق کیا معاملہ طے ہوا ہےاس کے بغیر شرعی حکم نہیں لکھا جاسکتا ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۲۰-۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۱۸ھ

سفراء حضرات کا تحائف قبول کرنا

سوال: [۴۵۲۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان یا غیر رمضان میں مدارس کے مستقل سفراء حضرات یا عام چندہ کنندگان مثلاً مدرسہ

کے اساتذہ حضرات چندہ کرنے جاتے ہیں، چندہ دینے والے بعض دفعہ مدرسہ کی رسید کٹوانے کے بعد کچھ نقدی یا جوڑا وغیرہ چندہ کرنے والے صاحب کو دیکر کہتے ہیں، کہ حضرت یہ آپ کیلئے ہے، اسے آپ اپنے لئے رکھ لیں، تو اب ان حضرات کیلئے یہ دی ہوئی نقدی یا جوڑا اپنی ذات کیلئے بلا مہتمم مدرسہ کو بتائے ہوئے الگ کر لینا جائز ہے یا نہیں؟ یا اس کو مدرسہ میں جمع کرنا ضروری ہے؟

المستفتي: رفیق احمد، ہٹوا بازار بستی، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارس کے سفراء اور دیگر چندہ کرنے والے ان لوگوں کے تحائف قبول کر سکتے ہیں، جنکے ساتھ پہلے سے ان کے تعلقات ہوں یا جو پہلے سے ان کو تحائف دیتے ہوں یا جن لوگوں کے بارے میں یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ ذاتی محبت کی وجہ سے ہی ہدیہ دے رہے ہیں، ان کے علاوہ عام لوگوں کے تحائف سے احتراز کرنا چاہئے۔
(مستفاد: امداد المفتیین ۸۸۳/۲)

عن أبي حميد الساعدی رضی اللّٰہ عنه قال: استعمل النبی ﷺ رجلا من الأزد، يقال له: ” ابن اللتبية “ على الصدقات، فلما قدم قال: هذا لكم وهذا أهدىٰ لی، قال: فهلا جلس فی بيت أبيه أو أمه فينظر يهدى له أم لا، الحديث: (بخاری شریف، کتاب الهدية، باب من لم يقبل الهدية لعلة، النسخة الهندية ۳۵۳/۱، رقم: ۲۵۲۵، ف: ۲۵۹۷)

قال صاحب تكملة فتح الملهم فی شرح هذا الحديث ودل الحديث على أن العامل لا يجوز له قبول الهدية أثناء عمله إلا ممن كان يهدى إليه قبل أن يتولىٰ العمل...... أما من تبين منه أنه لا يهدى إليه إلا حبا لذاته ولا يبتغی بذلك إلا وجه اللّٰہ فالظاهر أنه لا يدخل فی وعيد هذا الحديث إن شاء اللّٰہ تعالىٰ. (تكمله فتح الملهم، كتاب الامارة، باب تحريم هدايا العمال، اشرفيه ديو بند ۳/ ۳۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۵۹۲/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۱۹ھ

سفیر کو زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے میں کلی اختیار دینا

سوال: [۴۵۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احقر چندہ کرنے والے ایک شخص کو جو کہ لوگوں میں دیانت امانت تقویٰ طہارت کے اعتبار سے پسندیدہ ہے، اپنی رقم دیکر کہہ دیتا ہے کہ تم یہ رقم جہاں اپنے علم کے مطابق ضروری سمجھو لگا دو یہ زکوٰۃ کی رقم ہے میں تم کو اختیار کلی دیتا ہوں اپنے علمی روشنی میں خرچ کرنیکی، تو کیا احقر کا فیصلہ مناسب ہے یا دوسرا مشورہ ہو تو مطلع فرمائیں کیسے کیا کروں؟

المستفتي: عبد الکریم، الٰہ آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں یہ فیصلہ جائز اور درست ہے۔

وللوكيل أن يدفع لولده الفقير و زوجته الخ. (الدرالمختار، کتاب الزکاۃ، زکریا دیوبند ۳/۱۸۸، ۱۸۹، کراچی ۲/۲۶۹، البحرالرائق، کوئٹہ ۲/۲۱۱، زکریا ۲/۳۶۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸۴۲/۲۸)

سفیر کا بوقت ضرورت مدرسہ کی رقم استعمال کرنا

سوال: [۴۵۲۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض سفیر حضرات مدرسہ کی رقم کو اپنی ذاتی مصرف میں استعمال کر لیتے ہیں، اور پھر بعد میں وہ رقم

مدرسہ میں جمع کردیتے ہیں تو کیا مدرسہ کی رقم ضرورت کے وقت اپنے ذاتی مصرف میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ حالانکہ وہ رقم بعد میں مدرسہ کو لوٹا دیتے ہیں؟

المستفتي: اسلام الدین، مدنا پور بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سفراء حضرات کو چندہ میں جو پیسہ ملتا ہے وہ عام طور پر زکوٰۃ کا پیسہ ملتا ہے اور زکوٰۃ کے پیسہ کو مدرسہ کے دفتر میں جمع کرنے سے پہلے سفراء حضرات کو اس میں کسی قسم کے تصرف اور استعمال کا حق نہیں یہ سفراء کی طرف سے سخت خیانت ہے اور جو سفیر چندہ کے پیسہ کو اپنی ذات پر خرچ کرلیتا ہے وہ سخت گناہ گار ہوگا، اگرچہ مدرسہ میں اس کے بدلہ میں دوسرے پیسے جمع کردیتا ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ، گلستاں کتاب گھر /۵۲۹، زکریا دیوبند/۵۰۸، ۸۷۷)

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوْا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا. (النساء: ۵۸)

عن عمر وبن شعيب عن أبيه، عن جده، عن النبي ﷺ، قال: ليس على المستعير غير المغل ضمان، ولا على المستودع غير المغل ضمان.

(سنن الدر قطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ۳/۳۶، رقم: ۲۹۳۹)

وليس للمودع حق التصرف والاسترباح في الوديعة. (المبسوط للسرخسي، كتاب الوديعة، دارالكتب العلمية بيروت ۱۱/۱۲۲، العناية دارالفكر ۸/۴۹۰، زكريا۸/۵۱۵، ۵۱۶)

إنما كانت الوديعة أمانة لقوله عليه السلام: ليس على المستودع غير المغل ضمان والغلول والإغلال: الخيانة. (شامی، زکریا ۱۲/۴۴۷، کراچی ۸/۴۷۱)

وفي الخلاصة: والوديعة لاتودع ولاتعار ولا تؤجر ولا ترهن وإن فعل شيئا منها ضمن. (شامی، زکریا ۱۲/۴۵۰، کراچی ۴۷۴۸)

فلو اودع رجلاً عشرين ذهباً عثمانياً لزم الوديع أن يرد هذه الذهبات عيناً.

(شرح المجلة، اتحاد بکڈپو دیوبند ۱/۱۲٤، رقم المادة :۲٤۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ رجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۷۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۷/۹ھ

سفیر کا فضول خرچی کرنا جائز نہیں

سوال: [۴۵۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دوران سفر صرفہ جات جو فضول خرچی پر مبنی ہے اور معطی کے منشا کیخلاف بھی ہے ایسے بلوں کو ناظم مدرسہ کیا کرے، اگر مجبوری میں منظور کرتا ہے تو کیا عند اللہ ماخوذ ہوگا؟

المستفتي: نبی حسن، خادم دار العلوم، ارریہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فضول خرچی کہیں بھی جائز نہیں ہے اور مدارس کے محصلین کو اور زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے اسلئے اوسط درجہ کے خرچہ سے زیادہ خرچ کریں گے، تو ناظم مدرسہ اسکے ذمہ دار بنیں گے اگر ناظم مدرسہ اجازت دیتے ہوں۔

ولا تبذر تبذيراً نهى عن صرف المال إلىٰ من لايستحقه فإن التبذير إنفاق في غير موضعه. (روح المعاني، سورة الاسراء تحت تفسير الآية: ۲٦، زكريا ديوبند ۹/۰ ۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۷۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۱۸ھ

کیا سفیر دوران سفر اعلیٰ کھانا کھا سکتا ہے؟

سوال: [۴۵۲۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دوران سفر روزانہ کتنے چائے پان اور ناشتہ وغیرہ استعمال کر سکتے ہیں، جتنا جی چاہے کریں اسی طرح

کھانے میں عمدہ سے عمدہ کھانا کھائیں رقم جتنی بھی لگ جائے کیا حکم ہے؟

المستفتي: نبی حسن، خادم دارالعلوم، ارریہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوران سفر بقدر ضرورت چائے پانی ناشتہ وغیرہ منجانب مدرسہ کرنے کی اجازت ہے اعلیٰ درجہ کے کھانے کی قیمت دینے کا مدرسہ ذمہ دار نہ ہوگا۔

فتستوجب الکفایة علیه فی ماله کالعامل علی الصدقات لما فرغ نفسه لعمل المساکین استوجب کفایته فی مالهم. (مبسوط سرخسی، کتاب النکاح، باب النفقة دارالکتب العلمیة بیروت ۵/ ۱۸۱) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۶/صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۱۸ھ

سفراء کا زکوٰۃ کی رقم سفر وطعام میں خرچ کرنا

سوال: [۴۵۲۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ کے سفراء زکوٰۃ کی رقم سفر وطعام اور دیگر ضروریات میں خرچ کرتے ہیں، ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تشفی بخش جواب سے نوازیں؟

المستفتی: مولانا وجیہ الدین،
مدرسہ اشرف العلوم، گلشہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کے سفراء کے لئے زکوٰۃ کی رقم سفر وطعام اور دیگر ضروریات میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، اگر سفیر مالک نصاب ہے تو زکوٰۃ دہندہ کی زکوٰۃ ادا ہی نہیں ہوگی، اور اگر غریب غیر مالک نصاب ہے تو یہ اخراجات سفیر کی مزدوری کے عوض میں ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

الزکوٰۃ تملیک المال من فقیر مسلم غیر ھاشمی ولا مولاہ بشرط قطع المنفعۃ عن المالک من کل وجہ للہ تعالیٰ الخ . (بنایہ ، عینی شرح ھدایہ، کتاب الزکاۃ، باب المصرف قدیم ۲/۱۱۵۱، جدید مکتبہ اشرفیہ ۳/۲۸۸، ھندیہ ۱/۱۷۰، زیلعی امدادیہ ملتان ۱/۳۰۲، زکریا دیوبند ۲/۱۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۷۸۴)

سفیر کا سائیکل کی مرمت مدرسہ کی رقم سے کروانا

سوال: [۴۵۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک دینی مدرسہ کا مدرس ہے اورفراہمی مالیات کا فریضہ انجام دیتا ہے، دوران فراہمی اپنی سائیکل کا سامان مثلاً ریم، ٹائر، ٹیوب، سیٹ وغیرہ کو مدرسہ کی رقم سے بدلنا کیسا ہے؟

المستفتي: نبی حسن، خادم، دارالعلوم ارریہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فراہمی مالیات مدرسہ کا کام ہے اس کا سفرخرچ مدرسہ کےاوپر لازم ہوتا ہے، اگر زید اپنی سائیکل سے فراہمی کرتا ہے تو مدرسہ کے ذمہ داروں سے یہ بات طے کرلے کہ دوران سفر سائیکل کی مرمت کا خرچہ مدرسہ کے پیسوں سے ہوا کرے گا، تو زید کے لئے جائز ہے کہ سائیکل کی مرمت کا خرچہ مدرسہ کے دفتر سے وصول کرلے، مگر دوران سفر جو چندے میں پیسہ ملے گا وہ سب دفتر میں آ کر مکمل جمع کردے۔

(مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ، قدیم/۵۳۵، جدید زکریا ۵۱۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۷۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۱۸ھ

سفیر کا دوران سفر رشتہ داروں کے یہاں کھانا کھا کر سفر خرچ میں لکھنا

سوال: [۴۵۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سفیر یا ملازم مدرس چندہ کرنے کے دوران کسی کے گھر پندرہ دن تک کھانا کھایا اگر پندرہ دن کے کھانے کا خرچ مدرسہ کے سفر خرچ میں لکھدے تو یہ جائز ہوگا یا نہیں؟

المستفتي: محمد اعجاز، نگینہ، بجنور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدرس اور سفیر کو دوران چندہ جو رقم کھانے کے نام سے ملتی ہے یہ جزء تنخواہ ہوتی ہے، کیونکہ حالت سفر میں مستاجر کے ذمہ اجیر کا کھانا بھی ہوتا ہے، لہٰذا کھانے کا خرچ مدرسہ کے سفر خرچ میں لکھدیتا ہے تو یہ جائز ہے چاہے دو دن یا پندرہ دن دوسروں کے یہاں کھائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۶/ ۱۰۹، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۵۷۱)

وإذا زاد الآجر والمستأجر فی المعقود علیه أو فی المعقود به، إن کانت الزیادة مجهولة، ...... وإن کانت معلومة من جانب الآجر تجوز سواء کانت من جنس ما آجر أومن خلاف جنس ماآجر. (هندیه، کتاب الإجارة، الباب الرابع عشر في تجدید الإجارة بعد صحتها والزیادة فیها زکریا دیوبند ٤/ ٤٣٩، جدید زکریا ٤/ ٤٧٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ۷/ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۷/ ۱۴۱۹ھ

کیا لفٹ ملنے والے سفیر کا کرایہ وصول کرنا جائز ہے؟

سوال: [۴۵۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) زید نے اپنے ساتھی یا اپنے شاگرد عمر کو اپنے کسی کام کیلئے کہیں بھیجا اور ساتھ میں اس کو

وہاں تک پہونچنے کیلئے رکشہ کا کرایہ دیا اب عمر رکشہ سے نہ جا کر پیدل چلا جاتا ہے محنت کر کے اور زید کے دئے ہوئے پیسے کو اپنے مصرف میں خرچ کر لیتا ہے تو کیا عمر کیلئے ان پیسوں کو اپنے مصرف میں لانا جائز ہے؟

(۲) سفیر کو پورا سفر خرچ مدرسہ کی جانب سے دیا جاتا ہے، اس نے مثلاً چندہ کی غرض سے لکھنؤ کا سفر کیا لیکن اس کو اپنا کوئی جاننے والا جو کہ گاڑی بھی لئے ہوئے ہو وہ مل گیا اور اس کو لکھنؤ تک فری میں لے کر چلا گیا تو اب اگر وہ ٹرین سے جاتا تو جو کرایہ ہوتا اس کرایہ کو سفر خرچ میں جوڑ سکتا ہے یا نہیں؟ اور اس کے لئے اس مقدار کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) زید نے عمر کو کہیں ایسی جگہ بھیجا جہاں جانے کیلئے عام طور پر رکشہ کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن زید نے نہ تو رکشہ سے جانے کیلئے کہا اور نہ ہی اس کے پیسے الگ سے دیئے ہاں جس چیز کو خریدنے کیلئے بھیجا تھا اس کے پیسے دئے تھے، تو اب عمر واپس آ کر زید کو پیسے واپس کردے اور بچے ہوئے پیسوں میں سے رکشہ کا کرایہ مجریٰ کر لے مثلاً تیس روپئے زید کے دئے ہوئے پیسوں میں سے بچے تو اب وہ رکشہ کے دس روپیہ کاٹ کر بیس روپئے واپس کرے تو کیا اس کیلئے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ارشد، بارہ بنکوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں جتنی چیزیں لکھی گئی ہیں ان سب کا مدار اس حدیث شریف پر ہے۔

الصلح جائز بین المسلمین إلا صلحا حرم حراماً أو أحل حراماً والمسلمون علی شروطهم إلا شرطاً حرم حلالاً أو أحل حراماً. (ترمذی شریف، الأحکام، باب ما ذکر عن رسول الله ﷺ فی الصلح بین الناس، النسخة الهندیة ۱/۲۵۱، دارالسلام رقم: ۱۳۵۲، وهکذا فی المعجم الکبیر للطبرانی، داراحیاء التراث العربي ۱۷/۲۲، رقم: ۳۰)

اب اس حدیث پاک کو پیش نظر رکھکر مسئلہ کو سمجھنا ہے کہ سوالنامہ میں جو چیزیں لکھی گئیں ہیں اگر یہ سب چیزیں مدارس کے سفراء اور کارندوں سے متعلق ہیں، تو مدارس کے ضابطہ کے مطابق حساب ہوگا، بڑے مدارس کے ذمہ داروں سے اس سلسلہ میں یہ معلومات فراہم ہوئی ہیں، کہ رکشہ کرایہ بس یا ٹرین وغیرہ کا کرایہ اگر صحیح صحیح خرچ ہونے سے متعلق لکھا ہوتو کرایہ ملتا ہے اور اگر بجائے رکشہ کے پیدل گیا ہوتو رکشہ کرایہ نہیں ملتا ہے اسی طرح اگر ٹرین کا کرایہ کسی اور نے دیا ہے خود سے خرچ نہیں کیا ہے تب بھی نہیں ملتا ہے بلکہ جو کچھ اس کی جیب سے کرایہ میں خرچ ہوتا ہے وہی من جانب مدرسہ مل جاتا ہے، چاہے پیسہ پیشگی دیا گیا ہو اور اس کو علی الحساب مان کر بعد میں حساب کرلیا جاتا ہو اور چاہے پیشگی کوئی پیسہ نہ دیا ہو بلکہ بعد میں خرچہ کا حساب پیش کیا جاتا ہو، تو حاصل یہ ہے کہ جو کچھ خرچ ہوتا ہے وہی ملتا ہے پیدل چلنے کے عوض میں نہیں ملتا ہے، لہٰذا غلط بیانی سے خرچہ پیش کر کے پیسہ وصول کرنا جائز نہیں ہوگا، ہاں البتہ اگر کسی مدرسہ میں ایسا ہی ضابطہ بنا ہوا ہو کہ آنے جانے کا کرایہ جتنا لگتا ہے اتنا بہر حال دیا جائیگا، چاہے جیب سے خرچ ہو یا نہ ہو تو ایسی صورت میں رکشہ سے نہ جاکر پیدل جاتا ہے یا ٹرین کا کرایہ کوئی دوسرا دیتا ہے تو مدرسہ کے ضابطہ کی وجہ سے کرایہ وصول کرنا جائز ہوگا، ہمارے یہاں محکمۂ شرعیہ کا ایجنڈا گھمانے کیلئے چپراسی کو تیس روپیہ دے دیا جاتا ہے چاہے وہ پیدل جائے یا رکشہ میں جائے، اس سے دوبارہ حساب نہیں لیا جاتا ہے، اسلئے کہ ہمارے یہاں محکمۂ شرعیہ میں یہی دستور ہے، اسلئے مذکورہ حدیث کی وجہ سے یہ بھی جائز ہے، اور مدارس کے سفراء کے کھانے کا خرچہ اسی حدیث شریف کے پیش نظر یومیہ متعین کرلیا جاتا ہے، مثلاً یومیہ پچاس روپیہ ہے چاہے اپنی جیب سے کھائے یا مہمان داری ہوتی رہے، ہرحال میں یومیہ پچاس روپیہ اسے ملا کریں گے، تو اس حدیث کے پیش نظر کھانے کا خرچہ لینے کیلئے سفر کے ایام کی تعداد پیش کر کے جو کچھ حساب بنتا ہے وہ وصول کرنا جائز ہے، لہٰذا سوالنامہ میں استاذ وشاگرد یا ساتھی کی جو بات کہی گئی ہے وہ بھی

اس حدیث شریف کی روسے آپس کی تراضی پر موقوف ہے، باقی تمام سوالات کے جوابات اسی تفصیل سے واضح ہو چکے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۵۱۶/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۳/۱۴۲۹ھ

مدرسہ کا چندہ سفیر کے پاس امانت ہوتا ہے

سوال: [۴۵۳۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک مدرسہ کے چندہ کے سلسلہ میں سفر میں تھا چنانچہ میں ایک گاؤں سے سفر کر رہا تھا، اتفاق سے میرا تھیلہ گر گیا، مجھے جب معلوم ہوا تو گاؤں کافی دور نکل چکا تھا، میں نے گارڈ کو بہت تلاش کیا مگر نہیں ملا، اس میں ضروری سامان تھا، اور مدرسہ کی رسید بکیں اور رقم بھی تھیں اب رسید بکوں کا تو کوئی بدل نہیں ہے، لیکن رقم کا تو ہے اب زیادہ رقم مدرسہ والوں کو مجھے اپنے پاس سے جمع کر کے دینی پڑے گی، یا وہ ناگہانی حادثہ میں گئی جس میں میری کوتاہی اور لافہمی کو کوئی دخل نہیں ہے، تو میرے اوپر اس کا کوئی تاوان اور ڈنڈ بھی نہیں ہے، جو بھی شریعت کا حکم ہو اس کو حضرت بحوالہ کتب مع اصول مدلل فرمائیں، تاکہ اس پر عمل کر کے آخرت کے مواخذہ سے بچیں، اور یہ بھی عرض کر دوں کہ میری مالی حالت بسہولت ادا کرنے کی نہیں ہے۔

امید ہے کہ جواب باصواب سے مطلع فرمائیں گے؟

المستفتي: نورالاسلام سبحانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: یہ امانت ہے اگر آپ سے بالکل تعدی نہیں ہوئی ہے تو بلا تعدی کے ہلاکت پر امانت دار پر ضمان واجب نہیں ہوتا۔

كما في الجوهرة الوديعة أمانة في يد المدفوع، فإذا هلك لم يضمنها. (الجوهرة النيرة، كتاب الوديعة، دارالكتاب ديوبند قديم ۳۵/۲)

لیکن آپ خود دیانت داری کے ساتھ سوچ لیں کہ تعدی ہوئی ہے یا نہیں، اگر تعدی ہوئی ہے تو آپ پر ضمان واجب رہے گا۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا. (النساء: ۵۸)

عن عمرو بن شعيب عن أبيه، عن جده، قال: قال رسول الله ﷺ: من أودع وديعة فلا ضمان عليه. (سنن ابن ماجه، باب الوديعة، النسخة الهندية ۱/۱۷۳، دار السلام رقم: ۲۴۰۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۲۲۴)

محصلین کا واجب التملیک اور غیر واجب التملیک رقم کو ایک ہی جیب میں رکھنا

سوال: [۴۵۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ کی طرف سے جن کو چندہ وصولی کیلئے بھیجا جاتا ہے، وہ زکوٰۃ وصدقات نافلہ وعطایا سب قسم کے روپئے وصول کرتے ہیں، تو رقوم واجب التملیک اور غیر واجب التملیک کو ایک جیب میں ایک ساتھ خلط ملط کر کے رکھنا درست ہے یا دونوں کو علیحدہ رکھنا ضروری ہے باحوالہ تحریر کریں؟

المستفتي: شہید اللہ، ہاوڑوی، بردوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: روپیہ پیسہ ایسے دیون میں سے ہے جو تعین کے باوجود متعین نہیں ہوتے ہیں، تو ایسی چیزوں کے اندر الگ الگ رکھنے کا حکم حساب وکتاب میں ہوتا ہے، زکوٰۃ وصدقات واجبہ کا حساب بالکل الگ رکھے اور امداد اور نفلی صدقہ وخیرات کا حساب اس سے الگ مستقل فہرست بنا کر رکھے اور حساب وکتاب میں بہت مضبوطی کیساتھ رہے تو ایسی صورت میں نوٹوں کا مخلوط ہو جانا ممنوع نہیں ہے، جیسا کہ مدزکوٰۃ کے پیسوں کو منی آرڈر کرنے میں ڈرافٹ بھیجنے میں مدرسہ کے دفتر میں بعینہ وہی نوٹ نہیں آتے

ہیں، مگر اس طرح کے نوٹوں کی تبدیلی کی وجہ سے یہ نہیں کہا جائیگا کہ زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے پیسوں کو امداد اور صدقات نافلہ کے پیسوں میں اختلاط کر دیا گیا ہے بلکہ الگ الگ ہی سمجھا جائیگا، یہی عرف اور متعارف بھی ہے۔

ويتصل بهذا العالم إذا سأل للفقراء شيئاً وخلط يضمن قلت ومقتضاه أنه لو وجد العرف فلا ضمان لوجود الإذن حينئذ دلالة والظاهر أنه لا بد من علم المالك بهذا العرف ليكون إذنا منه دلالة . (شامی، کتاب الزکاۃ، کراچی ۲/۲۶۹، زکریا۳/۱۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رجمادی الثانیہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۶/۶ھ

سفیر کا چندہ کی رقم ذاتی استعمال میں لانا

سوال: [۴۵۳۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مدرسہ کے سفیر نے چندہ کی رقم میں سے پانچ ہزار روپئے اس نیت سے اپنے ذاتی کام میں خرچ کر دئے کہ میرے بینک کے کھاتہ میں پانچ ہزار روپئے ہیں، میں جب مدرسہ والوں کو حساب دونگا تو وہ پانچ ہزار روپئے نکال کر دیدونگا، اور اس وقت نیت بھی کر لی تھی کہ کھاتہ کے پانچ ہزار روپئے مدرسہ کے ہو گئے معلوم یہ کرنا ہے کہ اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور سفیر کا یہ عمل درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد اصغر، سیڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: مدرسہ کے سفیر کا چندہ کی رقم اپنے ذاتی استعمال میں لانا صحیح نہیں ہے اور جتنی رقم ذاتی کام میں استعمال ہوگی اگر چہ اس سے معطی کی زکوٰۃ ادا ہو جائیگی (کیونکہ سفیر فقراء کا بھی وکیل ہوتا ہے) لیکن سفیر مدرسہ کا دَین دار ہو گیا اس

لئے چاہے تو وہ یہ قرضہ اپنے بینک کھاتہ سے ادا کرے یا کہیں اور سے بہرحال اسے مدرسہ کا حساب پورا کرنا لازم ہوگا۔

بخلاف ما إذا ضاعت فی ید الساعی لأن یده کید الفقراء .

(الدرالمختار مع الشامی ، کتاب الزکاة ، زکریا دیوبند۳/۱۸۹، کراچی ۲/۲۷۰، البحرالرائق زکریا ۲/۳٦۹، کوئٹہ۲/۲۱۱، المحیط البرهانی الزکاة، الفصل السادس تعجیل الزکاة، المجلس العلمي ۳/۱۹۲، ۱۹۳، رقم: ۲۷۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍محرم الحرام ۱۴۳٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۸۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۱/۱۴۳٦ھ

محصلین کا بطور قرض چندہ کی رقم لینا

سوال: [۴۵۳٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محصل چندہ رقوم غیر واجب التملیک کو اپنے سفر کے اخراجات اور ذاتی ضرورتوں میں بطور قرض صرف کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اگر معطی کی اجازت ضروری ہو تو اس میں دشواری ہے، جواز کی صورت بیان فرمادیں؟

المستفتي: محمد شہید اللہ ہاوڑوی، خادم مدرسہ اشرف العلوم کیتھن ، بردوان، مغربی بنگال۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: غیر واجب التملیک پیسہ میں سے سفیر کے اپنے اخراجات اور ذاتی ضرورتوں میں صرف کرنیکی اجازت ہے، بشرطیکہ اس کا حساب بہت مضبوطی سے رکھے، اور مہتمم مدرسہ اپنے سفیر کو اپنی طرف سے وکیل بالتصرف بنا سکتا ہے یا استقراض کی اجازت دے سکتا ہے اور بوقت حساب تنخواہ اور مصارف سفر کو خرچ میں ڈال سکتا ہے۔

اگر شوریٰ کی طرف سے اجازت ہے تو بلاتردد تنخواہ لے سکتا ہے اور اگر شوریٰ کی طرف

سے اجازت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ضابطہ اور کوئی قانون ہے تو اس کی اجازت نہیں ہے۔

عن عبدالله بن عمر و بن عوف المزني عن أبيه ، عن جده، أن رسول الله ﷺ قال الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا أو أحل حراماً والمسلمون على شروطهم إلا شرطاً حرم حلالا أوأحل حراماً.

(ترمذی شریف، الأحكام، باب ماذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس ، النسخة الهندية ١/ ٢٥١ ،دارالسلام رقم: ١٣٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۶/ رجمادی الثانیہ ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۹۷)	۱۴۲۵/۶/۶ھ

چندہ کرنے والے مدرس کا اسی رقم سے سفر خرچ اور تنخواہ لینا

سوال: [۴۵۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا رمضان المبارک کے مہینہ میں مدرس حضرات جو مدرسہ کے واسطے چندہ بابت زکوٰۃ وصول کرتے ہیں، تو اس زکوٰۃ کے روپیہ میں سے سفر خرچ کرنا یا مدرس کو اپنی تنخواہ لینا جائز ہے یا کس طرح مدرس کو اپنی تنخواہ لینا جائز ہے؟

المستفتي: محمد سیف اللہ صدیقی، کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو مدرس حضرات چندہ کرنے کے لئے جاتے ہیں، وہ امین ہیں، اور زکوٰۃ وصدقات کا وصول کیا ہوا رقم ان کے پاس امانت ہے، لہٰذا بغیر کسی تملیک شرعی کے اس رقم سے سفر خرچ کرنا اور تنخواہ وغیرہ لینا قطعاً ناجائز ہے اگر اس رقم میں کسی طرح کا تصرف کیے تو سخت گنہگار رہوں گے، سفر کے اخراجات مدرسہ کے دفتر سے پہلے ہی لے لیا کریں یا اپنی جیب سے خرچ کر کے بعد میں دفتر مدرسہ سے وصول کرلیں۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۵/۱۶۲، جدید زکریا ۷/ ۱۸۱، ۱۸۲، فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۲۰۸، مستفاد: ایضاح المسائل/۱۲۲)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة. (الدرالمختار على هامش رد

المحتار کتاب الزکاة، باب المصرف کراچی ۲/۳٤٤، زکریا ۳/۲۹۱)

ولا یصرف إلیٰ بناء نحو مسجد ولا إلیٰ کفن میت وقضاء دینه وتحته فی الشامیة قوله نحو مسجد کبناء القناطر والسقایات وإصلاح الطرقات وکری الأنهار والحج وکل ما لاتملیک فیه . (الدر المختار مع الشامی، کراچی ۲/۳٤٤، زکریا ۳/۲۹۱، فتاویٰ عالمگیری زکریا دیوبند ۱/۱۸۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ محرم ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۴۸۳/۳۶)

وکیل کا زکوٰۃ کی رقم اپنے خرچ میں لانا اور مدرسہ کا رجسٹر اپنے نام کرانا

سوال: [۴۵۳۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) زید ایک مدرسہ فرضی دکھا کر چندہ وصول کرتا ہے، جسمیں زکوٰۃ وصدقہ وفطرہ وچرم قربانی وغیرہ سبھی وصول کرتا ہے، اور وصول کرکے سب اپنے خرچہ میں استعمال کرتا ہے، تو کیا صدقہ فطر زکوٰۃ قربانی سبھی ادا ہوجاتے ہیں یا نہیں؟

(۲) ایک آراضی مدرسہ کے نام سے چندہ کی رقم سے لی مگر اس کا بیعنامہ اپنے نام کرادیا اور اس کو بیچ کر دوسری زمین زراعت کیلئے خرید کر اس میں زراعت شروع کردی دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طرح خرید وفروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس زمین کی پیداوار کھانا پینا یا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) زید سے کہا گیا کہ ہم اس کا فتویٰ منگائیں گے اس پر زید نے کہا یہ علماء تو میرے جوتے کے تلے کے برابر ہیں، جوتا ہاتھ میں لیکر یہ بات کہی کہ آدھے مسلمانوں کو تو یہ علماء دیوبند نے کافر کردیا اور آدھے مسلمانوں کو علماء بریلی نے کافر کردیا ایسے شخص کے بارے میں

شرعی کیا حکم ہے؟ وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: حافظ محمد یعقوب، بازار سلیم پور گڈھی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) اگر زکوٰۃ، صدقہ فطر، چرم قربانی کی رقم دینے والوں کو اس دھوکہ اور فریب کا علم نہیں ہے تو وہ گنہگار نہیں ہوں گے، اور ان کی طرف سے فریضہ ادا ہوجائیگا، مگر وصول کرنے والا سخت ترین گناہ کا مرتکب ہے ایسے شخص کو حدیث شریف میں ملعون اور مردو کہا ہے۔

عن أبي بكر الصديق قال قال رسول الله ﷺ ملعون من ضار مؤمنا أو مكر به. (ترمذی شریف، البر والصلة، باب ماجاء فی الخیانة والنقش، النسخة الهندية ۲/۱۵، دارالسلام رقم: ۱۹٤۱)

قال أبو حنيفةؒ ومحمد إذ دفع الزكوٰة إلى رجل يظنه فقيراً ثم بان أنه غنى أو هاشمى أو كافر أو دفع فى ظلمة فبان أنه أبوه أو إبنه فلا إعادة عليه الخ.

(هدايه، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لا يجوز، اشرفيه ديوبند ۱/۲۰۷)

(۲) مدرسہ کی رقم سے اپنے نام زمین خریدنا جائز نہیں ہے، ایسا کرنے والا غاصب ہے علاقہ کے بااثر لوگوں کا فریضہ ہے کہ اس کو اس حرکت سے روک دیں اور اس پر لازم ہے کہ فوراً مذکورہ زمین مدرسہ کو واپس کردے، اور اگر مدرسہ نہیں ہے، اور فرضی نام دیکر چندہ کیا ہے تو چندہ دہندگان کو واپس کردے یا ان کی اجازت سے کسی معتبر مدرسہ میں دیدے، ایسے لوگوں کو حدیث شریف میں ملعون کہا ہے۔

ملعون من ضار مؤمناً أو مكر به الحديث لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعى الخ. (قواعد الفقه، اشرفى بكڈپو ديوبند/۱۱۰، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۱/۱۱۲، ۲۸/۲٦٤)

(۳) قائل اگر یہی سمجھتا ہے کہ آدھے مسلمان کو دیو بندی علماء نے اور آدھے کو

بریلوی علماء نے العیاذ باللہ کافر کردیا ہے تو کیا اب کوئی مسلمان ہے بھی؟ اور خود کیا ہے؟ علماء اور مفتیان کرام کا فتویٰ جو صحیح ہے اسکی توہین بھی موجب کفر ہے اس شخص پر لازم ہے کہ توبہ کرلے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۱/ ۳۵ جدید زکریا ۱/ ۱۹)

رجل عرض عليه خصمه فتوىٰ الأئمة فردّها وقال ’’ جه بار نامه فتوىٰ أورده ‘‘ قيل: يكفر ؛ لأنه رد حكم الشرع ، وكذا لو لم يقل شيئاً ؛ لكن ألقىٰ الفتوىٰ على الأرض، وقال: إيں جه شرع است كفر . (هنديه، الباب التاسع أحكام المرتدين زكريا ديو بند ۲/ ۲۷۲ ، جديد زكريا ۲/ ۲۸۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ رمحرم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/ ۱/ ۱۴۱۵ھ

وکیل کے پاس رقم آتے ہی موکل کی زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے

سوال: [۴۵۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی ذی ثروت آدمی نے اپنی زکوٰۃ نکالی ہو اور وہ کسی صاحب نصاب عالم کو دیتا ہے، اور اس کو یہ ہدایت کرتا ہے، کہ مصارف زکوٰۃ میں صرف کردے، اب وہ عالم صاحب اسکو مصارف زکوٰۃ میں نہ خرچ کرکے کہیں اور خرچ کردیتے ہیں، یا اپنے پاس رکھ لیتے ہیں، تو کیا اس ذی ثروت کی زکوٰۃ ادا ہوجائیگی یا نہیں؟

المستفتي: عطاء اللہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی صورت میں صاحب ثروت آدمی کی زکوٰۃ ادا ہوجائیگی اور ساری کی ساری ذمہ داری مذکورہ صاحب نصاب عالم پر ہوگی۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۵۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۹۷)

بلا تملیک چندہ کی رقم ذاتی استعمال میں لانا

سوال: [۴۵۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) زکوٰۃ کی رقم چندہ کرکے زید مدرسہ کیلئے لیکر آیا اسمیں سے کچھ رقم زید نے مدرسہ میں جمع کردی اور اکثر رقم اپنے پاس رکھ لی یہ کہکر کہ اس سے اپنے قرض کی ادائیگی کردی ہے اور وہ مدرسہ کا مقروض ہوگیا جس کو زید چار پانچ سال میں اپنی تنخواہ میں سے منہا کرکے جمع کرے گا، زید کا یہ عمل کیسا ہے؟ اور زید مدرسہ کا مقروض ہونے کیوجہ سے زکوٰۃ کی رقم سے تنخواہ لینے کا مستحق ہوگیا یا نہیں؟

(۲) زید صاحب نصاب نہیں ہے وہ زکوٰۃ کی رقم سے تنخواہ پانے کا مستحق ہے یا نہیں اگر وہ اہل نصاب ہوتا ہے تو اسکی تنخواہ پانے کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: حاجی قمرالدین انصاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) زید کا یہ عمل کہ چندہ جمع کرکے اور تملیک ہوئے بغیر اس رقم سے اپنا قرضہ ادا کرنا درست نہیں ہے کیونکہ زکوٰۃ کی اصل رقم کا مالک ومصرف مدرسہ بھی نہیں ہے، بلکہ نادار طلباء فقراء اور مساکین ہیں، اسلئے تملیک ہوئے بغیر اس کو اپنے تصرف میں لانا جائز نہیں بلکہ اس سے سخت گنہگار ہوگا اور شرعاً خائن سمجھا جائیگا، اسلئے ایسے عمل سے اجتناب لازم ہے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة. (الدرالمختار على هامش رد المحتار كتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ۲/ ۳٤٤، زكريا ۳/ ۲۹۱)

ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء. (شامی، کراچی ۲/ ۲۷۰،

زکریا دیوبند۳/۱۸۹، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالکتاب دیوبند/۷۱۵)

(۲) معلم اگر چہ مسکین ومفلس اورغیر صاحب نصاب ہی کیوں نہ ہوتب بھی زکوٰۃ سے اسکوتنخواہ دیناجائزنہیں ہے۔(مستفاد: احسن الفتاویٰ۴/۲۵۲)

ولونویٰ الزکوٰۃ بمایدفع المعلم إلیٰ الخلیفة ولم یستأجرہٗ إن کان الخلیفة بحال لولم یدفعه یعلم الصبیان أیضاً أجزأہٗ وإلا فلا وکذاما یدفعه إلی الخدم من الرجال والنساء فی الأعیاد وغیرها بنیة الزکوٰۃ کذافی معراج الدرایة . (عالمگیری زکریا دیوبند ۱/ ۱۹۰، قبیل فصل: ما یوضع فی بیت المال جدید زکریا ۱/۲۵۲)

لایصرف مال الزکوٰۃ إلیٰ بناء نحو مسجد الخ. (الدر المختار، کتاب الزکاة، باب المصرف کراچی ۲/ ۳٤٤، زکریا۳/۲۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۳؍شعبان ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۸۶۴)	۱۴۲۱/۸/۳ھ

مدرسہ کے فنڈ میں جمع کئے بغیر تنخواہ وصول کرنا

سوال: [۴۵۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسین رمضان المبارک میں چندہ کرتے ہیں، اسمیں زکوٰۃ وعطیات ہرطرح کی رقمیں ہوتی ہیں، تو وہ رقمیں مدرسین اگلے پورے سال کی تنخواہوں کے طور پر اپنے پاس رکھ لیتے ہیں، مدرسہ کے فنڈ میں مدرسہ میں جمع نہیں کرتے تو ان کا یہ فعل شرعاً کیسا ہے؟ اور زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

المستفتي: حافظ شمیم احمد، مدرسہ اسلامیہ عربیہ صدیقیہ، اشاعت القرآن گلڑیا معافی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسین پر چندہ کی رقم مدرسہ کے فنڈ میں جمع کرنا لازم ہے اس کے بعد مدرسہ کے فنڈ میں سے اپنا حق وصول کر سکتے ہیں، نیز زکوٰۃ کی رقم تو کسی بھی طرح سے اپنے پاس رکھنا جائز نہیں ہے، یہ طریقہ نہایت غلط ہے اس طرح بے احتیاطی کی وجہ سے آج دینی مدارس اہل خیر حضرات کی نگاہوں میں بڑے بدنام ہوتے جارہے ہیں، اس خیانت کے بارے میں اگر لوگوں کو خبر ہو جائے تو کوئی بھی چندہ نہیں دیگا، ہاں البتہ زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ان وکلاء کے ہاتھ پہونچنے کے بعد راجح قول کے مطابق ادا ہو جائیگی، اور ساری ذمہ داری انھیں لوگوں کے سر ہوگی۔ (تفصیل ایضاح النوادر ۲/ ۵۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۵/ ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۷۵)	۱۵/ ۱۱/ ۱۴۲۰ھ

مکتب کے استاذ کا چندہ وصول کر کے اپنی تنخواہ لینا

سوال: [۴۵۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں کیتو گرام مدرسہ کا استاذ ہوں اور زکوٰۃ فطرہ قربانی کا روپیہ وصول کر کے طلبہ سے حیلہ کر کے تنخواہ میں کاٹ لیتا ہوں، اس طرح کر کے تنخواہ کاٹ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور حیلہ کا ٹھیک طریقہ کیا ہے، تفصیل سے جواب دینا؟

المستفتي: مزمل الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن مکاتب میں صرف ایک دو استاد کام کرتے ہوں محلّہ اور علاقہ کے لوگوں پر لازم ہے کہ وہ مدامداد سے ان کی ضروریات پوری کریں اور ایک دو استاد کیلئے زکوٰۃ کی موٹی موٹی رقموں کو لا کر تملیک کی گنجائش نہیں، اس معاملہ میں نہایت بے احتیاطی ہوتی ہے، ہاں البتہ جہاں باضابطہ مدرسہ کی شکل ہے اور باہر کے طلبہ بھی رہتے ہیں، اور وہاں سے حفاظ بھی تیار ہوتے ہیں، اور

وہاں کے استادوں کی تنخواہیں کسی طرح پوری نہیں ہوتی ہیں، تو مجبوری کے تحت زکوٰۃ کی رقم میں تملیک کی گنجائش ہے۔

کل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه ، أو لتمويه باطل فهي مكروهة ، وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلىٰ حلالٍ فهي حسنة . (هنديه، كتاب الحيل زكريا ديوبند٦/ ٣٩٠، جديد زكريا٦/ ٣٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/۱/۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۱/۱۴۲۱ھ

مدرسین کا چندہ کی رقم بلا تملیک تنخواہ کے طور پر رکھنا

سوال: [۴۵۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ کی واجب التملیک رقوم سفراء حضرات جو رمضان المبارک ودیگر فراہمی کے مواقع سے وصول کرتے ہیں، ان رقوم کو کچھ مدرسین حضرات جنکی تنخواہ باقی رہتی ہے وہ بلا تملیک رکھ لیتے ہیں، نیز جب مطالبہ ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تملیک کرا چکے ہیں، تو آیا ان کا تملیک کرانا درست ہے یا نہیں ان کی حیثیت کیا ہے؟

المستفتي: روح الامین المظاہری، دارالعلوم ارریہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سفراء حضرات کا مدرسہ کی واجب التملیک رقوم کو اپنے پاس بغیر تملیک کے تنخواہ کے طور پر رکھ لینا درست نہیں ہے، بلکہ ان کو جوں کا توں لاکر مدرسہ کے دفتر میں جمع کر دینا لازم اور ضروری ہے پھر اپنی تنخواہ مدرسہ کے فنڈ سے وصول کرے ان کیلئے مدرسہ کے فنڈ میں جمع کرنے سے پہلے تملیک کرانا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: معارف القرآن، اشرفی دیوبند۴/ ۳۹۹، ایضاح النوادر۲/ ۵۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۷۰۲/۳۷)

تملیک سے قبل مدرس سفیر کا اپنی تنخواہ وصول کرنا

سوال: [۴۵۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اکثر مدرسوں میں یہ پایا جاتا ہے کہ مدرسین حضرات باجازت مہتمم مدرسہ کی رسیدیں لیکر نکل جاتے ہیں اور پورے رمضان شریف اندرون علاقہ و بیرون علاقہ سے چندہ فطرہ زکوٰۃ صدقات وصول کر کے لاتے ہیں، اور مدرسہ کھلنے پر وہ رقم کا حساب و کتاب مہتمم مدرسہ کو دکھاتے ہیں، تب مہتمم صاحب فرماتے ہیں، کہ اپنی بقیہ تنخواہ کاٹ کر بقیہ رقم جمع کر دیں، مثلاً پندرہ سو روپیہ وصول ہوا ہے اور تنخواہ ایک ہزار روپیہ باقی ہے تو ایک ہزار روپیہ کاٹ کر پانچ سو روپیہ جمع کر دیں، تو اس طرح مدرس کو اپنی تنخواہ لینا کیسا ہے کیا اس طرح تملیک کا مسئلہ حل ہو گیا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی صورت میں چندہ لانیوالے پر لازم ہے کہ سبھی روپیہ مدرسہ کے فنڈ میں جمع کر دے اس کے بعد مدرسہ کی طرف سے اسکی جو تنخواہ بنتی ہے وہ مہتمم ادا کرے اسلئے کہ زکوٰۃ، فطرہ، وغیرہ مدرسین کی تنخواہ میں دینا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۲۵۲/۴، امداد الفتاویٰ ۵۲/۲، ایضاح المسائل/ ۱۸)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحةً. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا ۲۹۱/۳، شامی، کراچی ۳٤٤/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۷۷۰/۳۳)

بغیر تملیک کے مدرس کا زکوٰۃ کی رقم اپنی تنخواہ میں وضع کرانا

سوال: [۴۵۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں جملہ مدارس میں زیادہ تر رقوم مدرسین کرام رمضان شریف میں زکوٰۃ صدقات کی رقم جمع کرتے ہیں حیلۂ تملیک بھی کرتے ہیں، مگر کچھ مدرسین کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ روپیہ جو چندہ کا وصول ہوا ہے بغیر تملیک اپنی تنخواہ میں وضع کراتے رہتے ہیں، خازن کے پاس تک وہ رقم نہیں جاتی جب ان مدرس صاحب سے معلوم کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ چونکہ میں خود غریب ہوں اور زکوٰۃ کا مستحق ہوں مجھے حیلۂ تملیک کرنے کی ضرورت نہیں اور بقایا رسیدات پورے سال وصول ہوتی رہتی ہیں اور بغیر حیلۂ تملیک مدرسین میں سے جو بھی وصول کر کے لایا خود اپنی تنخواہ میں وضع کر لیتا ہے اسکی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(۱) کیا زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ اس صورت میں ادا ہوئی یا نہیں؟

(۲) کیا معلومات کے باوجود ایسے مدرسہ میں زکوٰۃ کی رقم دی جائے یا روک لی جائے؟

(۳) اگر اسکی تشہیر کی جائے تو لوگ مدارس سے بدظن ہو جائیں گے کوئی معتدل راہ نکالی جائے اور وہ کیا طریقہ ہے؟

(۴) آٹھ دس سال سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ زکوٰۃ کا روپیہ اسی طرح خرچ ہو رہا ہے کیا اس مدرسہ کو چندہ دیا جائے یا نہ دیا جائے شریعت کا جو حکم ہو آگاہ کیا جائے، کیا ایسے حالات میں اپنی زکوٰۃ بیواؤں اور فقراء کو دینے لگیں، چونکہ زکوٰۃ کا صحیح مصرف بھی یہی ہیں۔

المستفتي: محمد شفیع، متولی مدنی مسجد، کھیڑا ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کا مستحق فقیر ہوا کرتا ہے، اور فقیر کو بلا کسی عوض کے دینا واجب ہوتا ہے، اگر چندہ وصول کنندہ فقیر ہے تو اس کیلئے زکوٰۃ کو اپنے خرچ میں لینا جائز ہے اور اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی مگر اس ملازم کو ایسی صورت میں مدرسہ سے دوبارہ تنخواہ بھی ملے گی اگر تنخواہ کے عوض ہی میں مجریٰ کیا جائے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اسلئے ایسا ہرگز نہ کرے بلکہ زکوٰۃ کی پوری رقم اولاً مدرسہ میں

جمع کردیا کرے پھر مدرسہ سے اپنی تنخواہ وصول کی جائے، نیز ایسے مدرس کو زکوٰۃ دیں گے تو ادا نہ ہوگی، جبکہ زکوٰۃ دہندہ کو سب کچھ معلوم ہو۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة. (الدرالمختار، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریا دیوبند ۳/۲۹۱، کراچی ۲/۳٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍محرم ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۱۱۶)

سفراءِ مدارس کا اپنی تنخواہ خود تملیک کرکے لینا

سوال: [۴۵۴۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ کے سفراء کو اپنی اجرت از خود تملیک کرا کے وصول کرلینا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شفیع اللہ قاسمی، ناظم مدرسہ ہذا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سفراء کو اپنی اجرت خود تملیک کرکے وصول کرلینا جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، مکتبہ گلستاں، کتاب گھر/۴۴۲-۴۴۳، مکتبہ زکریا/۴۱۸-۶۵۹، فتاویٰ دارالعلوم ۶/۱۷)

مستفادة من الفتاویٰ البزازیة الوکیل بأداء الزکوٰة إذا صرفه (قوله) لنفسه شیئاً. (بزازیه علی هامش الهندیة، کتاب الزکاة، الثانی فی المصرف زکریا دیوبند ٤/٨٦، جدید زکریا ١/٥٨، وهکذا فی الشامی زکریا دیوبند ٣/١٨٨، ١٨٩، کراچی ٢/٢٦٩)

فلا یجوز أن یمسک لنفسه شیئاً. (البحرالرائق، کوئٹه ٢/٢١١، زکریا دیو بند ٢/٣٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۹۵)

سفیر کا زکوٰۃ کی رقم میں تبدیلی کرنا

سوال: [۴۵۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید رمضان میں ایک مدرسہ کی رقم فراہمی کی غرض سے ممبئی وغیرہ شہروں میں جاتا ہے، جسمیں اکثر رقم زکوٰۃ کی ہوتی ہے، قلیل مقدار میں عطیات نافلہ وغیرہ ہوتے ہیں، لیکن زید معطی کی رقم خاص کو کئی طریقوں پر متبدل کر لیتا ہے، مثلاً معطی کی رقم ریز گاری اور کھلے پیسوں کی شکل میں ہوتی ہے تو اپنی آسانی کے لئے ان کو کسی دوکان سے بڑے نوٹوں کی شکل میں کرالیتا ہے اسی طرح اپنے ذاتی اخراجات میں ان کو خرچ کر کے اپنے گھر آکر پورا کر دیتا ہے، اسی طرح سفر کی مشکل سے بچنے کیلئے بینک میں یا معتمد شخص کو دیدیتا ہے وغیرہ اب سوال ہوتا ہے کہ آیا زید کو اس زکوٰۃ کی رقومات میں اس طرح تغیر وتبدل کرنا خاص کر اپنے ذاتی اخراجات میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس طرح کرنے سے معطی کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو فبہا ورنہ اسکے جواز کی جو شکلیں ہوں ان کو بالتفصیل لکھ کر شکریہ کا موقع دیں؟

المستفتي: محمد مطلوب، باندہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدارس کے سفراء اور محصلین کو زکوٰۃ کی رقم میں تبدیلی کرنے کی اجازت نہیں ہے، بس صرف اتنی اجازت ہے کہ معتبر ذرائع سے مدرسہ تک پیسہ پہنچایا جائے، چاہے ڈرافٹ کے ذریعہ یا منی آرڈر کے ذریعہ یا معتمد شخص کے ذریعہ سے، مگر اپنی ذاتی ضرورت پوری کرنے کیلئے تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے، لہٰذا اگر ذاتی ضرورت میں خرچ کرے گا، تو وہ ضامن ہوگا۔

سئل البقالی عمن أعطی رجلاً دراهم ليتصدق بها عن زكاة الآمر

فتصدق المأمور بدراهم نفسه هل تقع الزكاة عن الآمر ؟ فقال: إذا تصدق بذلك على نية الرجوع جاز، وسئل عنها الوبرى ؟ فقال: هذا على وجهين: إن كان صرف المال الذي دفعه الآمر في حاجته ثم دفعه من مال نفسه فهذا لا يجوز ؛ لأنه لما أنفقه صار مضموناً عليه فلا يبرأ إلا بالأداء إلىٰ المالك . (تاتارخانية ، كتاب الزكاة، الفصل التاسع كوئٹه ۲/ ۲۸٤ ، زكريا ديوبند۳/ ۲۲۸، رقم: ٤۲۰۱)

ولو تصدق بدراهم نفسه أجزأ إن كان على نية الرجوع وكانت دراهم الموكل قائمة ، وفى الشامى قوله ولو تصدق الخ .أي الوكيل بدفع الزكاة ، إذا أمسك دراهم الموكل ثم دفع من ماله ليرجع ببدلها فى دراهم الموكل صح بخلاف ما إذا أنفقها أولاً على نفسه مثلا ثم دفع من ماله فهو متبرّع . (شامی، کتاب الزكاة، زكريا ديوبند۳/ ۱۸۹، کراچی ۲/ ۲٦۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍شعبان ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۸۹)

چندہ کی رقم ذاتی رقم سے مخلوط ہوجائے تو کس طرح علیحدہ کریں؟

سوال: [۴۵۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ برز و عید الفطر صدقۂ فطر کی رسیدات کٹوانے والوں کی ہمہ ہمی میں بعجلت زید سے ایک رسید بغیر کاربن لگائے ہوئے کٹ گئی جس کا اعلان مدرسہ کے طلبہ سے نیز برزو جمعہ بوقت خطبہ مسجد میں مع حوالہ بک ورسید نمبر کے کیا گیا مگر اب تک پتہ نہ چلا کہ وہ رسید کس کے نام اور کتنے کی کٹ گئی چونکہ حقوق العباد کی بات ہے پھر مدرسہ کا معاملہ ہے زید اپنی جگہ بہت پریشان ہے اس بارے میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: محمد یعقوب، قصبہ پھول بہڑ، لکھیم پور کھیری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق : چندہ کا پیسہ تو الگ رکھا جاتا ہے، ان پیسوں میں سے جتنا زائد ہے وہ اس رسید کا شمار ہوگا جو بغیر کاربن کے کٹ گئی ہے، اور اگر اپنے پیسوں سے مخلوط کر دیا تھا، جو کہ نہیں ہونا چاہئے تھا تو اتنا پیسہ اس رسید کے برابر شمار کر کے دیدے جس رسید میں سب سے زیادہ درج ہے۔

عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ لا ضرر ولا ضرار . (سنن ابن ماجه ، الأحكام ، باب من بنى فى حقه مايضر بجاره ، النسخةالهندية ١٦٩/١ ، دارالسلام رقم : ٢٣٤١ ، مسند أحمد بن حنبل ٣١٣/١ ، رقم: ٢٨٦٧ ، المعجم الكبير للطبرانى دار احياء التراث العربي ٨٦/٢ ، رقم ١٣٨٧ ، ٢٢٨/١١ ، رقم: ١١٥٧٦ ، ٣٠٢/١١ ، رقم: ١١٨٠٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۴۷۴/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۱۰ھ

موکل کا زکوٰۃ کی رقم ذاتی استعمال میں لاکر دوبارہ غریب کو دینا

سوال: [۴۵۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے خالد کو ایک ہزار روپئے زکوٰۃ کے دئے کہ کسی غریب یا مدرسہ والے کو یہ پیسے دیدینا، خالد نے وہ روپئے جیب میں رکھ لئے خالد کو اپنے کام میں خرچ کرنے کی اچانک ضرورت پڑی خالد نے وہ ایک ہزار روپئے اپنے کام میں خرچ کر دیا کہ گھر جا کر اپنے ایک ہزار روپئے نکال کر حسبِ حکم زید غریب یا مدرسہ کو دے دونگا، چنانچہ خالد نے ایسا ہی کیا معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا زید کی زکوٰۃ ادا ہوگئی یا نہیں اور خالد کا یہ عمل درست ہے؟

المستفتي: محمد اصغر، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق : زید نے خالد کو اپنی طرف سے ایک ہزار روپیہ

زکوٰۃ میں ادا کرنے کا وکیل بنایا تو خالد کیلئے اس پیسے کو اپنی ذات پر خرچ کرنا کسی طرح جائز نہیں، خالد زکوٰۃ ہی کے ادا کرنے کا وکیل اور امین ہے لیکن خالد نے جب اس پیسے کو اپنی ذات پر خرچ کیا تو خالد زید کیلئے ایک ہزار روپیہ کا ضامن بن گیا، اب وکیل نہیں رہا۔ لہذا بعد میں اپنے مال سے ایک ہزار روپیہ زید کی طرف سے بطور تبرع ہو جائے گا، اور زید کی طرف سے زکوٰۃ ادا ہونے کیلئے یہ لازم ہے کہ خالد زید کو اطلاع کردے کہ میں نے تمہاری دی ہوئی رقم اپنی ضرورت میں خرچ کرلی ہے، اب میں تمہاری طرف سے اتنی ہی رقم وعدہ کے مطابق اپنے مال سے بطور زکوٰۃ دینا چاہتا ہوں تو اگر زید دوبارہ اجازت دیدے تو زکوٰۃ ادا ہو جائیگی ورنہ نہیں۔ (مستفاد: محمود ڈابھیل ۹/۴۹۱)

ولو تصدق أی الوکیل بدفع الزکاۃ (إلی قوله) إذا أمسک دراهم الموکل ودفع من ماله لیرجع ببدلها فی دراهم الموکل صح بخلاف ما إذا أنفقها أولا علی نفسه مثلاً ثم دفع من ماله فهو متبرع. (شامی، کتاب الزکاۃ، مطلب فی زکاۃ ثمن المبیع وفاء کراچی ۲/۲۶۹، زکریا۳/۱۸۹)

وفی العیون رجل دفع إلیٰ رجل عشرۃ دراهم لیتصدق بها فأنفق بها علی نفسه وتصدق بعشرۃ من مال نفسه عن الآمر لم یجز وفی الخانیة: ویکون ضامناً للعشرۃ ولو کانت الدراهم عنده قائمة فلم یتصدق بها، وتصدق بغیرها جاز استحساناً وفی الخانیة: ویکون العشرۃ له بعشرته. (تاتارخانیة، کتاب الوکالة، الفصل التاسع فی التوکیل بالإنفاق زکریا ۱۲/۳۱۲، رقم المسئلة رقم:۱۷۵۹۳، هندیة، کتاب الوکالة، الباب العاشر فی المتفرقات زکریا۳/۶٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ر محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۸۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۱/۵ھ

وکیل کا زکوٰۃ کی رقم اپنی ضروریات میں خرچ کرکے دوسرے روپیوں سے ادا کرنا

سوال: [۴۵۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے بکر کو زکوٰۃ کی رقم دی کہ جاکر مدرسہ میں دیدینا مصرف میں خرچ کردینا بکر سے وہ رقم یعنی دیئے ہوئے روپئے اپنی ضرورت میں خرچ ہوگئے بعد میں بکر نے وہ پیسہ زید کی دی ہوئی رقم کے مطابق اور اس کے حکم کے مطابق مدرسہ میں یا جو مصرف بتلایا تھا، اسمیں دیدی تو آیا زید کی زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں؟

المستفتي: جمیل اختر عثمانی، مظفرنگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی ہاں البتہ اسطرح جائز ہوسکتا ہے، کہ اولاً اس نیت سے اپنی جیب سے مصرف زکوٰۃ میں ادا کردے کہ بعد میں زید کے دیئے ہوئے روپئے میں وصول کرلیا جائیگا، اور اولاً زکوٰۃ کے پیسے میں سے خرچ کرکے بعد میں اس کو جمع کردینے سے ادا نہیں ہوتی، لہٰذا زید کی دی ہوئی جو رقم بکر نے اپنی ضرورت میں خرچ کرڈالی ہے بکر اتنی کا ضامن ہوگا اور وکیل بمنزلہ امین ہوتا ہے، اور امانت کی رقم خرچ کرتے ہی امانت ختم ہوکر ضمانت بن چکی ہے اب زکوٰۃ ادا ہونیکی صرف یہ صورت ہوسکتی ہے، کہ بکر زید کو مطلع کردے اور زید بکر کو دوبارہ وکیل بنادے تو بکر اپنی جیب سے مذکورہ مقدار بنیت زکوٰۃ مصرف میں دے دیگا، تو زکوٰۃ ادا ہوجائیگی یا شروع ہی سے زید نے بکر کو خرچ کی اجازت دیدی ہو اور زید کی طرف سے اتنی مقدار زکوٰۃ فی الجملہ ادا کرنے کا حکم کیا ہو، تو زکوٰۃ ادا ہوجائیگی ورنہ نہیں۔ (بہشتی زیور اختری ۳/ ۲۹)

الوكيل بدفع الزكاة إذا أمسك دراهم الموكل ودفع من ماله ليرجع ببدلها في دراهم الموكل صح بخلاف ماإذا أنفقها أوّلاً على نفسه مثلاً ثم دفع من ماله فهو متبرع الخ. (شامي، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء زكريا ۳/ ۱۸۹، كراچی ۲/ ۲۶۹)

لأن الدراهم تتعين في الوكالة. (الدرالمختار، كراچی ۵/ ۵۳٤، زكريا

دیو بند۸/۲۷۶، بزازیه علی الهندیة زکریا دیوبند ٤/٨٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۶/شعبان ۱۴۱۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۹۰۶/۲۶)

مدرس سے چور کے پیسہ چھین کر فرار ہونے کی صورت میں ضمان کا حکم

فدوی محمد مناظر عالم بن مولانا محمود عالم صاحب مدرس مدرسہ امدادیہ اشرفیہ آج یکم فروری کو آپ کے دیئے چیک نمبر ۶۱۳۵۰۱ کے ذریعہ ننانوے ہزار روپئے بینک آف بڑودہ سے مدرسہ کے کھاتے میں سے برآمد کر کے لانے گیا تھا، اور میرے ساتھ مدرسہ کے منشی جناب مولانا جنید قاسمی صاحب بھی تھے، انھوں نے بھی دوسرے چیک کے ذریعہ رقم برآمد کیا تھا، دونوں آدمی بینک سے روپئے نکالنے کے بعد کچھ روپئے اپنی اپنی جیبوں میں اور مبلغ ۸۴۵۰۰/روپئے ایک تھیلہ میں رکھ کر دونوں آدمی ساتھ ساتھ بینک سے باہر نکلے اور رکشہ پر بیٹھ کر مدرسہ واپس ہورہے تھے، کہ راستہ میں راجہ منڈی پٹی کے قریب رکشہ کے قریب دو موٹر سائیکل سوار ہمارے رکشہ کے قریب پہونچے اور موٹر سائیکل پر پیچھے بیٹھا ہوا آدمی پوری طاقت سے ہمارے ہاتھ سے روپیہ کی تھیلی چھین کر فرار ہوگیا ہم دونو ں نے چور چور کہہ کر شور مچایا اور رکشہ چھوڑ کر اس کے پیچھے دوڑے لوگوں کے جمع ہوتے ہوئے موٹر سائیکل سوار روپئے لیکر فرار ہوگئے اور بھاگنے میں کامیاب رہے، صحیح صحیح واقعہ کی جناب والد کو اطلاع دے رہے ہیں، براہ کرم مناسب قانونی کاروئی کی جائے اور ہم کو بری الذمہ کیا جائے مہربانی ہوگی ۔

محمد مناظر عالم قاسمی، محمد جنید قاسمی

سوال: [۴۵۵۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مذکورہ بالامسئلہ کے بارے میں: کہ ان کو بری الذمہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ واقعہ کی تصدیق ہوچکی ہے اور تھانہ کو بھی اطلاع کی جاچکی ہے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا، اس واقعہ کے بعد مزید دوسروں کیساتھ بھی یہی احوال پیش آئے ۔

المستفتي: عبدالمنان قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے کہ رقم لیکر آتے وقت رقم لانے والوں کی طرف سے کوئی تعدی نہیں تھی چور چھپٹا مارکر پیسوں کی تھیلی لیکر بھاگے اور اس کی شہادت وتصدیق بھی مذکورہ تحریر میں موجود ہے اس لئے یہ پیسے شرعی طور پر امانت میں تعدی کے بغیر ضائع ہوچکے ہیں، لہٰذا اس کا ضمان اور تاوان لازم نہ ہوگا، بلکہ یہ نقصان مدرسہ ہی کو برداشت کرنا ہوگا۔

الوديعة أمانة في يد الوديع فإذا هلكت بلا تعد منه وبدون صنعه وتقصيره في الحفظ لايضمن. (شرح المجلة، اتحاد بکڈپو دیوبند ۱/ ۴۳۱، مادة: ۷۷۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رشعبان ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۸۰)

محصلین سے زکوٰۃ کی رقم چوری ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال: [۴۵۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اپنے مال کی زکوٰۃ رمضان المبارک میں نکالتا ہوں، میری زکوٰۃ نوے (۹۰) فیصد مدرسے والے لے جاتے ہیں، لیکن میرے ذہن میں مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے یہ خلجان ہوتا ہے کہ نہ معلوم میری زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

(۱) جو چندہ وصول کرنے آتے ہیں، ان میں بہت بڑی تعداد ۲۵/ فیصد یا ۳۰/ فیصد یا ۴۰/ فیصد پر چندہ کرنے والوں کی ہوتی ہے، اور وصول کرنے والے جو فیصد پر کام کرتے ہیں، ان میں کوئی مستحق زکوٰۃ نہیں ہوتا ہے، تو کیا ہماری یہ ۳۰/ فیصد زکوٰۃ مصرف میں پہونچتی ہے یا نہیں؟

(۲) سنا ہے کہ زکوٰۃ کی رقم مدرسہ کی تعمیر میں استعمال نہیں کر سکتے تو ذمہ داران مدرسہ جو ہماری زکوٰۃ کی رقم مدرسہ کی تعمیر میں استعمال کرتے ہیں، تو ہماری زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

(۳) زید یہ بھی سنا ہے کہ بغیر تملیک کے مدرسہ کے استادوں کو زکوٰۃ کی رقم تنخواہ میں لینا درست نہیں ہے، اور آجکل مدرسہ کے اکثر و بیشتر ذمہ داران یا تو تملیک کے بغیر ہی زکوٰۃ کی رقم تنخواہ میں استعمال کر دیتے ہیں یا کرتے بھی ہیں، تو ناقص کرتے ہیں، کماحقہ نہیں کرتے ہیں، ایسی صورت میں ہماری زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

(۴) مدرسہ میں غریب مالدار دونوں طرح کے بچے پڑھتے ہیں، ۲۰ یا ۲۵/ فیصد بچے مالدار رہتے ہیں، ان پر بھی ہماری زکوٰۃ کی رقم استعمال کی جاتی ہے، تو ہماری زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟ آپ سے درخواست ہیکہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرمائیں؟

المستفتي: محمد عرفان، بنارس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زکوٰۃ دہندگان، مدارس کے سفراء یا ذمہ داران کے ہاتھ میں طلبہ اور مصرف پر خرچ کرنے کیلئے زکوٰۃ کا پیسہ دیدیتے ہیں، اسی وقت زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، اس کے بعد سفراء یا ذمہ داران کے ہاتھ سے خدانہ خواستہ دیانت کے خلاف کوئی عمل ہوتا ہے تو اس کے ذمہ دار وہ خود ہوں گے، زکوٰۃ دہندگان نہیں ہوں گے، ان کی زکوٰۃ ادا ہو چکی ہے، اسی طرح اگر زکوٰۃ دہندگان نے اپنی زکوٰۃ سفراء یا ذمہ داران کے ہاتھ دیدی ہے اور راستہ میں وہ پیسہ سفراء یا ذمہ دار کے ہاتھ سے چوری ہو جائے یا ڈوب جائے تو زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوئی فرق نہیں آئے گا، ان کا فریضہ ادا ہو چکا، یہی سارے سوالات کے جوابات کا حاصل ہے۔

إذا وكله الفقراء لأنه كلما قبض شيئاً ملكوه وصار خالطاً مالهم بعضهم ببعض ووقع زكوٰة عن الدافع. (شامی، کتاب الزکاۃ، کراچی ۲/۲۶۹، زکریا ۳/۱۸۸)

ولا يخرج عن العهدة بالعزل فلو ضاعت لاتسقط عنه الزكوٰة ولو مات كانت ميراثا عنه بخلاف ماإذا ضاعت في يد الساعي لأن يده كيد الفقراء . (شامی ،زکریا ۳/۱۸۹، کراچی ۲/۲۷۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۹/۱۰۰۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۵/۲۴ھ

چندہ کی رقم کھو جائے تو ضمان کا حکم

سوال: [۴۵۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک مدرسہ میں مدرس ہوں ،رمضان ودیگر مواقع پر مدرسہ کا چندہ کرتا ہوں، امسال چندہ کی غرض سے لکھنؤ ،بمبئی ، وغیرہ چندہ کیا جب میں بمبئی پہنچا تو راستہ میں کہیں پر مبلغ ۱۸۰۰؍سو روپئے میری جیب سے نکل گئے ، اکثر جب بمبئی جاتا ہوں تو ایک صاحب کے پاس بغرض حفاظت چندہ کی رقم جمع کر دیتا ہوں، اس مرتبہ وہاں تک پہنچ نہ پایا تھا کہ راستہ میں یہ حادثہ پیش آ گیا جہاں تک ممکن ہوتا ہے چندہ کی رقم کی حفاظت کرتا ہوں ایسی صورت میں شرعاً اس رقم کا کیا حکم ہے؟ مدرسہ کی انتظامیہ میرے لئے ۱۸۰۰؍روپئے معاف کرتی ہو اور اگر معاف نہ کر کے میری تنخواہ سے وضع کرتی ہو تو دونوں صورتوں میں شرعاً کیا حکم ہے، جواب سے نوازیں کرم ہوگا؟

المستفتي: عارف حسین، مدرسہ عربیہ حسینیہ، فیض آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر آپ کے مدرسہ کا قانون اور ضابطہ یہی ہے کہ چندہ وصول کنندگان جب تک مدرسہ کے دفتر میں جمع نہ کریں گے، اس وقت تک انکے پاس چندہ کی رقم بطور ضمانت ہے تو آپ پر لازم ہے کہ اپنی طرف سے وہ رقم مدرسہ میں جمع کردیں اور اگر چندہ وصول کنندگان کے پاس بطور امانت رہتی ہے تو آپ پر لازم نہیں

اسلئے کہ مدارس کے جوضوابط ہیں، ان کے مطابق عمل کرنا لازم ہے، اوراس حدیث سے مدارس کے ضوابط مستنبط ہیں۔

الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالاً أو أحل حراماً والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالاً أو أحل حراماً. الحديث:

(ترمذی شریف، الأحکام، باب ماذکر عن رسول الله ﷺ فی الصلح بین الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام رقم ۱۳۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ رصفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۳ھ

سفیر سے زکوٰۃ کی رقم چوری ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال: [۴۵۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مدرسہ کا معلم ہے رمضان شریف میں چندہ کیا ساری رقم حفاظت سے گھر میں رکھی تھی، چوروں نے گھر کے تالے توڑ کر الماری توڑی اور ساری رقم جو پچاس ہزار کے قریب تھی لے گئے، معلوم یہ کرنا ہے کیا زید یہ رقم چوری شدہ اپنی جیب سے ادا کرنے کا ذمہ دار ہے یا مدرسہ والے معاف کرنے کا حق رکھتے ہیں، شرعاً کیا حکم ہے اور جن جن لوگوں کی زکوٰۃ اور فطرے تھے، کیا ان کی زکوٰۃ اور فطرے ادا ہوگئے

المستفتي: محمد اصغر، سیڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چندہ دہندگان نے جب منجانب مدرسہ رقم وصول کنندہ کے قبضہ میں دیدیا تو اسی وقت ان کی زکوٰۃ ادا ہوگئی، اس کے بعد مدرسہ کے دفتر میں جمع کرنے تک وصول کنندہ کے ذمہ میں لازم ہوگئی، اس کے بعد مدرسہ کے دفتر میں جمع کرنے کے بجائے اپنے گھر میں رکھنے کا حق نہیں ہے، جب اس نے اپنے گھر پر رکھا ہے تو

اس کی ضمانت میں داخل ہوگئی، اسلئے حفاظت کے باوجود چوری ہوجانے پر بھی اس کے اوپر پوری رقم مدرسہ کو ادا کرنا لازم ہوگا، اور مدرسہ والوں کو معاف کرنے کا حق نہیں۔

والوضع في حرز غيره من غير استئجار له إيداع حتى يضمن به.

(البحرالرائق ، كتاب الوديعة ، زكريا ٧/ ٤٦٦ ، كوئٹه ٧/ ٤ ٢٧ ، تبيين الحقائق ، مكتبه امداديه ملتان ٥/ ٧٧، زكريا ديو بند٦/ ٢٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍شوال ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱۰/۲۲ھ

چندہ کرتے وقت زکوٰۃ کی رقم چوری ہوجانے کا حکم

سوال: [۴۵۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان المبارک میں زکوٰۃ کی وصولیابی کے دوران کسی مدرس سے زکوٰۃ کی رقم چوری ہوجائے تو اس صورت میں صاحب نصاب کی زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں؟ اور پھر دونوں شکلوں میں چوری شدہ رقم کس کے ذمہ ہوگی آیا مدرس یا مدرسہ؟

المستفتي: امام وخطیب، مغلوں والی مسجد، کندرکی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مدرسہ کے مہتمم اور ان کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے والے خواہ وہ سفیر ہوں، یا استاد، مدرسہ کے نادار طلبہ کے بھی وکیل ہوتے ہیں، اور زکوٰۃ دہندگان کے بھی وکیل ہوتے ہیں، لہٰذا یہ سفراء یا استاد جو زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور ہیں، جب زکوٰۃ دہندگان انکے ہاتھ میں زکوٰۃ کا پیسہ سونپ دیں گے تو طلبہ کے وکیل ہونے کی وجہ سے ان کی زکوٰۃ اسی وقت ادا ہوجاتی ہے، اسکے بعد زکوٰۃ وصول کنندہ کی ذمہ داری ہے کہ اہتمام کے ساتھ اس کی حفاظت کرتے ہوئے مدرسہ کے دفتر میں جمع کردے، اور چوری ہوجانے کی دوشکلوں میں ایک شکل یہ ہے کہ راستہ میں

حفاظت کے باوجود چوری ہوجائے اورآج کل کے زمانہ میں ایسانہیں ہوتاہےاس لئے کہ پورے ملک میں یہ انتظام ہے کہ فوری طور پر پیسہ بینک میں جمع کریں تو جمع کردہ رقم فوری طور پر مدرسہ کے کھاتے میں منتقل ہوجاتی ہے،اس لئے اگر بینک میں جمع کئے بغیر اپنی جیب میں رکھے ہوئے ہیں، اورکئی دن اسی طرح گذار دئے ہیں تو یہ تعدی میں شامل ہوجائیگا، دوسری صورت یہ ہے کہ زکوٰۃ وصول کنندہ پیسہ کو مدرسہ میں جمع کئے بغیر پیسہ کو اپنے گھریا اورکسی جگہ رکھدے اوراس میں اتنا وقت گذرجائے، کہ جس سے پیسہ چور کے ہاتھ لگ جائے، تو یہ بھی لاپرواہی اورتعدی میں شامل ہے،ان دونوں صورتوں میں زکوٰۃ وصول کنندہ پرجس کے ہاتھ سے پیسہ ضائع ہو چکا ہے، بطورضمان مدرسہ کے دفتر میں اپنی طرف سے جمع کرنا لازم ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۵۰، جواہر الفقہ ۴/ ۳۸۷،محمودیہ ڈابھیل ۹/۵۱۳،۵۱۴، ۱۶/۵۵۳، امدادالفتاویٰ ۳/ ۳۱۵)

وظاهره أنه يجب حفظ كل شيئى فى حرز مثله . (شامى، كتاب الإيداع، زكريا ديوبند ٨/٤٦٨، كراچى ٥/٦٧٣)

يلزم حفظ الوديعة فى حرز مثلها ، فوضع مثل النقود والجوهرات فى أصطبل الدواب أو التبن تقصير فى الحفظ ، وبهذا الحال إذا ضاعت الوديعة أو هلكت لزم الضمان . (شرح المجلة ، اتحاد بكڈپو ديوبند ١/٤٣٣، رقم المادة : ٧٨٢)

وإنما ضمن للتقصير فى الحفظ الخ. (شامى ، كراچى ٥/٦٧٣، زكريا٨/ ٤٦٩)

للمستودع أن يحفظ الوديعة فى المحل الذى يحفظ فيه ماله . (شرح المجلة ، اتحاد بكڈپود يوبند ١/ ٤٣٢، رقم: ٧٨١)

الوديعة يحفظها المستودع بنفسه أو يستحفظهاأمينه كمال نفسه فإذا هلكت فى يده أو عند أمينه بلا تعد ولا تقصير فلا ضمان عليه ولا على أمينه . (شرح المجلة ، اتحاد بكڈپو ديوبند ٤٣٢، رقم:٧٨٠)

وكذا يضمنها إذا سرقت فى الطريق وكذا إذا وقع حريق ولم ينقل

الوديعة إلىٰ محل آخر مع قدرته على ذلك فاحترقت فإنه يضمن. (شرح المجلة ، اتحاد بكڈپو ديوبند ۱/۴۳۷، رقم: ۷۸۷)

ولو قال وضعت بين يدى فى دارى ،ثم قمت و نسيتها، فضاعت ينظر: إن كانت الوديعة مالا يحفظ فى عرصة الدار ولا تعد حرزاً له كصرة الدراهم والذهب ونحوهما يضمن وإلا فلا. (هندية زكريا ديوبند٤/٣٤٣، كتاب الوديعة الباب الرابع فيما يكون تضييعاً للوديعة وما لايكون جديد زكريا ٤/٣٥٥، هكذا فى الشامية زكريا٨/٤٦٨، كراچى ٥/٦٧٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۳۶)

باہر جا کر قرآن سنانے والے مدرس کو رمضان کی تنخواہ نہ دینے کا فیصلہ

سوال: [۴۵۵۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بندہ ایک مدرسہ کا مدرس ہے اور تدریس کیساتھ امام مسجد بھی ہے ، تنخواہ ۱۲۰۰/روپیہ ماہوار ہے ، رمضان المبارک میں بندہ بمبئی جاتا ہے قرآن کریم سنانے کے ساتھ مدرسہ کیلئے چندہ بھی فراہم کرتا ہے، بمبئی آمدورفت کا کرایہ خود ہی صرف کرتا ہے، البتہ بمبئی شہر میں سلسلہ فراہمی جو صرفہ ہوتا ہے، وہ مدرسہ سے وصول کرتا ہے، ارباب مدرسہ چندہ پر خوش ہوکر ایک ہزار روپیہ بطور انعام دیتے چلے آئے ہیں، اور یہ تقریباً پانچ سال سے دے رہے ہیں، امسال اہل مدرسہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جو لوگ باہر جا کر قرآن سناتے ہیں، ان کو اب ایک ماہ رمضان کی تنخواہ نہیں دی جائے گی تو کیا یہ فیصلہ درست ہے اب جب کہ رمضان میں تعطیل کلاں ہوتی ہے، تو ہم تعطیل کلاں میں چندہ کی فراہمی کرتے ہیں، تو تنخواہ نہ دینے کا فیصلہ کیسے درست ہوسکتا ہے؟ صرف اس بنا پر کہ قرآن سناتے ہیں لہذا مدرس کو تنخواہ دینے کے بارے

میں فیصلہ شرعی کیا ہے، مدلل ومفصل جواب مطلوب ہے؟

المستفتي: العارض: محی الدین القاسمی،
مدرسہ مدینۃ العلوم، رام نگر، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ذمہ داران مدرسہ کو یہ حق ہے کہ کسی مدرس سے تعطیل کلاں میں چندہ نہ کرائیں البتہ چندہ کرانے پر مجبور کرنے کا بھی حق نہیں، ہاں البتہ ڈبل تنخواہ یا آپس کے طے شدہ انعام وغیرہ پر چندہ یا کسی اور کام کیلئے معاملہ کرنا جائز ہے، اور اگر ایسا نہ ہو کہ مدرس سے نہ چندہ کرایا جائے اور نہ ہی دوسرا کام کرایا جائے بلکہ مدرس کو تعطیل کلاں کی رخصت مل جاتی ہے تو مدارس اسلامیہ کا عرف اور رواج یہ ہے کہ مدرس کو تعطیل رمضان کی تنخواہ ملتی ہے چاہے مدرس اس تعطیل میں اپنا ذاتی کوئی بھی کام کرتا ہو۔

الثابت بالعرف کالثابت بالنص. (المبسوط، دارالکتب العلمية بيروت ۴۱/۱۹، ۲۲۰/۳۰، البنایہ اشرفیہ دیوبند ۲۳۸/۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۶۱/۱۶)

البتہ قرآن سنا کر اجرت لینا بہرحال ناجائز ہے ذمہ داران مدرسہ کو مصلحت کے طور پر اجرت لینے سے روکنے کا حق ہوسکتا ہے، کیوں کہ اس مدرسہ کی بھی بدنامی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۰۴)

چندہ کرنے والے مدرس کو تنخواہ سے زائد رقم دینا

سوال: [۴۵۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید دینی مدرسہ میں ملازمت کرتا ہے، اسی ملازمت کی وجہ سے وہ رمضان المبارک کے اندر مدرسہ کا چندہ کرتا ہے، حالانکہ زید کو رمضان المبارک کے مہینہ کی تنخواہ ملتی ہے، تنخواہ کے ملتے

ہوئے پھر بھی زید چندہ پر کمیشن لیتا ہے، کمیشن آدھا بھی لیا جاتا ہے اور آدھے سے کم بھی لیا جاتا ہے، اگر مدرسہ کی طرف سے کمیشن دیا جائیگا، تو کتنا دیا جا سکتا ہے، اور اس کیلئے کمیشن لینا جائز ہے یا نہیں اگر شریعت نے اس کی مقدار متعین کی ہے تو کتنی ہے؟ تشفی بخش جواب دے کر ممنون فرمائیں، کرم ہوگا؟

المستفتي: محمد عمر، ادہم سنگھ نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو شخص مدرسہ کا باضابطہ ملازم ہے، اور وہ چندہ میں اچھا کارنامہ انجام دیتا ہے، تو اس کو حسن کارکردگی کی وجہ سے شرح فیصد متعین کرکے بطور انعام مقررہ تنخواہ سے زائد دینا شرعاً جائز اور درست ہے، لیکن یہ انعام وصول شدہ چندہ کے نصف سے کم ہی ہونا چاہئے، اور نصف سے کم میں کوئی بھی مقدار حسب صوابدید متعین کی جاسکتی ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۵۵، امداد المفتیین ۲/ ۴۵۷، ۲/ ۴۶۱)

لكن لايزادعلى نصف مايقبضه . (شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف کراچی ۲/ ۳۴۱، زکریا ۳/ ۲۸۶، ومثله فی الهندية زکریا ۱/ ۱۸۸، هنديه ، جديد زکریا ۱/ ۲۴۹، البحرالرائق ، زکریا دیوبند ۲/ ۴۲۰، کوئٹه ۲/ ۲۴۱، تبيين الحقائق ، مكتبه امداديه ملتان ۱/ ۲۹۷، زکریادیوبند ۲/ ۱۱۴، مجمع الانهر مصری قديم ۱/ ۲۲۰، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۲۶)

اور جو شخص مدرسہ کا باضابطہ ملازم نہ ہو تو پھر اجارۂ فاسدہ کی وجہ سے شرح فیصد متعین کرکے صرف انعام کو اجرت قرار دینا جائز نہ ہوگا، کیونکہ اجارہ کے صحیح ہونے کیلئے اجرات کا متعین ہونا شرط ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۵۶)

وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين لأن جهالتهما تفضي إلىٰ المنازعة . (الدر المختار كتاب الاجارة ، زکریا دیوبند ۹/ ۷، کراچی ۶/ ۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱/ ۱۵۸/ ۳۱، هدايه مكتبه اشرفيه ديوبند ۳/ ۲۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۶/۱۴۲۱ھ

مدرس کو حسن کارکردگی پر انعام دینا

سوال: [۴۵۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل جن مدارس میں چندہ کیا جاتا ہے، تو ذمہ داران مدرسہ سفراء حضرات کو کچھ فیصد دیتے ہیں، کسی جگہ پر بیس اور کسی جگہ پر دس اور کسی جگہ پر پانچ فیصد دیتے ہیں، اوراسکے علاوہ سفراء کو سفرخرچ اور ماہانہ تنخواہ بھی دیتے ہیں، صورت مسئولہ کا شرعی حکم کیا ہے، اس طرح فراہمی چندہ پر فیصد لینا اور دینا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو فبہا ورنہ پھر مدارس کے ارباب حل وعقد حاملین شریعت علماء حضرات مدارس سے اس کا خاتمہ کیوں نہیں کرتے اور کچھ مدارس والے اسے فیصد کا نام نہ دیکر انعام کارکردگی کا نام دیتے ہیں، جبکہ یہ دونوں چیزیں ایک ہی سکے کے دورخ ہیں، جس طرح پاخانے کو حلوہ کہنے سے اس کی حقیقت نہیں بدل جاتی اسی طرح فیصد کو بھی انعام کہنے سے اس کا حکم نہیں بدلتا بہرحال اس کا شرعی حکم بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں؟

المستفتي: خادم العلم والعلماء: ظہیر احمد، خادم: تدریس جامعہ مدینۃ العلوم مدینہ مسجد، کاردکھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: باتنخواہ ملازمین کو حسن کارکردگی کی بناء پر مدرسہ کے فنڈ سے فیصد کے حساب سے انعام دینا شرعاً جائز ہے بے تنخواہ لوگوں کو دینا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۵۵) پر اس کی تفصیل ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/۹/۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۸۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۹/۱۴۱۹ھ

تنخواہ دار محصلین کو فیصد کے حساب سے رقم دینا

سوال: [۹۵۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک دینی ادارہ میں کچھ مدرسین تدریسی اوقات کے علاوہ اپنی ذاتی جد وجہد سے ادارے کا چندہ وصول کرتے ہیں، ان مدرسین کو مقررہ تدریسی اوقات کا معاوضہ دیا جاتا ہے، نہ کہ چندہ وصول کرنے کا جواب طلب امر یہ ہے کہ ادارہ ان مدرسین کو چندہ کی ہوئی رقم پر ان کی محنتانہ دینا چاہتا ہے، آیا محنتانہ دینا مناسب ہے یا نہیں اگر دے سکتے ہیں، تو رقوم کے تناسب سے کتنی رقم دے سکتے ہیں، واضح رہے کہ وصول کنندگان میں کچھ کا حلقہ بڑا ہے اور اچھے بڑے تعلقات کی وجہ سے زیادہ چندہ کرلیتے ہیں، اور کچھ کا حلقہ محدود ہے جو نسبتاً کم وصول کر پاتے ہیں۔

اگر کل رقم کا فیصد متعین کر کے (مثلاً سات فیصد) اسی میں کم وبیش کر کے بطور انعام دیدیا جائے تو کیا یہ درست ہوگا، یا پھر دور حاضر کے حساب سے کہاں تک دے سکتے ہیں، چندے کے متعلق اگر آپ اپنے ادارے کا ضابطہ بھی تحریر فرمادیں تو ہم ممنون ہوں گے، تاکہ اس کی روشنی میں ہم کچھ فیصلہ کرسکیں؟

المستفتي: عرفان الدین، ناظم: جامعۃ الطیبات سروے نمبر ۹۷، طیب آباد، مالیگاؤں، ناسک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: حسن کارکردگی کی وجہ سے بطور انعام تنخواہ دار ملازمین اور مدرسین کو فیصد کے حساب سے کچھ دینا جائز اور درست ہے، اور ہمارے ادارہ میں کیا قانون ہے دفتر اہتمام سے رابطہ قائم کر کے معلومات فراہم کرلیں اس کا تعلق استفتاء سے نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۵۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۶/۲۴ھ

مدرسین کو چندہ کا معاوضہ دینا

سوال: [۴۵۶۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض مدارس اسلامیہ میں حضرات مدرسین کو تنخواہ کے علاوہ چندہ کا بھی معاوضہ دیا جاتا ہے، بعض میں سو روپیہ پر دس بیس روپیہ حتیٰ کہ تیس پرسینٹ تک دینے کا رواج ہے، جبکہ مکمل سفر خرچ منجانب مدرسہ ہوتا ہے، اس سلسلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تنخواہ دار ملازمین و مدرسین کو ان کے چندے کے سلسلہ میں حسن کارکردگی کی وجہ سے تنخواہ کے علاوہ دس بیس فیصد بطور انعام دینا جائز و درست ہے اس میں اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ چندے کا پیسہ مدرسہ کے دفتر میں جمع ہونے سے پہلے اس پیسے سے انعام نہ لیا جائے، بلکہ سارا کا سارا پیسہ مدرسہ میں جمع ہونا ضروری ہے، اس کے بعد جو کچھ بھی انعام حسن کارکردگی کی وجہ سے دیا جائے وہ مدرسہ کے دفتر سے دینا ضروری ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۵۵، امداد المفتیین کراچی / ۴۵۷، ۴۶۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ ؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۹۱)

تنخواہ دار ملازم کو حسن کارکردگی کی بناء پر فیصدی انعام

سوال: [۴۵۶۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اگر کسی مدرسہ میں تدریسی یا تحریری کوئی کام بالکل نہ کرے بلکہ مدرسہ والوں سے اپنا مقدار

متعین سالانہ چندہ کی رقم دینے کی طے کرے اور مدرسہ سے ماہانہ اپنی تنخواہ طے کرلے اور چندہ پر مدرسہ سے کوئی انعام لے یا نہ لے تو یہ معاملہ ازروئے شرع کیسا ہے؟ کہ زید گھر بیٹھ کر مدرسہ سے تنخواہ لے لیا کرے، اور سالانہ متعین شدہ رقم چاہے ایک ماہ میں ہوجائے، چاہے ایک سال میں ہوجائے، دیدیا کرے، اور یہ اسلئے کہ آجکل مدارس میں ایسے حالات بن گئے ہیں، ہرآدمی کی کبھی یہ شکایت ہے کبھی وہ شکایت ہے دماغ ہر وقت الجھا ہوا ہے، کس کس کی برداشت کی جائے، دوسرے یہ کہ اپنی ذاتی پریشانیاں الگ ہوتی ہیں، اسلئے اس میں ایک قسم کی سہولت ہوجائیگی؟

المستفتي:عبداللہ محلّہ منہاران، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:جوشخص مدرسہ کا مستقل ملازم ہے جس کو باقاعدہ مدرسہ سے تنخواہ ملتی ہے، وہ اگر چندہ کرتا ہے، اور وصولیابی میں اچھا کارنامہ انجام دیتا ہے، تو حسن کارکردگی کی وجہ سے حوصلہ افزائی کے واسطے تنخواہ کے علاوہ کچھ فیصد بطور انعام دیا جائے تو اسکی بھی گنجائش ہے، لیکن یہ فیصد وصول کردہ رقم کے نصف سے زیادہ نہ ہو۔

لکن لایزاد علی نصف ماقبضه کما یاتی . (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، زکریا دیوبند۳/۲۸٦، کراچی ۲/۳٤۱)

لکن قید الحنفیة ذلک بأن لا یزاد علی نصف مایقبضه . (الفقه الإسلامی وأدلته، مکتبه هدی انٹر نیشنل دیوبند۲/۷۸۵)

فمذهب الحنفیة ...... وإن جاوزت کفایته نصف ماجمع من الزکاة، فلا یزاد علی النصف، لأن التنصیف عین الإنصاف . (الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۹۲/۱۵، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالکتاب دیوبند/۷۲۰)

نیز سوالنامہ میں ذکر کردہ عمل گرچہ اصول وقواعد کی رو سے شرعاً جائز ہے لیکن احتیاط کے خلاف ہے۔

لا تصح (أي الإجارة) حتى تكون المنافع معلومة والأجرة معلومة .

(هدايه كتاب الاجارة، اشرفيه ديوبند ۲۹۳/۳)

وتحته في الشامية : وشرطها كون الاجرة والمنفعة معلومتين .

(شامی، زکریا دیوبند ۹/۷، کراچی ۶/۵)

وشرطها ماتقدم من كون الأجرة والمنفعة معلومتين . (مجمع الأنهر قديم ، ۲/ ۳۶۹، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۵۱۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۰ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۰۵)	۱۴۲۱/۴/۲۲ھ

حسن کارکردگی کے عوض فیصدی انعام

سوال: [۴۵۶۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) مدارس اسلامیہ میں مدرسین حضرات سے چندہ کراتے ہیں خاص کر رمضان المبارک میں زکوٰۃ صدقات عطیات وغیرہ وصول کرتے ہیں، اور یہ چندہ مدرسہ کے خارج اوقات میں بھی کرتے ہیں، اور اوقات مدرسہ میں بھی کرتے ہیں، مدرسہ کی مقررہ تنخواہ کے علاوہ فیصد کے حساب سے کمیشن (یا انعام دیتے ہیں) مثلاً سو روپئے پر دس روپیہ دیتے ہیں، یہ کمیشن یا اسطرح سے انعام دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اسی طرح مدرسہ کا ناظم یا مدرسہ کا مہتمم بھی رمضان المبارک میں چندہ کرتا ہے، اس کا کام مدرسہ کا نظام چلانا و فراہمی چندہ ہے درس وتدریس اسکے ذمہ نہیں ہے مگر کبھی کبھی کسی مدرس کی عدم موجودگی میں درسگاہ میں بیٹھ جاتا ہے، وہ رمضان المبارک میں زکوٰۃ صدقات عطیات وصول کرتا ہے، وہ بھی فیصد کمیشن لیتا ہے فیصد انعام لیتا ہے، کیا یہ جائز ہے مع الدلائل جواب سے نوازیں، کوئی مثال سلف کی پیش کریں؟

المستفتي: منہاد الدین صدیقی، ۱۷/۶۳۰۳
اسلامیہ اسکول، منالائی، موانہ، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کی مقررہ تنخواہ کے علاوہ حسن کارکردگی کی بنا پر مہتمم، مدرسین وملازمین سب کیلئے فیصد انعام لینا جائز ہے، بشرطیکہ وصول شدہ تمام رقم اولاً مدرسہ میں جمع کردیں اور بعد میں ذمہ داران مدرسہ کے ہاتھ سے انعام وصول کریں تاکہ حدیث قفیز طحان کی مخالفت لازم نہ آئے! (مستفاد: فتاویٰ احیاء العلوم ۱/ ۳۳۸)

اور جہاں کمیشن کو ناجائز کہا جاتا ہے، وہ اس صورت میں ہے کہ جب کوئی تنخواہ متعین نہ ہو اسلئے کہ معاملۂ اجارہ میں اجرت کا متعین ہونا شرط ہے، اور یہاں اجرت مجہول ہے۔

وأما شرائطها (إلیٰ قوله) ومنها أن تکون الأجرة معلومة الخ. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الإجارة، زکریا دیوبند ٤/ ٤١١، جدید زکریا ٤/ ٤٤١)

وشرطها أن تکون الأجرة والمنفعة معلومتین ؛ لأن جهالتهما تفضی إلیٰ المنازعة. (تبیین الحقائق، مکتبه امدادیه ملتان ٥/ ١٠٥، زکریادیوبند ٦/ ٧٧، البحر الرائق، زکریا دیوبند ٧/ ٥٠٧، کوئٹه ٧/ ٢٩٧)

ورنہ دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ شاہی وغیرہ بڑے اداروں میں بھی تنخواہ دار ملازمین کو حسن کارکردگی پر فیصدی انعام دیا جاتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۳۵)

سفراء وملازمین کو حسن کارکردگی پر فیصدی انعام

سوال: [۴۵۶۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ میں ملازمین وسفراء سے کمیشن پر جو کام لیا جاتا ہے، اور پیش نظر آمدنی میں اضافہ رہتا ہے، تو کیا اس صورت میں بطور انعام کچھ رقم فی صد کے اعتبار سے دینا صحیح ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ

میں علماء کرام ومفتیان کرام کا فتویٰ کیا ہے، اور آپ کی رائے کیا ہے، نوازیں ممنون ہوں گا؟

چونکہ فتاویٰ کی کتابیں برائے نام ہی یہاں پر ہیں، اس لئے آپ کو زحمت دے رہا ہوں، باقی سب خیریت ہے، مولوی شبیر احمد اور مولوی جلیل احمد صاحب وغیرہ کو سلام قبول ہو، غلطیوں کو درگذر فرمائیں؟

المستفتي: احقر اشتیاق احمد بہرائچی،
جامعہ رحمانیہ، ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ملازمین وسفراء کی تنخواہ پہلے سے منجانب مدرسہ مقرر ہے، اور حسن کارکردگی کی وجہ سے فی صدی بطور انعام کچھ رقم دیدی جائے تو یہ شرعاً جائز ہے، بشرطیکہ ملازمین وسفراء وصول شدہ رقم کا کل کا کل مدرسہ میں جمع کردیں، پھر مہتمم ذمہ دار کے ہاتھ سے فیصدی انعام وصول کرلیا کریں، ورنہ حدیث قفیز طحان کی مخالفت لازم آتی ہے، جو درست نہیں ہے، حضرات اکابر واہل فتویٰ کی رائے جواز پر ہے، اور راقم الحروف بھی جواز ہی پر جواب لکھا کرتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ احیاء العلوم ۱/ ۳۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۹۸)

مدرسین کو رمضان المبارک میں چندہ کرنے پر انعام یا ڈبل تنخواہ دینا

سوال: [۴۵۶۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک دینی مدرسہ میں مدرسین سے رمضان میں چندہ وصولیابی کا کام لیا جاتا ہے، جو مدرس رمضان میں چندہ وصول کرتے ہیں، ان کو رمضان کی تنخواہ کے علاوہ کچھ متعین فیصد بطور انعام کے ملتا ہے، اور جو مدرس چندہ وصول نہیں کرتے ہیں، ان کو صرف ان کی رمضان المبارک کی تنخواہ ملتی ہے، تو کیا ان مدرسین کیلئے جو چندہ کرتے ہیں، بطور انعام کے فیصد لینا درست ہے؟

یا چندہ کے کام پر الگ سے تنخواہ متعین کی جائے، اور بطور انعام کے کچھ رقم لی جائے جواز اور عدم جواز کی صورت کو مدلل تحریر فرمائیں؟

المستفتي: محمد طاہر عفی عنہ، دارالعلوم رحمانیہ ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اہل مدارس اپنے تنخواہ دار مدرس کو رمضان المبارک میں چندہ کرنے کی وجہ سے جو تنخواہ کے علاوہ بطور انعام کچھ رقم دیتے ہیں، یا چندہ کرنے کی الگ سے تنخواہ مقرر کرکے کچھ رقم دیتے ہیں، یہ دونوں صورتیں شرعاً جائز ہیں، لہٰذا ان مدرسین کیلئے اس رقم کا لینا بھی جائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر/ ۲۳۱، ایضاح المسائل/۱۲۲)

وشرطها كون الأجرة و المنفعة معلومتين . (الدر المختار، كتاب الاجارة، زكريا ديوبند۹/۷، كراچی ٦/٥، الموسوعة الفقهية الكويتية۱ ٣/ ١٥٨)

ولايصح حتى تكون المنافع معلومة و الأجرة معلومة . (هدايه، اشرفيه ديوبند ٣/ ٢٩٣)

ومنها أن تكون الأجرة معلومة . (هنديه، زكرياديوبند ٤/ ٤١١، جديد زكريا ٤/ ٤٤١) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲۸/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۴)

چندہ کرنے والے مدرسین کو انعام دینا

سوال: [۴۵۶۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مدرسہ جس کی شروعات ایک عامی آدمی اور ایک مولانا نے کی تھی پھر یہ آدمی اخراجات کو دیکھ کر پیچھے ہٹ گیا، مولانا نے ہی محنت کرکے ادارہ کو چلایا پھر شعبان میں ایک کمیٹی بنائی اس

میں پورے سال کا خرچ و آمد سمجھائی، مگر کچھ رقم مولانا نے اپنے پاس بچا کر رکھی اور کمیٹی کو نہیں بتایا، دریافت طلب بات یہ ہے کہ مولانا نے جب مدرس کا تقرر کیا تو یہ کہا کہ آپ چندہ کریں گے تو آپ کو اجرت زائدہ کے نام سے حوصلہ افزائی کے طور پر کچھ بڑھا کر پیسے دیئے جائیں گے، جب کمیٹی بنی تو اعتراض کیا کہ ایسا نہیں ہوگا، کیونکہ کمیٹی جاہلوں کی ہے، مولانا نے یہ پیسے اسلئے بچا کر رکھے کہ مدرسہ کے بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں جو عوام کے سامنے نہیں رکھے جاسکتے ہیں، تو مولانا ایسی جگہ خرچ کر دیتے ہیں، اسمیں کوئی شک نہیں کہ مولانا نہایت امانت دار اور دیانت دار آدمی ہیں، تو کیا چندہ کرنے والوں کو مولانا اس میں سے بطور انعام پیسے دے سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: حافظ محمد رضوان، جامعہ نور العلوم، محلّہ بنجاران، نور پور، پوسٹ: خاص، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدرسہ کی کمیٹی میں علماء اور دیندار افراد شامل ہونے چاہئے، بہر حال جب حساب پیش کیا جائے تو مکمل حساب کرنا چاہئے، اور معاملہ فہم افراد جو کمیٹی میں ہوں ان کے سامنے سب باتیں رکھنی چاہئے، اور چندہ کرنے والے مدرسین کو بطور انعام زائد رقم دینا شرعاً جائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۵۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ / ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۸۹)

چندہ وصول کنندہ کو تنخواہ سے زائد رقم دینا

سوال: [۴۵۶۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی مدرسہ اور مسجد یا ادارہ کے محصل یا چندہ وصول کنندہ کو تنخواہ پر مقرر کرنے کے بعد اسکی مزید وصولیابی و کارروائی پر کمیشن مقرر کرنا یا بطور انعام کچھ زیادہ دیدینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

اور دونوں کی صورت کیا ہوگی؟

المستفتي: امدادالحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کمیشن پر چندہ کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر تنخواہ دار ملازم ہے تو اس کی حسن کارکردگی کی وجہ سے تنخواہ کے علاوہ فیصدی کمیشن بطور انعام دینا جائز ہے، لیکن زکوٰۃ کی رقم سے دینا جائز نہیں ہے، بلکہ ساری رقم مدرسہ میں آکر جمع کردے اسکے بعد آکر الگ سے مدرسہ کے فنڈ سے تنخواہ اور انعام حاصل کرسکتا ہے، اس طرح سے یہ فیصدی کمیشن جو بطور انعام دیا جاتا ہے، قفیز طحان کے تحت داخل نہ ہوگا، بلکہ بلاقباحت شرعاً درست رہے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ نظامیہ اوندرویہ ۱/۳۸۰)

اور اگر تنخواہ دار ملازم نہیں ہے تو کمیشن پر چندہ اجارۂ فاسدہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۱۲۲)

وفی الدر المختار : فكل ما أفسد البيع مما مر يفسد ها كجهالة مأجور أو أجرة أو مدة أو عمل . (الدر المختار مع الشامی، کراچی ٦/٤٦، زکریا۹/٦٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/رجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ٦٢٩٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۷/۱۴۲۰ھ

مدرس سفیر کو ڈبل تنخواہ دینا

سوال: [٦٧ ۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بہت سے مدراس میں چندہ کرنے والے کو صرف ڈبل تنخواہ دیتے ہیں، جو اسکی مقرر رہے اس صورت میں کیا جواز ہے۔

المستفتي: محمد عارف انصاری،

پوربی تکیہ، گڈھی، نہٹور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تعطیل کلاں کے موقع پر جس میں شعبان کا کچھ حصہ اور پورا رمضان داخل ہوتا ہے اس موقع پر مدرس وملازمین سے کام لیا جائے تو ڈبل تنخواہ دی جاتی ہے، لہٰذا اس زمانے میں مدرس وملازم چندہ کیلئے جائیں تو ان کو ڈبل تنخواہ دینا بلاشبہ جائز ہے اور مدارس اسلامیہ کے اصول وقوانین اس حدیث شریف کے ذریعہ ثابت ہیں۔

الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحاً حرم حلالاً أو أحل حراماً والمسلمون علىٰ شروطهم إلا شرطاً حرم حلالاً أو أحل حراماً . (ترمذی شریف، الأحکام ، باب ماذکر عن رسول الله ﷺ فی الصلح بین الناس ، النسخة الهندية ۱ / ۲۵۱ ، دارالسلام رقم /۱۳۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴/۱۱/۱۴۳۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۰۸۳۱)

کمیشن پر چندہ کرنے سے متعلق چند سوالات

سوال: [۵۴۶۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) مدرسہ ہذا میں رمضان المبارک کی مالی فراہمی پر پورے ماہ کی دوگنی تنخواہ دی جاتی ہے، بشرطیکہ کم ازکم ۲۰/یوم کی کارکردگی ہو۔

(۲) ۲۰/یوم سے کم کارکردگی کی صورت میں پورے ماہ کی دوگنی تنخواہ کے بجائے ایام کارکردگی کی دوگنی تنخواہ دی جاتی ہے، مقدار وصول کچھ طے نہیں ہے؟

(۳) تجربہ سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ الف: بعض حضرات کی فراہمی اتنے ہی دنوں میں لاکھ تک کے قریب ہوتی ہے، اور بعض کی دس بیس ہزار وغیرہ۔ ب: بعض حضرات کی وصولی اتنی قلیل ہوتی ہے، کہ ان کو دوگنی تنخواہ دینے کے بعد مدرسہ کو کچھ بچت

نہیں ہوتی ہے، بلکہ بعض مرتبہ مدرسہ کے خزانہ میں سے بھی تکمیل کرنی پڑتی ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایام کارکردگی اور مقدار اصولی دونوں کی تعیین کی شرط کے ساتھ تنخواہ کے علاوہ دوسری تنخواہ ومعاوضہ کو مشروط کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض مرکزی مدارس کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہاں سالانہ رقم سفراء کو طے کردی جاتی ہے، مثلاً ایک لاکھ اس سے زائد وصولی پر ۲/ فیصد، ۵/ فیصد وغیرہ بھی دیا جاتا ہے، کیا یہ کمیشن کی صورت ہے یا نہیں؟ نہیں ہے تو ۴۰/ چالیس فیصد کمیشن کی شرط پر چندہ کرنے اور زائد وصولی پر دوچار فیصد ادا کرنے میں کیا فرق ہے، اور اس شکل کے جواز کی علت کیا ہے؟ اور کیا اس کو انعام کا نام دینے سے جواز کی حد میں داخل ہو جاتا ہے؟

ج: بعض مدارس میں ایسا بھی ہوتا ہے، کہ دوگنی تنخواہ کے علاوہ یہ بھی ترغیباً کرتے ہیں، کہ بیس ہزار کی وصولی پر سائیکل انعام مثلاً اس کا کیا حکم ہے؟

د: یہ بھی تجربہ کی بات ہے کہ کمیشن پر وصولی کرنیوالے سفراء بڑی محنت وتندہی سے کام کرتے ہیں، جبکہ بعض باتنخواہ سفراء ومحصلین پوری جد وجہد نہیں کرتے ہیں، بلکہ خانہ پری کر لیتے ہیں، جس سے ان کو دوہری تنخواہ مل جائے، کیا ناظم کسی کی اچھی کارکردگی پر امتیازی انعام بلا طے کئے ہوئے یا طے کر کے دے سکتا ہے، مختلف شہروں کے اعتبار سے مختلف معاوضہ طے کرسکتا ہے یا نہیں؟

اچھی کارکردگی والے کی حوصلہ افزائی اور دوسروں کی ترغیب کیلئے دوگنی تنخواہ کے علاوہ بھی رقم کسی طرح دی جاسکتی ہے، اگر یہ طے کردیا جائے کہ دس ہزار سے لیکر پچاس ہزار تک اور دس سے کم پر دوگنی اور پچاس سے پچھتر ہزار تک ڈھائی گنی اور ایک لاکھ یا اس زائد پر تین گنی تو کیا ایسا کیا جاسکتا ہے؟ دوگنی تنخواہ کیلئے یہ شرط لگا دی جائے کہ کم از کم دس ہزار کی وصولی پر ہی دوگنی تنخواہ دی جائیگی، ورنہ نہیں؟ اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: عبدالمنان، ناظم: مدرسہ امدادیہ اشرفیہ،

طیب نگر، راجو پٹی، سیتامڑھی۔ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارس اسلامیہ کے قوانین وضوابط کا دار ومدار حدیث پاک پر ہے۔

أن رسول الله ﷺ قال الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالاً وأحل حراماً والمسلمون على شروطهم إلا شرطاً حرم حلالاً وأحل حراماً. (ترمذی شریف، الأحکام، باب ماذکر عن رسول الله ﷺ فی الصلح بین الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام رقم: ١٣٥٢، ومعناه فی المستدرك، كتاب الأحكام قديم ٤/ ١٠١،مکتبه نزار مصطفى الباز٧/ ٢٠٢٣، رقم: ٧٠٥٩)

اس حدیث کے پیش نظر جو قوانین وضوابط مدرسہ کے اہل حل وعقد طے کریں گے، اسی کے مطابق عمل کرنا لازم ہے، لیکن کوئی شرط اصول شرعی کیخلاف نہ ہو، لہٰذا سوال نمبر (۱) میں بیس دن کی کارکردگی میں پورے مہینہ کی دوگنی تنخواہ کا قانون بنانا اصول شرع کے خلاف ہے، اسلئے کہ عدم کارکردگی کی دوگنی تنخواہ حلال نہیں اور بیس دن کی کارکردگی میں بیس دن کی دوگنی تنخواہ اور ایک مہینہ کی کارکردگی میں ایک مہینہ کی پوری تنخواہ یہ اصول شریعت کیمطابق ہے ، لہٰذا سوال نمبر (۲) میں جس ضابطہ کوذکر کیا گیا ہے، وہ ضابطہ اصول شریعت کے مطابق ہے کہ ایام کارکردگی کی دوگنی تنخواہ دی جائے۔

پورے مہینہ کی دوگنی تنخواہ درست نہ ہوگی۔

سوال نمبر (۳) میں یہ جو بات کہی گئی ہے کہ بعض حضرات کی فراہمی اتنے ہی دنوں میں لاکھ تک پہونچ جاتی ہے، اور بعض کی فراہمی دس ہزار تک نہیں پہونچتی تو اس پیچیدگی کے حل کیلئے بڑے مدارس میں یہ قانون بنایا ہے کہ مثلاً پچاس ہزار سے کم کی صورت میں دوگنی تنخواہ اور پچاس ہزار سے زیادہ میں دس فیصد انعام بھی دیا جائے گا ، یہ سلسلہ پچھتر ہزار تک رہتا ہے، اور پھر پچھتر ہزار سے زیادہ ہوتو پندرہ فیصد انعام دیا جائیگا، اس پیچیدگی

کا حل اس طریقہ سے کیا جا سکتا ہے، اور بعض مرکزی ادارہ کے حوالہ سے جو بات لکھی گئی ہے، یہ کمیشن کی صورت نہیں ہے بلکہ تنخواہ دار ملازم کے حسن کارکردگی پر فیصدی انعام ہے، اور فیصدی انعام کی شکل اتنی زیادہ نہ ہونی چاہئے ، کہ اہل مدارس اور علماء میں اس کو برا سمجھا جاتا ہو، لہٰذا پندرہ بیس فیصد سے اوپر انعام مقرر نہیں کرنا چاہئے ، اسلئے چالیس فیصد کمیشن کی بات کو انعام قرار دینا مدارس اور علماء کا ماحول قبول نہیں کرتا ہے، اسلئے کہ یہ انعام کہاں رہ جاتا ہے، یہ تو وصولیابی کی اصل بن جاتا ہے، اسلئے پندرہ بیس فیصد سے زائد انعام مقرر نہیں کرنا چاہئے ، اور سوال نمبر ج: میں یہ جو لکھا گیا ہے، کہ دوگنی تنخواہ کے ساتھ بیس ہزار کی وصولی میں سائیکل انعام میں دی جائیگی ، یہ ضابطہ بھی درست ہے۔

اور سوال نمبر د: میں یہ جو لکھا گیا ہے کہ کمیشن پر چندہ کرنے والے جدوجہد زیادہ کرتے ہیں ، یہ بات بجا ہے لیکن تنخواہ مقرر کئے بغیر صرف کمیشن طے کرنا اصول شرع کے خلاف ہے، اس لئے کہ یہ اجارۂ فاسدہ ہے، جو کہ جائز نہیں ہے البتہ تنخواہ دار ملازم کیلئے فیصدی انعام مقرر کیا جائے تو جائز ہے، مگر تنخواہ اور انعام دونوں ملا کر وصول شدہ چندہ کے نصف سے کم ہونا لازم ہے نصف سے زائد جائز نہیں ! اور اس سے جدوجہد اور تندہی سے کام کرنے کا مقصد بھی حاصل ہو جاتا ہے، نیز یہ جو پوچھا گیا ہے کہ فیصدی انعام متعین نہیں ہے، لیکن حسن کارکردگی میں ناظم صاحب کسی کو امتیازی انعام دے سکتا ہے یا نہیں ؟ اگر مدرسہ میں ایسا کوئی ضابطہ نہیں بنا ہے تو نہیں دے سکتا اور اگر ضابطہ بنا ہے تو دے سکتا ہے، نیز اگر ضابطہ بنا ہوا نہیں ہے اور دینا چاہتا ہے، تو فوری طور پر مجلس شوریٰ عاملہ کی میٹنگ میں یہ بات پاس کر لینے کے بعد دیا جاسکتا ہے، اور سوال میں یہ جو پوچھا گیا ہے، کہ مختلف شہروں کے اعتبار سے مختلف معاوضہ مقرر کیا جائے یہ بھی اس شرط کے ساتھ گنجائش ہے، جبکہ مدرسہ میں اس طرح کا ضابطہ بنا ہوا ہو کہ جس علاقہ میں فراہمی زیادہ ہوتی ہو، وہاں کے لئے زیادہ اور جہاں فراہمی کم ہوتی ہے وہاں کیلئے کم اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ دس ہزار سے لیکر پچاس ہزار سے کم پر دوگنی اور پچاس ہزار سے پچھتر ہزار تک ڈھائی گنی اس طرح تنخواہ مجہول

ہوجاتی ہے، بلکہ دوگنی تنخواہ کے علاوہ حسن کارکردگی پر پانچ فیصد یا دس فیصد انعام طے کرنے کی گنجائش ہے، اورآخر میں یہ جولکھا گیا ہے، کہ دس ہزار سے کم پر ایک ہی تنخواہ ملے گی اور دس ہزار سے زیادہ پر دوگنی تنخواہ ملے گی یہ بات درست نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں اجرت مجہول ہے، بلکہ یوں درست ہے، دس ہزار تک وصول کریں گے تو ایک ہی تنخواہ ملے گی، اس سے زیادہ کی صورت میں پانچ فیصد یا دس فیصد انعام مل سکتا ہے، یہ سارے احکام اسی حدیث شریف سے ثابت ہوتے ہیں، جو ہم نے ترمذی شریف کے حوالے سے نقل کردی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۵/۱۴۲۳ھ

کمیشن پر چندہ

سوال: [۹۶۵ ۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض مدارس میں متعین شرح فیصد کمیشن دیا جاتا ہے، اس صورت میں خرچ کے تناسب کے مقابلہ میں آمد کا تناسب بہتر رہتا ہے، سوال یہ ہے کہ کیا ایسا کرنا جائز ہوگا ؟ اور اسے العاملین علیہا کے تحت داخل مانا جائیگا؟ اگر کمیشن کی صورت کو جائز قرار دیا جائے تو کیا شرح فیصد کے تعین کی کوئی خاص حد شرعاً ضروری ہے؟

المستفتي: مجاہد الاسلام قاسمی،
فقہ اسلامی، پٹنہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر باتنخواہ ملازمین کو حسن کارکردگی کی بناء پر کچھ شرح فیصد متعین کر کے بطور انعام طے شدہ تنخواہ سے زائد دینا شرعاً جائز اور درست ہے، لیکن یہ انعام اور تنخواہ دونوں ملاکر وصول شدہ چندہ کے نصف سے کم ہی ہونا شرط ہے،

اورنصف سے کم میں کوئی بھی مقدار حسب صوابدید متعین کی جاسکتی ہے، اسلئے کہ نصف یا اس سے زائد امیر کی طرف سے مقرر کردہ عاملین کو دینا بھی جائز نہیں ہے، اس کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ میں واضح کردیا ہے۔

لکن لایزاد علی نصف مایقبضه. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف کراچی ۲/۳٤١، زکریادیوبند۲۸٦/۳)

ترجمہ: لیکن وصول شدہ کے نصف سے زائد ان کو نہ دیا جائے، اوراس کالحاظ بھی لازم ہوگا، کہ سفراء زکوٰۃ کی رقم وصول کرکے تملیک سے قبل اسمیں سے خرچ نہ کریں بلکہ خرچ کیلئے مدرسہ سے علی الحساب پیشگی رقم لے لیا کریں، اور زکوٰۃ کی وصول شدہ رقم اولاً مکمل مدرسہ میں جمع کردیں، پھر مدرسہ کے فنڈ سے اپنا حساب صاف کرلیا کریں، ورنہ تملیک فقراء کی شرط فوت ہوجاتی ہے، اور تملیک اداء زکوٰۃ کیلئے شرط ہے۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً. (شامی، کراچی ۲/۳٤٤، زکریا دیوبند۲۹١/۳)

ترجمہ: اداء زکوٰۃ کیلئے تملیک فقراء شرط ہے، اور اگر باتنخواہ ملازم نہیں ہے، تو اجارۂ فاسدہ ہونے کی وجہ سے شرح فیصد متعین کرکے صرف کمیشن کو اجرت قرار دینا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ صحت اجارہ کیلئے اجرت کا تعین شرط ہے، لہٰذا کمیشن کا یہ طریقہ جواز کے دائرہ میں نہیں آسکتا ہے۔

علامہ علاء الدین حصکفیؒ درمختار میں تحریر فرماتے ہیں۔

وشرطها کون الأجرة والمنفعة معلومتین الخ. (شامی، کتاب الاجارۃ کراچی ٦/۳٤٤، زکریا دیوبند۲۹١/۳)

ترجمہ: یعنی صحت اجارہ کیلئے منفعت اوراجرت دونوں کا متعین ہونا شرط ہے۔

صاحب ہدایہ ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں۔

لا يصح حتى تكون المنافع معلومة والأجرة معلومة . (هداية ، جيسوري ۳/ ۲۷۷، اشرفيه ديوبند ۳/ ۲۹۳) ترجمہ: یعنی اجارہ اس وقت تک صحیح نہیں ہوسکتا جب تک منفعت اوراجرۃ متعین نہ ہو۔

لہٰذا حاصل یہ نکلتا ہے، کہ باتنخواہ ملازم کیلئے بطورانعام کمیشن متعین کرنا جائز ہے اور بے تنخواہ کیلئے جائز نہیں ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۱۱/ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۵۵)

کمیشن لینے کے باوجود منکر کی امامت کا حکم

سوال: [۴۵۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان شریف میں رزوے کی حالت میں چندہ دینے والا شخص معلوم کرتا ہے کہ مولانا آپ کا اس میں کتنا کمیشن ہے یا فیصد کتنا لیتے ہوتو مولانا صاف انکارفرماتے ہیں، کہ اس میں ہمارا کوئی کمیشن نہیں ہے،اوروہ لیتے ہیں، اور مسجد میں امام بھی ہیں، ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ جواب سے نوازیں؟

المستفتي: محمد عارف انصاری،
پوربی تکیہ گڈھی،نہٹور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدارس کے چندہ کرنے والے سفراء کوحسن کارکردگی کی وجہ سے بطورانعام تنخواہ سے زائد جو پیسہ دیا جاتا ہے وہ بعینہ اسی چندہ کے پیسہ میں سے نہیں دیا جاتا ہے، جو ملازم چندہ کر کے لاتے ہیں، بلکہ اس کی شکل یہ ہوتی ہے، کہ ملازم جتنا چندہ کر کے لاتا ہے، وہ سب مدرسہ کے دفتر میں جمع ہوجاتا ہے، اورمدرسہ والے اس پیسہ کو حفاظت کیلئے بینک میں جمع کر دیتے ہیں، پھر رمضان کے بعد حساب کتاب

ہوتا ہے، پھر اس کے بعد مدرسہ والے اپنی طرف سے حسن کارکردگی کے اعتبار سے کسی کو زیادہ بطور انعام کچھ اضافی رقم دیتے ہیں، اس حساب سے چندہ کرنے والے مولانا صاحب کا یہ کہنا ہے کہ اسمیں سے ہمارا کوئی کمیشن نہیں ہے، جھوٹ نہیں ہے، چندہ کرنے والے کو جو انعام کے طور پر ملتا ہے، وہ بعینہ اسی پیسے میں سے نہیں ملتا ہے، بلکہ مدرسہ میں وہ پیسہ جمع ہو جانے کے ہفتوں بعد حساب وکتاب کے موقع پر دیا جاتا ہے، جس میں بعینہ اس پیسہ کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے، لہٰذا اگر مذکورہ مولانا صاحب حسن کارکردگی کا انعام لیتے بھی ہوں تو ان کی طرف سے جھوٹ کا ثبوت نہیں ہے، لہٰذا ان کے اوپر الزام لگا کر کے ان کی امامت کی صحت پر حملہ غیر مناسب بات ہے، اور اگر مذکورہ مولانا صاحب حسن کارکردگی کا انعام نہ لیتے ہوں تو ان کے تقویٰ کی بات ہے ان پر کسی قسم کی انگلی اٹھانے کا کسی کو حق نہیں ہے کیونکہ بہت سے علماء ایسے ہیں، جو چندہ کا پیسہ مدرسہ میں جمع کرنے کے نتیجے میں کوئی پیسہ نہیں لیتے ہیں، نہ انعام کے طور پر لیتے ہیں، اور نہ ہدیہ کے طور پر لیتے ہیں،

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ . فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ . فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ . (الأية: سورۂ صافات: ۸۸، ۸۹، ۹۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۳؍ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۳۱)	۱۴؍۱۱؍۱۴۳۳ھ

کمیشن پر چندہ کی دو صورتیں

سوال: [۴۵۷۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) بعض حضرات جو مدارس میں چندہ کرنے کی ملازمت پر مامور ہیں، اور ان کی ماہوار تنخواہ بھی متعین رہتی ہے، اس کے باوجود وہ لوگ کمیشن طے کر کے چندہ کرتے ہیں، مثلاً سو روپئے میں سے دس روپئے دیں گے تو ہم اتنی اتنی رقم جمع کریں گے، اس صورت میں چندہ کروانے والے ذمہ داران مدارس کا یہ خیال ہوتا ہے، کہ اس ترکیب سے مدرسہ کو

مالی نفع زیادہ سے زیادہ ہوگا، اور روپیہ زکوٰۃ صدقات وغیرہ کا جمع ہوتا رہے گا اور چندہ کرنے والے اس رقم کو مدرسہ میں داخل کرنے سے پہلے کمیشن نکال کر بقیہ رقم مدرسہ میں دیتے ہیں۔ مدلل جواب سے نوازیں؟

(۲) دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ چندہ کرنیوالوں میں سے کسی نے مثلاً اگر ایک ہزار روپئے لے آیا تو مدرسہ والے بطور انعام اس چندہ کنندہ کو ہر ہزار پر سو روپئے دیتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ پہلی صورت میں شرعی حکم کیا ہے؟ اور دوسری صورت میں کوئی قباحت تو نہیں ہے؟ تفصیل سے مدلل بحوالہ کتب تحریر فرمائیں؟

المستفتي: محمد ابرار الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کمیشن پر چندہ کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) چندہ کرنے والے تنخواہ دار ملازم نہ ہوں، تو ایسی صورت میں کمیشن پر چندہ اجارہ فاسدہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے، کیونکہ اجارہ میں اجرت کا معلوم ومتعین ہونا شرط ہے۔

عن أبی سعید الخدری رضؓ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن استئجار الأجیر حتیٰ يبين له أجرة. الحديث: (مسند أحمد بن حنبل ۳/۵۹، رقم: ۱۱۵۸۶)

ومنها أن تكون الأجرة معلومة الخ. (عالمگیری، کتاب الإجارة زکریا دیوبند ٤/۴۱۱، الباب الأول فی تفسیر الإجارة الخ، جدید زکریا دیوبند ٤/٤٤۱)

(۲) چندہ کرنے والا تنخواہ دار ملازم ہو تو تنخواہ کے علاوہ کمیشن مقرر کرنا شرعاً جائز ہے، اور یہ شرعی طور پر انعام میں شمار ہوتا ہے، لیکن یہ کمیشن زکوٰۃ کے پیسہ سے دینا جائز نہیں ہے، نیز زکوٰۃ کی رقم میں سے کاٹ لینا بھی جائز نہیں ہے، بلکہ اولاً مدرسہ میں زکوٰۃ کا پیسہ جمع کرنا چاہئے پھر مدرسہ اپنے امدادی فنڈ سے ادا کردے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۱۲۲)

(۳) اگر پہلے سے طے نہیں کیا ہے، اور تنخواہ دار ملازم ہے تو حسن کارکردگی کی وجہ سے ہزار میں سو روپیہ دینا جائز ہے اور اگر تنخواہ دار نہیں ہے تو جائز نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۱۱/ ۱۴۱۲ھ

تنخواہ دار ملازم کو فیصدی انعام دینا

سوال: [۴۵۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اس دور میں ارباب مدارس رمضان میں محصلین کو علاوہ اخراجات سفر کے کچھ کمیشن دیتے ہیں ۲۰/ فیصد یا ۲۵/ فیصد کے حساب سے تو یہ باعتبار شرع لینا اور دینا کیسا ہے؟ دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ کچھ حضرات نصف پر وصول کا کام کرتے ہیں، یعنی نصف مدرسہ کا اور نصف محصل کا اور اسی نصف میں اس کا تمام خرچہ بھی شامل ہوتا ہے، تو یہ رقوم محصلین کیلئے جائز ہوں گی یا نہیں؟ جواب سے نوازیں؟

المستفتي: بشیر احمد قاسمی، بھوجپور، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر محصل تنخواہ دار ملازم ہے تو اسکی حسن کارکردگی پر تنخواہ کے علاوہ اپنے امدادی فنڈ سے فیصدی انعام دینا درست ہے، لیکن حصول کردہ زکوٰۃ کی پوری رقم پہلے جمع کرلینی ہوگی اور اگر محصل تنخواہ دار ملازم نہیں ہے، تو کمیشن پر چندہ اجارۂ فاسدہ کی وجہ سے درست نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۱۳۳، فتاویٰ دار العلوم ۱/ ۳۳۴)

عن أبی سعيد الخدری رضی الله عنه أن النبی صلی الله علیه وسلم نهی عن استئجار الأجير حتیٰ يبين له أجرة. (المراسيل لأبي داؤد / ۱۰، رقم ۱۸۱)

لا يصح حتى تكون المنافع معلومةً والأجرةً معلومةً. (هدايه، كتاب الإجارة جيسوری ۳/ ۳۷۷، اشرفيه ديوبند ۳/ ۲۹۳)

وشرطها أن تكون الأجرة والمنفعة معلومتين، لأن جهالتهما تفضی إلیٰ المنازعة. (البحر الرائق، زكريا ديوبند ۷/ ۵۰۷، كوئٹه ۷/ ۲۹۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۱۳/۴۰۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۵/۱۴۱۵ھ

زکوٰۃ کے پیسہ سے انعام کا لینا

سوال: [۴۵۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دینی مدرسہ میں مستحقین طلبہ کے خوردونوش کا بھی نظم ہے تو کیا مستقل مدرس رمضان کے مہینہ میں فراہمی چندہ کمیشن پر کرسکتا ہے؟ دوسرے یہ کہ کیا مہتمم وصول کردہ رقم سے اس کو انعام دے سکتے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کمیشن پر چندہ کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ اگر تنخواہ دار ملازم ہے تو اس کی حسن کارکردگی کی وجہ سے تنخواہ کے علاوہ کچھ فیصدی انعام دینا جائز ہے، لیکن زکوٰۃ کے پیسہ سے دینا جائز نہیں ہے بلکہ زکوٰۃ کا پیسہ مدرسہ میں جمع کرنا لازم ہے اور یہ انعام مدرسہ اپنے امدادی فنڈ سے دے سکتا ہے، اور اگر تنخواہ دار ملازم نہیں ہے، تو کمیشن پر چندہ اجارۂ فاسدہ اور اجرت کے مجہول ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/۲۷۶، ایضاح المسائل/۱۲۲)

عن أبی سعید الخدری رضی أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن إستئجار الأجیر حتیٰ یبین له أجرة. الحدیث: (مسند أحمد بن حنبل ۳/۵۹، رقم: ۱۱۵۸۶)

وتفسد (الإجارة) بجهالة المسمّیٰ کله وبعضه. (الدر المختار، کتاب الإجارة، قبیل مطلب فی إجارة البناء کراچی ۶/۴۸، زکریا دیوبند ۹/۶۶)

الإجارة تفسد بجهالة المسمیٰ کله أو بعضه. (الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۱۵/۲۵۸)

ولو دفع غزلاً لآخر لینسجه له بنصفه أو استاجر بغلا لیحمل طعامه ببعضه (إلیٰ قوله) فسدت فی الکل. (الدر مع الرد، زکریا دیوبند ۹/۷۹، کراچی ۶/۵۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

كتبه: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ ؍رجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۸/۲ھ

اجرت پر چندہ کرنا

سوال: [۴۵۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کسی مدرسہ کا ذمہ دار ہے اور وہ رمضان المبارک میں تقریباً ۳۵، ۳۰ ؍ہزار روپئے وصول کر کے لاتا ہے، وصولیابی پر جو صحیح خرچ ہوتا ہے، اس کا مکمل حساب مدرسہ میں دیتا ہے، اسمیں کسی طرح کی خیانت نہیں کرتا ہے، لیکن وصول کی ہوئی پوری رقم کو مدرسہ کے ناظم کے پاس جمع کر دیتا ہے، پھر چار ہزار روپئے بطور انعام یا کمیشن کے لیتا ہے، اور خرچ کو رجسٹر پر درج کر دیتا ہے، اس میں پرسینٹ پر چندہ کرنیکی بات نہیں ہوتی ہے بلکہ کل رقم سے چار ہزار روپیہ لیتا ہے، باقی معلمین کو منتظمین پرسینٹ کے حساب سے دیتے ہیں، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا عمل شرع کی روشنی میں کیسا ہے؟

المستفتي: محمد احمد، مدرسہ اسلامیہ بشیریہ، سکرھٹہ، کلاں، بھوجپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: صورت مذکورہ میں زید کا رقم لینا جائز ہے، کیونکہ بطور تنخواہ کے ہے، لہٰذا رقم طے ہونے کی وجہ سے اجارہ صحیح ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۱۲۲)

لا يصح حتى تكون المنافع معلومة والأجرة معلومة. (هدايه، كتاب الإجارة جيسوري ۳/ ۲۷۷، اشرفيه ديوبند ۳/ ۲۹۳)

باقی معلمین کو منتظمین کا پرسینٹ کے حساب سے دینا درست اور جائز نہیں ہے۔

(مستفاد: ایضاح المسائل ۱۲۲، ہدایہ ۳/ ۲۷۷، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/ ۵۲۴، ۱۴/ ۱۷۷، ۱۰/ ۲۲۳، ۴/ ۲۷۴، ۱۳/ ۱۰۱، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۲۸، ۱۵/ ۵۶۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/۵/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۲۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۶/۱۴۲۰ھ

غیر ملازم کا نصفا نصفی کمیشن پر چندہ کرنا

سوال: [۴۵۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدارس اسلامیہ جنکے اخراجات عموماً چندہ کے ذریعہ جمع شدہ مختلف مدات کی رقومات سے پورے ہوتے ہیں، فراہمی مالیات کیلئے ایک طریقہ یہ بھی چل رہا ہے، کہ چندہ کرنے والا نہ ملازم ہے ادارہ کا اور نہ ہی ذمہ دار یا رکن، وہ اس طریقہ پر چندہ کرتا ہے کہ مثلاً ایک ماہ میں اس نے کام کیا جب جی چاہا اور جتنا جی چاہا اب موصولہ رقم میں سے زادِ راہ مصارف طعام کا خرچ نکال کر باقی ماندہ رقم نصف مدرسہ کو اور نصف اپنے حق اجرت (خدمت) میں رکھتا ہے یا رکھنا چاہتا ہے۔

مذکورہ صورت حال شرعی نقطہ نظر سے کس درجہ میں داخل ہے، جواز یا عدم جواز بصورت عدم جواز آپ کی نظر میں جواز کیلئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے ایسے غیر تنخواہ دار ملازم کیلئے مفصل بیان فرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتي: محمد عبد اللہ، ڈرھیال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال میں ذکر کردہ طریقہ سے کمیشن پر چندہ جائز نہیں ہے، اور جو آدمی تنخواہ دار ملازم نہیں ہے، اس کے لئے فیصد کے حساب سے چندہ کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اجرت مجہول ہے، نیز ناجائز ہونے کے ساتھ ساتھ نصفا نصفی کی بات کرنا انتہائی غلط طریقہ ہے، چندہ دھندگان کو اس کا علم ہو جائے تو ایک پیسہ کا چندہ نہیں دیں گے اس لئے کہ چندہ دہندگان مدرسہ کیلئے چندہ دیتے ہیں، اور وصول کرنے والا اس کا آدھا لے جائے گا، تو مدرسہ کو کیا ملے گا اس میں چندہ دہندگان

کو سخت ترین دھوکہ میں رکھنا لازم آتا ہے، جو قطعی طور پر جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اس کے لئے صحیح طریقہ یہی ہے کہ چندہ وصول کرنے والا باضابطہ تنخواہ دار ملازم ہو اور سارا چندہ لاکر کے مدرسہ کے دفتر میں مکمل طور پر جمع کردے اس کے بعد دفتر سے اپنا سفر خرچ اور کھانے وغیرہ کا خرچ وصول کر لے اور مدرسہ حسن کارکردگی کی بناء پر پانچ فیصد، دس فیصد کے حساب سے بطور انعام دیدے تو اسکی گنجائش ہے اور ماہانہ متعین تنخواہ الگ سے ملتی رہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر/۲۳۱، ۲۳۲، محمودیہ میرٹھ ۳۲/ ۲۱۹، امداد المفتیین کراچی /۴۵۷ تا ۴۶۱، فتاویٰ احیاء العلوم ۱/ ۳۴۴)

عن أبی سعید الخدری ؓ أن النبی ﷺ نهی عن استئجار الأجیر حتیٰ یبین له أجرة. الحدیث: (مسند أحمد بن حنبل ۳/ ۵۹، رقم: ۱۱۵۸۶)

وشرطها کون الأجرة ...... والمنفعة معلومتین. (شامی، کتاب الاجارة، زکریا دیوبند ۹/ ۷، کراچی ۶/ ۵)

لا یصح حتی تکون المنافع معلومة والأجرة معلومة . (هدایه، جیسوری ۳/ ۲۷۷، اشرفیه دیوبند ۳/ ۲۹۳، ومثله فی الهندیة ، زکریا دیو بند ۴/ ۴۱۱، جدید زکریا دیوبند ۴/ ۴۴۱، مجمع الأنهر مصری قدیم ۲/ ۳۶۹، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/ ۵۱۲، زیلعی امداد یه ملتان ۵/ ۱۰۵، زکریا دیوبند ۶/ ۷۷، البحرالرائق، زکریا دیوبند ۷/ ۵۰۷، کوئٹه ۷/ ۲۹۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۱/۱۴۳۵ھ

پرسینٹ پر چندہ کرنا

سوال: [۴۵۷۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چندہ

کرنے والے پرسینٹ لیتے ہیں، یامدرسہ والے دیتے ہیں، یہ کس طرح درست ہوسکتا ہے؟ جواب سےنوازیں کرم ہوگا؟

المستفتی: محمد اعلم، مدرسہ تعلیم القرآن، کندرکی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پرسینٹ پر چندہ کرنے والے دوقسم پر ہیں۔

(۱) جو مدرسہ کے باضابطہ تنخواہ دار ملازم نہیں ہیں، تو ایسے شخص کا پرسینٹ پر چندہ کرنا یامدرسہ والوں کا پرسینٹ پر چندہ کرانا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ یہ اجارۂ فاسدہ ہے جس کی اجرت متعین نہیں ہوتی ہے، اوراجارہ میں اجرت کامتعین ہوناشرط ہے۔

وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين، لأن جهالتهما تفضي إلىٰ المنازعة. (شامی، کتاب الاجارۃ کراچی ٦/٥، زکریا٩/٧)

(۲) مدرسہ کے باضابطہ تنخواہ دار ملازم ہو اس کوحسن کارکردگی کی بناپر پانچ یا دس پرسینٹ کےحساب سےانعام دیاجائے یہ شرعاً جائز اور درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۰۱۲/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۴/۴/۲۲ھ

غیر تنخواہ دار ملازم کا کمیشن پر چندہ کرنا

سوال: [۴۵۷۷]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص مدرسہ میں باقاعدہ تنخواہ دار ملازم نہیں ہے، صرف کمیشن پر مدرسہ کا چندہ کرتا ہے، لیکن سفرخرچ کھاناخرچ اورکمیشن وغیرہ سب پہلے طے کرلیتا ہے، توکیاایسا کرنا درست ہے یانہیں؟ پھرایسے شخص کی امامت درست ہے یانہیں؟

المستفتي: اشہد، جامع مسجد ملنگا چک، پٹنہ، بھاگلپور، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جوشخص باقاعدہ تنخواہ دار ملازم نہیں ہے، اسکا کمیشن پر چندہ کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اسمیں اجرت متعین نہیں ہوتی ہے، اور اجارہ میں اجرت کا متعین ہونا لازم ہوتا ہے، اس لئے یہ اجارۂ فاسدہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين الخ. (شامی، کتاب الاجارۃ، زکریا دیوبند ۹/ ۷، کراچی ۶/ ۵)

اورسوال میں یہ بھی پوچھا گیا ہے کہ ایسے شخص کی امامت درست ہے یا نہیں؟ اس پر سوال یہ ہے کہ سائل نے ساتھ میں یہ کیوں نہیں پوچھا کہ مدرسہ کے جو ذمہ داران کمیشن پر چندہ کرواتے ہیں، ان کی امامت بھی درست ہے یا نہیں؟ کیونکہ معاملہ فاسدہ اختیار کرنے میں دونوں طرف کے لوگ برابر کے شریک ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۱/۲۱ھ

رسید کاٹنے والا انعام کا مستحق ہے

سوال: [۴۵۷۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ کے ایک استاذ ایک مقام پر سالانہ چندہ کیلئے جاتے ہیں، اس مقام کے ایک صاحب مدرسہ کا معائنہ کرنے کیلئے مدرسہ میں حاضر ہوئے اور مدرسہ کے مہتمم صاحب سے رشتہ داری بھی ہے ان کے کہنے سننے کا بھی اثر تھا، اور استاذ صاحب نے بھی مدرسہ کا مکمل تعارف کرایا تو انہوں نے رمضان میں مدرسہ کو موٹی رقم دینے کا وعدہ فرمایا، چنانچہ وہ استاذ جو سالانہ اس مقام پر چندہ کیلئے جاتے ہیں، وہ ان سے ملے، اور انھوں نے وہ رقم ان کو دیدی اور استاذ صاحب نے رسید بنا کر ان کے حوالے کردی اب اس رقم پر انعام واکرام کا استاذ مستحق ہے یا نہیں؟ تفصیلی جواب مرحمت فرمادیا جائے، نوازش ہوگی۔

المستفتي:عبدالرحمٰن، ٹانڈہ، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس مدرس یا ملازم نے رسید کاٹی ہے اسی کی کارکردگی شمار ہوگی مہتمم یا ذمہ دار کے تعلقات کی وجہ سے اس کی کارکردگی اور اس کا حلقہ متأثر نہیں ہوگا اور یہی بڑے بڑے مدارس میں عرف اور ضابطہ ہے۔

الثابت بالعرف كالثابت بالنص . (رسم المفتى ، دارالكتاب ديوبند/ ۱۷٦)

عن ابن عوف المزني عن أبيه عن جده أن رسول الله ﷺ قال الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحاً حرم حلالاً أو أحل حراماً ، والمسلمون على شروطهم إلا شرطاً حرم حلالاً أو أحل حراماً . (ترمذى ، الأحكام ، باب ماذكر عن رسول الله ﷺ فى الصلح بين الناس ، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام رقم: ۱۳۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ذیقعدہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۳۹۳/۳٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱۱/۷ھ

پچاس فیصد کمیشن پر چندہ کرانے کا حکم

سوال: [۴۵۷۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض مدارس اسلامیہ پچیس یا پچاس فیصد کمیشن پر چندہ کراتے ہیں، اس کا جواز کہاں تک ہے؟

المستفتي: مولوی ظہیر احمد، مدرسہ انوار العلوم جویا، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پچاس فیصد یا اس سے زائد شرح فیصد کمیشن پر چندہ کا معاملہ طے کرنا کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے، اسی طرح جو تنخواہ دار ملازم نہیں ہے، اس کو بھی

فیصد کمیشن پر چندہ کے لئے مقرر کرنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ تنخواہ دار ملازم کو حسن کارکردگی کی وجہ سے فیصد متعین کرکے انعام دینا جائز ہے بشرطیکہ اس کی تنخواہ اور انعام دونوں ملاکر پچاس فیصد سے کم ہو۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۵۶، ایضاح المسائل/ ۱۲۲، فتاویٰ محمودیہ ا/ ۵۲۴)

لا يصح حتى تكون المنافع معلومة . (هدايه ۳/ ۲۷۷، اشرفی ديو بند۳/ ۲۹۳)

وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين . (الدر مع الرد، كتاب الاجارة كراچی ۶/ ۵، زكريا ديوبند ۹/ ۷)

فلا يزاد على النصف . (هنديه ، كتاب الزكاة، الباب السابع فی المصارف زكريا ۱/ ۱۸۸، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۲۴۹، ومثله فی الفقه الإسلامی وأدلته هدیٰ انٹرنیشنل ديوبند ۲/ ۷۸۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۵/ ۹۲، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالكتاب ديوبند/ ۷۲۰)

لكن لايزاد على نصف مايقبضه . (شامی، كراچی ۲/ ۳۴۱، زكريا ديوبند۳/ ۲۸۶)

إلا إذا استغرقت كفايته الزكاة فلا يزاد على النصف ؛ لأن التنصيف عين الإنصاف . (البحرالرائق ، كوئٹه ۲/ ۲۴۱، زكريا ۲/ ۴۲۰، تبيين الحقائق ، مكتبه امداديه ملتان ۱/ ۲۹۷، زكريا ۲/ ۱۱۴، مجمع الأنهر مصری قديم ۱/ ۲۲۰، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۲۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ۶/ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ۶/ ۱۴۱۷ھ

کمیشن یا انعام پر چندہ کرانے کا حکم

سوال: [۴۵۸۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سفراء سے کمیشن پر چندہ کرانا کیسا ہے؟ اس کے عدم جواز کی صورت میں چندہ کرنے

والوں کی محنت کوملحوظ رکھ کر انعام دینا جائز ہوگا یانہیں؟ دونوں شکلوں کی وضاحت فرما کر مسئلہ کی وضاحت فرمائیں کرم ہوگا؟

المستفتي: مسعود احمد، متعلم دارالعلوم، دیو بند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جولوگ مدارس کے باتنخواہ ملازم نہیں ہیں، ان کا محض کمیشن پر چندہ کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ معاملہ اجارہ ہے اوراجارہ میں اجرت کا متعین ہونا لازم ہوتا ہے، ہاں البتہ جولوگ مدارس میں باتنخواہ ملازم ہیں، ان کو حسن کارکردگی کی بناپر بطورانعام فیصد کے حساب سے دینا جائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر حصہ دوم۲/۵۵،احسن الفتاویٰ ۷/۲۷۶)

عن أبي سعید الخدریؓ **قال: نهی عن عسیب الفحل، زاد عبید اللّٰه وعن قفیز الطحان.** (دار قطنی، کتاب البیوع دارالکتب العلمیة بیروت۳/۴۲، رقم: ۲۹٦٦، السنن الکبریٰ للبیهقی، دار الفکر ۸/۲۵۰، رقم: ۱۱۰۰۸)

قال في التنویر وشرحه ولو دفع غزلاً لینسجه بنصفه أی الغزل، أو استأجر بغلاً لیحمل طعامه ببعضه إلیٰ قوله. (فسدت فی الکل لأنه استأجره بجزء من عمله والأصل فی ذلک نهیهٔ صلی اللّٰه علیه وسلم: عن قفیز الطحان. (شامی، کتاب الاجارة، زکریا۹/۷۹، کراچی ٦/۵۷)

وشرطها کون الأجرة والمنفعة معلومتین ...... (شامی، کراچی کتاب الإجارة ٦/۵، زکریا۹/۷، هدایه جیسوری ۳/۲۷۷، اشرفیه دیوبند۳/۲۹۳)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۴۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۳/۸ھ

سال میں پچاس ہزار روپئے کے وصولیابی کی شرط پر سفیر کی تنخواہ مقرر کرنا

سوال: [٤٥٨١]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مدرسہ والوں نے ایک سفیر ملازم رکھا اس کا کوئی کمیشن نصف یا ثلث یا ربع تو متعین نہیں کیا مگر یہ کہا کہ آپ کی تنخواہ شہریہ ٣٥٠٠/ روپیہ ہوگی مگر رمضان میں آپ کو پچیس ہزار اور پچیس ہزار بقیہ سال میں گویا کہ پورے سال میں مدرسہ کو پچاس ہزار روپیہ موصول ہونا چاہئے، اگر رمضان میں رقم مذکورہ سے کم رہی تو بقیہ سال میں اسکو پورا کردے تو اس طرح تنخواہ پر سفیر کو رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: اکبر علی، امام علی مسجد، شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ میں چندہ کیلئے ایک سال میں پچاس ہزار روپیہ کی وصولیابی کی شرط پر سفیر کی تنخواہ مقرر کرنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر اس طرح کی شرط لگائی جائے کہ اگر پچاس ہزار روپیہ سے زیادہ لائے گا، تو اس پر حسن کارکردگی کا انعام دیا جائے گا، اور اگر کم لائے گا تو مقررہ تنخواہ دی جائیگی تو اس صورت میں گنجائش ہے۔

تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد فكل ما أفسد البيع ...... يفسدها كجهالة مأجور أو أجرة . (شامی، کتاب الإجارة، کراچی ٦/ ٤٦، زکریا دیوبند ٩/ ٦٤)

ولايصح حتىٰ تكون المنافع معلومة والأجرة معلومة لما روينا لأن الجهالة في المعقود عليه وفي بدله تفضى إلىٰ المنازعة كجهالة الثمن والمثمن في البيع . (ھدایہ آخرین، جیسوری ٣/ ٢٧٧، اشرفیہ دیوبند ٣/ ٢٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۴۰۹/۳۶)

آدھا آدھا چندہ تقسیم کرنے کی شرط پر چندہ کرانا

سوال: [۴۵۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ کے تنخواہ دار استاذ یا ملازم یا کسی اجنبی شخص کو اس شرط پر چندہ کیلئے بھیجنا کہ ہم مدرسہ کی طرف سے سفر خرچ دیں گے، (یعنی صرفہ کرایہ) دیں گے اور پھر اسکے بعد جو روپیہ تم چندہ کرو گے وہ آدھا مدرسہ کا اور آدھا تمہارا ہوگا، کیا یہ صورت جائز ہے؟

المستفتي: عبدالقادر، مدرسہ قاسمیہ
پانچ گچھیہ رام گنج، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آدھا آدھا چندہ تقسیم کرنے کی شرط پر تنخواہ دار کو یا کسی بھی اجنبی شخص کو چندہ کیلئے بھیجنا جائز نہیں ہے، نیز اجنبی شخص کو کسی بھی طرح کمیشن پر چندہ کیلئے بھیجنا جائز نہیں ہے، البتہ مدرسہ کے تنخواہ دار استاذ یا ملازم کو اس شرط کے ساتھ چندہ کیلئے روانہ کرنا جائز ہے، کہ حسن کارکردگی کی صورت میں طے شدہ تنخواہ کے علاوہ دس فیصد، پندرہ فیصد یا زیادہ سے زیادہ بیس فیصد انعام دیا جائے گا، اور اس سے زیادہ انعام صرف منھ بولا انعام ہے، حقیقت میں وہ انعام نہیں ہے تو اس حدود کے دائرے میں رہ کر تنخواہ دار افراد کو چندہ کیلئے روانہ کرنا جائز ہے یاد رکھیں کہ تنخواہ اور انعام دونوں ملا کر نصف کے اندر اندر رہونا لازم ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر/ ۵۵)

تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد ..... كجهالة مأجور أو أجرة أومدة أو عمل. (الدرمع الرد، كتاب الإجارة، زكريا ديوبند ٩/ ٦٤، كراچی ٦/ ٤٦)

لاتصح حتىٰ تكون المنافع معلومة والأجرة معلومة. (هدايه، جيسورى

۳/ ۲۷۷، اشرفیه دیوبند ۳/ ۲۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۶۰)

چندہ کرنے والوں کو کمیشن دینا

سوال: [۴۵۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ یا مسجد کا چندہ کرنے والے نے کمیشن طے کیا جسمیں دو قسم کے لوگ تھے، ایک وہ جو مدرسہ کے مدرس تھے، دوسرے محلّہ کے عام آدمی تھے، دونوں کیلئے کمیٹی نے چالیس فیصد کمیشن طے کیا تو کیا چندہ کرنے والوں کیلئے اس طرح کمیشن دینا جائز ہے؟ اور کمیشن کتنے فیصد تک جائز ہوسکتا ہے؟

المستفتي: نصیرالدین، نور پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: مسجد کیلئے کمیشن پر چندہ کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے، اور مدرسہ کیلئے ایسے آدمی کا کمیشن طے کرکے چندہ کرنا جائز نہیں ہے، جو مدرسہ کا پہلے سے ملازم نہیں ہے، کیونکہ یہ اجارۂ فاسدہ ہے جس کی اجرت طے نہیں۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۵۶، احسن الفتاویٰ ۷/ ۲۷۶)

وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين. (درمختار على هامش ردالمحتار، كتاب الإجارة زكريا ۹/ ۷، كراچی ۶/ ۵، وهكذا فى الموسوعة الفقهية الكويتية ۱ ۳/ ۱۵۸، مجمع الأنهر مصرى قديم ۲/ ۳۶۹، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۵۱۲)

ہاں البتہ اگر مدرسہ کا مستقل ملازم جس کو باقاعدہ مدرسہ سے تنخواہ ملتی ہے، وہ اگر چندہ کرتا ہے، اور وصولیابی میں اچھا کارنامہ انجام دیتا ہے، تو حسن کارکردگی کی وجہ سے حوصلہ افزائی کے واسطے تنخواہ کے علاوہ کچھ فیصد بطور انعام دے دیا جائے، تو اسکی گنجائش ہے۔

لكن لايزاد على نصف ماقبضه ، كما يأتي الخ. (شامی، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند۳/ ۲۸۵، كراچی ۲/ ۳٤۱، وهكذا في الهندية ۱/ ۱۸۸،جديد زكريا ديوبند۱/ ۲٤۹، حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، دارالكتاب ديوبند/ ۷۲۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۱/۲/۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۱۴ھ

کمیشن پر چندہ کرنے سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال: [۴۵۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اہل مدارس کا کمیشن پر چندہ کرنا اور کرانا کیسا ہے؟ بعض سفراء جو سال بھر کمیشن پر ہی چندہ کرتے رہتے ہیں، اور اہل مدارس ان سے کمیشن پر چندہ کرواتے ہیں، مثلاً ایک ہزار روپئے پر سفیر کو ایک سو روپئے کمیشن، اگر صدقات کے ڈبے ہوں تو ایک ڈبے کے چار سو روپئے یا فی صد متعین ہوتے ہیں، اس صورت میں کیا اہل مدارس کے لیے یہ چندہ جائز ہے؟ اور سفراء کا کمیشن لینا صحیح ہے؟ نیز کمیشن پر اہل مدارس کو طلبہ فراہم کرنا کیسا ہے؟ مثلاً ایک طالب علم کو مدرسہ میں لاکر داخلہ کروانے پر ارباب مدارس ایک ہزار روپئے کمیشن فی طالب علم دیتے ہیں؟ ان ارباب مدارس کا اس طرح مدرسہ کے مال میں تصرف کرنا اور کمیشن پر داخلہ کروانے والے کا کمیشن لینا کیسا ہے؟

المستفتی: حافظ لئیق میرا دگاؤں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو سفراء مدارس کے تنخواہ دار ملازم نہیں ہیں، صرف کمیشن پر ہی ان کو رکھا گیا ہے، تو صرف کمیشن پر چندہ کرنا اور کروانا جائز نہیں؛ اس لئے کہ یہ اجرت کا معاملہ ہے اور اجارہ میں اجرت کا متعین ہونا لازم ہوتا ہے؛ اس لئے یہ اجارۂ فاسدہ

ہے ایسی صورت میں کمیشن کا معاملہ فاسد ہونے کی وجہ سے طے شدہ کمیشن درست نہ ہوگا، بلکہ ان سفراء کو اجرت مثل دینا لازم ہوگا، اس کے برخلاف جو مدارس کے تنخواہ دار ملازم ہیں وہ چندہ کر کے لاتے ہیں، اور ان کو مدارس کی طرف سے دس فیصد بطور انعام دیا جاتا ہے، وہ جائز اور درست ہے وہ کمیشن نہیں ہوتا ہے بلکہ انعام ہوتا ہے، سوالنامہ میں ایک بات یہ پوچھی گئی ہے کہ کمیشن پر طلبہ فراہم کرنا کیسا ہے؟ مثلاً ایک بچہ کو مدرسہ میں داخل کرانے پر ارباب مدارس فی بچہ کمیشن کے طور پر کچھ رقم دیتے ہیں یہی عمل اسکولوں میں بھی ہوتا ہے، اصولی طور پر اس طرح کمیشن پر معاملہ جائز نہیں ہے، نیز اس میں تعامل ناس اور حاجت ناس بھی نہیں ہے، اس لئے یہ معاملہ جائز نہیں ہے۔

تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد فكل ما أفسد البيع مما مر يفسدها كجهالة مأجور أو أجرة أومدة أوعمل وكشرط طعام عبد وعلف دابة ومرمة الدار أو مغارمها وعشر أو خراج أو مؤنة رد، أشباه .

(شامی، کراچی ٦/٤٦، زکریا ٩/٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۹۷۴/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۴/۳ھ

زکوٰۃ کی رقم بنام انعام سفیر کو دینا

سوال: [۴۵۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید مدرسہ کا ملازم نہیں تھا مہتمم مدرسہ اور زید کے درمیان یہ بات طے پائی کہ تم رمضان شریف میں ہمارے مدرسہ کا چندہ کرو کرایہ آمد ورفت تم کو مدرسہ کی طرف سے دیا جائیگا، اور انعام بھی ملیگا، زید نے رمضان شریف میں مدرسہ مذکورہ کا چندہ فراہم کیا تو مہتمم مدرسہ نے زید کو کرایہ آمد ورفت اور ایک رقم بنام انعام بلا تملیک اسی رقم سے دی جو زید نے مہتمم مدرسہ کو

دی تھی، اور اس رقم میں زکوٰۃ امداد فطرہ سب شامل تھے، مروجہ کمیشن والی صورت طے نہیں ہوئی تھی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کیلئے اس رقم کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ بصورت ثانی اس رقم کو اگر زید نے خرچ کرلیا تو واجب الاعادہ ہے یا نہیں؟ زید کا یہ ارادہ ہے کہ اس رقم کو مدرسہ میں واپس کردے؟

المستفتي: عبدالقادر، بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ معاملہ دو خرابیوں کی وجہ سے ناجائز ہے۔

(۱) یہ اجارۂ فاسدہ ہے، اسلئے کہ بنام انعام جو کچھ دینے کی بات ہوئی ہے وہ دراصل اجرت ہے چاہے اس کا نام انعام رکھا ہو اور اجارہ میں اجرت کی تعیین شرط ہے، جو یہاں مفقود ہے۔

ولا يصح حتى تكون المنافع معلومة والأجرة معلومة الخ.

(هدايه، كتاب الاجارة، جيسوری ۳/ ۲۷۷، اشرفيه ديوبند۳/ ۲۹۳)

(۲) زکوٰۃ کی رقم کو اجرت میں دینا جائز نہیں، نیز بلا تملیک غیر مصرف کو دینے سے زکوٰۃ بھی ادا نہیں ہوتی اور لینے والے کو جب معلوم ہے کہ زکوٰۃ کی رقم بلا تملیک دی جارہی ہے، تو لینا بھی جائز نہیں ہے۔

وإن أعطاه الأجر وقبضه لايحل له ويجب عليه ردهٗ الخ. (زيلعی، كتاب الاجارة، باب الاجارة الفاسدة، امداديه ملتان۵/ ۱۲۵، زكريا ديوبند٦/ ۱۱۹، البحرالرائق، كوئٹه ۸/ ۲۰، زكريا ۸/ ۳۵، مجمع الانهر قديم ۲/ ۳۸٤، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۵۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍صفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵٦۲۹/۳۳)

کیا چندہ پر کمیشن لینا ازروئے شرع درست ہے؟

سوال: [۴۵۸۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل مدارس اسلامیہ میں رمضان شریف میں یا اس کے علاوہ مدرسین صاحبان جو چندہ فراہم کرتے ہیں، اس پر چندہ کرنے والے حضرات کہیں مدارس میں ۲۵/فیصد کہیں ۲۰/فیصد کہیں ۱۵/فیصد کمیشن مدرسہ سے لیتے ہیں، مقررہ تنخواہ کے علاوہ اور آمدورفت طعام وغیرہ کا خرچہ منجانب مدرسہ رہتا ہے، کیا یہ کمیشن مدرس کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد عارف انصاری،
پوربی تکیہ گڈھی، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: باتنخواہ ملازم کو حسن کارکردگی کی وجہ سے شرح فیصد متعین کر کے بطور انعام طے شدہ تنخواہ سے زائد دینا شرعاً درست ہے، لیکن اس کی تنخواہ اور انعام دونوں وصول شدہ چندہ کے نصف سے کم ہی ہونا شرط ہے اور نصف سے کم میں کوئی بھی مقدار حسب صوابدید متعین کی جاسکتی ہے، اس لئے کہ نصف سے زائد امیر کی طرف سے متعین کردہ عاملین کو دینا بھی جائز نہیں۔

لكن لايزاد على نصف مايقبضه. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا دیوبند ۳/۲۸۶، کراچی ۲/۳۴۱)

نیز سفراء تملیک سے قبل اس میں سے خرچ نہ کریں۔ (مستفاد: ایضاح النوادر/ ۲۳۱)

وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين. (الدر المختار، کتاب الاجارۃ کراچی ۶/۵، زکریا دیوبند ۹/۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۱۱/۱۴۳۳ھ

کمیشن پر چندہ اور فیصدی انعام

سوال: [۴۵۸۷]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلۂ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) سفراء مدارس اسلامیہ جن کی مدرسے کی جانب سے کوئی تنخواہ مقرر نہیں ہے کمیشن پر چندہ کرتے ہیں، یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟

نوٹ:۔ چندے میں زکوٰۃ ،عطیہ،صدقہ سب مشترک ہوتے ہیں اس میں سے کمیشن لیتے ہیں۔

(۲) سفراء مدرسہ جب صرف چندہ کرنے کیلئے ملازمت کرتے ہیں، ان سے طے کرلیا جاتا ہے کہ سالانہ اتنی رقم پر اتنا انعام ملے گا ، اس طرح تعین رقم سفیر صاحب کو بتلا دیا جاتا ہے، کہ جتنی رقم زیادہ اتنا انعام زیادہ ہوگا،لہذا یہ طریقہ جائز ہے، یا نہیں؟

(۳) آپ مدرسہ شاہی کے دفتر سے معلوم فرما کر یہ بات کہ سفیر کی رقم پر جو انعام کے حساب سے رقم دی جاتی ہے، تنخواہ اس میں سے مجریٰ کی جاتی ہے یا نہیں؟ اب اگر تنخواہ مجریٰ کرلی گئی تو سارا کام سفیر صاحب بوجہ انعام کرتے بوجہ تنخواہ نہیں کرتے تو یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالعزیز،محلّہ بھٹی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) یہ معاملہ اجارہ ہے اور اجارہ میں اجرت کی تعیین ضروری ہے مثلاً یومیہ یا ماہانہ یا سالانہ رقم کی تعداد متعین کردی جائے اور کمیشن کی صورت میں متعین نہیں ہوتی اسلئے جائز نہیں ہے۔

وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين الخ. (الدر المختار مع الشامی، كتاب الاجارة ، كوئٹه ۳/۵، كراچی ۵/٦، زكريا ديوبند ۹/۷)

ولا يصح حتى تكون المنافع معلومة والأجرة معلومة الخ. (هدايه ، جيسوری ۳/۲۷۷، اشرفيه ديوبند ۳/۲۹۳، فتاویٰ عالمگيری زكريا ٤/٤١١، جديد زكريا ديوبند ٤/٤٤١، فتاویٰ احياء العلوم ۱/۳۳٤)

(۲) یہ اجارہ نہیں بلکہ زیادہ کارکردگی پر انعام ہے اور انعام کی مقدار کی تعیین نہیں اسلئے جائز ہے۔ (مستفاد: احیاء العلوم ۱/ ۳۳۹)

(۳) معلوم کرلیا تنخواہ کا حساب بالکل علیٰحدہ رہتا ہے، انعام کا حساب الگ ہے جس سے معاملہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۲۷)

رمضانی سفیر کا پورے سال کی تنخواہ لینا

سوال: [۴۵۸۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی صاحب مدرسہ کے ذمہ دار ہیں، وہ صاحب رمضان میں چندہ کرتے ہیں، اور گیارہ ماہ گھر میں رہتے ہیں، اور سبھی ماہ کی تنخواہ لیتے ہیں، اور مدرسہ کبھی کبھی آتے ہیں، وہ بھی کسی کام سے بلایا جاتا ہے، تب ہی آتے ہیں، ورنہ نہیں تو ان صاحب کیلئے پورے سال کی تنخواہ لینا کیسا ہے؟

المستفتي: ماسٹر محمد اسعد صاحب،
محلّہ قاضی ٹولہ، قصبہ: نرول، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص صرف رمضان میں چندہ کرتا ہو اور کبھی ضرورت پڑنے اور بلانے پر مدرسہ آتا ہو ایسے شخص کو پورے سال کی تنخواہ لینا جائز نہ ہوگا، کیونکہ شرعاً یہ شخص اجیر خاص کے حکم میں ہے، اور اجیر خاص اس وقت تک اجرت کا مستحق نہیں ہوتا ہے، جب تک کہ وہ اس مدت میں اپنے آپ کو سپرد نہ کرے جسکی عقد میں تعیین ہو چکی ہو، چاہے وہ ذمہ دار ہو یا غیر ذمہ دار ہو۔

قال والأجير الخاص هو من يعمل لواحد عملاً مؤقتاً بالتخصيص ويستحق الأجر بتسليم نفسه في المدة. (شامی، کتاب الإجارة، کراچی ٦/ ٦٩،

زکریا ۹/۹۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/۲۷۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹رمحرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۹۴۵)

فیصد کے اعتبار سے چندہ کرنے پر انعام

سوال: [۴۵۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس ادارہ میں سفیر حضرات پورے سال مدرسہ کے واسطے چندہ کرتے ہیں، اور ادارہ ان سفیر حضرات کو چندہ کی رقم میں سے ۴۰ یا ۵۰ فیصد رقم دیتا ہے تو کیا ایسے ادارہ کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟

المستفتي: محمد سیف اللہ صدیقی، کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر ان سفیروں کی کوئی ماہانہ تنخواہ متعین نہیں ہے، اور صرف کمیشن پر معاملہ ہے تو اس طرح کا لین دین جائز نہیں، اور جن مدارس میں یہ طریقہ رائج ہو وہاں زکوٰۃ دینا بھی درست نہیں ہے، اس لئے کہ وہاں زکوٰۃ دینے سے بہت بڑا حصہ غیر مستحق پر خرچ ہو جاتا ہے، اور زکوٰۃ کی ادائیگی خطرے میں پڑ جاتی ہے، نیز زکوٰۃ کی رقم غیر مستحقین کو پہونچنے کیساتھ ساتھ یہ اجارۂ فاسدہ بھی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/۲۷۶، ایضاح النوادر ۲/۵۶، ایضاح المسائل/۱۲۲، مستفاد: عزیز الفتاویٰ/۶۰۷، فتاویٰ احیاء العلوم ۱/۳۳۴)

ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه له بنصفه أي بنصف الغزل أو استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه أو ثوراً ليطحن برّه ببعض دقيقه فسدت في الكل لأنه استأجر بجزء من عمله. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كراچی ۶/۵۶، زكريا ۹/۷۸، ۹/۷۹)

وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين الخ. (درمختار، كتاب

الإجارة، زکریا۹/۷، درمختار کراچی ٦/٥، و کذا فی الهداية ، جیسوری ۳/۲۷۷، اشرفیه دیو بند۳/۲۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۴۸۳)

کمیشن پر چندہ اور سفراء کا تملیک سے قبل اپنی تنخواہ نکال لینا

سوال: [۴۵۹۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) بعض لوگ رمضان یا غیر رمضان میں مدرسہ کا چندہ کرتے ہیں، اور اس میں سے بغیر تملیک کے اپنی تنخواہ نکال کر بعد میں جمع کرتے ہیں شرعاً کیسا ہے؟

(۲) بعض جگہ مدرسوں میں چندہ وغیرہ میں انعام دیا جاتا ہے، یا کمیشن کہیں یہ کمیشن یا انعام دفتر میں جمع کرنے سے پہلے لے لینا کیسا ہے؟ یا پھر جمع کر کے کمیٹی سے لیا جاتا ہے تملیک کر کے لینا کیسا ہے؟ ان تینوں صورتوں میں شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتي: شمشاد احمد، پیرزادہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آج کل چندہ میں اکثر زکوٰۃ اور صدقہ واجبہ کی رقم ہوا کرتی ہے، اسلئے تملیک سے قبل محصلین کا اسمیں سے اپنی تنخواہ کو مجریٰ کر لینا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ اسمیں تملیک فقراء شرط ہے۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة . (الدر مع الرد، کتاب الزکاة، باب المصارف ، زکریا دیو بند۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤)

(۳/۲) باتنخواہ ملازم کیلئے انعام حاصل کر لینا اگر چہ جائز ہے مگر حاصل شدہ رقم کو مدرسہ کے دفتر میں جمع کرنے کے بعد مدرسہ کے پیسہ سے لے سکتے ہیں، لہٰذا جمع کرنے سے قبل انعام

کا حصہ لے لینا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ اسمیں بھی تملیک شرط ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۲۲)

چندے کی رقم سے تنخواہ کیساتھ ۲۰/ ۲۵/ فیصد رقم لینا

سوال: [۴۵۹۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس ادارہ میں مدرسین حضرات بعوض تعلیم ہر ماہ تنخواہ پاتے ہیں، اور ماہ رمضان کے چندے کی رقم میں سے ۲۰/ ۲۵/ فیصد رقم وصول کرتے ہیں یا ادارہ ان کو ۲۰/ ۲۵ فیصد رقم مع رمضان کی تنخواہ کے رقم کی ادائیگی کرتا ہے تو کیا مدرس حضرات کو یہ رقم لینا جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدرسین اگر تمام چندہ کی آمدنی لاکر مدرسہ میں جمع کردیں اور پھر مدرسہ زکوٰۃ کی رقم سے نہیں بلکہ امدادی فنڈ سے ان کو حسن کارکردگی کی بنیاد پر تنخواہ کے علاوہ بطور انعام کچھ رقم الگ سے دے تو اسطرح انعامی رقم کا لین دین درست ہے، یہ کمیشن میں شامل نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۵۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ۱/ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۸۴)

کیا تنخواہ دار مدرس کا چندہ پر فیصدی انعام لینا درست ہے؟

سوال: [۴۵۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ فیض العلوم مچھرہٹہ کے ناظم قاری اسرار احمد صاحب لکھنؤ کے ایک مدرسہ ’’تجوید القرآن‘‘ کے مدرس و ملازم ہیں، مہینہ، پندرہ دن میں ایک دو دن کیلئے فیض العلوم

مچھر ہٹہ آتے ہیں ،ضروری ہدایات اپنے نائب صاحب کو یا مدرسین کو دیکر پھر چلے جاتے ہیں ، یہ ناظم صاحب جتنے دنوں سال بھر میں فیض العلوم مچھر ہٹہ حاضر ہوتے ہیں ، ان ایام کی تنخواہ فیض العلوم سے حسب ضابطہ لے لیتے ہیں ،ضابطہ یہ ہے کہ جتنے دن یہاں کی نگرانی میں یا یہاں کی ضرورتوں میں صرف ہوئے اتنے دنوں کی تنخواہ اتنی دی جائے گی جتنی تنخواہ ان کی اس مدرسہ میں کٹی ہے جہاں پر ملازم یا مدرس ہیں تو کیا شرعاً ناظم صاحب کیلئے اس طرح تنخواہ لینا جائز ہے، نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ کیا ذمہ داران مدرسہ کا اس طرح کا ضابطہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ یا پھر ناظم صاحب کی تنخواہ مدرسہ فیض العلوم مچھر ہٹہ سیتاپور کے گریڈ کے مطابق متعین کرلی جائے اور وہ جتنے دن مہینہ یا سال میں مدرسہ فیض العلوم کے کاموں کیلئے حاضر ہوں اتنے دنوں کی تنخواہ کا حساب لگا کر دیا جائے یہ جائز ہوگا یا نہیں؟ شرعی حکم کیا ہے؟

(۲) دوسری بات یہ دریافت کرنی ہے، کہ ناظم صاحب نے اپنی تعطیل کلاں یا دیگر تعطیلات یا جس مدرسہ میں ملازم ہیں وہاں کی ملازمت کے ساتھ ساتھ خارجی اوقات میں اہل خیر سے مدرسہ فیض العلوم کے لئے فراہمی کا کام کیا جس میں چار پانچ لاکھ روپئے کی فراہمی ہوئی،تو مدرسہ کے نائب صاحب وارا کین شوریٰ وعاملہ چاہتے ہیں، کہ حسب ضابطۂ مدرسہ جیسے دیگر مدرسین کو انعام دیا جاتا ہے، ناظم صاحب کو بھی اس رقم پر حسن کارکردگی یا انعام کے عنوان سے ۲۰ رفیصد دے دیا جائے، ناظم صاحب پس وپیش میں ہیں، کہ یہ انعام قبول کریں یا نہ کریں؟ کیونکہ مدرسہ فیض العلوم کے باقاعدہ تنخواہ دار ملازم نہیں ہیں، حسبۃً للہ کام انجام دیتے ہیں، ہاں البتہ جن ایام کی تنخواہ ملازمت والے مدرسہ میں کٹ جاتی ہے، اتنی تنخواہ لیتے ہیں،تو کیا ان کے لئے فراہم کردہ رقم پر ۲۰ رفیصد انعام قبول کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ کیا ناظم صاحب کی تنخواہ مدرسہ فیض العلوم کے گریڈ کے مطابق متعین کردی جائے اور جتنے دنوں اس مدرسہ کے کاموں میں صرف ہوں ان کی تنخواہ اتنے دنوں کی حساب

کرکے دی جائے تو وہ تنخواہ دار ملازم سمجھے جائیں گے؟ اور پھر ان کو فراہمی مالیہ پر حسب ضابطہ ۱۰/ فیصد یا ۱۵/فیصد، ۲۰/فیصد تک انعام یا حسن کارکردگی کے عنوان سے دیا جاسکتا ہے؟ یا پھر جو بھی جواز کی شکل ہوسکتی ہے، تحریر فرمادیں،نوازش ہوگی ،تاکہ شریعت اسلامیہ کی خلاف ورزی نہ ہواور ہم سب آخرت کی جواب دہی سے محفوظ رہ سکیں؟

المستفتي: سعید احمد قاسمی، سیتاپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مدارس اسلامیہ کے اصول وضوابط ذیل کی حدیث شریف سے ثابت ہوتے ہیں۔

أن رسول الله ﷺ، قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحاً حرم حلالاً أو أحل حراماً والمسلمون على شروطهم إلا شرطاً حرم حلالاً أو أحل حراماً . (ترمذی شريف، الأحكام ، باب ماجاء عن رسول اللهﷺ فی الصلح بين الناس ، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱،دارالسلام رقم: ۱۳۵۲)

مدرسہ کے ذمہ داران آپس میں مشورہ سے جو بھی قانون اور ضابطہ طے کرلیں، وہ جائز اور درست ہے، بشرطیکہ اس میں حلال کوحرام کرنا یا حرام کوحلال کرنا لازم نہ آتا ہو،اور مذکورہ ناظم صاحب کے بارے میں جو ضابطہ مدرسہ نے بنایا ہے، وہ آپس کی رضامندی سے جائز اور درست ہے؛ لہٰذا ضابطہ کے مطابق مہینہ یا سال بھر میں مدرسہ فیض العلوم کے کاموں کے لئے جتنے ایام گزارتے ہوں، اتنے دنوں کی تنخواہ کا حساب لگا کر لینا اور دینا ضابطہ کے مطابق جائز اور درست ہے،جیسا کہ مذکورہ حدیث شریف سے واضح ہوتا ہے۔

(۲) سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے، کہ ناظم صاحب مدرسہ فیض العلوم کے جزئی تنخواہ دار ملازم ہیں،اور تنخواہ دار ملازم کیلئے حسن کارکردگی کی وجہ سے فیصدی انعام لینا فتویٰ کی رو سے درست ہے جیسا کہ اوپر کی حدیث شریف سے واضح ہوتا ہے،لیکن اگر وہ نہیں لیتے ہیں،تو یہ ان

کے تقویٰ کی بات ہے، اور یہ ایک اچھی اور قابل تعریف بات ہے، کہ وہ اس پر انعام نہ لیں۔

وَالعاقِبَةُ للتقویٰ. (الآیة: طٰہٰ: ۱۳۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۱/ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۰۸۵۳)	۱۴۳۳/۱۱/۲۱ھ

(۱۱) باب: مکاتب میں زکوٰۃ صرف کرنے کا حکم

مکتب میں زکوٰۃ

سوال: [۴۵۹۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) کیا ایسے مدرسہ کیلئے زکوٰۃ کا پیسہ وصول کیا جا سکتا ہے، جس میں بیرونی طلبہ تعلیم نہ پاتے ہوں اگر وصول کیا جائے تو اسکے استعمال کی کیا صورت ہوگی؟

(۲) اگر زکوٰۃ کا پیسہ وصول نہ کیا جائے تو خطرہ ہے کہ بستی کے بچے تعلیم سے محروم ہو جائیں گے، کیونکہ معلم کی تنخواہ کا معاملہ ہے جبکہ بستی کے لوگوں کی اتنی طاقت نہیں کہ وہ جیب سے معلم کی تنخواہ کا بندوبست کر سکیں، کیا ایسی حالت میں زکوٰۃ کا پیسہ وصول کرنا اور وہ مدرسہ پر خرچ کرنا صحیح ہے؟

المستفتي: احقر محمد ارشاد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱و۲) جس مکتب و مدرسہ میں زکوٰۃ کا مصرف موجود نہ ہو اور اس میں نادار طلبہ کو کھانا وغیرہ نہ کھلایا جاتا ہو اس مکتب کیلئے زکوٰۃ کا پیسہ وصول کرنا جائز نہیں۔ اس میں زکوٰۃ کا پیسہ وصول کرنے سے زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ بھی ادا نہیں ہوگی، اگر کوئی ایسے مکتب کیلئے زکوٰۃ کا پیسہ وصول کرلے تو ایسی صورت میں جن سے وصول کیا ہے، انہی کو واپس کردے یا فقراء کو تقسیم کردے، یا جس مکتب میں زکوٰۃ کا مصرف ہو اسمیں دیدے، زکوٰۃ کے پیسہ سے معلم کی تنخواہ دینا بھی جائز نہیں ہے، اسلئے ایسے مکاتب کیلئے زکوٰۃ کا پیسہ وصول نہ کیا جائے، بلکہ صراحت کے ساتھ امدادی رقم وصول کی جائے، اور اسی امدادی فنڈ سے مکتب کو چلایا جائے، نیز مکتب کے ایک آدمی کی تنخواہ اتنی مشکل نہیں ہے، اگر اپنے محلّہ سے ضرورت پوری نہیں ہوتی تو دوسرے محلّہ اور دیگر مقامات سے امداد کا

چندہ کیا جاسکتا ہے، اسلئے یہ بہانا پیش نہ کیا جائے، کہ تعلیم بند ہو جائے گی۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۴/ ٣٦٠، جدید زکریا مطول ٦/ ٢٧٠، فتاویٰ دارالعلوم ٦/ ٢۵١)

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ . (التوبه: ٦٠)

مصرف الزكاة والعشر هو الفقير . (شامی، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند ٣/ ٢٨٣، كراچی ٢/ ٢٨٣)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لاإباحة. (شامی، كراچی ٢/ ٣٤٤، زكريا ٣/ ٢٩١)

ولا يجوز أن يبنى بالزكاة المسجد – إلىٰ قوله– وكل مالا تمليك فيه . (هنديه، زكريا ١/ ١٨٨، جديد زكريا ديوبند ١/ ٢٥٠)

أما تفسيرها فهى تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمى ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله . (هنديه، زكريا ديو بند ١/ ١٧٠، جديد زكريا ديوبند ١/ ٢٣٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣/ ٨/ ١٤٢٢ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٦/ ٧٣٤٧)

مکاتب میں زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۵٩۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

الف: ہمارے یہاں کی بستی میں بعض مدارس تو ایسے ہیں جن میں مدرسین بھی ایک معتد بہ مقدار میں پڑھاتے ہیں، اور بیرونی طلبہ بھی ان مدارس میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، جن کے قیام وطعام اور جملہ اخراجات کا مدرسہ کفیل ہے مطبخ کا انتظام بھی مدرسہ ہی میں ہے۔

ب: بعض مدارس اسلامیہ ایسے ہیں کہ ان میں مدرسین حضرات کی بھی معتد بہ جماعت ہے، بیرونی طلبہ بھی پڑھتے ہیں، بیرونی طلبہ کے اخراجات کا مدرسہ خود کفیل ہے مگر

کھانے پینے کا انتظام اراکین مدرسہ نے طلبہ کا گھروں میں کردیا ہے، ایک ایک طالب علم محلّہ میں الگ الگ کھانا کھاتا ہے، گویا کہ مدرسہ میں مطبخ کا انتظام نہیں؟

ج: بعض مدارس ایسے ہیں، کہ مسجد میں مکتب کی شکل میں ہیں، مسجد کا امام بچوں کو پڑھاتا ہے، امام کی معاونت کیلئے کسی ایک ماسٹر کا تقرر کرلیا جاتا ہے، محلّہ کے ہی بچے پڑھتے ہیں، بیرونی طلبہ نہیں پڑھتے ہیں، یہ لوگ بھی زکوٰۃ صدقات چرم قربانی اکٹھا کرکے اس مدرسہ میں خرچ کرتے ہیں؟

د: بعض مدارس اسلامیہ وہ ہیں جن میں بیرونی طلباء بھی نہیں مسجد کا امام ہی مسجد کی جگہ میں مدرسہ قائم کرکے تعلیم دیتا ہے، مزید مقامی طلبہ سے فیس بھی ماہانہ وصول کرتا ہے، ایسے مدرسہ میں زکوٰۃ صدقات واجبہ چرم قربانی وصول کرنا کیسا ہے؟

ہ: بعض مدارس ایسے ہیں، جنکو سرکار سے تعاون ملتاہے، ہرمہینہ گورنمنٹ سے رقم آتی ہے، بیرونی طلباء کا مدرسہ میں قیام وطعام کا قطعاً انتظام نہیں یہ لوگ بھی وقت پر بہت جوش وخروش سے وصول کرتے ہیں، مندرجہ بالا مدارس میں سے کس کس مدرسہ میں زکوٰۃ صدقات واجبہ لیکر خرچ کرنا جائز ہے؟ کس میں نہیں؟ اگر ان مذکورہ مدارس میں سے کسی میں زکوٰۃ دینا جائز نہیں تو جن لوگوں نے زکوٰۃ دی ہے چرم قربانی دی ہے، ان کی زکوٰۃ وغیرہ ادا ہوگی یا نہیں ؟ ایسے مدارس کے منتظمین چندہ کرنے سے گنہگار رہوں گے یا نہیں؟

المستفتي: محمد اقبال، شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (الف، ب) ایسے مدارس میں کہ جن میں بیرونی طلباء پر قیام وطعام کی شکل میں پیسہ خرچ کیا جاتا ہے، ان میں زکوٰۃ، صدقۂ فطر، چرم قربانی کی رقم دینا جائز ہے اور (ج، د، ہ) ایسے مدارس کہ جن میں زکوۃ کا مصرف کسی طرح موجود نہیں ہے، ان میں زکوٰۃ، صدقۂ فطر، چرم قربانی وغیرہ کی رقم دینا جائز نہیں اور نہ ان لوگوں کیلئے یہ رقم وصول کرنا جائز ہے، اور اگر کوئی صاحب مصرف زکوٰۃ نہ ہونے کو جانتے ہوئے ایسے مکاتب

میں اپنی زکوٰۃ وغیرہ کی رقم دیں گے تو ان کے ذمہ سے فریضہ ساقط نہ ہوگا۔

الأصل فيه إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ . (التوبه: ٦٠)

مصرف الزكوٰة والعشر هو فقير . (الدر المختار على هامش الشامى ، كتاب الزكاة ، باب المصرف كراچى ٢/٣٣٨ ، زكريا ٣/٣٨٣ ، هنديه ، زكريا ١/١٨٧ ، جديد زكريا ديوبند١/٢٤٩)

أى إن تبين له أنه غير مصرف فلو لم يظهر له شيئى فهو على الجواز . (شامى ، كراچى ٢/٣٥٣ ، زكريا٣/٣٠٣ ، هنديه زكريا ١/١٩٠ ، جديد زكريا ديوبند١/٢٥٢ ، الباب السابع فى المصارف) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۰۹۸/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۳/۵ھ

مکتب زکوٰۃ وصدقات کا مصرف نہیں

سوال: [۴۵۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایسے مکاتب جن میں مقامی طلباء کے سوا بیرونی طلباء نہ ہوں ان میں زکوٰۃ کی رقم دینی چاہئے یا نہیں؟ اگر زکوٰۃ کی رقم نہ دیں تو کیا صورت اختیار کی جائے۔

ہماری بستی کے امام عیدین مفتی محمد فاروق صاحب استاذ حیات العلوم مرادآباد نے عید الفطر کی نماز سے قبل مجمع عام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اچھی بات ہے کہ چھوٹے مدارس کو امدادی رقم دی جائے لیکن نہیں دیتے ہیں، لہٰذا میں آپ حضرات سے کہتا ہوں کہ ان چھوٹے اداروں کو زکوٰۃ کی رقم دیں ورنہ یہ چھوٹے مدارس بند ہوجائیں گے اور وہ دن دور نہیں کہ دس بارہ سال بعد کوئی نماز جنازہ پڑھانے والا بھی میسر نہ ہوگا؟

سائل یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ مفتی فاروق صاحب کے کہنے کے مطابق مکاتب کو زکوٰۃ

دینا درست ہے یا نہیں؟ ایسے چھوٹے مدارس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

المستفتی: قمر الدین قاسمی،
کھیڑا ٹانڈہ، تحصیل سوار، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جن مکاتب میں مقامی طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہیں وہ زکوٰۃ کے مصرف نہیں ہیں، ان مکاتب میں زکوٰۃ کا پیسہ دینا درست نہیں ہے، اسلئے کہ ان میں زکوٰۃ کا مصرف ہے ہی نہیں، لہٰذا ایسے مکاتب کا خرچہ امدادی چندہ کے ذریعہ اور مقامی تعاون سے پورا کرنا چاہئے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبِهِمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِي سَبِيْلَ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ. (سورۂ توبہ / ۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۸۰)

کیا مکتب کے اخراجات کیلئے زکوٰۃ کی وصولیابی درست ہے؟

سوال: [۴۵۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وہ مدارس عربیہ جہاں مطبخ اور دار الاقامہ کا نظم نہیں ہے، لیکن وہاں غریب بچے، بچیاں اور غریبوں کے نابالغ بچے بچیاں مکتب وعربی درجات میں زیر تعلیم ہیں، اوران سے فیس بھی اتنی معمولی لیجاتی ہے، جس سے مدرسہ کے خرچ کا چوتھائی حصہ بھی پورا نہیں ہوتا ہے یعنی تنخواہ وغیرہ اور پڑھنے والے طلبہ طالبات میں اکثریت غریب طلبہ وطالبات کی ہے۔

تو کیا ان غریب طلبہ طالبات کے تمام تعلیمی اخراجات کو پورا کرنے کیلئے وہ مدارس

زکوٰۃ فطرہ وصول کر سکتے ہیں، اوران مدارس کوزکوٰۃ دی جاسکتی ہے، یانہیں ؛ تاکہ اس کے ذریعہ فیس کی ادائیگی کے بعد جواخراجات بچیں وہ پورے کئے جاسکیں؟

اگرنہیں توان مدارس کے اخراجات کوزکوٰۃ کی مد سے پورا کرنے کی کوئی صورت ہوسکتی ہے یانہیں تحریرفرمائیں؟

(قبل ازیں مذکورہ استفتاء مدرسہ ریاض العلوم گورینی ضلع جونپور سے حاصل کیا گیا ہے جس کی ایک کاپی اس فتوی کے ساتھ ارسال کی جارہی ہے، اگر یہ صحیح ہے تو آپ اس کی تصدیق کردیجئے ورنہ تحقیقی جواب دیکرممنون فرمائیں، کیونکہ رمضان المبارک میں بار بار عوام ان جیسے مسائل میں الجھتے ہیں، اوریہی نہیں بلکہ بعض مدارس کے نام نہاد مولوی عوام سے زکوٰۃ وصول کرکےاس کا بیجا استعمال کرتے ہیں)

المستفتي: شبیراحمد قاسمی، قصبہ سنڈھیامئو، تحصیل رام نگر، بارہ بنکی

دارالافتاءریاض العلوم گورینی کا جواب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مستحق زکوٰۃ بچوں کی تعلیمی ضرورت، مدرسین وملازمین کی تنخواہ اورعمارت وغیرہ کیلئے جس قدراخراجات کی ضرورت ہواسکے بقدرزکوٰۃ وصدقات واجبہ وصول کرنا اور اس طرح کے مدارس میں زکوٰۃ وغیرہ دیناجائز ہے خواہ دارالاقامہ کانظم ہویا نہ ہو، مثلاً ایک مکتب میں سوبچے زیرتعلیم ہیں، پچاس مستحق زکوٰۃ ہیں، اور پچاس غیرمستحق زکوٰۃ اورمکتب کا سالانہ خرچہ چھ لاکھ ہے تو اس مکتب میں تین لاکھ زکوٰۃ صدقات واجبہ وصول کرنا جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

عبداللہ

ریاض العلوم گورینی جون پور

دارالافتاء مدرسہ شاہی کا جواب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس مکتب میں مقامی بچوں کی تعلیم ہوتی ہے، اور بیرونی غریب بچوں کی تعلیم وقیام کا نظم نہیں ہے، اس مکتب میں مصرف زکوٰۃ نہیں ہے، اور جس مکتب میں مصرف زکوٰۃ نہ ہو اس مکتب کیلئے زکوٰۃ وصول کرنا جائز نہیں ہے، نیز زکوٰۃ دہندگان کو پتہ چل جائے کہ اس مکتب میں مستحقین زکوٰۃ طلبہ نہیں ہیں، تو وہ ہرگز ایسے مکتب میں چندہ نہیں دیں گے، لہٰذا گھما پھرا کر کے ایسے مکتب کیلئے چندہ وصول کرنا درپردہ چندہ دہندگان کو دھوکہ میں رکھنا ہے، جس کی شرعاً اجازت نہیں، نیز عمارت کی تعمیر کیلئے زکوٰۃ وصول کرنا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ عمارت کی تعمیر زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے اور اہل خیر حضرات سے واضح طور پر بتلا دینا چاہئے کہ ہم عمارت کی تعمیر کے لئے چندہ وصول کررہے ہیں، لہٰذا امداد کا اور مصرف خیر کا پیسہ بطور چندہ آپ لوگ دیدیں تاکہ عمارت کی تعمیر ہوسکے اور اس کے برعکس چندہ دہندگان کو دھوکہ میں رکھ کر ان سے عمارت کی تعمیر کیلئے چندہ وصول کرنا درست نہیں ہے۔

قيل أراد ببعض الناس أبا حنيفةؒ والتشنيع عليه لأن مذهبه أن كل حيلة يتحيل بها أحد في إسقاط الزكوٰة فإثم ذلك عليه .... وقال محمد يكره لما فيه من القصد إلىٰ إبطال حق الفقراء بعد وجود سببه وهو النصاب. (عمدة القارى ، كتاب الحيل ، دار احياء التراث العربي ١١١/٢٤، زكريا ديوبند ٢٤١/١٦، تحت رقم الحديث:٦٩٥٦)

ولا يصرف إلىٰ بناء مسجد وفي الشامي قوله نحو مسجد كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات، وكرى الأنهار والحج والجهاد، وكل مالا تمليك فيه . (شامى، كتاب الزكاة، باب المصرف ،

کراچی ۲/ ۳۴۴، زکریا۳/ ۲۹۱، عالمگیری زکریادیوبند ۱/ ۱۸۸، جدید زکریا دیوبند ۱/ ۲۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍شوال ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۶۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/ ۱۰/ ۱۴۳۵ھ

محض مقامی طلبہ والے مدرسہ کے ذمہ داروں کا زکوٰۃ وصول کرنا

سوال: [۴۵۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مدرسہ میں تقریباً ۱۵؍مقامی طلبہ زیر تعلیم ہیں، طلبہ روزانہ پڑھ کر اپنے گھر چلے جاتے ہیں، مدرسہ کے ذمہ داران لوگوں سے اسی مدرسہ کے نام پر زکوٰۃ وصدقات وصول کرتے ہیں، پھر کسی دوسرے مدرسہ میں اس مال زکوٰۃ کی تملیک کراتے ہیں، اور اپنے مدرسہ کی تعمیر اور اساتذہ کی تنخواہوں پر خرچ کرتے ہیں، کیا مدرسہ کے ذمہ داران کا یہ فعل شرعاً درست ہے؟ اور کیا کسی دوسرے میں تملیک کرانے سے اس مدرسہ میں وہ روپیہ استعمال کرنا جائز ہو جاتا ہے؟ کیا ایسے مدرسہ کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟ نیز مدارس میں جو آج کل کسی طالب علم سے تملیک کرانے کا طریقہ رائج ہے اس کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟ اور تملیک کی بے غبار صورت کیا ہوسکتی ہے؟ ازراہ کرم مفصل ومدلل جواب مرحمت فرمائیں؟

المستفتي: افضال احمد، چنڈی گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس مدرسہ میں مطبخ اور بیرونی طلبہ نہ ہوں صرف مقامی طلبہ پڑھتے ہوں وہ مدرسہ نہیں ہے بلکہ مکتب ہے، اس کے لئے زکوٰۃ کا پیسہ وصول کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس مکتب میں مصرف زکوٰۃ نہیں ہے، نیز زکوٰۃ کا پیسہ وصول کرکے دوسرے مدرسہ کے طلبہ کے ذریعہ سے تملیک کرانا زکوٰۃ دہندگان کو دھوکہ دینا ہے، شرعاً ایسا عمل جائز نہیں ہے، نیز جائیداد کی خریداری اور تعمیر کیلئے زکوٰۃ وصول کرنا جائز نہیں ہے، اور اس کے

لئے حیلۂ تملیک کا راستہ اختیار کرنا بھی جائز نہیں ہے،اس لئے کہ زکوٰۃ فقراء کا حق ہے۔

عن أبی هريرةؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من حمل علينا السلاح فليس منا ومن غشنا فليس منا. (مسلم شریف ، باب قول النبی صلی الله علیه وسلم من غشنا فليس منا ، النسخة الهندية ۱/ ۷۰، بيت الأفكار رقم: ۱۰۱ ، مشكوٰة شريف/ ۳۰۵)

عن أبی بكر الصديقؓ قال قال رسول الله ﷺ ملعون من ضار مؤمنا أو مكربه . (ترمذی ، الأدب ، ماجاء فی الخيانة والغش ، النسخة الهندية ۲/ ۱۵، دارالسلام رقم: ۱۹٤۱ ، مشكوٰة شريف/ ٤۲۸)

قيل أراد ببعض الناس أبا حنيفةؓ والتشنيع عليه لأن مذهبه أن كل حيلة يتحيل بها أحد فی إسقاط الزكوٰة فأثم ذلک عليه .... وقال محمد: يكره لما فيه من القصد إلىٰ إبطال حق الفقراء بعد وجود سببه وهو النصاب . (عمدة القاری ، كتاب الحيل ، داراحياء التراث العربي ٢٤/ ١١١، زكريا ديو بند ١٦/ ٢٤١، تحت رقم الحديث/ ٦٩٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ شوال ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۶۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/ ۱۰/ ۱۴۳۵ھ

کس وقت مکتب کیلئے زکوٰۃ کی رقم وصول کرنا جائز ہے؟

سوال: [۴۵۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) مکاتب میں پڑھنے والے نادار غریب بچوں کیلئے زکوٰۃ کے روپئے خرچ کئے جاسکتے ہیں، یا نہیں؟ مزید براں مدرسے میں جو فیس لی جاتی ہے انہیں زکوٰۃ کی رقم دے کر اسے بطور فیس وصول کرسکتے ہیں، یا نہیں؟

(۲) زکوٰۃ کے مصرف ہونے کیلئے مدرسہ کا اقامتی ہونا تو ضروری نہیں اگر ضروری

نہیں تو پھر مکاتب میں اس مد کا استعمال کس طور پر ہوگا ؟

المستفتي: مولوی محمد وسیم،
وحافظ الطاف، پرتا پگڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جن مکاتب میں قرآن کریم اور دینی تعلیم ہوتی ہو اور ان کے اساتذہ کی تنخواہیں زکوٰۃ کے پیسہ میں حیلہ تملیک کئے بغیر پوری نہیں ہو پاتی ہوں ،تو دینی ضرورت کی خاطر اساتذہ کی صرف تنخواہوں کیلئے زکوٰۃ کے پیسہ میں حیلہ تملیک کی گنجائش ہے، نیز جن بچوں سے فیس لی جاتی ہے، اگر وہ غریب بالغ بچے ہیں،تو ان کو زکوٰۃ کا پیسہ دیدیا جائے اور وہ اپنی فیس کے نام سے مدرسہ میں جمع کر دیں تو وہ پیسہ بھی اساتذہ کی تنخواہوں میں دیا جاسکتا ہے۔

أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء ويكون لهٗ ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب . (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف ، کراچی ۲/ ۳۴۵، زکریا دیوبند۳/ ۲۹۳، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۳/ ۳۴۵، البحرالرائق، کوئٹہ ۲/ ۲۴۳، زکریا ۲/ ۴۲۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۹۶)

مکتب میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا جائز نہیں

سوال: [۴۵۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل مدارس کی تعداد بہت ہوچکی ہے،اوران میں کثیر تعداد ان مدارس کی ہے، جہاں پر کوئی بچہ بیرونی، یتیم غریب نہیں ہے؟ صرف مقامی طلبہ ہی ان اداروں میں پڑھتے ہیں، اہل بستی کافی

تعداد میں متوسط آمدنی کے مالک ہیں، اگر وہ امداد سے چاہیں تو مدامداد سے مدرسہ کا چلانا کچھ مشکل نہیں ہے، مگر عوام دین سے بے رغبتی اور بے توجہی کی وجہ سے ایسا کرنے سے عاجز ہیں، مجبوراً مدزکوٰۃ فطرہ چرم قربانی وغیرہ لیکر صورت تملیک سے مدرسے چلانے پڑ رہے ہیں، عوام کا کہنا ہے کہ جس مدرسہ میں بیرونی طلبہ نہیں ہیں، ایسے مدرسہ میں مدزکوٰۃ فطرہ چرم قربانی وغیرہ لگانا بالکل جائز نہیں، اس بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟

المستفتي: قاری تسلیم احمد، مدرسہ انوار العلوم، کرتپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر سب مقامی بچے ہیں اور مدرسہ میں کوئی مطبخ بھی نہیں ہے اور مقامی لوگ متوسط درجہ کے مالدار ہیں تو وہاں پر ایسے مدرسہ کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا مستحقین کا حق مارنا ہے، اسلئے جائز نہیں۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة ولا يصرف إلىٰ بناء نحو مسجد الخ. (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف، زكريا ديو بند ۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤)

اور جہاں کے لوگ اپنے خرچہ سے اپنے بچوں کو تعلیم دے سکتے ہیں، وہاں حیلۂ تملیک جائز نہیں ہے۔

إن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل فهي مكروهة الخ. (عالمگيری، كتاب الحيل، زكريا ديو بند ٦/ ۳۹۰، جديد زكريا ديو بند ٦/ ۳۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/۱۰/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۱۰/۱۴۱۴ھ

غیر مستحق غریب مکتب والوں کا زکوٰۃ وصول کرنا

سوال: [۴۶۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک چھوٹی سی بستی ہے وہاں پر معمولی قسم کے غریب لوگ رہتے ہیں جن کا گذارہ مزدوری پر ہوتا ہے ان کے اندر اتنی استطاعت نہیں کہ وہ کوئی مکتب وغیرہ قائم کر کے اپنے بچوں کو دینی تعلیم دے سکیں، اور قریب میں کوئی دینی مکتب بھی نہیں ہے، جس میں وہ اپنے بچوں کو دینی تعلیم کیلئے بھیج سکیں، چنانچہ ایک مولوی صاحب نے اس بستی میں ایک مکتب قائم کرادیا اور اسمیں زکوٰۃ کا چندہ آتا ہے، تو ایسے مکتب میں زکوٰۃ کا لینا اور دینا جائز ہوگا یا نہیں؟ نیز اس مکتب کے کارکنان نے ایک مولوی صاحب کے مشورہ سے یہ حیلہ اپنایا کہ اس مکتب کیلئے زکوٰۃ کا چندہ کر کے دوسرے مدرسہ میں جو زکوٰۃ کا استحقاق رکھتا ہے، وہاں زکوٰۃ کا لینا اور دینا جائز ہے اور زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، تو ایسے مدرسہ میں اس مکتب کے نام سے زکوٰۃ لیکر دوسرے بڑے مدرسہ میں دیگر اس مدرسہ کے امداد کی رقم لیکر مکتب والے مدرس کو تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں یعنی زکوٰۃ کی رقم بڑے مدرسہ میں دیگر اس مدرسہ کی امداد والی قسم سے تبادلہ جائز ہے یا نہیں؟

نوٹ: یہ بات واضح رہے کہ اس بستی کے لوگ اتنی بھی استطاعت نہیں رکھتے ہیں، کہ ایک مدرس کو تنخواہ دے سکیں اب اگر یہ صورت اختیار نہ کی جائے تو اس بستی کے مسلم بچے دینی تعلیم سے جاہل رہیں گے؟

المستفتي: عبداللہ، بہادرپور، بہرائچ، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں ذکر کردہ مکتب میں چونکہ زکوٰۃ کا مصرف موجود نہیں ہے، اسلئے اس مکتب کیلئے زکوٰۃ کی رقم وصول کرنا جائز نہیں اور نہ زکوٰۃ کی رقم کا دوسرے مدرسہ کی امدادی رقم سے تبادلہ جائز ہے، ہاں البتہ یہ شکل ہوسکتی ہے کہ جس ادارہ میں زکوٰۃ کا مصرف موجود ہے اس مکتب کو اس سے منسلک کر دیا جائے، اور اسکی شاخ

بناد یا جائے ،اوراس مدرسہ کے منتظم حضرات امدادی فنڈ سے یہاں کے معلم کوتنخواہ دیں مد زکوٰۃ سے مدرسین کی تنخواہ دینا بھی جائز نہیں ۔(مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۲۵۱، کفایت المفتی ۴/ ۲۶۰،۲۶۳، ۲۶۸، جدید زکریا مطول ۶)۲۷۱)

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ . (سورۂ توبہ / ٦٠)

مصرف الزكوة والعشر هو الفقير ...... ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة . (الدر المختار على الشامي، كتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ٢/ ٣٤٤، زكريا ٣/ ٢٩١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۲۰ھ

مقامی مدارس زکوٰۃ کے مستحق نہیں؟

سوال: [۴۶۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مسجد میں امامت کے فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ ایک شہری ادارہ برائے طالبات چلارہا ہے، جس میں ۱۰۰ ر طالبات زیر تعلیم ہیں، اور چار اساتذہ درس وتدریس کی خدمات انجام دے رہے ہیں، اورادارہ رجسٹریشن بھی ہے ،اور ۱۱ ر حضرات ادارہ کے ٹرسٹ بھی ہیں، اورادارہ باتعاون چرم قربانی ،زکوٰۃ ،عطیہ ،صدقہ وغیرہ سے چلتا ہے، اورادارہ کا سالانہ تخمینہ ایک لاکھ بیس ہزار ہے لیکن بعض حضرات کا کہنا ہے کہ چرم قربانی ،اورزکوٰۃ ،شہری ادارہ کودینا جائز نہیں؟ دراں حالیکہ ادارہ ان طالبات کو کپڑے اور دیگر ضروریات بھی فراہم کرتا ہے، اسی طرح بجلی اورادارہ کی دیگر ضروریات اور حضرات اساتذہ کرام کی تنخواہیں بھی اسی مصرف سے دی جاتی ہیں، لہٰذا:۔ حضرات مفتیان کرام سے گذارش ہیکہ وہ اس سوال کا کہ چرم قربانی ،اورزکوٰۃ ،شہری ادارہ کودینا جائز نہیں ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں تفصیلاً وتطویلاً جواب دیں، تو عین کرم ونوازش ہوگی؟

نوٹ: مذکورہ طالبات کا مدرسہ میں قیام وطعام کا کوئی نظم نہیں ہے۔

المستفتی: حافظ شیخ سلطان اشرفی، ناظم:
ادارہ ہذا-وامام وخطیب مسجد افضل العلوم
وذمہ داران ادارہ، نا ندیڑ، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس ادارہ میں طلبہ اور طالبات کے قیام وطعام کا کوئی نظم نہیں ہے، اور پڑھ کر اپنے گھروں میں چلے جاتے ہیں، تو ایسے ادارہ میں زکوٰۃ کا کوئی مصرف نہیں ہے، اسی طرح چرم قربانی کے پیسے کا بھی مصرف نہیں ہے، اس لئے ایسے ادارہ کے ذمہ داروں کو زکوٰۃ وصول کرنے اور چرم قربانی کے پیسے جمع کرنے سے گریز کرنا چاہئے، اس لئے کہ زکاۃ کا مصرف فقراء ہیں، اور یہاں ایسے فقراء نہیں ہے، اسی طرح چرم قربانی کے پیسوں کے مستحق بھی فقراء ہیں، یہاں وہ بھی نہیں ہیں۔

مصرف الزكاة الفقير وهو من له أدنىٰ شيئى. والمسكين وهو من لاشيئى له. (هنديه، كتاب الزكاة، الباب السابع، فى المصارف زكريا ديوبند ۱/۱۸۷، جديد زكريا ديو بند۱/۲۴۹)

مصرف الزكاة هو فقير فلايجوز صرف الزكاة إلىٰ الغنى...... لقوله تعالىٰ: إنما الصدقات للفقراء والمساكين. إلى قوله: جعل الله تعالى الصدقات للأصناف المذكورين بحرف اللام وأنه للاختصاص فيقتضى اختصاصهم باستحقاقها؛ فلو جاز صرفها إلىٰ غيرهم لبطل الاختصاص وهذا لايجوز. (بدائع الصنائع، زكريا ديوبند ۲/۱۴۹، ۱۵۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۵۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۵/۲۹ھ

کیا مقامی حفظ قرآن کے مدرسے زکوٰۃ کا مصرف ہیں

سوال: [۴۶۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بندہ حفظ قرآن کا ایک مدرسہ چلاتا ہے، جس کے اندر شہر کے مقامی بچے حفظ و ناظرہ کی تعلیم حاصل کرتے ہیں، اور یہ بچے بیشتر نابالغ ہیں، تو کیا ان بچوں کی تعلیم پر مدزکوٰۃ سے روپئے صرف کرنا درست اور جائز ہے؟

المستفتي: اسلم باری، ٹھٹھیرہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ کا پیسہ فقراء اور مساکین کا حق ہے اور غریب طلبہ بھی فقراء اور مساکین میں شامل ہیں، لیکن سوالنامہ میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ مقامی بچے حفظ وناظرہ پڑھتے ہیں،، اور اس مدرسہ میں غریب بچوں کے قیام وطعام کا نظم نہیں ہے، تو زکوٰۃ کا پیسہ وہاں کس پر خرچ کیا جائیگا، جب بچوں کا قیام وطعام اپنے گھر پر ہے اور آپ کے مدرسہ میں پڑھ کر چلے جاتے ہیں، تو اس صورت میں وہاں زکوٰۃ کا کوئی مصرف نظر نہیں آتا اور ان کی تپائیوں دریوں پر زکوٰۃ کا پیسہ خرچ کرنا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ تپائیوں اور دریوں کو مالک نہیں بنایا جاتا اور ادائے زکوٰۃ کے لئے مالک بنانا لازم ہے۔ ہاں البتہ قرآن کریم اور ناظرہ کے لئے پارے وغیرہ خرید کر مالک بنانا جائز ہوگا، اور ظاہر بات ہے کہ اس میں انتہائی مختصر سا خرچہ ہوگا، جس کے لئے زکوٰۃ کا پیسہ استعمال کرنے کی ضرورت نہ ہوگی، بلکہ شہر کا کوئی بھی سرمایہ دار مسلمان اپنی جیب خاص سے یہ خرچہ برداشت کرنے کیلئے تیار ہوسکتا ہے، نیز وہ نابالغ بچے جن کے ماں باپ مستحق زکوٰۃ نہیں ہیں ان کو مدزکوٰۃ سے قرآن کریم اور پارہ خرید کر دینا بھی ممنوع ہے، اس لئے آپ کے مدرسہ میں مدزکوٰۃ کا پیسہ خرچ کرنے کی کوئی شکل نظر نہیں آتی ہے، لہٰذا آپ کو اس مدرسہ کے لئے زکوٰۃ کا پیسہ وصول نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی اپنی زکوٰۃ خرچ کرنی چاہئے۔ (مستفاد: محمود یہ ڈابھیل ۹/۶۰۴)

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ إلیٰ آخر الآية . (سورة التوبة:۶۰)
ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة لايصرف إلیٰ بناء نحو مسجد .... **وكل ما لا تمليك فيه** . (شامی ، کتاب الزکاۃ ، باب المصرف کراچی ۲/۳۴٤، زکریا۳/۲۹۱)
الزكوة يجب فيها تمليک المال .(البحرالرائق ، زکریا ۲/۳۵۲، کوئٹہ۲/۲۰۱)
ولا يعطى منها غنيا ولا ولد غنى إذا كان صغيراً . (الفتاوى التاتارخانية زكريا ۳/۲۰۹، برقم: ۴۱۴۳)
وإنما منع من الدفع لطفل الغني لأنه يعدغنيا بغنى أبيه . (البحرالرائق ، زكريا ۲/۴۲۹، ۲/۲۴۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰ر ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ

غیر اقامتی مدارس ومکاتب میں صدقات واجبہ کی رقم دینا

سوال: [۴۶۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وہ مدارس اسلامیہ یا مکاتب جن میں قرآن پاک اردو دینیات ہندی پرائمری پنجم کی تعلیم دیجاتی ہے اور جن کا خرچہ عوام وخواص سے وصول کی جانے والی زکوٰۃ وصدقات واجبہ وچرم قربانی سے پورا کیا جاتا ہے، بیرونی وغریب ونادار طلباء کا نام ہی نہیں اسلئے مطبخ وغیرہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے، لہٰذا مذکورہ رقم صرف مقامی طلباء کی پڑھائی کیلئے ہی بعد از تملیک مدرسین حضرات کی تنخواہ میں یا تعمیر مدرسہ میں صرف کیجاتی ہے، مقامی طلباء میں: ۹۸٪ طلباء کے والدین صاحب نصاب ہیں، تو سوال یہ ہے کہ اس طرز کے مدارس کو زکوٰۃ وغیرہ دینے سے ہماری زکوٰۃ ادا ہوجائیگی۔ دوبارہ ادا نہ کرنے کی صورت میں اس کا وبال اہل مدارس پر ہوگا یا

اہل زکوٰۃ پر؟ (یعنی زکوٰۃ دینے والوں پر)

المستفتي: محمد یونس، دڑھیال، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: صدقات واجبہ کی ادائیگی کیلئے ضروری ہے کہ ان کو مصارف فقراء وغیرہ پر بطور تملیک بلاعوض صرف کیا جائے، لھذا تنخواہ وتعمیر میں خرچ کرنا جائز نہیں اگر کارکنان مدرسہ بغیر شرعی حیلہ کے وہ رقم تنخواہ وتعمیر میں خرچ کردیں گے، تو زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی ادائیگی نہ ہوگی اور یہ لوگ اصل معطی کے حق میں ضامن ہوں گے، لہٰذا زکوٰۃ وصدقات واجبہ ان مدارس کو دیئے جائیں جہاں غریب طلباء ہوں اور مطبخ کا نظم ہو۔

أو إلیٰ طالب علم وفی المعراج التصدق علی العالم الفقیر أفضل .

(الدر المختار مع الشامی ، کتاب الزکاۃ ، باب المصرف کراچی ۲/ ۳۵٤، زکریا دیوبند ۳/ ۳۰٤، ھندیہ زکریا ۱/ ۱۸۷، جدید زکریا دیوبند ۱/ ۲٤۹،حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالکتاب دیوبند/ ۲ ۷۲، تبیین الحقائق ، مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۳۰۲، زکریا دیوبند ۲/ ۱۲٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر شعبان ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۸/۱۱ھ

غیر اقامتی مدارس میں زکوٰۃ فطرہ صدقہ کی رقم دینا

سوال: [۴۶۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جن مدارس میں بیرونی طلبہ نہیں ہیں، نہ ہی مطبخ ہے اور صرف گاؤں کے بچے تعلیم پاتے ہیں، اور وہ بچے اکثر صاحب نصاب لوگوں کے ہیں، اور بستی کے لوگ رمضان شریف اور غیر رمضان میں زکوٰۃ صدقات فطرہ وغیرہ اکٹھا کر کے ان بچوں پر خرچ کرتے ہیں، تو کیا ایسے

مدرسوں میں زکوٰۃ فطرہ صدقہ کا استعمال جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مالدار کے نابالغ بچے کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی ہے۔
ولا إلىٰ ولد غني إذا كان صغيراً لأنه يعدُّ غنياً بمال أبيه الخ. (هدايه، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لايجوز، اشرفيه ديوبند ۱/ ۲۰٦)

نیز ایسا چھوٹا مدرسہ جس میں کوئی مطبخ اور بیرونی طلبہ نہیں ہیں، اسکی کفالت مقامی لوگوں پر ہوتی ہے، وہ امداد کے پیسہ سے اس کو چلایا کریں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۲/۲۲ھ

پرائمری درجات کے مدارس میں زکوٰۃ وصدقات دینا

سوال: [۴۶۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے محلّہ میں ایک دینی مدرسہ ہے، جس میں قرآن کریم کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اردو کے پرائمری درجات پانچویں تک قرآن پاک کی تعلیم پانیوالے بچوں میں کچھ یتیم اور نادار بچے بھی ہیں، لیکن مدرسہ ان کی کسی قسم کی کفالت نہیں کرتا ان کے لئے کھانا کپڑا دوائی وغیرہ کی کوئی سہولت مدرسہ کی جانب سے نہیں ہے، مدرسہ کی عمارت تعمیر ہورہی ہے جس کیلئے چندہ کی ضرورت ہورہی ہے، کیا اس مدرسہ میں زکوٰۃ وصدقات کا پیسہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد عمران انصاری
محلّہ شیخان، شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسے مدارس ومکاتب میں نادار طلبہ کی ضروریات کی ذمہ داری نہیں لی جاتی ہے! اور نہ ہی ان پر زکوٰۃ وصدقات کا پیسہ خرچ کیا

جاتا ہے، زکوٰۃ وصدقات واجبہ کا پیسہ ان میں دینا درست نہیں ہے، اگر دیا جائے تو دینے والے کی زکوٰۃ وصدقۂ واجبہ ادا نہیں ہوگا، نیز زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی رقم مدرسہ ومسجد کی تعمیر میں لگانا جائز نہیں ہے۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة کمامر لایصرف إلیٰ بناء نحو مسجد وفی الشامی، کبناء القناطر، والسقایات، وإصلاح الطرقات، وکري الأنهار، والحج والجهاد، وکل مالا تملیک فیه الخ.

(الدرالمختار مع الشامی، کتاب الزکاة، باب المصرف کراچی ۳۴٤/۲، زکریادیوبند۳/۲۹۱، تبیین الحقائق، زکریا دیوبند۲/۱۲۰، مکتبه امدادیه ملتان ۱/۳۰۰، البنایه، اشرفیه دیوبند۳/٤٦٢، هندیه زکریا ۱/۱۸۸، جدید زکریا دیوبند ۱/۲۵۰، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳٦/۲٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۲٦۸)

مقامی یتیم بچیوں والے مدرسے میں زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴٦۰٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس ادارہ میں صرف لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں، اور اس ادارہ میں یتیم بچیاں مقامی داخل ہیں اور ان کا مکمل خرچہ کھانے پینے کا مدرسہ کے ذمہ ہے، لیکن مدرسہ میں مطبخ کا انتظام نہیں ہے، ہر مہینے کے خرچ کا روپیہ ان کے ورثاء کو دیدیا جاتا ہے، کیا ایسے ادارہ میں زکوٰۃ کا دینا جائز ہے؟ اس میں زکوٰۃ کا روپیہ لگانے کی کیا صورت ہے برائے مہربانی قرآن وسنت کی روشنی میں اس کا جواب دینے کی زحمت گوارہ فرمائیں، جواب مع تفصیل دیں؟

المستفتي: محمد سیف اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مدرسہ میں یتیم بچیوں کے لئے قیام وطعام کا نظم نہیں ہے اور وہ بچیاں بھی مقامی ہیں، تو ایسی صورت میں ان بچیوں کے نام سے زکوٰۃ کا پیسہ مدرسہ کے لئے وصول کرنے کا کوئی جواز نہیں ان کا انتظام ان کے سرپرست کریں گے، اور ایسا کوئی مدرسہ ہمارے علم میں نہیں ہے جس میں صرف یتیم بچیاں پڑھتی ہوں غیر یتیم بچیاں نہ پڑھتی ہوں، سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے، کہ مدرسہ میں صرف استاذوں کی تنخواہوں کا مسئلہ ہے اور تنخواہوں کیلئے سرمایہ دار لوگوں سے عام مدارس کی طرح تعاون حاصل کیا جاسکتا ہے، یتیم بچیوں کے نام سے زکوٰۃ وصول کرنا اصل مقصد سے زائد ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ . (سورة التوبة: ٦٠)

ومصرف الزكوٰة – هو فقير – ومسكين . (الدرالمختار على هامش رد المحتار كتاب الزكاة كراچى ٢/ ٣٣٩، زكريا ٣/ ٢٨٣، فتاوىٰ عالمگرى ، زكريا ديوبند ١/ ١٨٧، جديد زكريا ديوبند١/ ٢٤٩) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/۱/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۸۳)

اپنے گھر میں جاری کردہ مدرسہ کیلئے صدقات واجبہ لینا

سوال: [۴۶۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنے گھر میں مدرسہ قائم کیا ہے جس میں ہندی، انگلش کی بھی پڑھائی ہورہی ہے، اور یہ مدرسہ وقف کیا ہوا نہیں ہے، بیس روپیہ ماہ معاوضہ وصول کیا جاتا ہے، اور زکوٰۃ خیرات فطرہ چرم قربانی بھی وصول کی جاتی ہے، لہٰذا زکوٰۃ خیرات فطرہ اور قربانی کی کھالیں ایسے مدرسہ میں دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور زید کیلئے یہ تمام چیزیں وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد سالم، رامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ صدقات واجبہ اور چرم قربانی کا پیسہ غریب نادار طلبہ پر خرچ کرنا جائز ہے، غریب اور نادار طلبہ کے کھانے کیلئے ان کا خرچہ بطور چندہ وصول کرنا بھی جائز ہے، لیکن سوالنامہ میں جوشکل بتلائی گئی ہے، اس میں صرف کسی کے ذاتی مکان میں بچوں کو تعلیم دی جاتی ہے، اگر اس ذاتی مکان میں اس کی فیملی بھی رہتی ہو تو ظاہر بات ہے کہ غریب طلبہ کا قیام وطعام اس مدرسہ میں نہ ہوگا، نیز سوالنامہ میں اس کا بھی ذکر ہے کہ طلبہ سے ماہانہ بیس روپیہ معاوضہ بھی وصول کیا جاتا ہے تو ایسی صورت میں زکوٰۃ اور صدقات واجبہ اور چرم قربانی کا پیسہ وصول کر کے وہاں بطور مصرف خرچ کرنے کی بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف کراچی ٢/٣٤٤، زکریا٣/ ٢٩١)

مصرف الزکاۃ والعشر ھو فقیر وھو من له أدنیٰ شیئی ومسکین. (شامی، کراچی ٢/ ٣٨٣، زکریا٣/ ٢٨٣) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢١؍رجب ١٤٣١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٩/ ١٠١٣٧)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢١/٨/ ١٤٣١ھ

مکتب میں زکوٰۃ کی رقم لگانا

سوال: [٤٦٠٨]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں میں مدرسہ ہے جو کہ چھوٹا ہے اور فی الوقت گاؤں کے ہی بچے تعلیم پا رہے ہیں، اور خواہش ہے کہ مدرسہ کو ترقی دیں، اور عمارت وغیرہ وسیع کریں تاکہ بیرونی بچے تعلیم پائیں اس کیلئے گاؤں کے لوگ زکوٰۃ وغیرہ صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: حبیب الرحمٰن، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ اورصدقۂ فطر وغیرہ کی رقم مدرسہ کی تعمیر اور مدرسین کی تنخواہوں میں لگانا جائز نہیں ہے، امداد کی رقم سے تعمیر کا کام جائز ہوسکتا ہے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة ولا يصرف إلىٰ بناء نحو مسجد وتحته في الشامية كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكري الأنهار والحج والجهاد وكل مالا تمليك فيه الخ. (شامی، کتاب الزكاة، باب المصرف ، زکریا دیوبند ۳/۲۹۱، کراچی ۲/۳٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

الجواب صحیح:	کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ	۱۹/ رجمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
۱۹/۶/۱۴۱۷ھ	(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۰۹)

مقامی مکتب میں زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۶۰۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے مدرسہ میں بیرونی طلبہ نہیں ہیں، مدرسہ کے ذریعہ کوئی خرچ طلبہ پر نہیں ہے، تو ایسے مدرسہ میں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: قمر الاسلام انصاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جن مکاتب ومدارس میں بیرونی طلبہ نہ ہوں ان میں زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے، حضرت مفتی اعظم مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے فتاویٰ دار العلوم میں ایسا ہی تحریر فرمایا ہے، ایسے مکاتب میں زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ بھی ادا نہ ہوگی، کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ یہاں مصرف زکوٰۃ نہیں ہے، اور زکوٰۃ وصول کرنے والے بھی گنہگار ہوں گے، ایسے مدارس ومکاتب آپس کے تعاون اور امدادی فنڈ سے چلائے جانے چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۲۵۱)

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ . (سورة التوبة: ٦٠)

ومصرف الزكاة – وهو فقير– ومسكين. (الدر المختار، كتاب الزكاة ، باب المصرف كراچی ۲/ ۳۳۹، زکریا ۳/ ۲۸۳، هنديه زكريا ديوبند ۱/ ۱۸۷، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۲٤۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۲/۸/۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۸/۳ھ

بچوں سے فیس وصول کرنے والے مکتب میں زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال: [۴۶۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں مٹھوارہ میں جو کہ ایک قریۂ کبیرہ ہے، یعنی بڑا گاؤں ہے، قصبہ نہیں ہے، جس میں خوشحال اور صاحب ثروت لوگوں کی تعداد زیادہ ہے، اس گاؤں میں تین چار سال سے مکتب کی شکل کا ایک مدرسہ قائم کیا گیا ہے، جس کا نام مدرسہ کے ذمہ دار نے اپنے والد کے نام سے منسوب کرکے جامعہ..........للبنات رکھا ہے، اس میں تقریباً ڈیڑھ پونے دوسو بچے اور بچیاں درجۂ اطفال اور اول درجہ میں پڑھتے ہیں، جس میں سات آٹھ بالغ بچیاں عربی کی کچھ کتابیں بھی پڑھتی ہیں، ان تمام طلباء وطالبات میں دس بارہ بچے ایسے بھی ہوں گے، جن کے والدین زکوٰۃ فطرہ کے مستحق ہیں، مگر مدرسہ میں دارالاقامہ اور بچوں کے قیام وطعام کا اب تک قطعاً کوئی نظم نہیں ہے، اس مدرسہ میں چار عورتیں اور دو آدمی تعلیم دیتے ہیں، تمام بچوں سے پچاس روپیہ لیکر ڈیڑھ سو روپیہ تک ماہوار فیس بھی لی جاتی ہے، اس مدرسہ کے ذمہ دار مدرس کی تنخواہ تو کسی کو نہیں معلوم، باقی ہر استاد یا استادنی کی تنخواہ کچھ کم وبیش پندرہ سو روپیہ ماہوار ہے، ذمہ دار مدرسہ لگ بھگ پورے سال ملک وبیرون، سعودیہ دبئی، دلی، ممبئی، گجرات، مدھیہ پردیش، اترپردیش وغیرہ کے بہت سارے صوبے، ضلعے، اور قصبات میں، اطراف اور

علاقوں میں صرف چندہ وصولی پر ہی رہتے ہیں بیرون ملک چندہ لینے اور چندہ کرانے والے علاقہ کے لوگوں کے سوال کرنے پر ذمہ دار مدرسہ کے جواب کے مطابق صرف سعودیہ اور دبئی ہی سے ہر سال تقریباً چھ سات لاکھ روپیہ جس میں تھوڑی بہت امداد کی رقم ہوتی ہے، باقی ساری رقم زکوٰۃ وفطرہ وغیرہ کی ہوتی ہے، یہ ذمہ دار مدرسہ وصول کرلاتے ہیں، کیونکہ رجب، شعبان، اور بالخصوص رمضان میں بیرون ملک بلکہ لگ بھگ ہر جگہ زکوٰۃ وغیرہ ہی کی رقم دینے کا معمول ہے، جبکہ بیرون ملک کے چندے کے علاوہ پورے سال انڈیا کے مختلف صوبوں اور ضلعوں کا چندہ اور پورے علاقے میں چرم قربانی اور دھان، گیہوں کی فصل پر وصولیابی کی رقم مزید برآں ہے، ذمہ دار مدرسہ سالانہ آمد وخرچ اور حساب وکتاب یا طلباء یا مدرسین کی تعداد وغیرہ کا گوشوارہ (چارٹ) کبھی بھی شائع نہیں کرتے، بیرون ملک میں رہنے والے لوگوں کے بیان کے مطابق ذمہ دار مدرسہ بیرون ملک لوگوں کو یہ بتاتے ہیں، کہ ہماری جامعہ میں دوڈھائی سو لڑکیاں دارالاقامہ میں ہیں، جن کے قیام وطعام کا نظم جامعہ کے ذمہ ہے، اورابھی مزید بڑھانے کا ارادہ ہے، (جبکہ یہ تمام باتیں سراسر جھوٹ ہیں) ذمہ دار مدرسہ نے اب تک اپنے چندہ کا زیادہ تر تعلق صرف ان لوگوں سے ہی رکھا ہے جنھوں نے ان کا مدرسہ کبھی دیکھا ہی نہیں۔ لیکن اس سال سے انھوں نے مقامی طور پر مٹھوارہ گاؤں میں بھی بھرپور طریقہ سے چرم قربانی کی وصولیابی شروع کردی ہے، اور حد یہاں تک ہوگئی کہ انھوں نے اپنے مکتب کے لئے زکوٰۃ فطرہ کی رقم دینے کا جواز کھینچ تان کر ثابت کرنے اور اپنے مدرسہ کو اس کا صحیح مصرف بتانے کیلئے نماز عید الأضحیٰ کے موقع پر (عیدگاہ) میں بلا اجازت ازخود کھڑے ہوکر بات کو گھما پھرا کر سوالیہ انداز میں لوگوں کو اس کیلئے توجہ بھی دلائی، پھر پانچ روز کے بعد ۲۰/ اکتوبر کو گاؤں میں چھوٹا سا جلسہ بھی کیا جس میں اس مدرسہ کیلئے زکوٰۃ فطرہ وغیرہ کی رقم کے جواز کو بتایا گیا، جس کی وجہ سے لوگوں میں کافی حیرت، تشویش اور ناراضگی پیدا ہوگئی ہے، اس لئے گاؤں کے ذمہ داران نے مشورہ کیا

کہ چونکہ زکوٰۃ فطرہ اورصدقات واجبہ کی رقم کی ادائیگی کا معاملہ بڑا اہم ہے، اس لئے اب اس سلسلہ میں پوری حقیقت لکھ کرفتویٰ منگوانا ضروری ہے، تاکہ حق واضح ہوسکے، اوراس سلسلہ میں ہرطرف کے دھوکہ وفراڈ سے بچاجاسکے۔

واضح رہے کہ ہمارے مٹھوارہ گاؤں کاسب سے پرانا قدیم مدرسہ مدرسہ قاسم العلوم کافی عرصہ سے گاؤں میں چل رہاہے، جس میں درجہ اطفال، پرائمری اور درجہ حفظ سے لے کر ہائی اسکول تک درجات میں مقامی اورعلاقائی کل طلباء چھ سو پچاس ہیں۔جن میں تقریباً غریب نادارساٹھ طلباء دارالاقامہ کے بھی ہیں،اور مدرسہ میں کل اساتذہ کی تعداد ۲۲ رہے چار پانچ سال پہلے یہ ذمہ دارمدرسہ بھی اسی مدرسہ قاسم العلوم میں پڑھاتے تھے،لیکن کافی رقم کا گھوٹالہ کرنے کی وجہ سے انہیں مدرسہ سے نکالا گیا، پھرمختلف موقعوں پرمسجد میں جمعہ کی تقریر میں اورگاؤں کے مختلف معاملات میں فتنہ وفساد برپا کرنے کی وجہ سے جس میں ایک ایک مہینہ پی اے سی تک بھی گاؤں میں لگ گئی، چنانچہ اس بنا پرلوگوں میں ان کی طرف سے سخت ناراضگی پیدا ہوگئی، پھرایک موقع پرایک باران کے جمعہ میں مسجد میں نہایت غیر ذمہ دارانہ تقریر کرنیکی وجہ سے کافی انتشار پیدا ہوگیا، جس میں یہ کافی رسوا وذلیل ہوئے اور بہت سارے لوگوں نے اس کے بعدان کے پیچھے نماز جمعہ پڑھنا چھوڑ دیا، اور دوسری مسجد میں الگ سے دوسرا جمعہ قائم کرلیا، جواب بھی ہورہاہے، اس پربھی جب یہ باز نہ آئے توبالآخر انہیں کچھ دنوں کے بعدعید گاہ کی خطابت اور جمعہ کی امامت سے بھی ہٹادیا گیا......تب اس کے بعدہی انھوں نے اپنا پرسنل مدرسہ کھولا اور بذات خوداس کے مختارکل ذمہ داربن گئے،اور چندہ میں آسانی کیلئے سرپرستی میں ایک معروف ومشہورعالم کانام اپنے مدرسہ کے ساتھ جوڑلیا انھوں نے جب سے اپنا مکتب قائم کیاہے زکوٰۃ فطرہ کے چندہ سے گاؤں میں تھوڑی سی زمین خرید کرچھوٹے چھوٹے دوتین کمرے بنوائے اور پھر برابر چندہ شروع کردیا، ذمہ دارمدرسہ نے جب سے مدرسہ قائم کیاہے تو گاؤں کے اندرکی مین مارکیٹ میں زمین خرید کراپنی نجی دودوکانیں بنوائیں اورتیسری دوکان متنازعہ زمین پرزبردستی بنوارہے تھے،مگرکسان یونین

کے لوگوں نے اس کو روک دیا،......... واضح رہے کہ گھر کا معقول ذریعۂ آمدنی ان کے پاس مدرسہ کے علاوہ اور کچھ بھی ہرگز ایسا نہیں ہے جس کے بل بوتے دسیوں لاکھ روپیہ کی پراپرٹی بنائی جاسکے، ...... اسلئے ان سب حالات کے مدنظر گاؤں اور اطراف کے لوگوں کو زکوٰۃ فطرہ اور صدقات واجبہ وغیرہ کی رقم کا چندہ کرنے کے معاملہ میں ذمہ دار مدرسہ کی طرف سے کافی بے اطمینانی اور ناراضگی ہے، اسلئے دریں صورت حال ایسے مدرسہ میں زکوٰۃ فطرہ اور چرم قربانی وغیرہ یا عطیہ وغیرہ کی رقم دینا جائز ہے کہ نہیں؟ اور چندہ وصول کرنے کیلئے جھوٹ بولنا اور غلط بیانی کرنا کیسا ہے؟ بعض لوگوں نے ذمہ دار مدرسہ سے زکوٰۃ فطرہ کی وصولیابی پر اعتراض کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم زکوٰۃ فطرہ کی یہ رقم مدرسہ ریاض العلوم گورینی لے جاکر عطیہ اور امداد کی رقم سے بدل لاتے ہیں، اسلئے یہ سب جائز ہے، تو کیا زکوٰۃ ،فطرہ کی رقم کے ساتھ ایسی ہیرا پھیری اور کھلواڑ کرنا اور کرانا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو اگر چند مالدار حضرات اپنی زکوٰۃ کی رقم کسی بڑے مدرسہ میں لے جاکر اسی طرح سے امداد اور عطیہ کی رقم سے بدل لائیں اور پھر تعمیر مسجد میں یا کسی بھی دینی کام میں مالدار لوگوں پر جس پر چاہیں خرچ کریں تو کیا ان لوگوں کیلئے بھی یہ جائز ہوگا؟

(۲) اگر اس طرح کے مکتب یا مدرسہ میں زکوٰۃ فطرہ وغیرہ صدقات واجبہ کی رقم خرچ کرنے کا جواز کسی طرح ہوتا بھی ہے تو سارے اساتذہ کی تنخواہ وغیرہ تمام اخراجات مدرسہ جوڑ کر بہت سے بہت زیادہ سے زیادہ ڈھائی تین لاکھ روپیہ ان کے مدرسہ کا خرچ ہوتا ہے جبکہ ان کی صدقات واجبہ کی وصولیابی اس سے کہیں زیادہ ہوتی ہے، اور عطیہ اور امداد کی رقم اس پر مزید برآں الگ ہے، کیونکہ وصولیابی چندہ پورے سال برابر جاری رہتی ہے، تو آخر ہر سال کی یہ سب بقیہ رقم جو بچتی ہے وہ کس کا حق ہے، اور کس مصرف میں لائی جائے؟ کیا ذمہ دار مدرسہ کا اس رقم کو اپنے مصرف میں لاکر اپنی نجی دوکانیں بنوانا یا اور کوئی پراپرٹی خریدنا جائز ہے؟ .... اگر اس طرح کے مکتب یا مدرسہ کیلئے زکوٰۃ وفطرہ وغیرہ وصول کرنا جائز ہے تو یہ سوال بھی اٹھتا ہے، کہ پھر جتنے مکاتب اور چھوٹے چھوٹے مدرسے گاؤں،

قریہ میں ہیں، جہاں یتیم نادار بچے نہیں ہیں، دارالاقامہ اوران کے قیام وطعام کانظم نہیں ہے، تو کیاان سب مکاتب اورمدارس کے ذمہ داران کوبھی زکوٰۃ فطرہ وغیرہ کی رقم وصول کرنا جائز ہوگا؟ اگرہوتاہےتو کیااس سے مستحقین غرباءومساکین اور مستحق مدارس کی حق تلفی نہیں ہوگی؟

(۳) مکتب اور مدرسہ، اور جامعہ کسے کہتے ہیں؟ اور مذکورہ بالا یااس طرح کے مکتب یا مدرسہ کو کیا جامعہ کہا جاسکتا ہے؟ یہ قوم کو دھوکہ دینا تو نہیں ہے؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں ، کیونکہ اس مسئلے کے تحت ہم تمام اہل مٹھوارہ کافی تشویش میں مبتلا ہیں۔

المستفتي: جمال اختر خاں قاسمی، ،موضع مٹھوارہ،
تحصیل فتح پور، ضلع بارہ بنکی، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) سوال نامہ سے واضح ہوتاہے، کہ مذکورہ مکتب میں بچوں سے فیس لے کرتعلیم دی جاتی ہے، جب بچوں سے فیس لے کرتعلیم دی جاتی ہے، تو بچوں پرخرچ کرنے کے بجائے بچوں سے لیا جاتا ہے، لہٰذا ایسا مکتب زکاۃ وصدقات واجبہ اور چرم قربانی وغیرہ کے پیسہ کا قطعاً مستحق نہیں ہے، ایسے مکتب میں زکاۃ صدقات کی رقم جان بوجھ کر دینے سے انکی زکاۃ صدقات خطرہ میں پڑجائیں گے، اس لئے چندہ دہندگان کو اس مکتب میں چندہ دینے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے، اور چندہ وصولی کیلئے جھوٹ اور فریب سے کام لینا سخت دھوکہ دہی اور گناہ ہے، نیز ریاض العلوم گورینی کا نام لیا گیا ہے، یہ کہاں تک درست ہے تحقیق کے بغیر اس بات کو تسلیم کرنا مشکل ہے، اسلئے کہ کوئی بھی مدرسہ ایسا کام نہیں کرسکتا ہے کہ امداد کی رقم دیکر زکاۃ کا پیسہ وصول کرے۔

قال الله تعالىٰ: لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ . (آل عمران: ٦١)

عن أبي هريرة – رضى الله عنه – عن النبى ﷺ قال: آية المنافق ثلاث : إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا أؤتمن خان . (صحيح

البخاری ، الایمان ، باب علامة المنافق ، النسخةالهندیة ۱/ ۱۰، رقم: ۳۳)

وفی روایة مسلم وقال: آیة المنافق ثلاث: وإن صام وصلیٰ وزعم أنه مسلم . (صحیح مسلم ، الإیمان ، باب بیان خصال المنافق ، النسخة الهندیة ۱/ ۵٦، بیت الافکار رقم:۵۹)

عن عبد الله بن مسعود رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ إیاکم والکذب ؛ فإن الکذب یهدي إلیٰ الفجور ، وإن الفجور یهدي إلیٰ النار، وما یزال الرجل یکذب ویتحری الکذب حتی یکتب عند الله کذاباً .

(صحیح مسلم ، باب البر والصلة ، الأدب ، باب قبح الکذب وحسن الصدق ، فضله، النسخة الهندیة ۲/ ۳۲۵، بیت الافکاررقم: ۲٦۰۷، مشکاة شریف۲/ ۴۱۲)

قال رسول الله ﷺ من غشنا فلیس منا. (مسلم شریف، باب قول النبی ﷺ من عشنافلیس منا ،النسخة الهندیة ۱/ ۷۰، بیت الافکار رقم: ۱۰۱، مشکاة شریف/۳۰۵)

قال المناوی : من غش أي خان ، والغش ستر حال الشيء ، فلیس منا أي من متابعینا، قال الطیبی لم یردبه نفیه عن الإسلام بل نفي خلقه عن أخلاق المسلمین أي لیس هو علی سنتنا أو طریقتنا فی منا صحة الإخوان .

(فیض القدیر ۱۱/ ۵۹۲۴، بحواله فتاویٰ محمودیه ڈابهیل ۱۸/ ۴۸۲)

قال رسول الله ﷺ : لا إیمان لمن لا أمانة له، ولا دین لمن لا عهد له......(المعجم الکبیر للطبرانی ، داراحیاء التراث العربي ۱۰/ ۲۲۷، رقم: ۱۰۵۵۳، مسند البزار ، مکتبه العلوم والحکم۱۳/ ۴۳۹، رقم: ۷۱۹٦، مسند أحمد بن حنبل ۳/ ۱۵۴، رقم: ۱۲۵۹۵، مشکاة شریف۱/ ۱۵)

(۲) اگر یہ باتیں صحیح اور درست ہیں، کہ چندہ وصول کر کے اپنی نجی جائداد اور عمارتیں تعمیر کی جارہی ہیں، تو یہ قوم کے ساتھ سخت دھوکہ دھڑی اور ناجائز عمل ہے۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من غشنا فلیس منا . (مسلم

شريف ١/٧٠، بيت الافكار رقم: ١٠١)

الوديعة لاتودع ولا تعار ولا تؤجر ولا ترهن فإن فعل شيئاً منها ضمن. (هنديه ، كتاب الوديعة زكريا يوبند٣/٣٠٤، جديد زكريا ديوبند ٤/٣٤٩، كراچی ٢/٢٥٣، ٢٥٤، هنديه ١/١٩٠، مجمع الأنهر مصری قديم ١/٢٢٦، دارالكتب العلمية بيروت ١/٣٣٣، ٤/٣٣٨)

كره نقلها إلا إلىٰ قرابة ...... أو أحوج أو أصلح أو أورع أو أنفع للمسلمين الخ. (شامی، كتا ب الزكاة، باب المصرف، كراچی ٢/٣٥٤، زكريا ديوبند٣/٣٠٤)

(۳) مکتب اس کو کہتے ہیں، جس میں قرآن کریم کی تعلیم اور ضرورت کے مطابق عربی اردو اور ہندی وغیرہ کی تعلیم ہوتی ہو، اور مدرسہ اسکو کہتے ہیں، جس میں درجۂ حفظ اور فارسی سے لیکر متوسط درجہ تک عربی درجات کی تعلیم ہوتی ہو......، اور جامعہ اس مدرسہ کو کہا جاتا ہے، جس میں حدیث فقہ اور تفسیر وغیرہ کی تعلیم ہوتی ہو، اور جس میں مختلف فنونات کے ساتھ ساتھ تکمیل افتاء تکمیل ادب اور تکمیل علوم وغیرہ کی بھی تعلیم ہوتی ہو، لہذا مکتب کو جامعہ کا نام دینا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍صفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۲۱ھ

مکتب میں بچوں سے فیس اور زکوٰۃ لینا

سوال: [۴۶۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں میں مکتب ہے جس میں مقامی و بیرونی بچے تعلیم حاصل کررہے ہیں، مقامی بچوں سے تعلیم کی فیس لی جاتی ہے، اور بیرونی بچوں سے نہیں لیجاتی ہے جن کی تعداد ۱۰ ہے، ان کا کھانا بھی مدرسہ کے مطبخ سے جاری ہے، اور جن بچوں سے فیس لیجاتی ہے، وہ اس مقدار تک نہیں ہوتی ہے کہ اس سے مدرسین کو تنخواہ دی جاسکے تو اب سوال یہ ہے کہ فیس اور زکوۃ لینا جائز ہے جو بھی حکم ہو جواب دیں؟

المستفتی: محمد زبیر، بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مکتب چلانے کیلئے کہیں سے کوئی تعاون یا چندہ نہیں آتا ہے، اور نہ کہیں سے چندہ لیا جاتا ہے، تو مدرس کی تنخواہ کیلئے بچوں کی فیس لینا جائز اور درست ہے اور اگر چندہ کے پیسہ سے تنخواہ کا انتظام ہے تو بچوں سے فیس لینا درست نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۱۹/۲، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۴۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۳/ ۱۴۲۴ھ

مکتب میں حیلۂ تملیک کا حکم

سوال: [۴۶۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ایک مدرسہ ہے جسمیں تین مدرسین پڑھاتے ہیں، ۱۵۰/ بچے تعلیم پاتے ہیں، جس میں حفظ کا درجہ نمایاں کام کرتا ہے، کیا یہ مدرسہ فرضی کہلانے کا مستحق ہے۔

(۲) اور جس مدرسہ کا ذکر ہوا اس میں زکوٰۃ کی رقم بعد تملیک کے لگانا جائز ہے، یا نہیں اس میں بیرونی طلبہ نہیں ہیں، اور مقامی طلباء جو غریب مستحق زکوٰۃ ہیں، کثیر تعداد میں پڑھتے ہیں جنکا تعلیمی خرچ مدرسہ دیتا ہے، تاکہ وہ بچے علم سے محروم نہ رہیں، اس بارے میں کیا حکم ہے؟

(۳) ایک زمین خریدی گئی اور اس شرط کیساتھ خریدی گئی کہ مدرسہ والے اگر زمین کی رقم ادا کردیں گے، تو زمین مدرسہ کو دیدی جائے گی، لیکن مدرسہ والے زمین کی رقم ادا نہیں کرپاتے اور وہ مدرسہ ختم ہوجاتا ہے، تو یہ شخص جس نے زمین خریدی تھی، زمین فروخت کرکے اپنی رقم لے سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: حافظ محمد اسحاق، محلّہ انصاریان، سلیم پور گڑھی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (١) جس مدرسہ میں صرف مقامی بچے ہوتے ہیں، اس کو عرف میں مکتب کہا جاتا ہے، اگرچہ اس میں کچھ بچے حفظ بھی کرتے ہوں، لہٰذا آپ کا مدرسہ مکتب کہلائے گا اور یہ بھی نہیں کہا جاسکتا ہے، کہ فرضی مدرسہ ہے بلکہ مکتب ہے۔

الثابت بالعرف كالثابت بالنص الخ. (رسم المفتی /٩٥)

(٢) ایسے مکاتب کیلئے حیلۂ تملیک روانہیں ہے۔

وليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلىٰ إبطال الحق . (عمدہ القاری، داراحیاء التراث العربي ٢٤/١٠٩، زکریا دیو بند١٦/ ٢٣٩، تحت رقم الحديث:٦٩٥٣)

(٣) جی ہاں جس نے زمین خریدی ہے، اس کو طے شدہ شرائط کے مطابق زمین فروخت کر کے اپنی رقم وصول کرنے کا حق ہے۔

المسلمون عند شروطهم الخ. (قواعد الفقه، اشرفیه، بکڈپو دیو بند/١٢١، رقم القاعد: ٣١٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:	کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ	١٠/ربیع الاول ١٤١٥ھ
١٠/٣/١٤١٥ھ	(الف فتویٰ نمبر: ٣١/٣٨٩٤)

جس مکتب میں مستحق زکوٰۃ طلبہ نہ ہوں وہاں تملیک کا حکم

سوال: [٤٦١٣]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں موضع مونڈھا ائمہ میں ایک مکتب قائم ہے جس میں اکثر طلبہ امیر گھرانوں کے تعلیم پاتے ہیں، اور غریب طلبہ کم ہیں، کیا ان طلبہ کی تعلیم پر فطرہ زکوٰۃ چرم قربانی وغیرہ کا پیسہ تملیک کر کے لگانا جائز ہے یا نہیں؟ تملیک کرا کر مدرسہ میں عمارت بنانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: مرغوب حسین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا مکتب جہاں غریب مستحق زکوٰۃ طلبہ کی کفالت

نہ کی جاتی ہوا یسے مکتب میں صدقۂ فطر زکوٰۃ چرم قربانی وغیرہ دینا جائز نہیں ہے۔

لا یصرف إلیٰ بناء نحو مسجد (تحت قوله) کبناء القناطر والسقایات وإصلاح الطرقات، وکري الأنهار والحج والجهاد وکل مالا تملیک فیه. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، زکریا دیوبند۳/۲۹۱، کراچی ۲/۳٤٤)

اور ایسے مکتب میں حیلۂ تملیک کی بھی گنجائش نہیں ہے بلکہ ایسے مکتبوں کو علاقہ کے لوگ اپنی امداد کے پیسہ سے چلایا کریں۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۱۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۷۹۵)

مکتب کے محصلین کوزکوٰۃ دینا

سوال: [۴۶۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وہ مدارس جن میں مطبخ نہیں ہے، نہ بیرونی بچے ہیں، صرف پرائمری کی مع قرآن کریم ناظرہ کی تعلیم ہوتی ہے، کیا ان مدارس سے آنے والے محصلین کو اس مدرسہ کیلئے زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے، نیز بہت سے آنے والے محصلین یہ کہتے ہیں کہ ہم اسکو حیلہ کرکے استعمال کرتے ہیں، تو وہ کیا صورت ہے جس سے زکوٰۃ کی رقم کے لئے حیلہ کی جاتی ہے، اگر ان لوگوں کو زکوٰۃ دیدی جائے تو کیا زکوٰۃ ادا ہو جائیگی، فقہی کتابوں کے حوالہ سے جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: ڈاکٹر عتیق احمد خان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: وہ مکاتب ومدارس کہ جن میں مستحق ونادار طلباء پر زکوٰۃ وصدقہ وغیرہ کی رقم خرچ نہ کی جاتی ہو ان میں زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی رقم دینا جائز نہیں اور اگر کسی نے یہ رقم ان مدارس میں دی تو ان کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، نیز ایسے مکاتب میں تملیک

کر کے بھی زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی رقم صرف کرنا جائز نہیں ہے، ایسے مدارس ومکاتب میں امداد ہی کی رقم دینی چاہئے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ . (سورة التوبة: ٦٠)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة كما لايصرف إلىٰ بناء نحو مسجد و كل مالا تمليك فيه. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ٢/ ٣٤٤، زكريا ديوبند ٣/ ٢٩١، هكذافي الهندية زكريا ١/ ١٨٨، ٦/ ٣٩٢، جديد زكريا ديو بند ١/ ٢٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رشوال ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۲۵)

مکتب کی تعمیر کیلئے حیلۂ تملیک کرنے کی اجازت نہیں

سوال: [۴۶۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایسے مدرسہ میں جس میں مطبخ نہیں ہے، مدرسہ کی کمیٹی کے لوگ زکوٰۃ کے مال کو کسی نابالغ غریب بچے یا لڑکے کو مال دے کر واپس لے لیں تملیک کے طور پر مدرسہ کے خرچ وغیرہ کیلئے تو کیا یہ درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: تنویر عالم، اصالتپورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے مدارس جس میں مطبخ وغیرہ نہیں ہے، تعمیر میں لگانے کیلئے کمیٹی کے لوگوں کا مال زکوٰۃ کا حیلۂ تملیک کرنا ممنوع ہے، اور مستحقین کے حق کو ضائع کرنے کے مرادف ہے اور جن بڑے مدارس میں مدرسین کی تنخواہوں میں دینے کیلئے حیلۂ تملیک کی گنجائش ہے، ان میں بھی نابالغ بچوں کے ذریعہ سے حیلہ تملیک کرانا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ وہ خود مکلّف نہیں ہے، ہاں بالغ غریب طلباء کے ذریعہ سے

حیلۂ تملیک کرانا جائز اور درست ہے۔

أما الاحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان ، وقال النسفي في الكافي عن محمد بن الحسن قال: ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلىٰ إبطال الحق . (عمدة القاری ، داراحیاء التراث العربي ٢٤/١٠٩، زكريا ديوبند١٦/٢٣٩، تحت رقم الحديث: ٦٩٥٣)

وفي التمليك إشارة إلىٰ أنه لا يصرف إلىٰ مجنون وصبي غير مراهق إلا إذا قبض لهما من يجوز له قبضه كالأب والوصي وغيرهما. (شامی، کتاب الزكاة، باب المصرف ، كراچی ٢/٣٤٤، زكريا٣/٢٩١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:	کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ	۱۸ر شوال المکرّم ۱۴۳۱ھ
۱۴۳۱/۱۰/۱۸ھ	(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۷۷)

مکتب کے بچوں کی کتاب وکاپی خریدنے کیلئے تملیک کی اجازت نہیں

سوال: [۴۶۱۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ضلع ایٹہ یوپی کا ایک قصبہ علی گنج ہے دینی اعتبار سے نہایت پسماندہ اور پچھڑا ہوا ہے، قصبہ بالخصوص محلّہ میں اب تک دینی مدارس ومکاتب کا کوئی وجود نہیں تھا، محلّہ کے چند فکرمند حضرات کی جدو جہد سے ایک شاندار عمارت کے ساتھ مدرسہ وجود میں آ گیا اور مکتب کی شکل میں تعلیم وتدریس کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا ، چونکہ عوام دین کے نام پر خرچ کرنا نہیں چاہتی ہے اور نہ دینی تعلیم کے حصول کا کوئی شوق رکھتی ہے، لہٰذا تعلیمی نظام کی یہ ترتیب بنائی گئی کہ بچوں کی تعلیم مفت دی جائے ، اور تعلیم سے متعلق کتاب وکاپی بھی مفت فراہم کی جائے ، کہ بچوں کے والدین بخوشی اپنے بچوں کو دینی تعلیم دلانے پر رضامند ہو جائیں، الحمد للہ مدرسہ ہذا میں بشکل مکتب تعلیم وتدریس کا سلسلہ جاری ہے، طلباء نادار ومالدار دونوں میں اکثریت ناداروں کی ہے، طلباء کیلئے کتاب وکاپی کی فراہمی کیلئے زکوٰۃ وصدقات بھی وصول کئے جاتے ہیں، اور عید

قربانی پر چرم قربانی بھی وصول ہوتے ہیں، اور حاصل شدہ رقومات کو حیلہ تملیک کے بعد مدرسہ کے جملہ مصارف میں خرچ کیا جاتا ہے، ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں واضح ہو کہ مدرسہ میں دارالاقامہ قائم نہیں ہے؟

المستفتي: ابوحارث عثمانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب فکرمند لوگوں کے ذریعہ سے مذکورہ مکتب کے لئے شاندار عمارت تیار ہوگئی ہے تو اس میں پڑھنے والے بچوں کے لئے کتابیں وکاپی کے خرچہ کا انتظام کرنا کوئی مشکل نہیں ہوسکتا اس لئے کہ چھوٹے بچوں کی کتاب وکاپی کے خرچہ میں کوئی بہت موٹی رقم کی ضرورت نہیں، ایک مکتب میں پورے سال میں بھی بچوں کی کتاب وکاپی میں دس پندرہ ہزارروپیہ خرچ ہوسکتے ہیں، لہٰذا اس مختصر ضرورت کے لئے زکاۃ وچرم قربانی کے پیسوں میں تملیک کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، بلکہ فعال لوگوں کے تعاون کے ذریعہ سے یہ ضرورت پوری ہونی چاہے۔

فذهب علماء نا إليه أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل فهي مكروهة وفي العيون وفي الجامع الفتاوىٰ لا يسعه ذلك. (الفتاوى التاتارخانيه، زكريا ديوبند ١٠/ ٣١١، رقم: ١٤٨٤٥، هنديه زكريا ديوبند٦/ ٣٩٠، جديد زكريا ديوبند٦/ ٣٩٣)

أما الاحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان وقال النسفي في الكافي عن محمد ابن الحسن قال ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلىٰ إبطال الحق. (عمدة القارى، دار احياء التراث العربي لبنان ٢٤/ ١٠٩، زكريا ١٦/ ٢٣٩، تحت رقم الحديث: ٦٩٥٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍صفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۳۲/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۱۲ھ

مکتب میں بعد تملیک زکوٰۃ وصدقہ کی رقم صرف کرنا

سوال: [۴۶۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان کے مہینہ میں مدرسہ کی طرف سے سفیر بنا کر جن اشخاص کو بھیجا جاتا ہے، اور صدقہ وزکوٰۃ وفطرہ کا روپیہ اکٹھا کر کے کسی غریب یا کسی بیوہ کو دیکر اس سے یہ کہا جاتا ہے کہ اس روپیہ کی تم ذمہ دار ہو چاہے اس کو تم رکھ لو اور چاہے مدرسہ میں دیدو اس طرح تملیک کرنا جائز ہے یا نہیں، جبکہ اس مدرسہ میں کوئی طالب علم باہر کا نہیں ہے، اور نہ کوئی بچہ یتیم ہے سب بچے گاؤں کے پڑھ رہے ہیں، تو مدرسہ کی عمارت میں اور مدرسین کی تنخواہ میں اس روپیہ کو صرف کر سکتے ہیں، یا نہیں؟

المستفتي: حافظ دلشاد احمد،
مدرسہ مظہر العلوم، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسے مدارس میں زکوٰۃ صدقہ چرم قربانی کا پیسہ نہیں دینا چاہئے، جن میں بیرونی طلباء نہ ہوں اور نہ منجانب مدرسہ طلباء کو کھانا دیا جاتا ہو، بلکہ ایسے مدارس میں دینا چاہئے جن میں طلباء کو کھانا دیا جاتا ہے، اسلئے کہ جہاں صدقہ زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے، وہاں دینا ممنوع ہے اور ایسے چھوٹے مدارس کی کفالت خود علاقہ کے لوگوں کی امداد سے ہونی چاہئے۔

فذهب علماء نا إليه أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل، فهي مكروهة . (الفتاوى التاتارخانيه، كتاب الحيل، الفصل الأول في جواز الحيل ١٠/ ٣١١، رقم: ١٤٨٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۱۱/ ۱۴۱۵ھ

مکتب میں زکوٰۃ کی رقم تملیک یا بلا تملیک استعمال کرنے کا حکم

سوال: [۴۶۱۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) انبالہ شہر میں ایک مدرسہ کھولا گیا ہے، جس کا خرچ کچھ مسلمان بھائی آپس میں مل جل کر اٹھا رہے ہیں، اور اس مدرسہ میں قاعدہ، نورانی قاعدہ اور ناظرہ والے بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں، اور بیرونی طلبہ کوئی نہیں ہیں، دریافت یہ کرنا ہے کہ اس مدرسہ میں زکوٰۃ صدقۂ فطر وغیرہ کا پیسہ لگایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) اور اگر کسی سے زکوٰۃ وغیرہ کے پیسہ کی تملیک کرالی جائے اور پھر اس پیسہ کو مدرسہ میں لگایا جائے تو کیا حکم ہے؟

(۳) اور جو اس کے لئے صدقہ فطرہ وغیرہ کا پیسہ جمع کیا جا چکا ہے اس کا کیا کیا جائے۔

(۴) جن لوگوں نے یہ پیسہ دیا ہے کیا ان کا صدقۂ فطر ادا ہو گیا یا نہیں؟

المستفتي: نسیم احمد نہٹوری، انبالہ شہر، ہڑیا رال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں جس مدرسہ کا ذکر کیا جا رہا ہے وہ مقامی بچوں کے لئے مکتب ہے جس میں نورانی قاعدہ اور ناظرہ وغیرہ کی تعلیم ہوتی ہے، اگر ان بچوں میں غریب نادار بچے ہیں، تو ان پر زکوٰۃ اور صدقہ فطر کا پیسہ خرچ کرنا جائز ہے اور بچوں کو پڑھانے والا جو استاذ ہے اس کی تنخواہ اگر امداد کی رقم سے پوری ہو جاتی ہے تو زکوٰۃ اور صدقہ فطر وغیرہ اس کی تنخواہ میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس کے لئے تملیک کرنا جائز ہے ہاں البتہ اگر تنخواہیں پوری نہیں ہو پاتی ہیں، تو مجبوری میں مدرسین کی

تنخواہ میں دینے کے لئے شرعی تملیک کرنا جائز ہے، مگر زمین خریدنے کے لئے یا تعمیر کے لئے زکوٰۃ اور صدقہ فطر کے پیسہ میں تملیک کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس سے فقراء کی حق تلفی لازم آتی ہے۔

وکذلک فی جمیع أبواب البر التی لایقع بها التملیک کعمارة المساجد وبناء القناطر والرباطات لایجوز صرف الزکاة إلیٰ هذه الوجوه.

(هندیه، کتاب الحیل، زکریا دیوبند۲/۳۹۲، جدید زکریا دیوبند۶/۳۹۵)

وقال محمد: یکره لمافیه من القصد إلیٰ إبطال حق الفقراء بعد وجود سببه. (عمدة القاری، کتاب الحیل، باب فی الزکاة، داراحیاء التراث العربي ۲۴/۱۱۱، زکریادیوبند۶ ۱/۲۴۱، تحت رقم الحدیث: ۶۹۵۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۱۱/۱۴۳۰ھ

مکتب کے استاذ کو تملیک کے بعد زکوٰۃ کی رقم دینا

سوال: [۴۶۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام صاحب مسجد میں امامت کرتے ہیں، اور متصل جگہ میں مکتب نما مدرسہ ہے جس میں اسکول کے بچے اور کچھ مقامی بچے جو مستقل مدرسہ میں پڑھتے ہیں امام صاحب کی تنخواہ مسجد سے ایک ہزار روپئے اور مدرسہ سے تین ہزار روپئے ہے جو کہ زکوٰۃ ہے اہل کمیٹی کے لوگ تملیک کے بعد امام صاحب کو مدرسہ کی تنخواہ دیتے ہیں، جبکہ مدرسہ میں کوئی باہر کا بچہ نہیں ہے، تو ایسی صورت میں امام صاحب کے لئے وہ زکوٰۃ کی رقم تملیک شدہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر گنجائش کی صورت ہو تو تحریر فرمادیں؟

المستفتي: محمد انتخاب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: محلّہ کی مسجد میں جومکتب قائم ہوتا ہے، جس میں محلّہ کے بچے پڑھتے ہیں، اس کے استاذ کی تنخواہوں کی ذمہ داری محلّہ کےلوگوں پر ہوتی ہے اتنے مختصر کام کے لئے زکوٰۃ کا پیسہ وصول کرنا پھراس کاامام کی تنخواہ میں دینے کیلئے تملیک کرانا مال زکوٰۃ کے بارے میں لاپرواہی کے مرادف ہوناہے، اور فقراء کے حق کو باطل کرنا ہے، ہاں البتہ زکوٰۃ کے بغیر اگر مدرس کی تنخواہ محلّہ سے پوری نہیں ہوتی ہے، یا محلّہ والےاس میں تعاون کرنے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہیں، اورعلاقہ کے بچے دینی تعلیم سے محروم ہورہے ہیں، اوراس محلّہ کے لوگ انتہائی پسماندہ اورغریب ہیں، تو ایسی مجبوری کی صورت میں زکوٰۃ کے پیسہ میں تملیک کرکےاس مکتب کےاستاذ کوتنخواہ میں دینے کی گنجائش ہوسکتی ہے۔

وأما الاحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان وقال النّسفي في الكافي: عن محمد بن الحسن قال: ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلىٰ إبطال الحق. (عمدة القاری، کتاب الحيل، دار احياء التراث العربي ٢٤/ ١٠٩، زكريا ديوبند ١٦/ ٢٣٩، تحت رقم الحديث:٦٩٥٣)

الضرورات تبيح المحظورات. (قواعد الفقه اشرفی بکڈپو، ديوبند / ١٧٠، قاعده/ ١٧٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱/۷ھ

(۱۲) باب: اسکول میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنے کا حکم

اسکول میں زکوٰۃ کی رقم لگانا

سوال: [۴۶۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کی رقم حیلۂ تملیک کے بعد دنیاوی تعلیم کے اوپر خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض جونیئر ہائی اسکول کے ماسٹران کو تنخواہ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: شفیع احمد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس کے لئے حیلہ تملیک کرنا ہی شرعاً جائز نہیں ہے۔

كما في عمدة القارى الاحتيال للهروب عن الحرام والتباعد عن الوقوع فى الإثم لا بأس به بل هو مندوب إليه، وأما الاحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان. (عمدة القارى، كتاب الحيل، داراحياء التراث العربي بيروت ٢٤/١٠٩، زكريا ١٦/٢٣٩، تحت رقم الحديث /٦٩٥٣، وهكذا فى الفتاوىٰ التاتار خانية زكريا ديوبند ١٠/٣١١، رقم: ١٤٨٤٥، هنديه زكريا ديو بند٦/٣٩٠، زكريا جديد ديوبند٦/٣٩٤)

لہٰذا جونیئر ہائی اسکول کیلئے حیلۂ تملیک کرنے والے سب لوگ گنہگار رہوں گے۔
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲۲/۲۳)

جونیئر ہائی اسکول میں زکوٰۃ کی رقم

سوال: [۴۶۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جونیر

ہائی اسکول کا قیام دینی مدرسہ کی عمارت میں نیز زکوٰۃ وصدقات کی رقم سے حیلۂ تملیک کے بعد جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد عمر صدیقی، کاشی پور، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حیلۂ تملیک صرف ایسی ضروریات کے لئے جائز ہے، جن کے بغیر اسلامی شعار اور دینی علوم اور عبادات وغیرہ ضائع ہونے کا سخت خطرہ ہو، جونیئر ہائی اسکول دینی ضروریات سے خارج ہے، اسلئے نہ اسکا الحاق دینی مدارس کے ساتھ جائز ہے، اور نہ ہی اسپر چندہ یا مال زکوٰۃ مع حیلۂ تملیک کے جائز ہے۔

وأما الاحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان الخ. (عمدة القارى، كتاب الحيل، داراحياء التراث العربي ٢٤/١٠٩، زكريا ديوبند١٦/٢٣٩، تحت رقم الحديث/٦٩٥٣، وهكذا فى الهندية زكريا٦/٣٩٠، زكريا جديد ديو بند ٦/٣٩٤، الفتاوىٰ التاتار خانية زكريا ديوبند١٠/٣١١، رقم: ١٤٨٤٥)

لہٰذا جونیئر ہائی اسکول کے لئے حیلۂ تملیک کرنیوالے سب لوگ گنہگار رہوں گے۔
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۸۵)

جونیئر اسکول میں حیلہ سے مال زکوٰۃ صرف کرنا

سوال: [۴۶۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ میں چونکہ اب تک لڑکے اور لڑکیوں کی مخلوط تعلیم تھی، اب ارباب شوریٰ نے لڑکیوں کی تعلیم کیلئے استادنیاں رکھ کر تعلیم کا

نظم کیا ہے، لہٰذا اس عمارت میں جونیئر اسکول چلایا جاسکتا ہے، یا نہیں؟ نیز ارباب شوریٰ کا باہمی اختلاف اس میں یہ ہیکہ جو پیسہ جونیئر کے لئے بالائی منزل پر خرچ ہوا ہے وہ مدرسہ عربیہ کے جونیئر کو دلوایا جائے ،اور جونیئر مدرسہ کی عمارت سے الگ قائم کردیا جائے ،بعض لوگ یہ کہتے ہیں ، کہ اس عمارت میں جونیئر کو چلنے دیا جائے ،کونسی بات از روئے شرع مناسب ہے؟ مفصل بیان فرما کر شکریہ کا موقع دیں؟ نوازش ہوگی۔

المستفتي: محمد یوسف قاسمی، جامعہ عربیہ
شمش العلوم، محلّہ علی خان، کاشی پور، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباﷲ التوفیق: مدرسہ شمس العلوم کی عمارت کی تیسری منزل پر جونیئر کی اجازت دینے میں آئندہ مدرسہ کو کافی نقصان پہونچ سکتا ہے، اس لئے اس میں جونیئر کی تعلیم کی اجازت نہ دی جائے ، نیز جونیئر کو تیسری منزل کے مذکورہ کمرہ کی قیمت ادا کردی جائے ، اور جونیئر علیحدہ اپنا انتظام کرے تاکہ دینی مدرسہ سے اس کا کوئی تعلق نہ رہے!

کما استفاد من عبارة الأشباه: وإنما یقال لمرید ها أنفق واحبس العین إلیٰ استیفاء قیمة البناء أو ما أنفقته . (الاشباہ والنظائر قدیم ۱/۱۴۱، جدید زکریا ۱/۲۵۴)

(**قوله) ومنها لو غصب أرضاً فبنیٰ فیها أو غرس فإن کانت قیمة الأرض أکثر قلعها وردت وإلاضمن له قیمتها الخ**. (الاشباہ والنظائر قدیم /۱۴۴، جدید زکریا ۱/۲۸۵)

یعنی اگر کسی نے زمین غصب کرکے اسمیں عمارت بنائی یا باغ لگا دیا تو اگر عمارت کی قیمت زیادہ ہوتو زمین کی قیمت ادا کرے گا، اگر زمین کی قیمت زیادہ ہےتو عمارت کو اکھیڑ دیا جائے ،حاصل

یہ ہے کہ جس کی قیمت کم ہو اسکی قیمت ادا کر کے علیحدہ کر دیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۳۶)

کمیٹی کا مکتب میں زکوٰۃ کا روپیہ دینا

سوال: [۴۶۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مکتب ہے اس میں کچھ طلبہ دین کی تعلیم حاصل کرتے ہیں، اور پڑھانے والے کو کمیٹی کی طرف سے تنخواہ دی جاتی ہے، تو اس مکتب میں زکوٰۃ یا چرم قربانی کا روپیہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ مدلل جواب مطلوب ہے؟

المستفتي: انیس الرحمٰن، کٹھاری، متعلم مدرسہ ہذا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ و چرم قربانی کا روپیہ نادار، غیر سید فقیر یا نادار طلبہ جو سید نہ ہوں کو دینا ضروری ہے، مدرسہ کے مصارف میں بغیر حیلۂ شرعی صرف کرنا جائز نہیں ہے، اسلئے ایسے مکتب میں زکوٰۃ نہ دینی چاہئے، جو کمیٹی کے تحت چل رہا ہو، اور وہاں باہر کے طلبہ کے لئے طعام و دیگر اخراجات کا انتظام نہ ہو۔

أما تفسيرها فهي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالیٰ الخ.
(عالمگیری، كتاب الزكاة، الباب الاول فی تفسيرها وصفتها و شرائطها، زكريا ديوبند ۱/ ۱۷۰، جديد زكريا ۱/ ۲۳۲)

ولا يجوز أن يبنى بالزكوٰة المسجد (إلیٰ قوله) وكل مالا تمليك فيه الخ. (هنديه، الباب السابع فی المصارف ۱/ ۱۸۸، جديد زكريا ۱/ ۲۵۰، تبيين الحقائق، مكتبه امداديه ملتان ۱/ ۳۰۰، زكريا ديوبند ۲/ ۱۲۴، شامی كراچی ۲/ ۳۴۴،

زکریا دیوبند۳/ ۲۹۱، الموسوعة الفقهية الکويتية ۳٦/ ۲٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۸۳)

مخلوط تعلیم والے مدرسہ میں زکوٰۃ

سوال: [۴۶۲۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مدرسہ جس میں دنیاوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم بھی دی جاتی ہے، درس قرآن کا ایک شعبہ ہے، درس قرآن کی تعلیم کیلئے تنخواہ کی ضرورت ہے زکوٰۃ کی رقم سے اس تعلیم کی تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ جواب سے نوازیں کرم ہوگا؟

المستفتي: احقر محمد احمد، فیض گنج، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ کی رقم سے معلم کو تنخواہ دینا جائز نہیں ہے بلکہ غریب نادار کو بلاعوض مالک بنادینا واجب ہے۔

ويشترط ان يكون الصرف تمليكاً لا إباحة كمامر لا يصرف إلىٰ بناء نحو مسجد الخ. (الدرالمختار، کتاب الزکاة، باب المصرف، زکریا دیوبند۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ شعبان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۳۹٦)

مدرسہ کے نام پر چلنے والے اسکول میں زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۶۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل

کچھ مدارس اسلامیہ اس طرح کے ہیں، کہ ان میں دینی تعلیم کی جگہ دنیاوی تعلیم پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے، اور وہ بھی خاص کر انگریزی تعلیم پر اس کے علاوہ ان مدرسوں میں نہ تو حفظ کا ہی کوئی معقول انتظام ہے اور نہ ہی بیرونی یا مقامی نادار طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہیں، بلکہ طلبہ سے ہر مہینہ ۱۰، ۱۵/ روپیہ ماہوار فیس وصول کی جاتی ہے، اگر تھوڑا بہت کچھ ہے تو صرف اتنا کہ جو بچے غریب ہوتے ہیں، انکی فیس معاف کردی جاتی ہے، یا کورس کی کتابیں دلا دی جاتی ہیں، تو کیا ایسے مدرسوں میں زکوٰۃ فطرہ چرم قربانی وغیرہ دینا درست ہے، جبکہ مہتمم حضرات مذکورہ مد کی رقم کو رسماً تملیک بھی کرا لیتے ہیں، تو ایسے مدرسوں میں زکوٰۃ صدقہ و چرم قربانی وغیرہ دی جائے تو کیا ادا ہو جائے گی؟

المستفتي: محمد مسلم، امروہوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال میں مدارس اسلامیہ کا ذکر کیا گیا ہے، وہ صرف نام کے مدارس ہیں درحقیقت دنیوی اسکول ہیں، ان میں زکوٰۃ وصدقات واجبہ کا خرچ کرنا جائز نہیں ہے، یہ اسکول طلبہ کی فیس وغیرہ کے ذریعہ چلا کرتے ہیں، اور تھوڑی بہت جو دینی تعلیم ہے وہ صرف ضمناً ہے اور دینی تعلیم کا نام لیکر چندہ حاصل کرنا اور دنیوی تعلیم جاری رکھنا مقصود ہوتا ہے، اسلئے ایسے اداروں میں صدقات واجبہ خرچ کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ عام اسکولوں میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں ہوتی ہے اور سوالنامہ میں اوپر ذکر کردہ جو مدارس ہیں، ان کی ضرورت کیلئے تملیک کرانا ہرگز جائز نہیں ہے، اسلئے کہ وہ درحقیقت اسکول ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ جدید ۱/ ۱۸۸، فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۱۴/ ۲۹۷)

ایسی صورت میں ساری ذمہ داری وصول کنندہ کے سر ہوگی۔

كما يستفاد من عبارة البحر: رجلان دفع كل واحد منهما زكوٰة ماله إلىٰ رجل ليؤدي عنه فخلط مالهما ثم تصدق ضمن الوكيل وكذا

لو كان في يد رجل أوقاف مختلفة ، فخلط انزال الاوقات وكذلك البياع والسمار والطحان إلا في موضع يكون الطحان مأذونا بالخلط عرفا... وبه يعلم حكم من يجمع للفقراء ومحله ماإذا لم يؤكلوه (إلىٰ قوله) فإذا ضمن في صورة الخلط لا تسقط الزكاة عن أربابها الخ. (البحر الرائق ، جديد زكريا ديو بند ۲/۳٦۹، قديم كوئٹه۲/ ۲۱۰و ۲۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ٦/ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۳٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳۰/ ٦/ ۱۴۱۹ھ

کیا زکوٰۃ کی رقم مشترکہ مدرسہ واسکول میں دینے سے ادا ہوجائے گی

سوال: [۴٦۲٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا جو لوگ زکوٰۃ وچرم قربانی صدقہ فطر مذکورہ بالا مدرسہ کو دیدیں گے تو ان کی ادائیگی ہوجائے گی یا نہیں؟ اور جان بوجھ کر ایسا کرنے میں گنہگار تو نہیں ہوں گے؟ تینوں اجزاء کا جواب مکمل ومدلل تحریر فرمائیں؟

المستفتي: انجمن فروغ اسلام،
قاضی باغ، کاشی پور، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر زکوٰۃ کی رقم مصرف اور مستحق تک نہ پہونچے تو ادائیگی نہ ہوگی، جبکہ مالک کو نہ پہونچنے کا علم ہوا اور اگر کوئی مستحق تک پہونچانے کا وعدہ کر کے وصول کرتا ہے، اور پھر مستحق تک نہ پہونچائے یا جائز مصرف میں خرچ نہ کرے تو وصول کنندہ گنہگار ہوگا اور امانت میں خیانت کی سخت وعید آئی ہے، اور رکن کا ادا کرنا واجب ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوْا الْاَمَانَاتِ إِلىٰ اَهْلِهَا . (الاية: سورة ۵۸)

حدیث شریف میں ہے!

لا إيمان لمن لا أمانة له و لا دين لمن لاعهدله. (الحديث، المعجم الكبير ۱۰/۲۲۷، رقم: ۱۰۵۵۳)

كل حقٍ لأحدٍ على أحدٍ أمانةٌ ، يجب أداءُ لأهله الخ. (تفسير مظهری ۲/۱۴۸، سورهٔ نساء آیت: ۵۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ر جمادی الاولی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۸۰۷)

زکوٰۃ کی رقم اسپتال و اسکول میں لگانا

سوال: [۴۶۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید (ایک صاحب خیر) کے پاس کچھ رقم مدز کوٰۃ کی جمع ہے، زید ایک ٹرسٹ بنا کر اس رقم سے ایک زمین برائے اسپتال و اسکول جس میں ہندی اردو اور انگریزی کی تعلیم کیساتھ بنیادی دینی تعلیم بھی دی جائیگی، خرید کر دینا چاہتا ہے کیا یہ مصرف جائز ہوگا، کیا اس طرح زید کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

المستفتي: عدیل احمد، محلّہ اصالت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ اشیاء مصرف زکوٰۃ نہیں ہیں، ان کیلئے مد زکوٰۃ سے زمین خرید کر ڈال دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

لايصرف إلىٰ بناء نحو مسجد وتحته في الشامية كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد و كل مالا تمليك فيه الخ. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكاة ، باب المصرف زكريا ديوبند

۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۲٤٤، هندیه کتاب الزکاۃ، الباب السابع فی المصارف ۱/ ۱۸۸، جدید زکریا ۱/ ۲۵۰، المحیط البرهاني، کتاب الزکاۃ، الفصل الثامن من توضع فیه الزکاۃ، المجلس العلمی بیروت ۳/ ۲۱۲، رقم: ۲۷۸۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رشعبان ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۳۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
یکم رشعبان ۱۴۱۱ھ

غیر سرکاری ہاسپٹل میں زکوٰۃ

سوال: [۴۶۲۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غیر سرکاری ہسپتال کی زکوٰۃ کے ذریعہ مدد کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالرحمٰن، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ہسپتال میں زکوٰۃ کا پیسہ دینا درست نہیں ہے۔ چاہے غیر سرکاری ہو یا سرکاری، اس لئے کہ غیر سرکاری امدادی ہسپتالوں میں جو نظام بنا ہوا ہے، اس نظام کے تحت باقاعدہ طور پر ہسپتال کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ کی ادائیگی مشکل ہے، ہاں البتہ کسی مستحق زکوٰۃ مریض کے ہاتھ میں زکوٰۃ کا پیسہ دیا جائے، پھر وہ اس پیسے سے ڈاکٹری فیس اور دواؤں کی قیمت ادا کرتا ہے تو جائز اور درست ہے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف کراچی ۲/ ۳٤٤، زکریا ۳/ ۲۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ر ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۳/۱۳ھ

زکوٰۃ اور چرم قربانی کی رقم حیلۂ تملیک کے بعد اسکول میں صرف کرنا

سوال: [۴۶۲۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ اسلامیہ جونیئر ہائی اسکول قاضی باغ میں دو شعبے ہیں، دینیات جسمیں ایک حافظ صاحب پڑھاتے ہیں، دو چار بچے بھی بیرونی ہیں، جنکے کھانے کا نظم صرف محلّہ کی دعوتوں کی شکل میں رہتا ہے، دوسرا شعبہ ہائی اسکول ہے جس میں گورنمنٹ کے کورس کے مطابق تعلیم ہوتی ہے، ٹیچر سب مسلمان ہیں، دونوں شعبوں پر زکوٰۃ چرم قربانی صدقہ فطر کی رقم حیلۂ تملیک کے بعد خرچ کی جاتی ہے؟

(۱) کیا حیلۂ تملیک دونوں شعبوں کیلئے جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو کس شعبہ کیلئے۔

(۲) کیا جونیئر ہائی اسکول کو زکوٰۃ صدقات چرم قربانی کی رقم سے چلانا جائز ہو سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: انجمن فروغ اسلامی
محلّہ قاضی باغ، کاشی پور، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ وصدقہ فطر و چرم قربانی کی رقوم واجب اور فرض ہیں، ان کے اصل مستحق نادار اور مساکین ہیں، اہم ترین دینی ضرورت کے بغیر حیلۂ تملیک جائز نہیں ہے اور جونیئر ہائی اسکول کی تعلیم بھی دینی ضروریات میں داخل نہیں ہے اسلئے اس شعبہ میں صرف کرنے کیلئے حیلۂ تملیک ہرگز درست نہیں ہوسکتا ہے، جو لوگ شعبہ جونیئر ہائی اسکول کیلئے حیلۂ تملیک کریں گے وہ سب گنہگار ہونگے اور عنداللہ جواب دہ ہونگے اور جن شعبوں میں صرف دینی تعلیم ہوتی ہے، اور بغیر حیلۂ تملیک اس شعبہ کا باقی رہنا ممکن نہیں ہے، تو ان کے لئے بقدر ضرورت حیلۂ تملیک کی اجازت ہے۔

والاحتيال للهروب عن الحرام والتباعد عن الوقوع في الآثام لا بأس

به بل هو مندوب اليه ، وأما الاحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان.

(عمدة القاری شرح البخاری ، داراحیاء التراث العربي بیروت ۱۰۹/۲٤، زکریا دیو بند۱٦ /۲۳۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۸۰۷/۲۵)

کسی کمیٹی کا انجمن کو زکاۃ کی رقم سے چلانا

سوال : [۴۶۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ایک کمیٹی بنائی جس کا نام ناگوری تیلیان ویلفیر کمیٹی رکھا ، جس کے اغراض ومقاصد یوں ہیں؟

(۱) سماج کے غریب بے سہارا مظلوم ومعذور وبیمار افراد کے علاج ودوا خوراک، پہننے اور مالی حالات کو درست کرنے کیلئے مدد کرنا؟

(۲) معاشرہ میں مرد وعورت لڑکے لڑکیوں کو دینی ودنیاوی تعلیم حاصل کرنے کیلئے مالی امداد ودیگر اسباب مہیا کروانا؟

(۳) معاشرہ کے قابل ذہین لڑکے ولڑکیوں کو اونچی صنعتی تعلیم حاصل کرنے کیلئے مالی امداد وقرض حسنہ مہیا کروانا؟

(۴) سماج کے غریب بے سہارا لاورث، بیمار بچوں کا علاج کیلئے مدد کرنا، بنا فیس شفاخانہ کھولنے کی اسکیم عمل میں لانا؟

(۵) قوم کے مشکل مسائل کو اجاگر کرنا اوران کی مشکلات حل کرنا؟

(۶) قوم کے ضرورت مند لوگوں کو صوبائی حکومت کے ذریعہ دی جانے والی پنشن وبیوہ پنشن مجبوروں کی مدد، اپاہجوں کی پنشن دیگر سہولتوں کی جانکاری دے کر دلوانے کی ہر ممکن کوشش کرنا؟

(۷) سماج کیلئے قومی مکان کی جگہ صوبائی حکومت سے منظور کروانا، مندرجہ بالا مقاصد میں زکوٰۃ کا پیسہ لگ سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالمجید کھوکھر، جنرل سکریٹری:
ناگوری تیلیان ویلفیر سوسائٹی، مدرسہ
رحمانیہ، پہلی منزل، نیا کنواں، بیکانیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس طرح کی کمیٹی اور انجمنوں کو زکوٰۃ کی رقم سے چلانا جائز نہیں ہے، ایسی انجمنوں اور کمیٹی میں زکوٰۃ کا پیسہ جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ زکوٰۃ کا بیت المال ہے اور زکوٰۃ کا بیت المال حکومت اسلامیہ کے بغیر ہندوستان میں چلانے کی کوئی صورت نہیں، اسلئے ایسی انجمنوں اور کمیٹی کیلئے زکوٰۃ کا پیسہ وصول کرنا جائز نہیں، البتہ آپس میں امدادی رقوم جمع کر کے ایسی انجمنوں کو چلانا اور اس کے ذریعہ سوالنامہ میں ذکر کردہ مقاصد میں خرچ کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۴/۳۰۶، جدید زکریا ۴/ ۳۲۶، جدید زکریا مطول ۶/ ۲۶۵، جواہر الفقہ قدیم ۴/۶/ ۳۷-۳۸۲، جدید زکریا ۳/ ۳۰۶، ۳۱۳)

إن علی الإمام أن یجعل لکل نوع بیتا یخصه . (شامی، کتاب الزکاة، باب العشر، مطلب في بیان بیت المال و مصارفها، کراچی ۲/۳۳۷، زکریا ۳/۲۸۱، هندیه زکریا ۱/۱۹۱، جدید زکریا ۱/۲۵۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۹۸۱)

زکوٰۃ کی رقم اسکول کی ماہانہ فیس وغیرہ میں صرف کرنا

سوال: [۴۶۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص جو شرعاً مستحق زکوٰۃ ہے اسکے بچے کچھ بالغ کچھ نابالغ دنیاوی تعلیم حاصل کرتے ہیں

لیکن وہ اپنی غربت اور بیماری کے باعث بچوں کی ماہانہ فیس یا اسکول کی مقرر کردہ پوشاک یا کورس وغیرہ کا بوجھ اٹھانے سے قاصر ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس شخص کے بچوں کی ماہانہ فیس پوشاک کورس دیناوی تعلیم کیلئے زکوٰۃ کی رقم سے اس طرح ادا کرنا کہ ان بچوں کے والدین کو رقم کا مالک بنادیا جائے، پھر وہ والدین خود ماہ ماہ یا ایک ساتھ اسکول کی ماہانہ فیس ادا کرتے رہیں، شرعاً کیا حکم ہے؟

اگر ادانہیں کر سکتے تو اس کا مدلل جواب مع حوالہ نیز عقلی کے ساتھ ساتھ نقلی دلیل بھی تحریر فرمائیں؟

المستفتي: سلیم اللہ قاسمی،

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کا پیسہ فقراء کی ضرورت پوری کرنے کیلئے ہے جن کے بچے اسکول میں پڑھتے ہیں، اگر وہ فقیر مستحق زکوٰۃ ہیں تو زکوٰۃ کا پیسہ دینا جائز ہے، مگر اس بات کا خیال ضروری ہے، کہ اگر اسکولوں کی فیس ادا کرنے کیلئے پیسہ دیا جائے تو کس طرح دیا جائے بعض اسکولوں کی فیس بہت معمولی ہوتی ہے، اور پڑھائی بھی اچھی ہوتی ہے، جیسے کہ لڑکیوں کے اسکولوں میں جنت نشاں ہے، عبد السلام اسکول ہے مسلمہ اسکول ہے نہایت معمولی فیس ہوتی ہے اور پڑھائی بہت اچھی ہوتی ہے، خاص کر جنت نشاں کی تعلیم بہت اچھی ہوتی ہے، اور فیس مہینے میں سو روپیہ بھی نہیں ہے، ایسے ہی لڑکوں کے اسکول لاتعداد ہیں، جن کی فیس نہایت کم ہے اسکے برخلاف بعض اسکول وہ ہیں، جن کی سالانہ فیس کے ہزاروں روپئے بیٹھتے ہیں، تو مستحق زکوٰۃ شخص کیلئے زکوٰۃ کا پیسہ بھیک مانگ کرا تنے مہنگے اسکولوں میں بچوں کو پڑھانے کی شرعاً اجازت نہیں ہے، یہ شرعی ضرورت میں داخل نہیں ہے، جس کے لئے زکوٰۃ کی بھیک مانگی جائے، ایسے غریبوں کیلئے کم فیس والے اسکول قائم ہیں، انہیں میں اپنے بچوں کو تعلیم دیں، لہٰذا اگر کسی کے پاس اتنی بھی گنجائش نہیں ہے، کہ کم سے کم فیس والے اسکول کو بھی فیس نہیں ادا کر سکتے ہو تو

ان کوزکوٰۃ کا پیسہ دیا جاسکتا ہے، کہ وہ اسی سے اپنے بچوں کی فیس ادا کریں، مگر مہنگے اسکولوں کی فیس ادا کرنے کیلئے زکوٰۃ کا پیسہ دینا درست نہیں ہے۔

عن عبد اللّٰه بن مسعود رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه ﷺ : من سأل الناس وله ما يغنيه جاء يوم القيمة ومسألته في وجهه خموش، أو خدوش، أو كدوح، الحديث: (سنن الترمذی، الزكاة، باب من تحل له الزكاة، النسخة الهندية ۱/۱٤۱، دارالسلام رقم / ٦٥۰، سنن الدارمی دارالمغنی ۲/۱۰۲۲، رقم: ۱٦۸۰، سنن أبي داؤد، الزكاة، باب من يعطى من الصدقة، وحد الغنى، النسخة الهندية ۱/۲۲۹، دارالسلام رقم: ۱٦۲٦، مستدرك، كتاب الزكاة، قديم ۱/٤۰۷، مكتبه نزار مصطفى الباز، جديد ۲/٥۷٤، رقم: ۱٤۷۹، مشكوٰة شريف/۱٦۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۷۴۷/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۳/۸ھ

زکوٰۃ کی رقم سے اسکولی غریب بچوں کی فیس جمع کرنا

سوال: [۴۶۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عصری تعلیمی ادارہ میں کچھ غریب اور نادار طلبہ اپنی فیس جمع کرانے سے قاصر ہیں، کیا اس ادارہ کے نظماء جو صاحب نصاب بھی ہیں، اپنی زکوٰۃ کی مد میں سے ان نادار طلبہ کی فیس نکال کر جمع کرا سکتے ہیں، تاکہ ان طلبہ کی فیس بھی جمع ہو جائے اور ادارہ کا نقصان بھی نہ ہو، نیز یہ بھی معلوم کرنا ہیکہ زکوٰۃ کا ایک فنڈ بنا کر اس میں سے اس طرح کے طلبہ کی تعلیمی اخراجات میں مدد کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: زوار احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: پرائیویٹ اسکولوں کی فیس کی مقدار اکثر خطیر

ہوا کرتی ہے اور زکوٰۃ فقراء ومساکین کا شرعی حق ہے، اس کے بالمقابل تعلیم دنیوی کیلئے سستے اور بالکل معمولی فیس والے اسکول غریب بچوں کے لئے ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں، اور زکوٰۃ کا پیسہ بھیک مانگا ہوا پیسہ ہوتا ہے، اس لئے بھیک مانگ کر مہنگے اور کثیر فیس والے اسکولوں میں پڑھانے کی اجازت نہیں دیجاتی، اسی طرح اس کام کیلئے باضابطہ فنڈ جمع کرنا بھی درست نہیں ہے، بلکہ زکوٰۃ کی رقم مستحق زکوٰۃ فقراء کو مالک بنا کر دینا لازم ہے، ہاں البتہ اتنا ہوسکتا ہے، کہ جن بچوں کے ماں باپ مستحق زکوٰۃ ہیں، انہیں براہ راست زکوٰۃ کا پیسہ دیدیا جائے، جسے وہ اپنی ضرورت میں خرچ کریں، اور وہ اس رقم کو اپنے بچوں کی تعلیم میں بھی خرچ کرسکتے ہیں۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ . (التوبہ: ٦٠)

الزکوٰة هي تمليک مال من فقير مسلم . (البحر الرائق، کتاب الزکاة، باب المصرف، کوئٹہ ۲/ ۲۰۱، زکریا دیوبند ۲/ ۳۵۲)

مصرف الزكوٰة هو فقير . (شامی، زکریا ۳/ ۲۸۳، کراچی ۲/ ۳۳۹)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/ ۳/ ۱۴۳۲ھ

اسکول کے اساتذہ کی تنخواہ مدِ زکوٰۃ سے دینا

سوال: [۴۶۳۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض مدارس میں ہندی پرائمری پنجم تک کی تعلیم کا انتظام ہے اور پرائمری پنجم تک کی تعلیم کیلئے ماسٹر حضرات مقرر ہیں، اور اس بات کی بھی مکمل تحقیق ہے کہ اس سیکشن کے مدرسین کو زکوٰۃ، صدقہ فطرات سے تنخواہ دی جاتی ہے، اسلئے امداد کی رقم اتنی نہیں ہو پاتی کیونکہ پرائمری کے طلبہ سے فیس بھی نہیں لی جاتی ہے، تو کیا مذکورہ رقوم کا ان مدرسین کی تنخواہ میں دینا درست ہے یا نہیں؟

حیلہ کی صورت نکلتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: محی الدین مقیم مدینۃ العلوم، رام نگر، ضلع: نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ہندی پرائمری اسکول کے ماسٹروں کی تنخواہ مدزکوٰۃ اور صدقۂ واجبہ سے دینا جائز نہیں ہے، اور نہ ہی ان کی تنخواہ کیلئے حیلۂ تملیک جائز ہے، کیونکہ یہ اتنی بڑی شرعی ضرورت نہیں ہے، کہ جس کی وجہ سے حیلہ جیسی ممنوع چیز جائز ہو جائے۔

أما الاحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان الخ. (عمدة القاری، کتاب الحیل، دار احیاء التراث العربي ۲۴/ ۱۰۹، زکریا دیوبند ۱۶/ ۲۳۹، تحت رقم الحدیث: ۶۹۵۳، وهكذا فی الفتاویٰ التاتار خانية زكريا ديوبند ۱۰/ ۳۱۱، رقم ۱۴۸۴۵، هنديه زكريا ۶/ ۳۹۲، جدید زکریا ۶/ ۳۹۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ ر صفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۱۲ھ

زکوٰۃ کی رقم ہائی اسکول اور ماسٹروں کی تنخواہ میں دینا

سوال: [۴۶۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کی رقم حیلۂ تملیک کے بعد دنیاوی تعلیم کے اوپر خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی جونیئر ہائی اسکول کے ماسٹروں کو اس رقم میں سے تنخواہ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اسکے لئے حیلۂ تملیک ہی کرنا شرعاً جائز نہیں، نیز حیلۂ ممنوع کر کے ماسٹروں کی تنخواہ میں خرچ کرنا جائز نہیں ہوگا۔

الاحتيال للهروب عن الحرام والتباعد عن الوقوع فى الآثام لا بأس

به بل هو مندوب إليه– وأما الاحتيال لإ بطال حق المسلم فإثم وعدوان الخ. (عمدة القاری، كتاب الحيل، داراحياء التراث العربي ٢٤/١٠٩، زكريا ديوبند ١٦/٢٣٩، تحت رقم الحديث:٦٩٥٣)

كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتموية باطل فهي مكروهة. (هنديه، كتاب الحيل، الفصل الاول زكريا ديوبند٦/٣٩٠، جديد زكريا ٦/٣٩٣، الفتاوى التاتار خانية زكريا ديوبند ١٠/٣١١، رقم: ١٤٨٤٥)

لہٰذا جونیئر ہائی اسکول یا اس کے علاوہ کے لئے حیلہ کرنے والے سب حضرات گنہ گار ہونگے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۳۲۴)

حیلۂ تملیک کے بعد دینی مدرسہ کے پرائمری درجات کے ماسٹروں کو تنخواہ دینا

سوال: [۴۶۳۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ ہذا میں اردو میڈیم سے پرائمری درجات جیسا کہ حکومت سے منظور ہے، چلائے جائیں اور ترتیب بایں طور ہو کہ ہر درجہ کے طالب علم کو دو گھنٹہ قرآن حکیم کی تعلیم اور دو گھنٹہ اردو دینیات، تعلیم الاسلام، دینی تعلیم کے رسائل وتمرین اور صرف دو گھنٹہ پرائمری کی تعلیم میں صرف کریں، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ دیگر مدرسین کی طرح ان ماسٹر عبدالوحید خاں صاحب کو تنخواہ مدرسہ کے اسی فنڈ سے جو کہ حیلۂ تملیک کے بعد خرچ کیا جاتا ہے، دینا درست ہے یا نہیں؟ جواب سے مستفیض فرمائیں؟

المستفتي: محمد شفیع قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس سلسلہ میں تین استفتاء کے جوابات یہاں

سے جا چکے ہیں، جن کے نمبر ذیل میں درج ہیں۔ (۱) ۳۲۲/۲۳۔ (۲) ۳۲۴/۲۳۔ مستفتی حضرات مولانا محمد شفیع صاحب۔ (۳) محمد عمر صدیقی ۳۸۲/۲۳ کہ میڈیم اور پرائمری درجات کی تعلیم حکومت کے نصاب اور حکومت کی منشاء کے مطابق ہے، تو وہاں جو دو ادارے ہیں، (۱) جونیئر۔ (۲) مدرسہ عربیہ دینیہ تو مذکورہ میڈیم اور پرائمری بظاہر جونیئر ہائی اسکول کے تابع ہے نہ کہ مدرسہ عربیہ کے اس لئے ایسی پرائمری کے ماسٹروں کو تنخواہ لینی بھی جائز نہ ہوگی، البتہ پرائمری جو مدرسہ شاہی، امدادیہ، حیات العلوم، جامع الہدیٰ مدرسہ رحمانیہ ٹانڈہ بادلی وغیرہ میں ہیں، ان میں جائز ہے، کیونکہ ان سب میں پرائمری مدرسہ عربیہ کے تابع ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۴۰/۲۳)
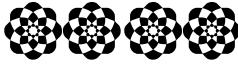
(۱۳) باب العشر والخراج

عشر زکوٰۃ ہے یا امداد وصدقہ

سوال: [۴۶۳۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عشر زکوٰۃ ہے یا صدقہ یا امداد باحوالہ جواب دیں؟

المستفتی: عبدالقدوس، گیاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عشر زکوٰۃ اور صدقہ واجبہ کے حکم میں ہے، اس کا مصرف بھی فقراء اور مساکین ہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۴/۳۰۳، جدید ۴/۳۲۳، جدید زکریا مطول ۶/۲۹۷)

مصرف الزكاة والعشر ......**هو فقير** . (الدر مع الرد، كتاب الزكاة، باب المصرف ، زکریا دیوبند ۳/۲۸۳، کراچی ۲/۳۳۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۲۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۱/۲۰ھ

گنے کی قیمت پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۶۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں کاشت کار ہوں گنا وغیرہ بوتا ہوں، میرا گنا مل فیکٹری پر جاتا ہے، اور روپیہ مجھکو ملتا ہے، اس سے زکوٰۃ کس طرح ادا کروں؟

المستفتی: عقیل خاں، غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ پہلے سے صاحب نصاب ہیں تو

سالانہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت گننے کی قیمت میں سے جو پیسہ بھی آپکے پاس ہوگا، اس کی بھی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

الزكاة واجبة في عروض التجارة كائنة ماكانت إذا بلغت قيمتها نصاباً من الورق والذهب ...... وتعتبر القيمة عند حولان الحول بعد أن تكون قيمتها في ابتداء الحول مأتي درهم من الدراهم الغالب عليها الفضة. (هنديه، كتاب الزكاة، زكريا ديوبند ۱/ ۱۷۹، جديد زكريا ۱/ ۲٤۱، الفصل الثاني في العروض) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۰/۲/۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۱۹ھ

زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۶۳۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زمین سے پیدا ہونے والے اناج پر زکوٰۃ کی مقدار کیا ہے؟ اور اس کیلئے بھی دیگر چیزوں کی طرح سال کا پورا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر اس میں کوئی تفصیل ہو تو وہ بھی واضح کریں؟ تشفی بخش جواب مطلوب ہے؟

المستفتی: محبّ اللہ، مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زمینداری ختم ہونے کے بعد ہندوستان کی زمین عشری نہیں ہیں، اسلئے آراضی ہند کی پیداوار پر عشر لازم نہیں ہے، البتہ اگر کوئی احتیاطاً عشر نکالنا چاہے، تو اس کے اختیار کی بات ہے، شرعاً لازم نہیں، ہاں پیداوار کو فروخت کرنے کے بعد اس کے پیسے پر ہزار میں ۲۵/ روپیہ کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ (مستفاد: ایضاح

النوادر۲/ ۱۷)فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ رمحرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۴/ ۶۴۱۳)

گنے کی زکوٰۃ نکالنے کا طریقہ

سوال: [۴۶۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کھیت میں جو گنا ہوتا ہے، اسکی زکوٰۃ نکالنے کا کیا طریقہ ہے؟

المستفتي: حافظ محمد طاہر، نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زمین کی پیداوار پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے، ہاں البتہ گنا فروخت کرنے کے بعد اس کی جو آمدنی ہوتی ہے، اس کو سابقہ روپیہ یا سونا چاندی کے ساتھ ملا کر اسکی زکوٰۃ نکالی جائیگی، اور پیداوار پر زکوٰۃ وعشر اسلئے لازم نہیں ہوتا کہ زمینداری ختم ہونے کے بعد ہندوستان کی زمین کی عشریت بھی ختم ہوگئی ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر۲/ ۱۷)فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ر ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۴/ ۶۳۶۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/ ۱۱/ ۱۴۲۰ھ

زرعی زمین پر زکوٰۃ واجب نہیں

سوال: [۴۶۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زرعی زمین ہے لیکن اس پر زراعت نہیں ہورہی ہے، بلکہ خالی پڑی ہے، اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہوتی ہے اسی طرح اگر اس زمین پر درخت لگا دیا جائے تو دس بارہ سال کے بعد

درختوں کے ذریعہ ہونے والی آمدنی پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ زمین کے وقت کی خرید کی مالیت پر یا موجودہ وقت کی مالیت پر یا اس سے ہوئی آمدنی پر زکوٰۃ دینی واجب ہوتی ہے؟ واضح فرمائیں؟

المستفتي: عبیدالرحمٰن، پرنس روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زرعی زمین پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اگرچہ خالی پڑی ہو، نیز درخت لگانے کے بعد درختوں کے پھلوں کی قیمت پر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی، باقی زرعی زمین کی قیمت پر کسی حال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

لا في ثياب البدن وأثاث المنزل وتحته في الشامية كثياب البدن الغير المحتاج إليها وكالحوانيت والعقارات الخ. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الزكاة، زكريا ديوبند ۳/۱۸۲، كراچی ۲/۲٦٤)

ولو نوى التجارة فيما خرج من أرضه العشرية أو الخراجية أو المساجرة أو المستعارة لا زكوة عليه الخ .(الاشباه قديم/ ۳۹، جديد زكريا ۱/۷۹)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/شعبان ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳۳۵/۲٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/شعبان ۱۴۱۱ھ

آسام کی زمین عشری یا خراجی

سوال: [۴٦۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آسام کی زمین عشری ہے یا خراجی؟

المستفتي: ریاض الدین، کالانی جولہ، آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہندوستان کے اکثر علاقہ کی زمین نہ عشری ہے اور نہ خراجی مگر آسام کی زمین کی حیثیت کیا ہے، احقر کو معلوم نہیں وہاں کے علماء سے رابطہ قائم فرمائیں۔

فإن أرضها ليست أرض خراج أو عشر . (شامی، کراچی ۲/ ۳۲۰، زکریا دیو بند ۳/ ۲۵۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ۶/ ۱۴۱۶ھ

ہندوستان کی کونسی زمین میں عشر واجب ہے؟

سوال: [۴۶۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ لوگ ہندوستان کی زمین میں عشر نکالتے ہیں، اور کچھ لوگ عشر نہیں نکالتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بارے میں اختلاف ہے۔

کون سی زمین میں عشر واجب ہے اور کون سی زمین میں نہیں بعض لوگ وسیع زمین کی کاشت کے مالک ہوتے ہیں، اور بعض لوگ قلیل زمین کے کہ گذر بسر کرنا مشکل ہوتا ہے، بعض بٹائی پر کاشت کرتے ہیں، اور بعض لوگ سالوں پر رہن لیکر کرتے ہیں، ایسی زمین اور اپنی ذاتی زمین میں کتنا عشر واجب ہے؟

المستفتي: محمد شرف الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہندوستان میں زمینداری ختم ہوجانے کے بعد ہندوستانی زمین عشری نہیں رہی ہے، اور عشری زمین ہی کی پیداوار میں عشر واجب ہوتا ہے،

لہٰذا موجودہ ہندوستان کی زمین پر عشر واجب نہیں ہے ہاں البتہ اگر کوئی مسلمان احتیاط کے طور پر نکالکر فقراء کو دیدیتا ہے، تو یہ مستحب ہے ۔(مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۱۷، عزیز الفتاوی ۱/ ۳۵۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ صفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۱۳ھ

ہندوستانی زمینیں عشری ہیں یا نہیں؟

سوال: [۴۶۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان کی زمین عشری ہے یا غیر عشری؟ عشر نکالا جائے یا نہ نکالا جائے؟

المستفتی: محمد حنیف، نرکھیڑا، ڈاکخانہ: بیرپور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہندوستانی زمین کے عشری یا خراجی ہونے کی قطعی سند نہ ہونے کی وجہ سے اکابر علماء ومفتیان نے ابھی تک کوئی قطعی حکم نہیں لگایا ہے، البتہ جو آراضی مسلمانوں کی ملکیت میں اسلامی زمانہ سے حکومت اسلام کے دینے سے یا خود مسلمان ہوکر اپنی آراضی پر مالک برقرارہ کر اب تک چلی آرہی ہے، حتی کہ قائمہ زمیندارہ کے بعد بھی اپنی ہی ملکیت میں باقی ہے، کبھی غیر مسلم کے قبضہ میں نہیں گئی ہے تو وہ عشری ہے، اس میں حسب ضابطہ عشر واجب ہوگا، مذکورہ قیودات کے بغیر عشر واجب نہیں ہوگا، اور جس زمین کے بارے میں حالات معلوم نہیں ہیں، اس میں احتیاطاً عشر نکالنا مستحب ہوگا، اور نکال کر مصرف زکوٰۃ میں صرف کردیا کریں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۵۲/۲۴)

موجودہ ہندوستانی زمین عشری ہے یانہیں؟

سوال: [۴۶۴۴]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جناب خبیرصاحب کی دو بیویاں تیرہ چودہ لڑکےلڑکیاں ہیں، اور رشتہ داروں کی بھی آمدورفت ہوتی رہتی ہے،خبیرصاحب کی پچیس ایکڑزمین ہے،جس میں دو چار ایکڑ خود کرتے ہیں،اوردو تین ایکڑ میں بانس گھاس ہے، بقیہ زمین بٹائی پردی ہے کاشت اور بٹائی سے جو پیداوارآتی ہے، خبیرصاحب بمشکل اپنے بچوں کو چھ ماہ کھلا پاتے ہیں،اور پریشانی رہتی ہے، چھ ماہ لون قرض لیکراوردرخت زمین فروخت کرکے بچوں کا گذربسرکرتے ہیں،خبیرصاحب کے کاشت اور بٹائی زمین سے غلہ جات وغیرہ پیدا ہوتا ہے،اس پرعشرواجب ہوتا ہے یانہیں؟ جواب دینے کی زحمت گوارہ فرمائیں۔

المستفتي: محمد خلیق عالم،بھوکراہا،پورنیہ(بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: موجودہ ہندوستان میں کوئی زمیں عشری نہ ہونے کی وجہ سے آراضی ہند کی پیداوار پرعشرواجب نہیں ہے۔

أما شرائط المحلية فأن تكون عشرية فلا عشر في الخارج من أرض الخراج الخ. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب العشر زكريا ٢/٤١٣، ٢/٢٣٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۳۰ رجمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۹ /۳۲۱۷)

کیا موجودہ ہندوستانی زمینیں عشری ہیں؟

سوال: [۴۶۴۵]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان

کی زمین عشری ہے یا نہیں؟ اور عشر کے نام پر وصول کر کے مدرسہ میں صرف کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: محمد اشتیاق، فلاح دارین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہندوستان کے اکابر کا فتویٰ یہ ہے کہ زمینداری ختم ہو جانے کے بعد ہندوستان کی زمین عشری نہیں رہی ہے، لہٰذا عشر کے نام سے مدرسہ کیلئے کچھ وصول کرنا درست نہیں ہے، البتہ اگر کوئی اپنی رضامندی سے عشر نکالے تو یہ باعث اجر وثواب ہے اور اس رقم کو مدرسہ میں صرف کرنا بھی درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۳/۹۲، جدید ڈابھیل ۹/۴۵۶، ایضاح النوادر ۲/۱۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍شعبان ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۹۷۶)

ہندوستان کی زمین عشری ہے یا خراجی

سوال: [۴۶۴۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان کی زمینوں کے عشری اور خراجی ہونے کے سلسلہ میں مختلف فتاویٰ کی کتابوں کو دیکھا تو مختلف فتاویٰ میں یہ تفصیل موجود ہے۔

(۱) بعض حضرات عشری کہتے ہیں، جیسے صاحب امداد الفتاویٰ۔

(۲) بعض حضرات کہتے ہیں، کہ عہد برطانیہ کے بعد ہندوستان دار الحرب ہے اسلئے اس کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی جیسے صاحب عزیز الفتاویٰ، امداد الاحکام، فتاویٰ محمودیہ وغیرہ بلکہ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کے فتاویٰ میں بھی عشری ہے، اور اس طرح کے بھی فتاویٰ ہیں کہ یہاں کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی۔

(۳) بعض حضرات نے لکھا ہے کہ عہد برطانیہ میں سب زمینوں کو ضبط کر لیا گیا تھا، بعد میں زمینیں لوگوں کو حکومت نے دی تھی اس صورت میں چونکہ زمین کافر سے مسلمانوں کو

ملی ہے اس وجہ سے عشری نہ رہی۔

(۴) بعض حضرات نے کہا کہ ہندوستان چونکہ دارالحرب ہے جیسا کہ محققین کی رائے ہے اسلئے ہندوستان کی زمینیں نہ عشری ہیں، نہ خراجی۔

(۵) بعض حضرات نے عشری زمینوں کو عشری ہی کہا ہے جیسے صاحب جواہرالفقہ، علم الفقہ، احسن الفتاویٰ۔

(٦) ہندوستان کی زمینوں میں کون سا خراج ہے اور کتنا ہے، ہندوستان دارالاسلام نہیں ہے، تو کیا خراج ادا کرنا لازم ہے، اس وقت ہندوستان کی حیثیت کیا ہے، اور ہندوستان کی زمینوں کے عشری اور خراجی ہونے کے سلسلہ میں مفتی بہ اور محقق قول کیا ہے؟

المستفتي: محمد اخلاق قاسمی، مدرس جامعہ قاسمیہ جامع الہدیٰ، کھاری بجنور، (یو پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس وقت ہندوستان کی حیثیت دارالامن اور دارالجمہوریہ کی ہے، اس کو دارالحرب کہنا درست نہیں کیونکہ آزادی کے بعد پارلیمانی قانون کی دفعات اور قراردادوں میں سیکولریزم کا پوری طرح لحاظ رکھتے ہوئے مسلم وغیر مسلم سب کو مشترکہ طور پر نظام حکومت میں دخل دینے اور الیکشن میں کھڑا ہوکر کلیدی عہدہ حاصل کرنے کا بلاتفریق حق حاصل ہے، اور ہر مسلمان کو اپنے شہری حقوق حاصل کرنے اور مسلم پرسنل لاء کی بقاوسالمیت کیلئے آواز اٹھانے کا ہر وقت حق حاصل ہے، اس میں کسی قسم کی رکاوٹ آزادی کے بعد سے اب تک پیش نہیں آئی، نیز اگر چہ غیر مسلم کی اکثریت کی وجہ سے ایوان بالا کے ممبران ان کے زیادہ ہیں، مگر اس کی وجہ سے جمہوریت اور سیکولرزم میں کوئی فرق نہیں آتا۔

بأن يغلب أهل الحرب على دار من دورنا وارتد أهل مصر وغلبوا وأجروا أحكام الكفر أو نقض أهل الذمة العهد وتغلبوا على دارهم ففي كل

من هذه الصور لا تصير دار حرب . (شامی، كتاب الجهاد، باب المستامن، مطلب فيما تصير به دار الاسلام دار حرب و بالعكس زكريا ٦/٢٨٨، كراچی ٤/١٧٤، هنديه، كتاب السير الباب الخامس فی استبلاء الكفار، زكريا ديوبند ٢/٢٣٢، جديد زكريا ٢/٢٤٨، ايضاح النوادر ١/٩٠)

اورزمین داری ختم ہوجانے کے بعد ہندوستانی زمینیں نہ عشری ہیں، اور نہ ہی خراجی اس لئے ہندوستانی زمین کی پیداوار سے نہ عشر نکالنا واجب ہے اور نہ ہی خراج یہی قول مفتی بہ اور محقق ہے، ہاں البتہ کوئی کسان اپنی زمین کی پیداوار میں سے دسواں حصہ نکال کر غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کردے تو اس کی طرف سے یہ عمل مستحب اور کار ثواب ہے، مگر اس پر واجب نہیں۔(مستفاد: امداد الاحکام ۳/ ۳۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ شعبان ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۵۱۶/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۸/۵ھ

ہندوستانی زمینوں کی عشری حیثیت

سوال: [۴۶۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) زید کے پاس کاشت کی زمین ہے، اس میں وہ بیج بوتا ہے، اور سینچائی بھی کرتا ہے، اور آج کل کھیتی میں بیماریاں زیادہ لگ رہی ہیں، جس کی وجہ سے اس میں بہت ادویات کا استعمال کرنا پڑتا ہے، اور کھاد بھی ڈالا جاتا ہے، جسمیں بہت زیادہ خرچ ہوتا ہے۔

آپ اس میں یہ وضاحت فرمائیں کہ زید کو زمین کی پیداوار میں عشر کا کونسا حصہ نکالنا ہے کیا دوا کھاد کا خرچ نکال کر عشر ادا کرے۔

(۲) عمر ٹھیکے کی زمین میں کاشت کرتا ہے، اس میں زمین مالک کو ایک سال کی رقم بھی دیتا ہے، مندرجہ بالا خرچ بھی کرتا ہے، تو کیا اس زمین کی پیداوار میں بھی عشر ادا کریگا، اگر کرے گا تو کیا اس زمین مالک کو پیسہ دیا ہوا نکالکر عشر ادا کرے۔

(۳) زمینی پیداوار میں عشر ادا کیا اور اس مال پر حولان حول گزر گیا تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی یا نہیں؟

(۴) زکوٰۃ وعشر کن لوگوں پر خرچ کیا جائے، اور زیادہ اولیٰ کون ہیں، مہربانی فرما کر وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: محمد صابر رضانگر، پوسٹ: تحصیل سوار، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ضلع رام پور صوبہ یوپی میں تقسیم ہند کے بعد کانگریس حکومت کے زمانہ میں سارے زمینداروں کی زمینداری ختم ہو چکی اور خاتمۂ زمینداری کے بعد زمین کی عشریت بھی ختم ہوگئی ہے، اور نواب رام پور کی بھی زمینداری ختم ہوگئی ہے، اور عشر کے واجب ہونے کے لئے زمین کا عشری ہونا لازم ہے اور خاتمہ زمینداری سے پہلے عشری زمین تھی اور زمینداری ختم ہونے کے بعد عشری نہیں رہی، لہٰذا ان زمینوں کے کاشت کاروں پر عشر واجب نہیں ہے، اگر کوئی شخص اپنی زمین کی پیداوار میں سے دسواں یا بیسواں حصہ نکال کر غریبوں، فقیروں کو یا مدارس اسلامیہ میں دیتا ہے، تو افضل اور بہتر ہوگا، اس کے اوپر لازم یا واجب نہیں، اس سے آپ کے سارے اشکالات ختم ہوگئے ہوں گے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۱۷، جواہر الفقہ ۲/ ۲۶۰، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۹/ ۴۵۳، کتاب المسائل ۲/ ۲۴۵)

یہاں چوں کہ مسئلہ عشر کا نہیں رہا ہے، البتہ زکوٰۃ کا مسئلہ ہے اور زکاۃ اپنے اوپر والوں کو یا نیچے والوں کو دینا جائز نہیں ہے، یعنی ماں باپ دادا دادی، وغیرہ اسی طرح بیٹے بیٹی اور ان کی اولادوں کو دینا جائز نہیں ہے، ان کے علاوہ قریبی رشتہ داروں کو دینے سے زیادہ ثواب ملتا ہے، مثلاً بھائی بہن چچا پھوپھی ماموں خالہ وغیرہ اسی طرح غریب طالب علم اور غریب علماء کو دینا بھی زیادہ ثواب کا باعث ہوتا ہے، لہٰذا مدارس اسلامیہ میں غریب طلبہ ہوتے ہیں اس لئے مدارس کو دینے میں بھی زیادہ ثواب ملے گا۔

عن سلمان بن عامرؓ أن رسول اللهﷺ قال: إن الصدقة على المسكين صدقة وإنها على ذى الرحم اثنتان صدقة وصلة. (ترمذی شریف، کتاب الزکاة، باب ماجاء فی الصدقة علی ذی القرابة، النسخة الهندية ١/١٤٢، رقم: ٦٥٨، شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت ٣/٢٣٩، رقم: ٣٤٢٦)

ولا يصح دفعها لكافر - إلىٰ - وأصل المزكى وفرعه قال الطحطاوى: ومن سوى ماذكر يجوز الدفع إليهم كالإخوة والأخوات والأعمام والعمات والأخوال والخالات الفقراء بل هم أولىٰ لما فيه من الصلة مع الصدقة. (طحطاوى على المراقى الفلاح، دارالكتاب ديوبند/ ٧٢١)

التصدق علىٰ الفقير العالم أفضل من التصدق على الجاهل. (هندية، زكريا ١/١٨٧، جديد زكريا ١/٢٤٩) *فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم*

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۳۰ رشوال ۱۴۳۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۸۵/۴۰)	۱۴۳۴/۱۱/۱ھ

ہندوستانی زمین کی پیداوار کا حکم

سوال: [۴۶۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل کے زمانہ میں زمینوں میں پیدا ہونے والے غلوں وغیرہ پر جتنا خرچ ہوتا ہے، اس سے کم کبھی کبھی آمد ہوتی ہے، پہلے زمانہ میں کھیتوں کو سرکاری پانی وغیرہ سے بغیر خرچ کے سیراب کرتے تھے، تو عشر کا واجب ہونا سمجھ میں آتا ہے، لیکن آج کے دور میں عشر کا وجوب سمجھ میں نہیں آتا ہے، دریافت یہ کرنا ہے کیا آج بھی عشر واجب ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو کیا کسی کے پاس کتنی بھی کثیر مقدار میں غلہ ہو اس پر بھی عشر واجب نہیں ہوگا؟

المستفتي: منشی محمد مختار، جویا، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہندوستان میں زمینداری ختم ہونے کے بعد زمین کی عشریت ختم ہوگئی ہے، اور سائل قصبہ جویا امروہہ سے متعلق ہے اور اس پورے علاقہ میں کوئی زمیندار باقی نہیں رہا ہے، اور ان علاقوں میں کہیں بھی عشری زمین باقی نہیں رہی ہے، اس لئے ان علاقوں کی زمین کی پیداوار پر شرعی ضابطہ میں عشر واجب نہیں ہے، چاہے غلہ کتنا ہی پیدا ہوجائے، شرعی ضابطہ میں عشر واجب نہیں ہے اور غلوں کو بیچ کر کے جو پیسہ ہاتھ آئے گا، اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی، ہاں البتہ کوئی شخص اپنی پیداوار میں سے دسواں حصہ یا بیسواں حصہ نکالکر کے کارخیر میں دیدے تو اس کا ثواب اسے ضرور ملے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈھابیل ۹/۴۵۵، ۴۵۷، جواہر الفقہ ۲/۲۴۳، ایضاح النوادر ۲/۱۷، کتاب المسائل ۲/۲۴۵)

هذا نوع ثالث: يعني لا عشرية ولا خراجية من الأراضي تسمى أراضي المملكة وأراضي الحوز. (شامی، کراچی ۴/۱۷۹، زکریا دیوبند ۶/۲۹۴)

ويحتمل أن يكون احتراز عما وجد في دارالحرب فإن أرضها ليست أرض خراج أو عشر. (شامی، کراچی ۲/۳۲۰، زکریا دیوبند ۳/۲۵۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۱۱/۱۴۳۴ھ

مؤونت الخراج میں کب عشر اور کب نصف عشر واجب ہے؟

سوال: [۴۶۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جیسا کہ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ ضلع کوہاٹ کے علماء کی طرف سے ایک فقہی مجلس کا انعقاد کیا گیا تھا، اس کا پہلا اجلاس مؤونت عشر سے متعلق تھا، تمام شرکاء کے مقالات کا حاصل آپ

حضرات کے سامنے پیش خدمت ہے، امید ہے کہ آنجناب اس پر نظر ثانی اور اختلافی مسائل میں ایک جہت کی تعیین فرمائیں گے؟

(۱) یہ لفظ مؤ ونت اور مُؤ نت دونوں طرح پڑھا جاتا ہے، اس کے لغوی معنیٰ مشقت اور بوجھ کے آتے ہیں۔

(۲) حنفیہ کے نزدیک عشر کے باب میں مؤ ونت کا اطلاق مؤ ونت مالیہ اور بدنیہ دونوں پر ہوتا ہے؟

(۳)مؤ ونت کی کل پانچ قسمیں ہیں۔

۱۔مؤ ونت السقی: کھیت کی سیرابی پر جو مؤ ونت آئے اس کو مؤ ونت السقی کہتے ہیں: ڈھول یا ٹیوب ویل کے ذریعے کھیت سیراب کرنا یا پانی خرید کر سیراب کرنا۔

۲۔مؤ ونت الاصلاح: نہری زمینوں میں نہروں کے کھودنے، ان کی اصلاح اور عموماً دیہاتوں میں دور دراز نہروں سے جو چھوٹی چھوٹی نہریں کاشتکار اپنی زمین تک لاتے اور پھر ہر سال اس کی جو تعمیر نو کرتے ہیں اس پر جو مشقت اور اخراجات آتے ہیں، اس کو مؤ ونت الاصلاح کہتے ہیں؟

۳۔مؤ ونت الخراج: مؤ ونت الخراج سے مراد وہ سالانہ آبیانہ ہے جو اصلاح نہر کے لئے حکومت کی جانب سے کاشتکاروں پر لاگو ہوتا ہے؟

۴۔مؤ ونت العشر: مؤ ونت العشر سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص اپنی پیداوار کا عشر قیمتاً دینا چاہتا ہے، اس کی پیداوار کی قیمت ''اگر کوہاٹ میں فروخت کرے'' تو ۵۰؍ ہزار روپئے ہے، اور اگر پشاور لے جاکر فروخت کرے تو اس کی قیمت ۸۰؍ ہزار بنتی ہے، لیکن پشاور لے جانے کے لئے پیٹیوں اور کرایہ وغیرہ کا خرچہ دس ہزار آئے گا۔ ان اخراجات کو ''مؤ ونت العشر'' کہتے ہیں۔

۵۔مؤ ونت الزرع: اس سے مراد وہ تمام اخراجات ہیں جو فصل بونے سے لیکر پیداوار حاصل ہونے تک آئیں۔ جیسے: کھاد، بیج، سپرے اور تریشر وغیرہ کا خرچہ۔

(۴) اتنی بات تو واضح ہے کہ عشر اور نصف عشر کا دارومدار مؤونت پر ہے، اور یہ بات بھی کتب فقہ میں بالکل صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے، کہ مطلقاً مؤونت مدار نصف عشر نہیں بلکہ کثرت مؤونت کا پایا جانا ضروری ہے، لیکن اس سے آگے کی تفصیلات کے متعلق کتب فقہ میں خاموشی پائی جاتی ہے، اور تصریح و تنقیح کے ساتھ یہ بحث کہیں نہیں ملتی کہ کس قسم کی مؤونت کا اعتبار کیا جائے گا، تاہم جزئیات اور فتاویٰ جات میں اختلاف آراء دیکھ کر اس سے دو نظریے اخذ کئے جاسکتے ہیں:

(۱) کھیت کو پانی دینے پر جو مشقت آئے صرف وہ مدار نصف عشر ہے، بالفاظ دیگر جس کھیت کو آلہ (رافعہ) کے ذریعے پانی دیا جائے یا پانی خرید کر سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہوگا، اس کے علاوہ کسی بھی قسم کی مؤونت مدار نصف عشر نہیں بن سکتی۔ (مستفاد: خیر الفتاویٰ ۱/ ۴۴۵، فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۶/ ۱۶۴، امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۸)

(۲) دوسری رائے یہ ہے کہ صرف سیرابی پر ہونے والی مؤونت مدار نصف عشر نہیں بلکہ اس کے مقدمات وممہدات پر ہونے والی مؤونت بھی مدار نصف عشر ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۳۳۶، فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۶/ ۱۷۲، فتاویٰ فریدیہ ۳/ ۴۹۸)

ان آراء کو دیکھ کر مؤونت کے مذکورہ اقسام کے متعلق مندرجہ ذیل احکام ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) مؤونت السقی میں بالاتفاق نصف عشر ہوگا۔

(۲) مؤونت الزرع اور مؤونت العشر میں بالاتفاق عشر ہوگا۔

(۳) مؤونت الاصلاح اور مؤونت الخراج میں اختلاف ہے پہلی تعلیل کے مطابق اس میں عشر ہوگا، اور دوسری تعلیل کے مطابق اس میں نصف عشر ہوگا۔

شق نمبر ۳ میں چونکہ اکابر رحمہم اللہ کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے، اس لئے مجلس میں طے پایا کہ اس بارے میں ملک کے مستند دار الافتاء و اکابر علمائے کرام سے رابطہ کرکے ان کی رائے معلوم کی جائے۔

لہٰذا آنجناب سے گذارش ہے کہ مذکورہ مسئلے میں اپنی رائے عالی سے اہل مجلس کو مطلع فرما کر مشکور فرمائیں۔

المستفتي: حفیظ الرحمٰن، المجلس الفقہی، کوہاٹ،
مدرس مدرسہ جامعہ حقانیہ سراجیہ، کالج ٹاؤن
بالمقابل ڈگری کالج پنڈی روڈ ضلع کوہاٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حضرات فقہاء نے عشر اور نصف عشر کا مدار اس بات پر رکھا ہے کہ جس زمین کی سیرابی اور سینچائی میں معتد بہ محنت اور خرچ ہو، اس زمین کی پیداوار میں شریعت نے نصف عشر واجب کیا ہے؟ لہٰذا جس کھیت کی ضرورت بارش کے پانی سے پوری ہوگئی ہو یا بہتی نہر کے پانی سے پوری ہوگئی ہو تو اس زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا، اور جس زمین کی سیرابی وسینچائی کا خرچہ واخراجات جسمانی محنت کے ذریعہ سے ہوئی ہو اس زمین کی پیداوار میں نصف عشر واجب ہوگا، اسی طرح اگر بہتی نہر کے پانی سے سیراب کرنے میں سرکار کو پانی وصول کرنے کی قیمت دینی پڑتی ہو تو اس صورت میں بھی نصف عشر واجب ہوگا، لہٰذا مؤونت الخراج کی صورت میں زمین کی پیداوار وجود میں آنے میں کاشت کار کا کافی پیسہ خرچ ہوتا ہے، اسلئے جن سالوں میں مؤونت الخراج کے بعد پیداوار وصول ہو تو اس میں نصف عشر واجب ہوگا، اور جن سالوں میں مؤونت الخراج کا بوجھ نہ برداشت کرنا پڑے ان سالوں میں عشر واجب ہوگا۔ فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۲۷۲، اور امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۸ کے مضمون کا حاصل بھی یہی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۸۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۱۱/ ۱۴۳۵ھ

ہندوستانی زمین کی پیداوار سے عشر نکالے بغیر فروخت کرنا

سوال: [۴۶۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندہ کے شوہر کا انتقال ہوگیا اس کے پاس دس بیگھہ زمین کے علاوہ کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے، اور اس کے تین لڑکے ہیں، اور وہ اپنی زمین کی پیداوار کا عشر نہ نکال کر تمام پیداوار بیچ کر اپنی اولاد پر خرچ کرنا چاہتی ہے، تو ایسا کرنا شریعت مطہرہ میں جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبداللہ، بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زمین داری ختم ہونے کے بعد ہندوستان کی زمین عشری نہیں رہی ہیں، لہٰذا ہندہ کیلئے زمین کی تمام پیداوار بیچ کر اپنی اولاد پر خرچ کرنا جائز ہے۔

(مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۱۷، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۳/ ۴۵، جدید ڈابھیل ۹/ ۴۵۵، ۴۵۷، امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/ ۷/ ۱۴۲۱ھ

مال عشر سے مکتب کے اساتذہ کو تنخواہ دینا

سوال: [۴۶۵۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی قریہ اور گاؤں میں عشر کا مال جمع ہوتا ہے، اور وہاں پر بیرونی بچے تعلیم نہیں پا رہے ہیں، بلکہ گاؤں ہی کے بچے تعلیم یافتہ ہیں، اور معلم کو اسی عشر کے مال سے تنخواہ دی جاتی ہے، کیا معلم کو عشر کے مال سے تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

اسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ایسی زمین کا عشر ہے، جو زمینداری ختم ہونے

کے بعد بھی مسلمان مالکوں کی ملکیت میں باقی ہے اور مسلمان بادشاہوں کے زمانہ سے آج تک اس کو ضبط نہیں کیا گیا تو اس کے عشر کے حقدار صرف فقراء ہیں، تنخواہوں میں دینا جائز نہیں اور جو زمین زمینداری ختم ہونے کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں سے حکومت نے ضبط کرلی ہے، پھر کاشتکاروں میں تقسیم کردی ہے، اس میں عشر لازم نہیں اگر ایسی زمین کا عشر ہے، تو اس کو تنخواہوں میں دینا بھی جائز ہے، اب آپ خود ہی دیکھ لیں کہ کس کا عشر ہے۔

(مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۱۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۶ رشوال ۱۴۱۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۰۶)	۱۴۱۷/۱۰/۲۶ھ

صدقہ اور عشر کے غلہ سے مدرسین کا کھانا کھانا

سوال: [۴۶۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عشر اور صدقہ کے غلہ سے مدرسین کا کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبد القدوس، گیاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستانی زمینیں اکثر عشری نہیں ہیں، اسلئے یہاں کی زمین کی پیداوار سے عشر نکالنا صرف مستحب ہے، لہٰذا اس غلہ سے مدرسین کا کھانا کھانا جائز ہوگا، البتہ جہاں کی زمین میں عشر واجب ہوتا ہے، وہاں کے عشر کے غلہ کو مدرسین کے کھانے میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے، نیز صدقہ واجبہ کے غلہ کو بھی مدرسین کے کھانے میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ. (التوبہ: ٦٠)

مصرف الزكاة والعشر.......... هو فقير وهو من له أدنى شيء أى دون نصاب. (الدر مع الرد، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ٣/ ٢٨٣، ٢٨٤،

کراچی ۲/ ۳٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۲۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۱/۲۰ھ

عشر کی رقم سے ہتھیار خریدنا، محلّہ یا عیدگاہ کی سڑک بنانا یا کتابیں خریدنا

سوال: [۴۶۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غلہ یعنی گندم دھان وغیرہ کے عشر کی رقم سے اپنے اور عوام کی حفاظت کیلئے ہتھیار وغیرہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس رقم سے محلّہ یا عیدگا کی سڑک و راستہ بنایا جا سکتا ہے کہ نہیں؟ یا ہندوستان کی زمین میں عشر ہے؟

عشر کے مال سے اگر کوئی شخص اپنے مطالعہ کیلئے جس سے عوام کو فائدہ پہونچایا جائے کتابیں خریدتا ہے یا اس کتاب سے عوام خود مطالعہ کے ذریعہ منتفع ہوتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زمین داری ختم ہونے کے بعد ہندوستان کی زمین عشری نہیں ہے، اسلئے عشر بھی لازم نہیں ہے، لیکن اگر کوئی عشر نکالتا ہے، تو یہ مستحب ہے، اس کو فقراء اور غرباء کے درمیان تقسیم کر دیں۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۶۲/۶، ۱۶۵/۶)

فان أرضها ليست أرض خراج أو عشر الخ. (شامی، کراچی ۳۲۰/۲، زکریا دیوبند ۲۵۷/۳)

لہٰذا ہندوستانی زمین میں عشر کے نام سے وصول کئے ہوئے غلہ کی رقم سے ہتھیار خریدنا محلّہ یا عیدگاہ کیلئے سڑک بنانا اور مطالعہ کیلئے کتابیں خریدنا جائز ہے۔

جواب نمبر ا سے اس کا جواب واضح ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر شعبان ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۱۱)

۱۲/ کتاب الصدقات

صدقہ نافلہ وواجبہ کی تعریف

سوال: [۴۶۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صدقۂ نافلہ، صدقہ واجبہ کی تعریف لکھئے گا۔

المستفتي: عبدالرشید، تحویلدار، مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صدقۂ نافلہ وہ ہے کہ جسکو اللہ تعالیٰ یا انسان نے خود اپنے اوپر لازم نہ کیا ہو، بلکہ اپنی خوشی سے کسی بھی وقت کوئی چیز فقیر کو دیدے، یا ذبح کرکے گوشت فقراء و مالدار اور خود بھی خوشی میں کھایا کرے، صدقۂ واجبہ وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بندہ پر واجب کردیا ہے، جیسے زکوٰۃ صدقۂ فطر وغیرہ یا بندہ نے خود اپنے اوپر واجب کرلیا ہے، مثلاً اگر میرا فلاں کام ہوجائے تو اللہ کے نام پر فلاں چیز صدقہ کرونگا، یا فقراء مساکین کو فلاں چیز کھلاؤنگا۔

الصدقة ج صدقات: العطية التي يبتغى بها الثواب عند الله تعالىٰ.

(معجم لغة الفقهاء کراچی / ۲۷۲)

الصدقة: تطلق بمعنيين: الأول: ما أعطيته من المال قاصدا به وجه الله تعالىٰ، فيشمل ما كان واجبا، وهو الزكاة وما كان تطوعاً، الثاني: أن تكون بمعنى الزكاة، أي في الحق الواجب خاصة. (معجم المصطلحات

الألفاظ الفقهية دار الفضيلة ٢ / ٣٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۱؍رمضان ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۸/۲۴)

صدقہ واجبہ اور نافلہ کا مصرف

سوال: [۴۶۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو عام طور پر لوگ صدقہ کرتے ہیں، یا یہ کہ صدقہ کا لفظ بولتے ہیں، تو اس کا مصرف کیا ہے؟ بعض لوگ بیماری کا صدقہ نکالتے ہیں، اس کا مصرف کیا ہے، کوئی اگر یونہی بولے کہ یہ رقم صدقہ کی ہے تو اس رقم کو تعمیرات وغیرہ میں لگانا درست ہے یا نہیں؟ بیماری کے صدقہ میں اور عام چیزوں کے صدقہ میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ نیز جان کے بدلہ میں جان کا صدقہ نکالا جاتا ہے، اس کا بکرا ہونا ہی ضروری ہوتا ہے، یا مرغ وغیرہ پر بھی اس کا اطلاق ہوگا؟ واضح طور پر بیان فرمائیں؟

المستفتي: تمیز الدین، مدرسہ رحمانیہ محمود نگر،
سہاگ پور، شہڈول (ایم پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقہاء کے یہاں عام طور پر صدقہ کا استعمال صدقہ نافلہ کیلئے ہوتا ہے، البتہ عوام صدقہ کا لفظ اکثر وبیشتر صدقہ واجبہ کیلئے استعمال کرتے ہیں، اور صدقہ واجبہ کا مصرف یہ ہے کہ اس کو فقراء اور مساکین کو دیکر مالک بنادیا جائے۔

والغالب عند الفقهاء استعمال هذه الكلمة في صدقة التطوع خاصة.

(الموسوعة الفقهية ٢٦ /٣٢٣)

وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة كما في القهستاني. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف

زکریا۳/۲۸۳، کراچی ۲/۳۳۹)

بیماری کے صدقہ سے مراد اگر نذر رہے مثلاً یوں کہا کہ اگر میں بیماری سے شفا پا جاؤں تو ایک بکرا صدقہ کروں گا یا اتنا روپیہ صدقہ کروں گا تو اس صورت میں ان اشیاء کو فقراء پر صدقہ کرنا واجب ہے، اگر بیماری میں صدقہ کرتے ہیں، تو بکرا صدقہ کرنا درست نہیں، ہاں البتہ بکرے کی قیمت دینا درست ہے، اس کو ذبح کر کے اس کا خون بہانا جائز نہیں ہے۔

ولو قال إن برئت من مرضي هذا ذبحت شاة –إليٰ– وأتصدق بلحمها فيلزمه . (الدر المختار مع الشامي، كتاب الأيمان ، كراچی ۳/۷۳۹، ۷۴۰، زكريا ديوبند ۵/۵۲۳، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، دارالكتاب ديو بند/ ۶۹۴)

اگر کوئی شخص یہ کہے یہ رقم صدقہ کی ہے اور مراد اس سے صدقہ واجبہ ہو تو اس کو تعمیرات میں لگانا جائز نہیں ہے۔

ولايصرف إليٰ بناء نحو مسجد كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار . (شامی، زکریا ۳/۲۹۱، کراچی ۲/۳۴۴)

بیماری کا صدقہ اگر نذر کا ہو اسی طریقہ سے عام چیزوں کے صدقہ سے مراد صدقات واجبہ ہوں تو پھر اس کا فقراء اور مساکین پر صدقہ کرنا واجب ہے، اور اگر عام چیزوں کے صدقہ سے مراد صدقات نافلہ ہیں، تو پھر اس کو امیر وغریب ہر ایک کو دینا جائز ہے۔

واتفقوا عليٰ أنها تحل للغني لأن صدقة التطوع كالهبة فتصح للغني والفقير . (الموسوعة الفقهية ۲۶/۳۳۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۶؍رجب ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۷۵۸)	۱۶/۷/۱۴۲۳ھ

ماہ رمضان میں صدقہ وخیرات کا ثواب ستر گنا ملتا ہے

سوال: [۴۶۵۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض

چھوٹے مدارس ششماہی کے بعد اکثر مقروض ہو جاتے ہیں، اور ان کے لئے مدرسین کی تنخواہیں اور مطبخ چلانا مشکل ہو جاتا ہے، یا کوئی بہت ضروری تعمیر کرانے کی وجہ سے مقروض ہو گئے اب قرضہ کی ادائیگی بھی ضروری ہے اور مدرسہ کا جاری رکھنا بھی ضروری ہے، ایسے حالات میں اگر کسی اہل خیر سے زکوٰۃ یا عطیہ کی رقم کیلئے گذارش کی جاتی ہے، تو وہ اکثر یہ کہہ دیتے ہیں، کہ ''رمضان میں آیئے رمضان میں ایک کے ستر کا ثواب ملتا ہے، اہل خیر کی یہ بات حدیث کی روشنی میں درست اور صحیح ہے، اور ایک مؤمن کے نیکیوں کے خزانے کو جمع کرنے کا لالچ ہونا چاہئے، اسی جذبے کے پیش نظر ایسی باتیں کرتے ہیں۔

(۱) دریافت یہ کرنا ہے کہ اگر کوئی اہل خیر مدارس کی سخت ضرورت پر رمضان کے علاوہ بیچ سال میں کوئی ضرورت پوری کر دے، تو کیا اللہ کی ذات سے امید ہے کہ ستر گنا سے زیادہ ثواب عطا فرما دے گا، کیا قرآن وحدیث میں ضرورت مند کی سخت ضرورت اور مدرسہ کو دینی تعلیمی نقصان سے بچانے پر ستر گنا سے زیادہ ثواب ملنے کی کوئی صراحت ملتی ہے۔

(۲) کیا خیر القرون میں حضرات صحابہ وغیرہم نے صرف رمضان ہی میں خرچ کرنے کا معمول بنا رکھا تھا، یا جب کوئی دینی ضرورت پیش آتی تھی ہر ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر خرچ کرنے کا جذبہ رکھتے تھے، حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تو آج کے لوگوں سے کہیں زیادہ نیکیوں کے کمانے میں حریص تھے، قرآن وحدیث میں اس سلسلہ میں کیا حکم ہے ضرورت پر خرچ کر دینے میں جلدی کرنی چاہئے، یا رمضان کا انتظار کرنا چاہئے، امید کہ مزاج شریعت کے مطابق ہماری صحیح رہنمائی فرمائیں گے؟

المستفتي: شکیل احمد قاسمی، خادم
مدرسہ قاسم العلوم فتح پور، سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ بات صحیح اور درست ہے کہ رمضان میں صدقہ وخیرات کا ثواب ستر گنا ملتا ہے، اسی طرح ہر عبادت کا ثواب ستر گنا ہو جاتا ہے، جیسا کہ

حدیث شریف میں موجود ہے۔

من أدى فريضة فيه كان كمن أدى سبعين فريضة فيما سواه . (شعب الايمان ، باب فی الصيام ، فضائل شهر رمضان ، دارالكتب العلمية بيروت٣/٣٠٥، رقم: ٣٦٠٨، صحيح ابن خزيمه ، المكتب الاسلامی ٢/١٩١١، رقم: ١٨٨٧)

اب رہا سخت ضرورت کے موقع پر غیر رمضان میں صدقہ کرنے کا ثواب تو نصوص سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے، کہ جہاں ضرورت زیادہ ہو وہاں صدقہ وخیرات کرنے میں زیادہ ثواب ملتا ہے، لیکن اس کی کوئی تحدید نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نیتوں کے اعتبار سے ثواب میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کرتے جاتے ہیں۔

عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما یروی عن ربه قال: قال إن الله تعالىٰ كتب الحسنات والسيئات ثم بين ذلک فمن هم بحسنة فلم يعملها كتبها الله له عنده حسنة كاملة ، فإن هو هم بها فعملها كتبها الله له بها عنده عشر حسنات إلىٰ سبع مائة ضعف إلىٰ أضعاف كثيرة . (بخاری شریف ، كتاب الرقاق ، باب من هم بحسنة أو بسيئة ، النسخة الهندية٢/٩٦١، رقم: ٦٢٤٢، ف: ٦٤٩١)

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيْلِ اللهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنۢبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ . (البقرة: ٢٦١)

اب رہی یہ بات کہ حضرات صحابہ کرام رمضان کے علاوہ میں بڑھ چڑھ کر خرچ کرتے تھے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ غزوہ تبوک رمضان میں پیش نہیں آیا ہے، بلکہ غیر رمضان میں پیش آیا ہے، یہ ایک ضرورت کا موقع تھا، اس لئے سب نے ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر صدقہ وخیرات کرنے میں حصہ لیا ہے، جو اسلامی تاریخ میں ہمیشہ کے لئے نمایاں ہے۔

عن زيد بن أسلم عن أبيه قال: سمعت عمربن الخطاب يقول أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نتصدق ووافق ذلک عندي مالا

فقلت اليوم أسبق أبابكر إن سبقته يوماقال فجئت بنصف مالي فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما أبقيت لأهلک قلت مثله وأتیٰ أبوبكر بكل ما عنده فقال يا أبابكر ما أبقيت لأهلک فقال أبقيت لهم الله ورسوله قلت لا أسبقه إلیٰ شيء أبدا. (سنن الترمذی، المناقب، النسخة الهندية ۲/۲۰۸، دارالسلام رقم: ۳۶۷۵، سنن أبي داؤد، الزكاة، باب الرخصة فی ذلك، النسخة الهندية ۱/۲۳۶، دارالسلام رقم: ۱۶۷۸، مسند الدارمی، دار المغني ۲/۱۰۳۳، رقم: ۱۷۰۱، المستدرك، كتاب الزكاة، قديم ۱/۴۱۴، مكتبه نزار مصطفى الباز ۲/۵۸۴، رقم: ۱۵۱۰)

عن عبد الرحمن بن خباب قال شهدت النبی صلی الله عليه وسلم وهو يحث علیٰ جيش العسرة فقام عثمان بن عفان فقال يارسول الله ﷺ علي مائة بعير بأحلاسها و أقتابها فی سبيل الله ثم حض على الجيش فقام عثمان فقال يارسول الله صلى الله عليه و سلم! علي مائتا بعير بأحلاسها وأقتابها فی سبيل الله ثم حض على الجيش، فقام عثمان فقال: علي ثلاث مائة بعير بأحلاسها وأقتابها فی سبيل الله ﷺ، فأنا رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ﷺ ينزل عن المنبر وهو يقول ما على عثمان ما عمل بعد هذه ما على عثمان ما عمل بعد هذه. (ترمذی شریف، المناقب، النسخة الهندية ۲/۲۱۱، دارالسلام رقم: ۳۷۰۰)

اس لئے امید کی جاتی ہے کہ مسجد ومدارس وغیرہ کار خیر میں سخت ضرورت کے موقع پر خرچ کرنے میں انشاء اللہ زیادہ ثواب کی امید ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۵/۱۴۳۴ھ

روزانہ صدقہ ضروری ہے یا اکھٹے کئی دنوں کا صدقہ کرسکتے ہیں؟

سوال: [۴۶۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص اپنی جان اور مال کا صدقہ روز نکالتا ہے تو اس کو روزانہ ہی کسی کو دینا ضروری ہے یا ضرورت کے وقت اکھٹا کرکے بھی دے سکتا ہے، مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: عبدالرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جان ومال کے صدقہ سے مراد اگر یہی ہے کہ صدقہ سے بلائیں ٹل جاتی ہیں اور اس نیت سے صدقہ نکالا جاتا ہے، کہ اللہ ہماری جان ومال کی حفاظت فرمائیں گے تو ایسے صدقہ کو موقع بموقع غریبوں اور فقیروں کو دیتے رہا کریں اختیار ہے کہ اکھٹا دیدیں یا تھوڑا تھوڑا کرکے مختلف فقیروں کو دیتے رہا کریں اس بارے میں صاحبِ صدقہ کو اختیار ہے۔

عن أنس بن مالك رضی الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الصدقة لتطفئ غضب الربّ و تدفع ميتة السّوء. (جامع الترمذي، كتاب الزكاة باب في فضل الصدقة ١٤٤/١، دارالسلام رقم:٦٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رجمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۳۰۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۷/۲ھ

اہل قرابت کو بغیر بتائے صدقہ خیرات کا حکم

سوال: [۴۶۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جان کا صدقہ یا مال کا صدقہ یا نذر کا صدقہ اور صدقہ میں جو کچھ بھی ہو کپڑے یا کھانے پینے کا سامان یا پیسہ یا چیزیں بھائی بہن کو، بہن بھائی کو، بہن بہن کو چھوٹے ہوں یا بڑے صاحب استطاعت ہوں یا نہ ہوں بغیر بتائے ہوئے دے سکتے ہیں یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں مدلل ومفصل

جواب سے نوازیں کرم ومہربانی ہوگی؟

المستفتي: عبدالرحمٰن،

جامع مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بھائی بہن ایک ساتھ نہ رہتے ہوں ان کی الگ الگ فیملی ہوتو ان میں سے جو فقیر اور نادار ہوں ان کو صدقہ کر سکتے ہیں اور صدقہ نام ہے غریبوں اور فقیروں کی ضرورت پوری کرنے کا یا غریبوں اور فقیروں کو دینے کا لہٰذا صدقہ کا پیسہ مالدار اور سرمایہ دار کو دینا درست نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۴/۳۰۲، جدید زکریا مطول ۶/۲۹۵)

الأصل أن الصدقة تعطى للفقراء والمحتاجين وهذا هو الأفضل كما صرح به الفقهاء وذلک لقوله تعالیٰ: ”أو مسكيناً ذامقربة“. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٦/٣٣٢)

لأن الهبة للفقير صدقة والصدقة يراد بها وجه الله تعالیٰ وهو واحد فلا يشوع لالغنيين لأن الصدقة على الغني هبة فلا تصح للشيوع أي تملک حتى لو قسمها وسلمها صح الخ. (الدرالمختار مع الشامی، زکریا۸/۵۰۳، کراچی ۵/۶۹۸)

وما أخرجه للصدقة لايكون صدقة إلا بالدفع إلیٰ للفقير. (خانية على هامش الهندية، كتاب الهبة، فصل في الصدقة زكريا ٣/٢٨٤) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۱/۴/۱۴۱۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۱۵۴)	۲۱/۴/۱۴۱۳ھ

آمدنی کا چالیسواں حصہ اللہ کے نام پر نکالنے کی نیت کی اس کا مصرف

سوال: [۴۶۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں

نے اپنے کاروبار میں یہ نیت کی کہ جو آمدنی ہوگی اس کا چالیسواں حصہ اللہ کے نام پر نکالوں گا، اس پیسہ کا کیا کرنا ہے؟ اور کہاں خرچ کرنا افضل ہے؟

المستفتي: زاہد حسین، سیڈی سرائے، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ صاحب نصاب نہیں ہیں تو کہیں بھی کار خیر میں دے سکتے ہیں، مثلاً مسجد کی ضروریات یا مدارس یا فقراء میں کہیں بھی خرچ کر سکتے ہیں اور اگر آپ صاحب نصاب ہیں تو چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ کے نکالکر فقیر مستحق زکوٰۃ کو دیدینا واجب ہے، اور اس طرح ہر سال ایک بار نکالنا واجب ہے، اور یہ رقم مسجد وغیرہ میں لگانا بھی جائز نہ ہوگا۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ . (التوبہ: ٦٠)

ولا يصرف إلىٰ بناء نحو مسجد . (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا دیوبند۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤، تبیین زکریا۲/ ۱۲۰، امدادیہ ملتان ۱/ ۳۰۰، هندیه ۱/ ۱۸۸، جدید زکریا ۱/ ۲٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/۴/۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۴/۱۴۱۳ھ

اصول وفروع کو کون سا صدقہ دے سکتے ہیں؟

سوال: [۵۶۶۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اصول وفروع کو زکوٰۃ تو نہیں دے سکتے کیا صدقہ بھی نہیں دے سکتے یا اس میں صدقۂ واجبہ نافلہ کی کوئی تفصیل ہے؟

المستفتي: زبیر مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ اور صدقۂ واجبہ اصول وفروع کو دینا جائز نہیں ہے، البتہ صدقۂ نافلہ دیا جاسکتا ہے، بلکہ دینا بہتر ہے کیونکہ اس میں صلہ رحمی اور صدقہ دونوں کا ثواب ہے۔

ولا یصح دفعها لکافر وغنی یملک نصابا إلیٰ قوله وأصل المزکی وفرعه. (مراقی الفلاح علی حاشیة الطحطاوی ، دارالکتاب دیوبند/ ۷۲۰)

قال ابو حنیفةؒ: لا تتأدی الزکاة بدفعها إلیٰ من له قرابة الأولاد أو الزوجية وأما النافلة ففیها أجران أجر القرابة وأجر الصدقة . (العرف الشذی علی جامع الترمذی، النسخة الهندیة ۱/ ۱٤۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ ررجب ۱٤۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۷۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱٤۲۹/۷/۲۱ھ

ضرورت مند سید کو نفلی صدقہ دینا

سوال: [٤٦٦١]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سید اگر نہایت ضرورت مند ہو تو نفلی صدقات اس کو دیئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: محمد اعجاز، محمد زبیر، احمد آباد، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سید کو نفلی صدقہ وخیرات دینا (جس کو امداد کے نام سے تعبیر کرتے ہیں) مطلقاً جائز ہے۔ (مستفاد: محمودیہ جدید ۹/ ٦٤۳)

قوله وبنی هاشم قال المصنف فی الکافی وهذا فی الواجبات کالزکاة والنذر والعشر والکفارة أما التطوع والوقف فیجوز الصرف

إليهم. (البحرالرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند۲/ ۴۳۰، ۲/ ۲۴۶)

وانما تحرم على هؤلاء الصدقة الواجبة من العشور والنذر والكفارات فأما الصدقة على وجه الصلة والتطوع فلا بأس. (المحيط البرهاني، كوئٹه۲/ ۴۳۴، المجلس العلمي بيورت ۳/ ۲۱۵، رقم: ۲۷۹۲، الفتاویٰ التاتاخانية ۳/ ۲۱۴، رقم: ۴۱۵۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۹۲۶/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۳/۸ھ

امام کی تنخواہ کیلئے چندہ

سوال: [۴۶۶۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام کی تنخواہ کیلئے ماہانہ یا فصلانہ فی گھر یا فی شادی شدہ کچھ رقم یا اناج مقرر کر لینا اس میں بھی بلا امتیاز امیر وغریب وصول کرنا اگر کوئی نہ دے تو میٹنگ وغیرہ میں اس کا اعلان کرنا اسکے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتي: الطاف الرحمٰن،
مدرسہ اختر العلوم، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ماہانہ وفصلانا تنخواہ کیلئے اہل مسجد پر رقم مقرر کردینا جائز ہے، تاکہ بآسانی مسجد کی ضرورت، امام ومؤذن کی تنخواہوں کا انتظام ہوسکے لیکن اس میں غریب ونادار لوگوں سے نہ لیا جائے، صرف صاحب حیثیت لوگوں پر ہی یہ بار برداشت کرنا ضروری ہے اور نہ ہی نادار شخص کو اس سلسلہ میں ذلیل کرنا جائز ہے۔

عن عمرو بن يحي المازني عن أبيه ان رسول الله صلى الله عليه

وسلم قال: لا ضرر ولا ضرار. (مؤطا امام مالك، النسخة الهندية / ٣١١)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍رمضان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۹۷۱/۲۶)

پرانے کپڑوں کا مصرف

سوال: [۴۶۶۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موجودہ دور میں کوئی پیوند لگا ہوا کپڑا نہیں پہنتا پرانے کپڑوں کا مصرف کیا ہے، یہاں کوئی لینے والا نہیں، یہاں نئے نئے کپڑے بھی پھینک دیئے جاتے ہیں؟

المستفتي: شفیع احمد الاعظمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو پرانے کپڑے اور نئے نئے کپڑے پھینک دیئے جاتے ہیں، ان کے مصرف فقراء ہیں، آپ کے یہاں مصرف نہیں ہے، تو ہمارے یہاں ارسال کردیجئے یہاں نادار طلبہ بہت ہیں، نیز عوام فقراء بھی بہت ہیں۔

إنما الصدقات للفقراء والمساكين. (سورة التوبة: ٦٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۷۸۹/۲۵)

نفلی صدقات کی رقم سے وکیل عالم دین کا کتابیں خریدنا

سوال: [۴۶۶۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی صاحب کسی عالم کو نفلی صدقات کے پیسے یہ کہہ کر دیں کہ آپ ان پیسوں کو کہیں بھی بہتر جگہ

لگا سکتے ہیں، کیا وہ عالم ان پیسوں کی کتابیں خرید کر اپنے پڑھنے کیلئے رکھ سکتا ہے؟

المستفتي: محمد ایوب، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نفلی صدقات کے پیسے عالم دین کو یہ کہہ کر دینا کہ کہیں بھی بہتر جگہ لگا سکتے ہیں تو ایسی صورت میں اس عالم کیلئے دینی کتابیں اپنے پڑھنے کیلئے خریدنا بھی جائز ہے، اور اس کے علاوہ کہیں بھی بہتر جگہ خرچ کرنے کی بھی اجازت ہے، وہ عالم دین چاہے مالدار ہو یا غریب ہر طرح سے جائز ہے۔

فأما الصدقة على وجه الصلة والتطوع فلا بأس به وفي الفتاویٰ العتابية: وكذلك يجوز النفل للغني. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الزكوٰة، الفصل الثامن من توضع فيه الزكاة، كوئٹه ٢/٢٧٥، زكريا ديوبند٣/٢١٤، رقم: ٤١٥٥)

ولو قال ضعها حيث شئت جاز وضعها في نفسه. (حاشية چلپى، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبه امداديه ملتان ١/٣٠٥، زكريا ديوبند ٢/١٣٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ ۹؍محرم الحرام ۱۴۳۰ھ (الف فتویٰ نمبر: ۹۷۳۵/۳۸)	الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۱/۹ھ

چندہ کرنے والوں کا صدقہ کی رقم سے تیار کردہ کھانا خود کھانا کیسا ہے؟

سوال: [۴٦٦۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چند لوگوں نے صدقہ کرنے کیلئے چندہ کیا اس چندہ کی رقم سے کچھ ماکولات تیار کیں تو یہ ماکولات چندہ کرنے والے حضرات کھا سکتے ہیں، یا سارا کا سارا مستحقین حضرات ہی کھائیں گے؟

المستفتي: عبداللہ، مقبرہ دوئم،

کیت والی مسجد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غریبوں کے نام سے چندہ کر کے خود کھانا یا مالدار کو کھلانا ہرگز جائز نہیں، اگر اس طریقہ سے کیا جاتا ہے تو اس عنوان سے چندہ کرنا بھی جائز نہیں ہے، لہٰذا جس غرض کو بتا کر چندہ کیا ہے،، اسی غرض میں چندہ شدہ پیسہ خرچ کرنا لازم ہے، ورنہ چندہ کرنے والے گنہ گار ہوں گے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۳۲۴)

ومنه أنه أمين فيما في يده كالمودع. (هنديه، زكريا ديوبند ٣/٥٦٧، جديد زكريا ٣/٤٨٢)

وقيام الوكيل مقام الموكل فيما وكله به. (هنديه، كتاب الوكالة زكريا ٣/٥٦٦، جديد زكريا ٣/٤٨٢، كتاب الوكالة) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۴/۵/۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۲۲)	۲۴/۵/۱۴۱۵ھ

ہندو کو صدقہ وخیرات دینا

سوال: [۴٦٦٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خیرات وصدقہ کیا ہندو کو دینا درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالواحد، چوراہا گلی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں ہندو کو زکوٰۃ وعشر وخراج کے علاوہ صدقہ فطر اور دیگر نفلی خیرات صدقہ دینا درست ہے۔

ويدفع إليه ماسوى ذلک من الصدقة الخ. (هداية، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لا يجوز، المكتبة الأشرفية ١/٢٠٥، مكتبه بلال ١/٢٢٢)

وجاز دفع غيرها و غير العشر والخراج إليه أى الذمى ولو واجبا كنذر وكفارة وفطرة الخ. (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف مطلب في الحوائج الاصلية زكريا ۳/ ۳۰۱، كراچی ۲/ ۳۵۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۱۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۳/۱۴۱۱ھ

کافر کو کون سا صدقہ دے سکتے ہیں؟

سوال: [۴۶۶۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صدقات میں کون سا صدقہ کافر کو دینا جائز ہے؟

المستفتي: احسان الحق قاسمی، ستیاپور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کافر کو زکوٰۃ کے علاوہ تمام صدقات دے سکتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لايجوز دفع الزكوٰة إلى ذمي وصح دفع غير الزكوٰة من الصدقات إلىٰ الذمي كصدقة الفطر والكفارات. (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ۲/ ۱۱۹، امدادیہ ملتان ۱/ ۳۰۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/۲/۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۲/۱۴۲۴ھ

فساد زدگان کیلئے جمع شدہ رقم کو دوسرے مد میں صرف کرنا

سوال: [۴۶۶۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شہر

مرادآباد سے چندنوجوانوں نے پچھلے فساد میں جب بجنور میں زبردست فساد ہوا تھا، اس وقت ۶۵/ ہزار روپیہ کی رقم جمع کی تھی، اس میں سے ۱۷/ ہزار کی رقم بجنور ریلیف فنڈ میں پہنچادی گئی اب باقی رقم دفاعی کام میں لگا سکتے ہیں، یا پھر کسی غریب لڑکی کی شادی میں یہ رقم لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور جنھوں نے یہ رقم جمع کی تھی، ان کی اجازت لینا ضروری ہے یا نہیں؟

المستفتی: اشتیاق حسین، محلّہ مقبرہ دوئم، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس مد کیلئے چندہ کی رقم جمع کی گئی ہے، اسی مد میں خرچ کرنا لازم ہوگا، لہٰذا مذکورہ شکل سوالنامہ میں ذکر کردہ رقم لڑکی کی شادی میں خرچ کرنے کیلئے مالک رقم اور چندہ دہندگان سے اجازت لینا لازم ہوگا، بغیر اجازت جائز نہ ہوگا۔

استفید من عبارۃ الأشباہ یبعث شمعا فی شهر رمضان إلیٰ مسجد فاحترق وبقي معه ثلثه أو دونه لیس للإمام ولا للمؤذن أن یاخذه بغیر إذن الدافع الخ. (الاشباہ قدیم /۱۵۲، جدید زکریا / ۲۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۵/ رجب ۱۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲۴۴/۲۹)

کسی شخص کا اللہ کے نام پر سوال کرنا

سوال: [۴۶۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی شخص اللہ کے نام پر سوال کرتا ہے، حالانکہ اس کے پاس اتنا مال ہے، جو اس کے لئے اور اس کے اہل وعیال کیلئے ایک دوروز تک کافی ہوگا، یا عرصۂ دراز تک کافی ہوگا، تو کیا اس کا سوال کرنا اور ہمارا اس کو دینا باعث ثواب اور درست ہے؟

المستفتي: محمد رضوان بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دھتکار کرخالی ہاتھ واپس کردینا بھی ممنوع ہے، اسلئے ایسے مانگنے والے لوگ جن کے بارے میں معلوم ہے کہ ان کے پاس ضرورت کیلئے موجود ہے لیکن مانگنے کے عادی ہیں، ان کو دیتے وقت صدقہ خیرات کا ارادہ نہ کیا جائے، بلکہ ہبہ کی نیت سے انکو کچھ دیدیا جائے، مانگنے کا گناہ ان پر ہوگا، دینے والے پرنہیں اور اگرانکے حالات پر مکمل واقفیت نہیں ہے، تو صدقہ خیرات کے ارادہ سے جو چاہے دے سکتا ہے۔ (مستفاد: دارالعلوم ۶/ ۲۰۳)

وبالهبة للغني أو لمن لا يكون محتاجاً إليه لايكون آثما. (شامی، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند۳/ ۳۰۶، كراچی ۲/ ۳۵۵، البحر الرائق، قبيل باب صدقة الفطر زكريا ديو بند۲/ ۴۳۷، كوئٹه ۲/ ۲۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ۶/ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۷۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/ ۶/ ۱۴۲۳ھ

پیشہ ور فقیر کا ایک دن کا رزق ہونے کے باوجود سوال کرنا

سوال: [۴۶۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پیشہ ور فقیر جو گھر گھر جا کر مانگتے ہیں ان میں سے تقریباً ہر ایک کے پاس ایک دن کے بقدر رزق بھی ہوتا ہے، اور ان میں سے بہت سے تندرست بھی ہوتے ہیں، جو کما کر کھا سکتے ہیں، جبکہ حدیث شریف کے اندر ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس کے پاس ایک دن کے بقدر رزق ہو اس کیلئے سوال کرنا درست نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ شریف/۱۶۳)

اسی طرح درمختار زکریا ۳/ ۳۰۶ پر ہے کہ ایسے شخص کو دینے والا گنہگار ہوگا، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ پیشہ ور فقیر جن کے پاس ایک دن کے بقدر رزق ہوتا ہے، ان کا سوال کرنا کیسا ہے؟ اور ان کو دینے والے گنہگار ہوں گے یا نہیں؟ اگر گنہگار ہوں

گےتو گھر والوں کوان کودینے سے منع کیا جائے گا یانہیں؟ جبکہ ہمارے علاقہ میں تقریباً ہر گھر والے کچھ نہ کچھ دیتے ہیں۔

نیز حدیث کے اندر جوسوال کرنیکی ممانعت آئی ہے، اس کا تعلق صرف زکوٰۃ کے سوال کرنے سے ہے یا مطلقاً سوال کرنے کی ممانعت ہے؟

المستفتي: محمد ہاشم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق : دھتکارکر خالی ہاتھ واپس کردینا بھی ممنوع ہے اسلئے ایسے مانگنے والےلوگ جن کے بارے میں معلومات ہے کہ ان کے پاس ضرورت کیلئے موجود ہے لیکن مانگنے کے عادی ہیں، ان کو دیتے وقت صدقہ خیرات کا ارادہ نہ کیا جائے بلکہ ہبہ کی نیت سے دیدیا جائے ، اور مانگنے کا گناہ ان پر ہوگا، دینے والے پر نہیں اور اگران کے حالات پرمکمل واقفیت نہیں ہے،تو صدقہ خیرات کے ارادہ سے جو چاہے دے سکتے ہیں،اورحدیث شریف میں جوسوال کی ممانعت آئی ہے، وہ مطلق مانگنے کے متعلق ہے،زکوٰۃ کی قید نہیں۔(مستفاد: دارالعلوم ۶/۲۰۳)

وبالهبة للغنى أو لمن لايكون محتاجاً إليه لايكون اثما. (شامی، کتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ۲/۳۵۵، زكريا۳/۳۰۶، البحرالرائق، قبيل باب صدقة الفطر زكريا ديوبند ۲/۴۳۷، كوئٹه ۲/۲۵۰)

حرم السؤال على من يملك مايغنيه عنها من مال أو قدرة على الكسب سواء كان مايسئله زكوٰة أو تطوعاً أو كفارة . (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲٤/۹۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۱۲/۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۶/۱۴۲۳ھ

طلبۂ علوم دینیہ پرخرچ کرنا صدقہ ہے جس سے رجوع جائز نہیں

سوال: [۱۶۷۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی آدمی نے مدرسہ دینیہ میں تعلیم حاصل کرنے والے طالب علم پر اپنی مرضی سے کچھ خرچ کیا نیز خرچ کرنے والے نے طالب علم سے کہدیا تھا، کہ اگر کچھ ضرورت پیش آئے تو مجھے کہنا تو اسی کے مطابق طالب علم نے اپنی ضرورت ظاہر کی اور خرچ کرنے والے نے کبھی کبھار تعاون کیا، لیکن بعد میں دونوں کے درمیان کچھ ان بن ہوگئی، جس کی وجہ سے خرچ کرنے والے نے طالب علم پر عدالت میں مقدمہ دائر کردیا، جس میں اپنے دئے ہوئے روپیہ کو واپس دینے کا طالب علم سے مطالبہ کیا گیا ہے، تو کیا خرچ کرنیوالے کے لئے خرچ شدہ روپیہ لینے کا اختیار ہے؟ اسلامی شریعت کی رو سے کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

المستفتي: محمد اسلام، مقام کرنا،
پوسٹ: بال منڈور، گڈا۔ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مدارس دینیہ کے طلبہ پر خرچ کرنا بمنزلۂ صدقہ کے ہے، اور صدقہ میں رجوع شرعاً جائز نہیں ہے۔

إذا أعطى سائلاً أو محتاجاً على وجه الحاجة ولم ينص على الصدقة فلا رجوع فيه استحساناًالخ. (عالمگیری، کتاب الهبة، الباب الثانی عشر فی الصدقة، کوئٹه وزکریا ٤/٤٠٦، جدید زکریا ٤/٤٣٥)

لارجوع فی الصدقة لأن المقصود هو الثواب وقد حصل.
(هدایه، اشرفی ٣/٢٧٧)

(وقوله) وكذا إذا وهب لفقير لأن المقصود هو االثواب وقد حصل الخ. (هدایه، اشرفی بکڈپوردیوبند٣/٢٩٣، ٣/٢٧٧)

تو معلوم ہوا کہ اگر کچھ ہبہ بھی تھا تب بھی رجوع جائز نہیں ہے، کیونکہ فقیر پر ہبہ صدقہ کے حکم میں ہے، لہٰذا خرچ کرنے والے کا مذکورہ مطالبہ اور مقدمہ دائر کرنا شرعاً ناجائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴۸/۲۳)

نذر وغیرہ صدقات کے گوشت کو خریدنا

سوال: [۴۶۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ قیمت دیکر مدرسین نذر وغیرہ صدقات کے گوشت کو خرید کر اپنے گھریلو کام میں لگا سکتے ہیں؟

المستفتي: مولانا عبد اللطیف صاحب، مدرسہ اسلامیہ، منشی ہاٹ، چاندی ہاوڑہ، ویسٹ بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: غریب طلبہ اور فقیر کو مالک بنانے کے بعد پھر ان کے ہاتھ قیمت دیکر خریدنے کے بعد استعمال کرنا جائز ہے۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة الخ. (الدرالمختار، زکریا ۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۸۷۳/۲۶)

کیا مسجد کیلئے استنجاء خانہ بنانا صدقہ جاریہ ہے؟

سوال: [۴۶۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

مسجد وغیرہ کیلئے استنجاء خانہ وغیرہ کا بنانا ایسی زمین پر جو مسجد کی نہیں ہے، صدقہ جاریہ میں شامل ہوگا یا نہیں؟

المستفتي: محمد اویس، جامعہ ملیہ، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو شخص کسی زمین کا مالک ہو اور وہ اپنی ملکیت کی زمین میں مسجد کے قریب اس طرح استنجاء خانہ وغیرہ بنوائے کہ اس کی بدبو مسجد میں نہ جائے اور مصلیوں ومسافروں کو اس بیت الخلاء سے آسانی ہو جائے تو یہ صدقہ جاریہ ہوگا۔

ولا يجوز أن يبنى بالزكاة المسجد وكذا القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار - هذا فى الواجبات كالزكاة والنذر والعشر والكفارة فأما التطوع فيجوز الصرف إليهم. (عالمگیری، باب الزکاة، الباب السابع فی المصارف زکریا وکوئٹہ ۱/۱۸۸، ۱/۱۸۸-۱۸۹، جدید زکریا ۱/۲۵۰-۲۵۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۴۸۰/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۱/۲۵ھ

مظلومین کے لئے جمع شدہ رقم مسجد و مدرسہ میں دینا؟

سوال: [۴۶۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مظلومین میرٹھ کیلئے چندہ عام کر کے رقم جمع کی گئی تھی، جس میں مختلف مدات زکوٰۃ، فطرہ، امداد وغیرہ ہے، جب لوگ میرٹھ گئے تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ رقم لے کر جوا کھیلتے ہیں، یا شراب نوشی یا ٹی وی لے آتے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس جمع شدہ رقم کو بعد التملیک کسی مدرسہ میں جس میں علوم قرانیہ کی تعلیم ہوتی ہو، اس کے تعمیری کام میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بالتفصیل جواب

سے مطلع فرمائیں، عین کرم ہوگا۔

المستفتی: عبداللہ، حیات نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ فطرہ وغیرہ صدقہ واجبہ میرٹھ جیسے بحرانی مظالم کیلئے دینا جائز نہیں کیونکہ ان میں بہت سے لوگ سادات میں سے ہونگے اور بہت سے غنی ہونگے جس کے پاس مثلاً دس لاکھ روپیہ ہو اور اسمیں سے پانچ یا نو لاکھ ہلاک ہو جائیں تو وہ مظلوم تو ہے لیکن فقیر غریب صاحب مصرف نہیں جسکا ثبوت سوال نامہ سے ظاہر ہو رہا ہے، اس لئے وہاں صرف نفلی امداد دینا جائز ہوسکتا ہے، اسلئے جمع شدہ رقم میں سے جو رقم زکوٰۃ فطرہ وچرم قربانی وغیرہ کی ہو وہ فقراء اور نادار طلبہ کو دے دی جائے، یا تملیک صحیح کے بعد مدارس کی ضروریات میں صرف کی جائے اور جو امدادی رقم ہے وہ میرٹھ کے حقیقی مظالم پر تحقیق کر کے صرف کرنا ضروری ہے، کسی اور جگہ جائز نہ ہوگا۔

صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبةٌ الخ. (شامی، کراچی ٤/٦٥٤، زکریا٦/٦٦٥)

معلوم ہوا کہ وہاں کے مظالم کے ویران مکانات کی تعمیر بڑی ذمہ داری اور انتظام کے ساتھ ہو رہی ہے، اسلئے امدادی رقم وچندہ دہندگان کی غرض کے مطابق وہاں بھیجنا واجب ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۸۸)

نفلی حج بدل سے بہتر تعمیر مدرسہ

سوال: [۴۶۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ والد صاحب مرحوم اپنی زندگی میں دو حج کر چکے تھے، امسال والد صاحب کا انتقال ہوگیا، میرے

چھوٹے بھائی کا ارادہ تھا کہ والد صاحب کی طرف سے حج بدل کرادے، اور میری اپنی رائے یہ ہے کہ اس رقم کو مدرسہ وغیرہ کی تعمیر میں صرف کردے یہ زیادہ بہتر ہے، تو یہ فرمائیں کہ افضل کیا امر ہے؟ اور اسمیں یہ بھی تحریر فرمائیں کہ مدرسہ کی تعمیر میں صرف افضل ہے یا مسجد کی؟

المستفتي: نواب علی، ہلدوانی، ضلع نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر والد صاحب مرحوم نے اپنی طرف سے نفلی حج کی وصیت کی ہے تو حج پہلے کرلینا افضل ہوگا، اور اگر کوئی وصیت نہیں کی ہے، تو دینی مدرسہ کی تعمیر میں والد صاحب کی طرف سے خرچ کرنا زیادہ افضل ہوگا، جو صدقۂ جاریہ ہے، کیونکہ میت کی طرف سے بلا وصیت نفلی حج ادا نہیں ہوگا، بلکہ صرف ثواب پہونچانے سے ثواب پہونچتا ہے۔

إذا مات الإنسان انقطع عمله إلا من ثلثة إلا من صدقة جارية الحديث: (مسلم شريف، النسخة الهنديه ۲/ ۴۱، رقم: ۱۶۳۱)

وفی المرقات: يجری نفعها فيدوم أجرها كالوقف فی وجوه الخير (قوله) قال أكثرهم هی الوقف وشبهه مما يدوم نفعه الخ. (مرقات المفاتيح، كتاب العلم، الفصل الاول بيان العلم المنتفع به، مكتبه ۱/ ۲۶۹)

وكذلک الصدقة الجارية وهی الوقف الخ. (نووی، النسخة الهندية ۲/ ۴۱، بذل المجهود ۴/ ۱۰۰)

ويقع الحج المفروض الخ. أما النفل يقع عن المأمور اتفاقا وللآمر ثواب النفقةالخ. (شامی، كتاب الحج، باب الحج، عن الغير مطلب فی الاستئجار على الحج زكريا ۴/ ۲۰، كراچی ۲/ ۶۰۲، كوئٹه ۲/ ۲۶۱) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۹۲)

مرحوم والد کے نام سے صدقہ کرنے کی بہتر صورت

سوال: [۴۶۷۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کے والد کا انتقال ہوا وہ شخص اپنے والد محترم کے نام سے کچھ صدقہ کرنا چاہتا ہے تو اس کی بہتر صورت کیا ہوگی، آیا وہ رشتہ داروں کو صدقہ دیدے یا مدارس پر یا کھانا پکا کر لوگوں کو کھلا دے تفصیل کے ساتھ جواب دیں؟

المستفتي: ایس کے بابر علی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صدقہ نام ہے فقراء اور مساکین کی ضرورت پوری کرنے کا اور آجکل کے زمانہ میں ضرورت پوری ہونے کی سب سے بہترین چیز پیسہ ہے، نیز اگر قریبی رشتہ داروں میں مفلس اور قلاش موجود ہیں، تو ان کو دینے میں زیادہ ثواب ملتا ہے، اگر قریبی رشتہ داروں میں محتاج فقیر نہیں ہیں، تو دوسرے لوگوں میں سب سے محتاج ترین لوگوں کو صدقہ کیا جائے، اور مدرسہ میں بھی اسکا مصرف ہوتا ہے، جو مدرسہ زیادہ غریب ہے، اس کو دینے میں زیادہ ثواب ملیگا۔

ویستحب أن یتصدق علی المیت بعد الدفن إلیٰ سبعة أیام بشيء مما تیسر. (طحطاوی علی المراقی قدیم /۳۳۹، دارالکتاب دیوبند/۶۱۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۸۰۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۳/۲۹ھ

اولاد والدہ کا حج بدل کروائے یا اتنی رقم صدقات جاریہ میں لگا دے؟

سوال: [۴۶۷۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک

عجوزہ معذورہ نصاب کی مالک نہیں ہے اور نہ ہی اس پر حج فرض ہے، اسکی اولاد کو اللہ تعالیٰ نے بے حد مال دے رکھا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ اولاد اپنی ماں کا حج بدل کروائے یا اتنی رقم کسی مسجد یا مدرسہ میں صدقۂ جاریہ کی نیت سے لگادے دونوں میں افضل کیا ہے؟

المستفتي: محمد زبیر مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب ماں پر حج فرض نہیں ہے تو ماں کی طرف سے حج بدل کرانے کے مقابلہ میں افضل یہ ہے کہ اتنی رقم کسی مسجد یا مدرسہ کی تعمیر میں خرچ کردی جائے جو صدقہ جاریہ بن جائے اور برابر ثواب ملتا رہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱/ ۴۲۹، جدید)

عن أنس قال: قال رسول الله ﷺ سبع يجرى للعبد أجر هن من بعد موته وهو في قبره: من علم علما، أو كرىٰ نهرا، او حفر بئرا، أو غرس نخلا، أو بنى مسجداً، أو ورث مصحفاً، أو ترك ولدا يستغفرله بعدموته.

(مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ۱۳/ ۴۸۳، ۴۸۴، رقم: ۷۲۸۹)

الصدقة أفضل من الحج تطوعاً كذا روى عن الإمام لكنه لماحج وعرف المشقة أفتى بأن الحج أفضل ...... قال الرحمتى والحق التفصيل فما كانت الحاجة فيه أكثر والمنفعة فيه أشمل فهو الأفضل وكذا بناء الرباط إن كان محتاجاً إليه كان أفضل من الصدقة وحج النفل وإذا كان الفقير مضطراً أومن أهل الصلاح أو من آل بيت النبى صلى الله عليه وسلم فقد يكون إكرامه أفضل من حجات وعمر وبناء ربط. (شامى، كتاب الهدى، مطلب فى تفصيل الحج على الصدقة كراچى ۲/ ۶۲۱، زكريا ۴/ ۴۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۶۱/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۷/۱۴۲۹ھ

منظوری نہ ملنے کے سبب حج بدل کی رقم کو صدقہ جاریہ میں لگانا

سوال: [۴۶۷۸]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکر ایک عمر رسیدہ شخص ہے بسبب ضعف پیرانہ سالی قریب کا سفر بھی کرنے سے معذور ہے، چند سال قبل اپنے والد مرحوم کی طرف سے حج بدل کرا چکا ہے تین سال سے کوشاں ہے کہ والدہ مرحومہ کی طرف سے بھی حج بدل ہو جائے، دو سال سے درخواست ڈلواتا ہے، لیکن حکم ربی نامنظور ہو جاتی ہے، اب عمر کی زیادتی کے سبب زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے، اور جو رقم حج بدل کیلئے مخصوص کر چکا ہے ہوسکتا ہے بلکہ قوی امید ہے کہ بکر کی موت کے بعد وہ رقم خرد برد ہو جائے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس رقم کو از روئے شرع حج بدل کے علاوہ کن کن شرعی کاموں میں صرف کیا جاسکتا ہے، جس سے کہ بکر کی والدہ مرحومہ کیلئے صدقہ جاریہ بن جائے شرعی تحقیق کے پیش نظر بالتفصیل جواب سے نوازیں؟ ممنون ہوں گا؟

المستفتي: حاجی محمد شاہ، محلّہ پٹی گھوسی پورہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر آپ کی والدہ پر حج فرض نہیں تھا، اور نہ ہی انھوں نے آپ کو حج کی وصیت کی تھی اور آپ بخوشی اپنے پیسے سے والدین کو ثواب پہونچانے کی غرض سے ان کی طرف سے حج کرانے کا ارادہ کئے ہوئے ہیں، اور تین سال سے مسلسل درخواست دینے کے باوجود منظوری نہیں آرہی ہے، اور آپ نے والدہ ہی کے ایصال ثواب کیلئے اس پیسے کو خرچ کرنے کا ارادہ کرلیا ہے تو اس کیلئے بہتر شکل یہی ہے کہ کسی مسجد کی تعمیر میں وہ پیسہ خرچ کردیں جن غریب علاقوں میں مسجد کی تعمیر رکی ہوئی ہے، اس میں مسجد کا لینٹر ڈلوادیں یا فرش بنوادیں اسی طرح کسی مدرسہ میں کوئی درسگاہ بنوادیں تو یہ ایصال ثواب اور صدقہ جاریہ کیلئے بہترین طریقہ ہے۔

عن ابي هريرةؓ أن رسول الله ﷺ قال: إذا مات الانسان إنقطع عنه عمله إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح

يدعوله . (صحيح مسلم ، باب مايلحق حق الإنسان من الثواب بعد وفاته ، النسخةالهندية ٢/٤١، بيت الافكار رقم: ١٦٣١)

عن أنس قال: قال رسول الله ﷺ سبع يجرى للعبد أجر هن من بعد موته وهو في قبره: من علم علماً، أو كرىٰ نهر اً ، أو حفر بئرًا، أو غرس نخلاً، أو بنى مسجداً، أو ورث مصحفاً، أو ترک ولداً يستغفر له بعد موته.

(مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم١٣/٤٨٣، ٤٨٤، رقم:٧٢٨٩)

كما استفيد بعبارة رد المحتار أفتى به الإمام أبو شجا ع والإمام الحلوانى وكفى بهما قدوة ولا سيما فى زما ننا فإن المسجد أو غيره من رباط أو حوض إذا لم ينقل يأخذ انقاضه اللصوص والمتغلبون كما هو مشاهد وكذلک أوقافه يأكلها النظار أو غيرهم ويلزم من عدم النقل خراب المسجد الآخر المحتا ج إلىٰ النقل إليه . (شامى، كتاب الوقف ، مطلب فى نقل انقاض المسجد و نحوه، كراچى ٤/٣٦٠، زكريا٦/٥٥٠)

فيجوز صرف الزائد إلىٰ إنشاء مدرسة ونشرعلم ، وإن لم يكن من شرط الواقف وعبارة الخانية فيه صريحة ، وإن كان قيد ها صاحب المهدية بغير وقف المسجد الخ. (معارف السنن ، اشرفى بکڈپو ديو بند٣/٣٠١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ	الجواب صحیح:
١٢رمحرم الحرام١٤٣٠ھ	احقرمحمدسلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر:٣٨ /٩٧٣١)	١٢/١/١٤٣٠ھ

جان کے بدلے جان کی نیت سے جانور ذبح کرنا

سوال: [٤٦٧٩]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فتاویٰ دارالعلوم١٢/ ١١٨پردرج ہے۔

عوام وخواص میں دستور رہے کہ بیماری کی صحت کی غرض سے بکراذبح کرتے ہیں،اور

بظاہران کی نیت فدیہ کی ہوتی ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کا یہ جواب مندرجہ ذیل ہے۔

امدادالفتاویٰ ۳/۵۷۰ پر ہے اگر کوئی بیمار ہوجائے یا کوئی حادثہ پیش آ جائے تو بطور جان کا بدلہ جان جانور ذبح کرنے کو دفع مصائب کا سبب وذریعہ سمجھ کر جانور ذبح کر کے گوشت فقراء میں تقسیم کردیتے ہیں، حضرت تھانویؒ نے ایسے جانور کو ناجائز اور حرام لکھا ہے، غریبوں کیلئے اس کا کھانا جائز نہیں ہے، بظاہران دونوں قولوں میں تضاد سمجھ میں آرہا ہے، لہٰذا گزارش خدمت اقدس میں یہ ہے کہ تسلی بخش جواب مرحمت فرما کر مشکور ہوں۔

المستفتي: جمیل احمد قاسمی،

بازار پہاڑی، دروازہ، نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث پاک میں ہے کہ صدقہ سے بلائیں ٹلتی ہیں، اسی لئے مصیبت کے وقت صدقہ کردینا چاہئے، تاکہ بلاٹل جائے، اس میں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ صدقہ کسے کہا جاتا ہے، تو شریعت میں صدقہ فقراءاور غریبوں کی ضرورت پوری کرنے کو کہا جاتا ہے، اور فقیر وغریب کی ضرورت سب سے زیادہ روپئے پیسے کے ذریعہ پوری ہوتی ہے، لہٰذا یہی اصل صدقہ ہے، جانور کے خون بہانے کا نام صدقہ نہیں ہے، اگر فقیر کو گوشت ہی کھلانا ہے، تو بکرے کا گوشت کھلانا کہاں سے سمجھا جاتا ہے، فقیر کیلئے تو سبزی ترکاری، دال، روٹی، ہی مشکل سے ملتی ہے، اور سرمایہ دار بھی بکرے کا گوشت مہنگائی کی وجہ سے نہیں کھاتے، غریب کو کٹرے کا گوشت بھی نہیں ملتا؛ بالفرض اگر گوشت ہی کھلانا ہے تو بازار سے لاکر ہانڈی پکا کر کھلا دیا جائے، اور دیکھنے میں یہ آتا ہے، کہ ہانڈی پکا کر نہیں کھلایا جاتا، بلکہ جو بکرے ذبح کرتے ہیں، وہ گوشت ہی تقسیم کرتے ہیں، ہانڈی نہیں پکاتے، اور خود بھی اس کا گوشت نہیں کھاتے، اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے، کہ بیماری اور دفع بلاء کیلئے جو جانور ذبح کرتے ہیں، تو ذبح کرنے والے اسی جانور ذبح کرنے اور خون بہانے ہی کو دفع بلاء کا ذریعہ سمجھتے ہیں، اگر یہی سمجھ

کر جانور ذبح کرتے ہیں، تو اس جانور کا گوشت فقیروں کیلئے بھی کھانا درست نہیں ہے، اسی کی طرف حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ میں اشارہ فرمایا ہے، اور فتاویٰ دارالعلوم میں جو جائز لکھا ہے وہ اس کیلئے جو دفع بلاء کی غرض سے کھانا کھلانا چاہتا ہے، اور اس میں جانور ذبح کرنے کو ضروری نہیں سمجھتا اور جانور ذبح کرنے ہی کو دفع بلا کا ذریعہ نہیں سمجھتا بلکہ وہ بلا تکلف بازار سے گوشت لاکر فقیروں کو دینے کو اور روپیہ دینے کو برابر سمجھتا ہے، دونوں فتاویٰ کے درمیان تطبیق کی شکل یہی ہے۔

عن أنس بن مالکؓ قال قال رسول الله ﷺ إن الصدقة لتطفئ غضب الرب وتدفع میتة السوء. (ترمذی شریف ، کتاب الزکاۃ ، باب ماجاء فی فضل الصدقة ، النسخة الهندیة ۱/۱٤٤ ، دارالسلام رقم: ٦٦٤، صحیح ابن حبان ، دارالفکر البزار ، مکتبه العلوم والحکم ۱۳/۱۹۲ ، رقم: ٦٦٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۳۸۹/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۴/۱۴۳۲ھ

دفع مرض کیلئے صدقہ کرنا

سوال: [۴۶۸۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید بیمار پڑ جاتا ہے، تو ہم یہ سمجھ کر صدقہ کرتے ہیں، کہ صدقہ بلا کو ٹال دیتا ہے یا بیماری کو دور کرتا ہے، جیسا کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے، صدقہ سے اپنی بیماری کا علاج کرو، ہم بکرا ذبح کرتے ہیں، اور پھر وہ گوشت اس کے مصرف میں دیتے ہیں، آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد خالد، گلشہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: یقیناً آپ ﷺ کا فرمان ہے، مگر بیماری اور بلا ٹلنے کیلئے بکرا ذبح کرنے کا جو طریقہ رائج ہے، نہ تو حضور ﷺ کے زمانہ میں تھا اور نہ دور صحابہ میں

اور نہ سلف وخلف کے دور میں اس کا ثبوت ہے، اور نہ ہی بکرا ذبح کرنے کو صدقہ کہا گیا ہے، بلکہ صدقہ کہا جاتا ہے، جو فقیروں کے پیٹ بھرنے اور ضرورت پوری کرنے کیلئے دیا جائے اگر گوشت ہی کھلانا ہے، تو بازار سے گوشت خرید کر کھلایا جاسکتا ہے، اور کھانا تیار کر کے کھلا سکتے ہیں، اور صدقہ میں سب سے بہتر روپیہ دینا ہے، جس سے فقیر اپنی کوئی بھی ضرورت پوری کرسکتا ہے، اور بکرا ذبح کرنے اور خون بہانے کو دفع بلا کا ذریعہ سمجھنا غلط اور ناجائز ہے، حضرت تھانویؒ نے ایسے بکرے کے گوشت کو فقیروں کے واسطے بھی ناجائز لکھا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۱۷۵، ایضاح المسائل/ ۱۳۹)

وما ذبح على النصب...... حرم عليهم أكل هذه الذبائح التى فعلت عند النصب. (تفسير ابن كثير ۲/۱۸، تحت سورة مائدة آيت: ۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۶۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۶/۱۹ھ

طلباء کو بکری کا گوشت کھلانے کیلئے دی گئی رقم سے گائے کا گوشت خریدنا

سوال: [۴۶۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص یہ کہہ کر مدرسہ میں پانچ سو روپیہ صدقہ کرتا ہے، کہ اس کی بکری خرید کر طلبہ کو کھلانا ہے، اور بکری پانچ سو روپیہ میں نہیں آتی، اسلئے اہل مدرسہ بکری کے بجائے گائے کا گوشت خرید کر طلبہ کو کھلاتے ہیں، تاکہ تمام طلبہ کو کفایت کر جائے، تو آیا اس طرح اہل مدرسہ کیلئے کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو ایسی صورت بتادیں کہ جس سے اہل مدرسہ بآسانی اس پیسہ کو طلبہ پر خرچ کرسکیں؟

المستفتي: شیخ عرفات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ میں پانچ سوروپیہ بکری خرید کر طلبہ کو کھلانے کیلئے جو دئے ہیں، ان میں اصل مقصد غریب طلبہ کو کھلانا ہے اور پانچ سو روپیہ میں بکری نہیں آتی ہے، اورنہ ہی پانچ سو روپے کا بکری کا گوشت کافی ہوسکتا ہے، ہاں البتہ اگر پانچ سوروپیہ کا گائے یا بیل بھینس کا گوشت خریدلیا جائے تو اس سے سب طلبہ کی ضرورت پوری ہوجاتی ہے، تو انفع للفقراء کے پیش نظر ایسا عمل کرنا جائز ہے، اس لئے اگر اس پیسے سے گائے کا گوشت خرید کر کھلا دیا ہے تو یہ جائز اور درست ہے۔

التوكيل بالشراء إذا كان مقيداً يراعىٰ فيه القيد إجماعاً سواء كان القيد راجعاً إلى المشترى أو إلى الثمن حتى أنه إذا خالف يلزمه الشراء إلا أنه إذا كان خلافاً إلىٰ خير فيلزم الموكل. (هنديه ، الوكالة ، الباب الثاني في التوكيل بالشراء ،زكريا كوئٹه۳/ ٥٧٤، جديد زكريا ۳/ ٤٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍صفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸؍ ۹۴۶۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۴ھ

کیا بکرا ذبح کرنا ہی صدقہ ہے؟

سوال: [۴۶۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صدقات بلاؤں کے ختم کرنے کا ذریعہ ہیں بعض لوگ بکرا ذبح کرنا صدقہ سمجھتے ہیں، مفتی صاحب صدقہ کی حقیقی تعریف کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صدق کے معنیٰ سچائی کے ہیں، غالباً صدقہ کا لفظ اسی سے ماخوذ ہے عندالشرع صدقہ ہر وہ عطیہ ہے جو بلا معاوضہ رضائے الٰہی کے لئے نادار فقیر اور محتاج ومسکین کو دیا جائے۔ (مستفاد: قاموس الفقہ ۴/ ۲۲۳)

بہت سے ناواقف لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صدقہ بکرا ذبح کرنے کے ذریعہ ہوتا ہے، اور

کہتے ہیں، جان کے بدلہ جان ہے حالانکہ شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے کیونکہ لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ذبح کرنے سے بلاء ومصیبت ٹل جاتی ہے جو قطعاً ناجائز ہے بلکہ صدقہ نام ہے، فقیروں کی ضرورت پوری کرنے کا اور فقیروں کے پیٹ بھرنے کا اور یہ روپیہ پیسہ کے ذریعہ ہی باآسانی پورا کیا جاسکتا ہے، اگر کھانا کھلانا ہے تو بازار سے گوشت خرید کرلایا جائے۔
(مستفاد: انواررسالت/۴۷۷)

الصدقة ج صدقات، العطية التی يبتغی بها الثواب عند الله تعالیٰ. (لغة الفقهاء كراچی /۲۷۲)

الصدقة بفتح الدال لغة مايعطی علی وجه التقرب إلی الله تعالیٰ لا علی وجه الكرامة ويشمل هذا المعنی الزكوٰة وصدقة التطوع، وفی الاصطلاح تمليک فی الحياة بغير عوض علی وجه القربة إلی الله تعالیٰ.
(الموسوعة الفقهيةالكويتية ۲۶/ ۳۲۳)

عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ : تصدقوا وداووا مرضاكم بالصدقة ، فإن الصدقة تدفع عن الأعراض والأمراض وهی زيادة فی أعمالكم وحسناتكم . (شعب الإيمان ، باب فی الزكاة، فصل فيمن أتاه الله مالا من غير مسألة دارالكتب العلمية بيروت۳/ ۲۸۲، برقم: ۳۵۵۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰؍۱۱۴۷۵)

جان کے بدلے جان سمجھ کر مریض کی طرف سے بکرا ذبح کرنا

سوال: [۴۶۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص بیمار ہوا اس نے اس نیت سے بکرا ذبح کیا کہ بکرے کا خون بہانے کی وجہ سے شفایابی

ہو جائے گی، جان کے بدلے جان تو ایسا بکرا حلال ہے یا نہیں؟ شرعی حکم کیا ہے، حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ میں کیا لکھا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بیماری سے شفاء یابی کے لئے اس نیت سے بکرا ذبح کرنا کہ جان کے بدلے جان ہے تو یہ ناجائز اور حرام ہے، حضرت تھانویؒ نے اسے غیر منصوص ہونے کی وجہ سے ناجائز قرار دیا ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۱۳۹)

حضرت کی عبارت اس طرح ہے: اکثر مردماں دریں عمل نفس صدقہ را مقصود نافع نمی پندارند بلکہ خصوصیت ذبح و اراقہ دم را فدیۂ مریض می دانند و این امر غیر قیاسی است محتاج بنص ونص مفقود است، ودلیل برین اعتقاد راضی بنودن ایشاں است بر تصدّق بقدر قیمت جانور۔ (امداد الفتاویٰ ۵/ ۳۰۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ / ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۹۳)

عمارت کی بنیاد میں خون ڈالنے کیلئے بکرا ذبح کرنا

سوال: [۴۶۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عمارت کی بنیاد میں بکرے کا خون ڈال دیا جاتا ہے، تو اس غرض سے بکرا ذبح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ذبح شدہ بکرا حلال ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عمارت کی بنیاد میں بکرے کا خون ڈالنے کے لئے بکرا ذبح کرنا حرام ہے اور ذبح شدہ بکرا'' **وما احل لغیر اللہ** '' کے حکم میں داخل ہو کر حرام ہے، اور غیروں کا طریقہ ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۱۳۹، احسن الفتاویٰ ۱/ ۴۸)

وما ذبح على النصب - حرم عليهم أكل هذه الذبائح التي فعلت عند النصب . (تفسير ابن كثير ۲/ ۸ ۱، تحت سورة مائده، آيت:۳)

وماذبح على النصب يعنى حرم ماذبح على النصب . (تفسير خازن ۱/ ٤٦٣، تحت سورة مائده آيت: ۳)

وما ذبح على النصب حجر كان ينصب فيعبد و نصب عليه دماء الذبائح - قال ابن زيد ماذبح على النصب وماأهل به لغير الله شيء واحد قال ابن عطية ماذبح على النصب جزء مما أهل به لغير الله . (احكام القرآن للقرطبى۳/ ٤ ۲، تحت سورة مائدة آيت: ۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۰/ رجب ۱۴۳۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۹۸۵/۴۱)

۱۳/ كتاب الصوم

۱/باب الصوم ومتعلقاته

رمضان کے روزہ کی فرضیت کب ہوئی؟

سوال: [۴۶۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان کے روزے کی فرضیت کب ہوئی کس سن میں ہوئی واضح کریں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: رمضان کے روزے کی فرضیت ہجرت کے آٹھارہ ماہ کے بعد دوسرے سال ماہِ شعبان میں ہوئی۔

صوم رمضان فرض في السنة الثانية بعد الهجرة. (العرف الشذی ۱/۱٤۷، حاشیه ترمذی)

ثم كانت فرضية صوم رمضان بعد ماصرفت القبلة إلى الكعبة فی شعبان على رأس ثمانية عشر شهر من الهجرة . (مرقات المفاتيح ، مكتبه امداديه ملتان٤/۲۲۹، بذل المجهود ، جديد دارالبشائر الاسلامية۸/٤۲۳)

إن فرضية رمضان ونزلت علينا فی السنة الثانية من الهجرة فی شعبان. (اوجزالمسالك ، جديد دارالقلم دمشق٥/۱۰)

كانت فرضية بعد ما صرفت القبلة إلى الكعبة بشهر في شعبان على

رأس ثمانية عشر شهرا من الهجرة ، وسببه الشهر ، لأنه يضاف إليه . (شرح النقايه ، كتاب الصوم ، مكتبه اعزازيه ديوبند ١٦٨/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۹۰/۴۰)

روزہ کی نیت میں لفظ غدٍ پر اشکال وجواب

سوال: [۴۶۸۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو اشتہاروں کے اندر "**بصوم غد نويت من شهر رمضان**" لکھتے ہیں یہ کس حدیث یا قرآن کی کون سی آیت سے ثابت ہے، کیونکہ عربی ماہ کی تاریخ غروب آفتاب کے بعد بدل جاتی ہے، تو روزے دار یہ اوپر والی نیت کرتے ہیں غدٍ کے لفظ سے اعتراض ہوتا ہے، تو آپ صحیح طریقے سے وضاحت کردیں کرم ہوگا، کہ کل کا دن رات میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو غدٍ کیوں کہتے ہیں، مفصل تحریر فرمائیں؟

المستفتي: عطاء اللہ حیاتی،
پوسٹ: اوپ نگر، سہرسا (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہ مذکورہ دعا اور نیت کے الفاظ کسی صحیح حدیث میں فقیر کی نظر سے نہیں گذرے، البتہ غدٍ کے لفظ سے کوئی اشکال نہ ہونا چاہئے، اسلئے کہ جب کوئی آدمی رات میں نیت کریگا تو غدٍ کا لفظ لانا صحیح و درست ہے، اسلئے کہ عربی میں غدٍ کہا جاتا ہے، آئندہ آنے والے کل کو اور رات میں جب نیت کرے گا، تو عرف کے اعتبار سے غدٍ (آنے والے کل) ہی کی نیت کریگا، اور یہ شرعاً جائز و درست ہے۔

فيجوز بنية من الليل وإن لم ينو حتى أصبح أجزأته النية مابينه وبين الزوال

الخ. (هدایه ، کتاب الصوم، اشرفیه دیوبند ۱/۲۱۱، هکذا فی الهندیة قدیم زکریا ۱/۱۹۵، جدید ۱/۲۵۸، الفتاویٰ التاتارخانیة ، زکریا ۳/۳۶۸، رقم: ۴۵۹۱، شامی، کراچی ۲/۳۷۷، زکریا۳/۳۳۸ – ۳۴۱، شرح النقایه ، اعزازیه دیوبند ۱/۱۶۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍شوال ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴۲۹/۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۱۰/۱۴۱۱ھ

بصوم غد نویت الخ کا ثبوت کس حدیث سے ہے؟

سوال: [۴۶۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان کے روزے کی نیت کی جو دعا ہے، ’’بصوم غد نویت من شہر رمضان‘‘ یہ دعا کس حدیث سے ثابت ہے، میں نے رسالہ ندائے شاہی میں پڑھا تھا، کہ یہ دعا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے، اور اس کے ترجمہ سے تو یہ بات معلوم ہوتی ہے، کہ یہ دعا کسی عجمی آدمی نے گھڑ لی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: روزہ کی نیت کی جو دعا سوالنامہ میں لکھی گئی ہے وہ کسی حدیث شریف میں ہم نے نہیں دیکھی اور نہ ہی ہم یہ دعا خود پڑھتے ہیں، اور نیت دعا پڑھنے کا نام نہیں ہے بلکہ دل سے نیت کرنے کا نام ہی نیت ہے۔

النية معرفة بالقلب أنه يصوم. (الفتاویٰ التاتارخانیة ، کتاب الصوم ، الفصل الثالث فی النیة ، زکریا دیوبند ۳/۳۶۸، رقم: ۴۵۹۰، هکذا فی الهندیة زکریا ۱/۱۹۵، شامی، زکریا ۳/۳۴۵، کراچی ۲/۳۸۰)

النية عزم القلب على الشيىء واصطلاحاً قصد الطاعة والتقرب إلى الله الخ. (شرح الحموی علی الاشباه قدیم /۲۹)

أنها شرط لاصحة كما فى الصلوٰة والزكاة والصوم والحج. (الاشباه

النظائر قديم / ۲۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۱۱/۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۹۵۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱۱/۱۴۲۶ھ

مرض کے بڑھنے کے اندیشے کی وجہ سے افطار کرنا

سوال: [۴۶۸۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی ہارٹ اٹیک کا مریض ہے پورے بدن میں بیحد کمزوری ہے، نمازیں بڑی مشکل سے ہوتی ہیں، اگر روزہ رکھ لیا جائے تو کمزوری بڑھنے کا مزید اندیشہ ہے، اور پھر نمازیں آگے پیچھے ہونے کا اندیشہ بلکہ چھوٹ جانے کا ڈر معلوم ہوتا ہے، ایسے مریض کیلئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: حاجی سردار خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ہارٹ اٹیک کا مریض تجربہ کار ماہر فن ڈاکٹر کے مشورہ پر عمل کر سکتا ہے، اگر ڈاکٹر روزہ رکھنے سے منع کرے تو روزہ موقوف کر سکتے ہیں، لیکن صحت یابی کے بعد روزہ رکھنا لازم ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۴۷۷)

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ. (البقره ۱۸۴)

أو مريض خاف الزيادة لمرضه وصحيح خاف المرض ...... بغلبة الظن بأمارة أو تجربة أو بإخبار طبيب حاذق مسلم مستور (إلىٰ قوله) الفطر وقضوا لزوماً. (الدرالمختار مع الشامی، کتاب الصوم، فصل فی العوارض، المبيحة العدم الصوم، زکریا ۳/ ۴۰۴، کراچی ۲/ ۴۲۲)

ومريض خاف زيادة مرضه، أو تأخره بأن غلب على ظنه ذلک، أو أخبره طبيب حاذق عول. (شرح النقاية، اعزازيه ديو بند ۱/ ۱۷۷، وهكذا ى الهندية

زکریا ۱/ ۲۰۷، الفتاویٰ التاتارخانیة زکریا۳/ ۴۰۳،رقم: ۴۶۹۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ۱۲/ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۶۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۱۲/ ۱۴۲۳ھ

کیا اسقاط حمل کے بعد خون نہ آئے تو نماز روزہ واجب ہے؟

سوال: [۴۶۸۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تین مہینہ کا حمل ساقط کرانے اور خون نہ آنے کی صورت میں نماز روزہ ادا کر سکتے ہیں؟

المستفتي: ابوفرمان، بھٹی اسٹریٹ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس صورت میں نماز روزہ ادا کرنا واجب رہیگا۔

كما في حاشية الهداية : فلو انقطع دم النفاس بعد الولادة ساعة ، يجب عليها أن تصوم و تصلي بعد الاغتسال . (حاشية هدايه ، كتاب الطهارة ، فصل في النفاس ، اشرفيه ديوبند ۱/ ۷۰، رقم الحاشية/ ۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ر رمضان ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۱۴)

حالت نفاس میں روزہ کا حکم

سوال: [۴۶۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت ہے اور وہ رمضان المبارک سے دو چار روز قبل تک ۴ر مہینے کی حاملہ رہی اور رمضان سے ایک روز قبل کسی وزن دار چیز اٹھانے سے اس کا حمل اسپتال جا کر خرابی ہونے کی وجہ سے صاف کرادیا گیا صاف کرانے کے بعد ۴ر روز تک حیض کی طرح خون آتا رہا پھر دو دن بند

ہوگیا اور اب گلابی رنگ کا خون آتا ہے، اب وہ عورت نماز اور رمضان المبارک کا روزہ رکھنا چاہتی ہے، تو شرعاً کیا حکم ہے۔

المستفتی: اعجاز، محلّہ پیرزادہ،
تالاب والی مسجد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چار ماہ کا حمل گرنے کے بعد خون آرہا ہے وہ نفاس کا خون ہے، اسلئے چار دن خون آنے کے بعد دو دن بند ہوکر پھر خون آرہا ہے، وہ بھی نفاس کا خون ہے، اس دروان روزہ رکھنا ممنوع ہے، بعد میں قضا لازم ہوگی۔

والسقط إن ظهر بعض خلقه من إصبع أو ظفر أوشعر ولد فتصير به نفساء ......فيما رأته بعدهٔ الخ. (عالمگیری، الفصل الثانی، فی النفاس زکریا ۱/۳۷، جدید ۱/۹۱)

السقط الذي استبان بعض خلقه ولد حتى تصير به نفساء. (هدايه، اشرفيه ديو بند ۱/۷۰)

اور جب خون بالکل بند ہوجائے تو روزہ رکھنا شروع کردے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۹/۱۴۱۲ھ

۲/باب رؤية الهلال

کیا رؤیت ہلال کے شرعی ضوابط پر عمل کرنا لازم ہے

سوال: [۴۶۹۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شریعت مطہرہ نے رمضان اور غیر رمضان کے چاند کے ثبوت کے سلسلے میں جو ضوابط مقرر فرمائے ہیں علماء ومفتیان حضرات کو ان پر عمل کرنا لازم ہے یا عوامی رجحانات کے مطابق بھی فیصلہ کرنے کی گنجائش ہے؟

المستفتي: اختر الزماں، کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شریعت مطہرہ کے اصول وضوابط پر عمل کرنا لازم ہے، اسکے خلاف عوامی جذبات ورجحانات کے مطابق فیصلہ دینا جائز نہیں۔

عن عمران بن حصين قال: قال رسول الله ﷺ: لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق. (المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ۱۸/۱۷۰، رقم: ۳۸۱، مشکوٰۃ ۲/۳۲۱)

عن علي أن رسول الله ﷺ بعث جيشاً – إلىٰ – وقال: لا طاعة في معصية الله، إنما الطاعة فى المعروف. (صحيح مسلم، ، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية و تحريمها فى المعصية، النسخةالهندية ۲/۱۲۵، بيت الافكار رقم: ۱۸۴۰، وهكذا في صحيح البخارى، أخبار الأحاد باب ماجاء في إجازة خبر الواحد الصدوق، النسخة الهندية۲/۱۰۹۳، رقم: ۷۰۶۰، ف:۷۲۵۷، سنن أبي داؤد، باب فى الطاعة، النسخة الهندية ۱/۳۵۳، دارالسلام رقم: ۲۶۲۵)

وقال لا طاعة في معصية الله، إنما الطاعة فى المعروف أى: فيما

یوافق الشرع لا فی المعصیة ، وإلقاء النفس فی النار بالقصد معصیة ، فلا طاعة فیها . (بذل المجهود ، کتاب الجهاد، باب فی الطاعة ، دارالبشائر الاسلامیه ۹/ ۲۲۰، تحت رقم الحدیث: ۲۶۲۵، قدیم ۳/ ٤٤۸)

قوله : وعلی أن نقول بالحق أینما کنا لا نخاف فی الله لومة لائم معناه نأمر بالمعروف وننهی عن المنکر في کل زمان ومکان –إلیٰ– ولا نخاف ولا نلتفت إلی الأئمة . (النووی علی هامش مسلم ۲/ ۱۲۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رصفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۴۹/۲۳)

رؤیۃ الہلال کے شرعی اعلان پر عمل کرنا

سوال: [۴۶۹۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر ہندوستان کی مرکزی ہلال کمیٹی رؤیت ہلال کا شرعی ثبوت حاصل کرکے خود یا اسکا کوئی نمائندہ رؤیت ہلال کے ثبوت کا اعلان کرے یا کروائے تو اس اعلان پر عمل کرنا ضروری ہے یا نہیں اور روزہ وافطار کرسکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: محمد فاروق، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جی ہاں مذکورہ شرائط کیساتھ شرعی اعلان پر عمل کرنا واجب ہے اور خلاف کرنیوالے گناہ گار ہوں گے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۹۹)

ولو کانوا ببلدة لا حاکم فیها صاموا بقول ثقة وأفطروا بإخبار عدلین (تحته فی الشامیة) والظاهر أن المراد به الوجوب . (الدرمع الرد ، کتاب الصوم ، قبیل مطلب: لا عبرة بقول المؤقتین فی الصوم زکریا دیوبند ۳/ ۳۵٤، کراچی ۲/ ۳۸٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ رمضان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۰۳/۲۴)

کیا مستند علماء کا فیصلہ رؤیت ہلال کے بارے میں واجب العمل ہے؟

سوال: [۴۶۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلۂ ذیل کے بارے میں: کہ مستند علماء ومفتیان کی کمیٹی ضابطہ شریعت کے مطابق اگر چاند کے ثبوت کا فیصلہ کردے تو کیا عامۃ المسلمین (جن میں عیدگاہ کمیٹی کے افراد بھی شامل ہیں) کے ذمہ اس فیصلہ کو ماننا لازم ہے، یا انہیں اختیار رہے کہ فیصلہ علماء ومفتیان کے خلاف اپنی صوابدید پر عمل کریں؟

المستفتي: اختر الزماں، کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جہاں مسلم حاکم یا قاضی شرعی نہ ہوں، وہاں اگر علماء ومفتیان شرعی ثبوت کی بناء پر رؤیت کا فیصلہ کردیں، تو عیدگاہ کمیٹی کے افراد اور عامۃ المسلمین پر اس کا ماننا اور اس پر عمل کرنا واجب ہے، خلاف کرنا معصیت ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۹۹، کفایت المفتی قدیم ۴/۲۰۲، جدید زکریا ۴/ ۲۱۳، ۲۱۴، جدید زکریا مطول ۶/ ۳۰۸-۳۰۹)

ولو کانوا ببلدة لا حاکم فیها صاموا بقول ثقة وأفطروا بإخبار عدلین (تحته في الشامیة) والظاهر أن المراد به الوجوب. (الدر مع الرد، کتاب الصوم، قبیل مطلب: لا عبرة بقول المؤقتین في الصوم زکریا دیوبند ۳/ ۳۵٤، کراچی ۲/ ۳۸٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۴۹/۲۳)

کیا ہلال کمیٹی کا اعلان معتبر ہے؟

سوال: [۴۶۹۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امارت شرعیہ دہلی (ہلال کمیٹی) کی طرف سے رمضان المبارک یا عید الفطر کے متعلق جو اعلان ہوتا ہے، اس پر عمل لازم ہونا کسی محدود علاقہ کے ساتھ مقید ہے یا تمام مسلمانان ہند کا اس کے مطابق عمل کرنا لازم ہوگا؟

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں، کہ ہلال کمیٹی کے اعلان پر عمل کرنے سے اگر مہینہ ۲۹ یا ۳۱ کا نہ ہوجائے تو اس اعلان پر عمل شرعاً قابل تسلیم ہے۔ حضرت شرعاً قابل تسلیم کا یہ مطلب سمجھنا کہ عمل کرنا اس کے مطابق لازم ہے صحیح ہوگا یا نہیں؟

المستفتي: محمد خدا بخش، گوبند پور، پھینسیہ ۲۴/ پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ہلال کمیٹی کی جانب سے جب ثبوت ہوکر بطور استفاضہ اعلان ہوجائے تو وہ رؤیت تمام مسلمانوں کیلئے عام ہوکر قابل عمل ہوگی۔

متى ثبت رؤية هلال رمضان فى محل لزم الصوم أهله الجائزين لشروط الوجوب وكذا يلزم الصوم جميع من كان فى بلد قريب من محل الرؤيادون أهل البلدالبعيد . (حاشیہ شامی، زکریا ۳/۳٦۳)

شرعی ثبوت ہوجانے کے بعد اس کو معتبر مان کر شخصی طور پر عمل کرنا جائز ہے واجب نہیں، اسی طرح ریڈیو کا اعلان اتنی دور تک معتبر ہوسکتا ہے، کہ اس کے تسلیم کرنے سے آپ کے یہاں کبھی مہینہ ۲۸ یا ۳۱ کا نہ ہوتا ہو اور اس رؤیت کے موقعہ پر آپ کے یہاں مطلع صاف نہ ہو ورنہ اس اعلان کا اعتبار نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۳/۱۲۱، احسن الفتاویٰ ۴/۴۵٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ٦۴۴۱)

دارالعلوم کی خبر پر روزہ توڑنا

سوال: [۴۶۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دارالعلوم دیوبند کے فیصلہ پر ہمارے یہاں کے ایک جم غفیر نے تیسواں روزہ توڑ دیا تو کیا اس روزہ کی قضا ہے؟ جبکہ دارالعلوم دیوبند پورے ہندوستان کیلئے مرکز کی حیثیت رکھتا ہے، اور اس کی وضاحت کریں، کہ دارالعلوم دیوبند پورے ہندوستان کیلئے مرکزی حیثیت رکھتا ہے یانہیں؟ اور کیا تیسواں روزہ توڑنے والا قابل جرم ہے۔

اور کیا روزہ کی قضا کرنی پڑے گی، اور کیا دارالعلوم کا فیصلہ ہمارے یہاں کیلئے قابل قبول نہیں ہے؟ اس سلسلہ میں ضرور وضاحت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دارالعلوم کی حیثیت تمام ہندوستان کیلئے مرکزی حیثیت ہے اسلئے وہاں کی معتبر خبر کے ذریعہ روزہ توڑ دینے کی گنجائش ہے، اوراس روزہ توڑنے پر قضا نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۱/ ۹۵، میرٹھ ۱۵/ ۱۲۵، قدیم ۱۷/ ۱۵۱، جدید میرٹھ ۱۵/ ۱۲۹)

بخلاف الاستفاضه فإنها تفيد اليقين . (شامی، کتاب الصوم، کراچی ۲/ ۳۹۰، زکریا ۳/ ۳۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/۱/۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۱/۱۴۲۱ھ

رؤیت ہلال کے مسئلہ میں کس کی خبر معتبر ہے؟

سوال: [۴۶۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امسال ماہ رمضان المبارک کا چاند سوموار کی رات کا تھا دس بجے ٹیلی فون سے خبر ملی کہ کلکتہ ناخدا مسجد میں چاند کا اعلان ہوگیا اس کے بعد احقر نے مختلف مقامات سے رابطہ کیا اور چاند

ہونے کا اعلان کردیا ہم لوگوں کی مسجد میں نماز تراویح میں تین سوآدمی آتے ہیں، چاند کی خبر سن کر تقریباً پچاس آدمی آگئے اور پوچھنے لگے کہ تراویح ہوگی یا نہیں میں اس کی تحقیق کرنے لگا، تو کوئی کہنے لگا ہاں کوئی نہیں اسی کشمکش میں تھا، کہ خبر ملی علاقہ کی تمام مسجدوں میں یہ اعلان ہوا کہ نماز تراویح کی جماعت نہ ہوگی، جس کو پڑھنی ہو انفرادی طور پر پڑھ لے، چنانچہ میں نے بھی ساڑھے گیارہ بجے کے بعد یہی اعلان کردیا، اب کچھ لوگ میرے اس عمل کو فتنہ کا روپ دے رہے ہیں، مہربانی کرکے اس کا جواب مدلل دیں؟

المستفتي: معراج احمد، گریڈیہی،
امام جامع مسجد مانگیر، کانگی نارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رؤیت ہلال وثبوت رمضان وعید کا مسئلہ انفرادی نہیں ہے، بلکہ اجتماعی ہے ایسے مسائل میں حکم حاکم کا انتظار لازم ہے، اور جن ملکوں میں حاکم مسلم نہیں ہے، وہاں پر ہر علاقہ کے ہلال کمیٹی یا علاقہ کے باا ثر مقتدا علماء ان مسائل میں حاکم کا درجہ رکھتے ہیں، لہٰذا ہر علاقہ کی ہلال کمیٹی یا امارت شرعیہ یا علاقہ کے باا ثر علماء کے فیصلہ کا انتظار کرنا ان کے حلقۂ اثر کے عوام پر لازم ہے، اور اسی طرح حلقۂ اثر کے آئمہ اور علماء کو بھی ان کے فیصلہ کا انتظار لازم ہے، ہر کسی کو اپنے طور پر اعلان کرنے کا حق نہیں نہ ہی آئمہ مساجد کو یہ حق ہے کہ اس سے عوام الناس میں اختلاف پیدا ہوتا ہے، اسلئے آپ کو بھی اپنے علاقہ کے مقتدا ذمہ دار علماء یا ہلال کمیٹی کے فیصلہ کا انتظار کرنا چاہئے تھا محض عام لوگوں کی سنی سنائی باتوں پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔

لأن قضاء القاضي حجة وقد شهدوا به، لا لو شهدوا برؤية غيرهم لأنه حكاية. (الدر المختار، كتاب الصوم كراچی ۲/ ۳۹۰، زكريا ۳/ ۳۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ صفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۲۰ھ

کتاب القاضی اِلی القاضی کے تحت رؤیت ہلال کا فیصلہ

سوال: [۴۶۹۶]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آگرہ کی رؤیت ہلال کمیٹی نے جس میں علماء احناف شریک تھے ۵؍اگست ۸۷ء بروز بدھ بقرعید منانے کا فیصلہ مندرجہ ذیل تحقیق کی روشنی میں کیا تھا، تو یہ فیصلہ مسلک احناف کی رو سے صحیح ہوا یا غلط؟

تحقیق یہ ہے کہ یکم اگست ۸۷ء بروز شنبہ جامع مسجد آگرہ میں رؤیت ہلال کمیٹی آگرہ کی ایک ہنگامی میٹنگ باشرکاء وعلماء وارکان کمیٹی منعقد ہوئی جس میں آگرہ عیدگاہ کے قائم مقام پیش امام مولانا حبیب احمد صاحب مفتی دارالافتاء مظاہر العلوم نے مفتی دارالعلوم وقف کی تحریر کتاب القاضی اِلی القاضی کے تحت دوشاہد عدل فضلاء ومظاہر العلوم کے ذریعے مولانا حبیب کے پاس آئی تھی، وہ تحریر انہوں نے میٹنگ میں پیش کی جو ۲۹؍ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ ۲۱؍جولائی ۸۷ء کی رؤیت تھی، اس طرح مظاہر العلوم کا فیصلہ تو مفتیان مظاہر العلوم کے ۵؍اگست ۸۷ء کو بقرعید منانے کا دیوبند کی رؤیت تسلیم کرتے ہوئے کیا تھا، جس میں مولانا حبیب صاحب مفتی مظاہر العلوم قائم مقام عیدگاہ آگرہ شریک تھے، اپنی تحریر میں قلم بند کرکے میٹنگ میں پیش کردی اسی طرح ایک تحریر کی فوٹو اسٹیٹ کاپی کی تحریر جو مفتی مظاہر العلوم مظفر حسین ناظم مظاہر العلوم کے نام کتاب القاضی اِلی القاضی کی شکل میں بذریعہ دوشاہد عدل کی تصدیق پہنچی تھی، جس میں ۲۹؍ذیقعدہ بروز یکشنبہ ۲۱؍جولائی رؤیت کی شہادت تھی، دیوبند سے پہنچی اس کا فوٹو اسٹیٹ کاپی مفتی حبیب صاحب نے رؤیت ہلال کمیٹی آگرہ کی میٹنگ میں پیش کی اسی طرح ایک تحریر جو مفتی عبدالعظیم صاحب مفتی فیروزآباد ضلع آگرہ کے نام ۲۱؍ذیقعدہ رؤیت ۲۹؍جولائی ۸۷ء بروز یکشنبہ کی رؤیت دیوبند کی کتاب القاضی اِلی القاضی کی شکل میں دارالعلوم وقف سے کی گئی تھی، تحریر کی فوٹو اسٹیٹ کاپی بذریعہ ایک باشرع آدمی مولانا عبدالعظیم صاحب مفتی فیروزآباد ضلع آگرہ نے آگرہ رؤیت ہلال کمیٹی کی میٹنگ میں

بھیجی ادھر روزنامہ قومی آواز دہلی اور روزنامہ فیصل دہلی میں دیوبند کی رؤیت برزو یکشنبہ ۲۶/جولائی ۲۹/ذیقعدہ کی تسلیم کرنے کی اطلاع تھی، کہ ۲۹/ ذیقعدہ، ۲۶/جولائی ۸۷ء بروز یکشنبہ کی رؤیت تسلیم کرکے یکم ذی الحجہ بروز شنبہ ۲۷/جولائی اور ۱۰/ذی الحجہ یوم بقرعید ۵/اگست ۸۷ء بروز بدھ منانے کا فیصلہ کیا اور اعلان کر دیا، اور شہر آگرہ کے تمام علماء احناف وعوام نے ۵/اگست بروز بدھ بقرعید کی نماز ادا کی اور قربانیاں کیں، مگر غیر احناف جو عدم تقلید کے قائل ایک فیصد مشکل سے ہوں گے، انھوں نے بروز جمعرات ۶/اگست کو بقرعید منائی، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہلال کمیٹی کا فیصلہ مسلک احناف کے مطابق صحیح تھا یا نہیں؟ جواب سے مشرف فرمائیں؟

المستفتي: عبدالقیوم، کٹرہ تیل نالی منڈی، آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ہلال کمیٹی کو خط کی شناخت اور واقعی ہونے پر غلبہ ظن حاصل ہو چکا ہے، تو وہ فیصلہ شرعی اور فقہ حنفی کے مطابق ہوا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۹۷)

وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كما صرحوا له الخ. (شامی، کتاب الصوم، قبیل مطلب غیرہ یقول المؤقتین فی الصوم، زکریا دیوبند ۳/۳۵٤، کراچی ۲/۳۸٦، کوئٹہ ۲/۹۹)

نیز مدرسہ شاہی کے کاتب الحروف نے خود مع حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نائب مہتمم مدرسہ شاہی ومولانا محمد میثاق صاحب مدرس مدرسہ شاہی دیوبند جاکر تحقیق شہادت حاصل کرکے مرادآباد میں آکر عید کا اعلان کر دیا تھا، اسلئے ہلال کمیٹی کا فیصلہ صحیح ہونے میں شک نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۴۱۵)

امامت اور کتاب القاضی اِلی القاضی کے شرائط

سوال: [٤٦٩٧]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ(١) کسی مقام پر اگر قاضی نہ ہوتو وہاں کا امام شہر ہی قاضی کی جگہ مانا جائیگا یانہیں؟ اگر امام شہر قاضی کے حکم میں ہے اور امام شہر کسی کو اپنا نائب بنا کر رؤیت ہلال کی خبر حاصل کرنے کے لئے بھیجے تو نائب کے ذریعہ حاصل کردہ تحریر کتاب القاضی اِلی القاضی کے حکم میں ہوگی یانہیں؟

(٢) اگر امام شہر کسی ذمہ دار عالم کو اپنا نائب بنا کر بھیجدے اور اسکے ذریعہ رؤیت ہلال کی تحریر آجائے تو وہ کتاب القاضی اِلی القاضی کے حکم میں ہوگی یانہیں؟

(٣) ان شکلوں کے علاوہ اگر امام شہر اور نائب امام شہر اپنی ذمہ داری کو محسوس نہ کریں اور دیگر ذمہ دار علماء ومفتی حضرات اپنا نمائندہ بنا کر کسی دوسرے مقام سے رؤیت ہلال کی خبر کی تصدیق کرلیں، تو وہ کتاب القاضی الی القاضی کے حکم میں ہوگی یانہیں؟

المستفتي: مختار احمد، مدرس مدرسہ درویشان سلیم پور، مراد آباد
مولانا عبدالقدوس صاحب، سلیم پوری، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (١) اولاً تو یہ بات ذہن نشین کرلیجئے کہ امامت کیلئے بہت شرائط ہیں، عدالت یعنی حکومت عفت شجاعت دینداری اور شرعی مسائل میں اجتہاد، تتبع، صحیح تدبیر کرنا آتا ہو۔

والشرائط الأمانة (إلیٰ قوله) العدل – ومنها الشجاعة والإجتهاد فی المسائل والتدبیر المصیب الخ. (نبراس شرح عقائد نسفی/٢ ٣٢)

اگر امام ان شرائط کا حامل ہے اور کہیں سے کتاب القاضی اِلی القاضی مع اپنی شرائط کے آجائے یعنی لانے والے دو عادل ہوں تو صحیح ہے، اور سوال نامہ مذکورہ صورت میں صرف ایک شخص ہے اس لئے یہ کتاب القاضی اِلی القاضی کے حکم سے خارج ہے، نیز اگر کہیں نااہل

کووراثتی امامت مل جائے تو وہ امام کہلانے کے قابل نہیں ہے۔

بلکہ وہاں والوں کو آپس کی تراضی سے کسی بااہل کو شرعی امور کا ذمہ دار بنانا چاہئے، ورنہ وہاں کے مفتی اور بااثر علماء اس کام کو انجام دے سکتے ہیں۔

ذكر المحققون أنه إذا لم يوجد الإمام الموصوف بهٰذهٖ الصفات جاز نصب من لم يوصف ببعضها للضرورة الخ. (نبراس /۲۲۲)

(۲) نہیں ہوگی اسلئے کہ دو عادل شرط ہیں، جو یہاں مفقود ہیں۔

فنقول بقول الكتاب من القاضي شرائط منها البينة على أنه كتابه فتشهد الشهود على أن هذا الكتاب فلان القاضي ويذكروا اسمه ولقبه الخ. (بدائع الصنائع، كتاب أدب القاضي، فصل في شرائط القضاء، كراچی ۷/۷، زكريا ديو بند۵ /٤٤٦)

(۳) ایسے ذمہ دار مفتی وعلماء جن پر وہاں کے لوگ اعتماد رکھتے ہوں اور وہ لوگ اپنی ذمہ داری کو شرعی احکام کے مطابق انجام دیتے ہوں، تو کہیں سے مع شرائط کے کتاب القاضی إلی القاضی آجائے، اور اس کے مطابق فیصلہ دیں تو وہ کتاب القاضی إلی القاضی کے حکم میں ہوسکتی ہے، اور وہ ذمہ داران حکم میں قاضی کے سمجھے جائیں گے۔

كما استفيد من الشامي! وأما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد، ويصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين فيجب عليهم أن يلتمسوا واليا مسلماً منهم الخ. (شامی، كتاب القضاء، قبيل مطلب في حكم تولية القضاء في بلاد تغلب عليها الكفار، كراچی ۳٦٩/٥، زكريا ديو بند۸ /٤٣، وكذا قبيل باب العشر والخراج والجزية كراچی ١٧٥/٤، زكريا ديو بند٦ /٢٨٩، باب الجمعه كراچی ١٤٤/٢، زكريا۳ /١٤، هنديه زكريا ١٤٦/١، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، دارالكتاب ديو بند/ ٥٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۹ر محرم الحرام ۱۴۰۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۱۴۴۲)

ایک جگہ کی رؤیت کا کتنی مسافت تک اعتبار ہوگا؟

سوال: [۴۶۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اللہ پاک کے فضل وکرم سے ہمارے یہاں پہلا روزہ منگل کے روز بتاریخ ۱۹/اپریل کو رکھا گیا، دوسری جگہ یعنی کیپٹاؤن، ڈربن، ناٹال ان سب جگہ بتاریخ ۱۸/کو پہلا روزہ رکھا گیا لیکن ہمارے ٹرانسوال ورکروں نے منگل کو روزہ رکھا، کلینڈر کے حساب کے مطابق چاند کی پیدائش تاریخ ۱۶/کو دو بجے رات کو ہو چکی تھی، تو اتوار کی شام کو چاند کی پیدائش تاریخ ۲۷/کلاک ہو چکے تھے بعد سورج چاند کی پیدائش ۱۸/کلاک ہونے کا نظریہ آتا ہے، اب اتوار کی شام کو چاند دیکھنا چاہیئے تھا، تو سارے ٹرانسوال ورک کے اور ناٹال میں بادل اور بارش ہونیکی وجہ سے چاند نظر آیا نہیں، لیکن رات کو نو بجے کیپٹاؤن سے فون آیا کہ وہاں کی جامع مسجد کے امام صاحب نے تین گواہ کے ساتھ چاند دیکھا تو ناٹال وٹوریہ وغیرہ کے مسلمانوں نے اس خبر کو منظور رکھکر اتوار کی رات کو پہلی تراویح اور پیر کو پہلا روزہ رکھا، ٹرانسٹول کے مسلمانوں نے اس خبر کو منظور نہیں کیا اور پہلی تراویح پیر کی رات کو پڑھی اور پہلا روزہ منگل کو رکھا، اب کیپٹاؤن، دربن، ناٹال، جنس باغ، ٹرانسٹوال، یہ سب ضلع ساؤتھ افریقہ کے اندر ہیں یعنی ایک ہی علاقے میں کیپٹاؤن کا فاصلہ دربن سے پندرہ سو میل ہے، کیپٹاؤن اور جنس باغ کا فاصلہ ایک ہزار میل ہے، اور جنس باغ اور دربن کا فاصلہ پانچ سو میل ہے، اس حالت میں سارے ناٹال اور سارا ٹرانسٹوال بارش کے بادلوں سے بند ہونیکی وجہ سے چاند نظر نہیں آیا، اس حالت میں کیپٹاؤن ورکروں نے چاند دیکھ کر ہمیں خبر دی اب ہم کو اسپر عمل کر کے تراویح وروزہ رکھنا چاہیئے یا نہیں؟ چاند کی پیدائش کو ۲۷/کلاک ہو چکے ہیں، کیپٹاؤن میں چاند نظر آیا اسکی خبر ہمیں مل چکی باوجود ہمارے ٹرانسوال ورکروں کے مسلمانوں نے کوئی غور نہ کرتے ہوئے اتوار کی رات کو نہ تراویح پڑھی نہ پیر کو روزہ رکھا، اس طرح ایک ہی کھنڈ میں نا اتفاقی کا دردناک قصہ ہوا، اب جو عید

۲۹/ چاند کی ہوئی تو منگل والوں کے صرف ۲۸/ روزے ہوں گے۔

جناب مفتی صاحب میں آپ سے التماس کرتا ہوں کہ آپ برائے خدا اس چاند دیکھنے کی بابت اللہ اور رسول ﷺ کا کیا حکم ہے! اور اس چاند دیکھنے اور نہ دیکھنے میں شریعت کا کیا حکم ہے! اور آج کے سائنس کے زمانہ میں چاند کی پیدائش کب ہوگی اور کتنے کلاک میں چاند دیکھ سکتے ہیں، وہ سب آج کے کلینڈر پر لکھا جاتا ہے، یہ سب مدنظر رکھتے ہوئے چاند دیکھنا یا نہ دیکھنا یا کتنے میل کے فاصلہ سے خبر ملے تو اسے منظور کر لینا یا نہ کر لینا مثلاً: دربن ہمارے جنیس باغ سے پانچ سو میل ہے اگر دربن سے چاند دیکھنے کی خبر ملے تو منظور کرنا یا نہ کرنا تراویح وروزہ رکھنا یا نہ رکھنا چاہئے، یہ سب ذرا برائے خدا خلاصہ لکھکر بھیجنا، آپ کا بہت بڑا احسان ہوگا، اور امت میں نااتفاقی دو دو عید نہ ہوگی، ہمارے یہاں ہر سال رمضان المبارک کے مہینہ میں چاند کی گڑ بڑی ہوتی ہے، اسلئے شریعت کا فیصلہ اس چاند دیکھنے یا دوسرے شہر سے خبر ملے تو اس کو منظور رکھنا یا نہ رکھنا شریعت کا کیا حکم ہے، آپ خلاصہ لکھکر بھیجنا آپکا بہت احسان ہوگا؟

المستفتی: ایس، اے شیخ عبدالمعظم، ۱۶۴/سنگورٹ،
اوٴ تیرا سٹل لنسا، ۱۸۲/ پبلک اوف ساؤتھ افریقہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: رؤیت ہلال کے بارے میں اتنی دور تک کی خبریں معتبر ہوسکتی ہیں، کہ وہاں کی رؤیت کو تسلیم کرنے کی وجہ سے آپکے یہاں مہینہ کسی بھی زمانہ میں ۲۸ یا ۳۱ کا نہ ہوتا ہو، لہٰذا ٹرانسوال، کیپٹاؤن، دربن، ناٹال جنیس باغ سب ایک ہی حکم میں ہونگے، اور میلوں کے لحاظ سے مسافت کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، اسلئے بادل کے زمانہ میں اگر کیپٹاؤن سے فون اور خبریں آجائیں اور اسپر صدق کا ظن غالب ہوجائے، تو ہلال رمضان کے بارے میں ان کو معتبر مان کر روزہ رکھ لینا اور ذمہ داران کا اپنے حلقے میں اعلان کر دینا شرعاً درست ہوگا، اور ہلال رمضان کیلئے صدق کا ظن غالب ہونا کافی ہے۔

كما فی الشامی: والظاهر أنه يلزم أهل القرى الصوم بسماع المدافع أو رؤية القناديل من المصر لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كما صرحوا به واحتمال كون ذلك لغير رمضان يعيد إذلا يفعل مثل ذلک عادة فی ليلة الشک إلا لثبوت رمضان . (شامی، كتاب الصوم، قبيل: مطلب لاعبرة يقول المؤقتين فی الصوم، مطبوعه، کوئٹه ۲/ ۹۹، کراچی ۲/ ۳۸٦، زکریا دیوبند ۳/ ۳٥٤)

اسلئے مذکورہ دلائل کی بناء پر سوال نامہ میں درج شدہ صورت میں ٹرانسوال وناٹال کے باشندوں پر روزہ قضا کرنا واجب ہوگا، البتہ ہلال عید الفطر وعید الاضحیٰ کیلئے طریق موجب سے ثبوت لازم ہے، یعنی رؤیت کی شرعی شہادت یا شہادۃ علی الشہادۃ بالرؤیۃ، یا شہادت علی حکم حاکم یا استفاضہ ثابت ہو، اسکے بغیر نہیں، اسلئے فون وغیرہ کی ضعیف خبریں یہاں بالکل معتبر نہیں ہونگی۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۹۹)

سائنس اور کلینڈر کی تاریخیں حتمی نہیں ہوتیں بلکہ تخمینی ہوتی ہیں، اسپر شرعی طور پر حتمی اعتماد نہیں کیا جا سکتا ہے، کیونکہ کبھی صحیح اور کبھی غلط بھی ہوجاتی ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رشوال المکرّم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۴۰)

کیا ایک جگہ کی رؤیت دوسری جگہ کی رؤیت کیلئے کافی ہے؟

سوال: [۴۶۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) ایک جگہ کی رؤیت دوسری جگہ کیلئے شرعاً کافی ہے یا اسمیں کچھ تفصیل ہے نیز جہاں رؤیت نہیں ہوئی اس شہر یا ضلع کے قاضی یا ہلال کمیٹی کے ذمہ داران کن اصول کے شرعاً پابند ہیں۔

(۲) دوسری جگہ سے خبر آجانے کے بعد قاضی صاحب نے اعلان نہیں کیا جبکہ معتکفین حضرات وہاں کی خبر سن کر اعتکاف سے باہر آگئے تو ایسی صورت میں اعتکاف پورا ہوگا یا نہیں؟

اورقاضی صاحب کےاعلان نہ کرنے کی وجہ سے دوسرے دن عید کی نماز ادا کرنا کیسا ہے؟

(۳) دوسری جگہ سے خبر ملنے پر امام مسجد نے اپنے مقتدیوں کو روزہ نہ رکھنے کا حکم دیا اور جولوگ روزہ دار تھے ان لوگوں کا توڑوا دیا جبکہ اس شہر کے قاضی نے اعلان نہیں کیا تھا، اس کی وجہ سے بہت سے لوگوں نے روزہ رکھا تو ان کا روزہ رکھنا حرام ہوگا؟ اور جن لوگوں نے روزہ نہیں رکھا ان کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: فاروق احمد، تلجاپوری، ضلع: عثمان آباد، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ایک جگہ کی رؤیت دوسری جگہ معتبر ہونے کیلئے طریق موجب سے رؤیت موصول ہو جائے، اور طریق موجب کی چار صورتیں ہیں،

(۱) دو عادل شخص متبع شریعت حاکم مسلم یا ہلال کمیٹی کے پاس آ کراز خود چاند دیکھنے کی شہادت دیں اور دوسری جگہ کے لوگ بھی از خود آ کر شہادت دیں۔

(۲) دو عادل متبع شریعت افراد مذکورہ ذمہ داروں کے پاس آ کراس بات کی شہادت دیں کہ فلاں شہر کے فلاں ذمہ دار کے سامنے فلاں تاریخ کی رؤیت کی شہادت دو عادل شخص نے دی ہے، یہ شہادت علی الشہادت کی شکل ہے۔

(۳) دو عادل متبع شریعت لوگوں نے آ کر یہ شہادت دی کہ فلاں شہر کے فلاں ذمہ دار نے ثبوت رؤیت کا فیصلہ صادر کر دیا ہے۔

(۴) بطریق استفاضہ یعنی کسی علاقہ میں رؤیت ہو جانے کے بارے میں کثیر تعداد کے لوگ ہر طرف سے آ کر خبر دیں، یا متعدد اخبار، ٹیلیفون اور ریڈیو وغیرہ کے ذریعہ سے مسلسل خبریں موصول ہوں جن سے خبر دینے والوں کی سچائی کا ظن پیدا ہوجائے ان چاروں صورتوں میں سے کسی ایک صورت سے کسی دوسری جگہ کی خبر موصول ہو جائے تو آپ کے یہاں کے ذمہ دار قاضی یا ہلال کمیٹی کو رؤیت کا اعلان کرنے کی اجازت ہو جاتی ہے، اس کی تفصیل ''انوار رحمت'' ص: ۴۹۸تا ۵۱۲/ میں موجود ہے۔

بطریق موجب (تحته فی الشامیة) کأن یتحمل اثنان الشهادة أو یشهد اعلی حکم القاضی أو یستفیض الخبر . (شامی ، کتاب الصوم ، مطلب فی أحکام المطالع، کراچی ۲/ ۳۹٤، زکریا دیوبند۳/ ۳٦٤، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالکتاب دیو بند/ ٦٥٦)

تقبل فیما لا یسقط بالشبهة إن شهد رجلان علی شهادة شاهدین . (کنز الدقائق ، کتاب الشهادة ، باب الشهادة ، علی الشهادة ، مکتبه مجتبائی دیو بند ۱/ ۲۹٦، البحر الرائق، کراچی ۷/ ۱۲۰، زکریا ۷/ ۲۰۳، کوئٹه ۷/ ۱۲۰، تبیین الحقائق ، امدادیه ملتان ٤/ ۲۳۷، زکریا دیوبند ٥/ ۲۱۰)

(۲) کسی جگہ رؤیت ہلال کا تحقق ہو جانے کے بعد اسکی اطلاع استفاضہ کے طور پر دوسری جگہ آ جائے اور اس دوسری جگہ قاضی یا ہلال کمیٹی موجود ہے تو ان کی طرف سے اعلان کا انتظار کرنا بہتر ہے، اور ان کے اعلان سے پہلے ہی معتکفین اعتکاف سے نکل جائیں تب بھی ان کا اعتکاف درست ہو جائے گا۔

أن الصحیح من مذهب أصحابنا أن الخبر إذا استفاض وتحقق فیما بین أهل البلدة الأخریٰ یلزمهم حکم هذه البلدة . (شامی، کراچی ۲/ ۳۹۰، زکریا ۳/ ۳٥۹، المحیط البرهانی ، المجلس العلمي۳/ ۳٤۲، رقم: ۳۰٦٥، الفتاویٰ التاتار خانیة قدیم ۲/ ۳٥٥، زکریادیوبند۳/ ۳٦٦، رقم:٤٥۸۳، مجمع الأنهر مصری قدیم ۱/ ۲۳۹، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۳٥۲، منحة الخالق، کراچی ۲/ ۲۹۰، کوئٹه ۲/ ۲۷۰، زکریا۲/ ٤۷۱)

(۳) دوسری جگہ سے استفاضہ کے طور پر رؤیت کی اطلاعات آنے کے باوجود آپ کے یہاں کا قاضی رؤیت کا اعلان نہ کرے تو امام مسجد اور عوام الناس کو اس کا چرچا واعلان کر کے عمل کا حق ہے، لہٰذا ایسی صورت میں امام مسجد کا قاضی کے اعلان کے بغیر اپنے مصلیوں کو روزہ نہ رکھنے کا حکم دینا اور اگلے دن جن لوگوں نے روزہ رکھا ہے ان کا روزہ تڑوانا جائز ہے، اور جن لوگوں نے قاضی کے اعلان نہ کرنے کی وجہ سے روزہ رکھا

توان کا روزہ رکھنا درست نہیں کیونکہ جب استفاضہ کے طور رخبر آ جائے تو اب دوبارہ قاضی کے فیصلہ کا انتظار لازم نہیں ہے۔

أن الصحيح من مذهب أصحابنا أن الخبر إذا استفاض و تحقق فيما بين أهل إحدى البلدتين يلزمهم حكم أهل هذه البلدة . (الفتاویٰ التاتار خانية قديم ٢/٣٥٥، زكريا ديوبند٣/٣٦٦، رقم:٤٥٨٣، شامی، کراچی ٢/٣٩٠، زكريا ديوبند٣/٣٥٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ؍ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸؍ ۸۹۷۰)

اختلاف مطالع

سوال: [۴۷۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر مکہ میں چاند نظر آیا اور ہندوستان میں نظر نہیں آیا تو ہندوستان کے لوگوں پر ایک روزہ کی قضاء لازم ہے اور عید سعودیہ کے مطابق منائیں، اگر نہیں تو پھر دلائل ملاحظہ فرمائیں اور تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں؟

(۱) درمختار جلد اول ۱۴۹، جو فقہ احناف کی مستند کتاب ہے، اس میں ہے کہ مطلع کے مختلف ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اگر مغربی ممالک والے چاند دیکھ لیں تو مشرقی ممالک والوں کو اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔

(۲) فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۳۸۵ و ۸۶ میں ہے۔

فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئک بطريق موجب وفصل الشامی ذلک الطريق الموجب فلينظر فيه .

(۳) کوکب دری شرح ترمذی شریف ۱/ ۳۳۶، میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے لکھا ہے کہ کلکتہ میں چاند جمعہ کی رات کو نظر آیا اور مکہ میں جمعرات کی رات کو اور کلکتہ والوں کو

پتہ نہ چل سکا کہ مکہ میں رمضان جمعرات سے شروع ہو چکا ہے، تو جب بھی ان کو پتہ چلے گا ان کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ عید مکہ والوں کے ساتھ منائیں اور پہلا روزہ قضاء کریں؟

المستفتي: محمد تحسین قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اختلاف مطالع کے اعتبار ہونے اور نہ ہونے سے متعلق علماء کی دو جماعتیں ہیں، ایک جماعت یہ کہتی ہے، کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے، لہٰذا اگر اہل مشرق نے چاند دیکھا ہے اور اہل مغرب نے نہیں دیکھا ہے اور طریق موجب کے ذریعہ سے اہل مغرب کو اہل مشرق کی رؤیت کا ثبوت ہو جائے تو اہل مغرب کو اہل مشرق کی رؤیت پر عمل کرنا لازم ہے، اس قول کو بغیر قیود وشرائط کے حضرت گنگوہیؒ نے لیا ہے، چنانچہ اسی سے فرمایا ہے کہ مکہ کی رؤیت طریق موجب سے ثابت ہو جائے تو اہل کلکتہ اور اہل ہند پر اس کا اعتبار کرنا لازم ہوگا جیسا کہ (الکوکب الدری، ابواب الصوم، باب ماجاء في الصوم بالشهادة، مکتبہ یحيٰ سہارنپور ا/ ۲۴۶) پر حضرت گنگوہیؒ کا یہ ارشاد موجود ہے، عبارت ملاحظہ ہو:

رأى الهلال أهل كلكتة في يوم الجمعة وأصحاب مكة يوم الخميس فعند رؤية أهل مكة لم يعلموا أهل كلكتة حال رؤيتهم حتى يصوموا على حسب صيامهم ورؤيتهم ولكنهم إذا اطلعوا على رؤيتهم يجب لهم أن يقضوا صوم يوم الخميس وأيضا أن يعيدوا على حسب يوم الخميس لا على حساب يوم الجمعة .

اس میں اس بات کا خیال نہیں کیا گیا ہے، کہ مکہ میں ہندوستان سے ایک دن پہلے چاند پیدا ہوا کرتا ہے، یہ قول بظاہر قیود وشرائط کے بغیر فقہاء نے علی الاطلاق نقل فرمایا ہے، اور اسی قول پر ہر فقیہ کی عبارت میں وعلیہ الفتویٰ وہوظاہر المذہب جیسے الفاظ ترجیح کی عبارت نقل کی گئی ہیں، اور اسی سے بہت سے علماء نے علی الاطلاق اسطرح کا مسئلہ لکھا ہے

کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے، کہیں سے بھی طریق موجب سے ثبوت رؤیت کی بات آجائے اس پر عمل کرنا لازم ہوگا، لیکن حقیقت میں علی الا طلاق مسئلہ ایسا نہیں ہے، بلکہ اس میں قیود وشرائط بھی ہیں، جیسا کہ صاحب بدائع وغیرہ نے اسی قول کو نقل کرنے کے ساتھ ساتھ صاف الفاظ میں قیود شرائط کی صراحت فرمائی ہے، اور وہ یہ ہے کہ دو بلد اور دو ملکوں کے درمیان مسافت دو قسم پر ہے۔

(۱) مسافت قریبہ جس میں ایک کنارے کے لوگوں کی رؤیت پر عمل کرنے کی صورت میں دوسرے کنارے کے بلاد میں مہینہ کبھی بھی ۲۸ یا ۳۱ دن کا نہ ہوتا ہو بلکہ دونوں بلادوں میں مہینہ کا توازن باقی رہتا ہو تو ایسے دو بلاد اور دو ملکوں کے درمیان اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے۔ لہذا منی پور اور آسام کی رؤیت طریق موجب سے ثابت ہوجائے تو پنجاب کے لوگوں پر اسی رؤیت پر عمل کرنا لازم ہے، اسی طرح پنجاب کی رؤیت طریق موجب سے ثابت ہوجائے تو آسام وبنگال اور منی پور وغیرہ کے لوگوں پر بھی اس کے اوپر عمل کرنا لازم ہوجائے گا، اس لئے کہ دونوں قسم کے بلادوں میں مہینوں کا توازن باقی رہتا ہے۔

(۲) مسافت بعیدہ اور مسافت فاحشہ جس میں ہر دو بلاد اور ہر دو ملکوں میں سے کسی ایک کی رؤیت کا دوسرے بلاد اور دوسرے ممالک میں اعتبار کرنے کی صورت میں مہینہ ۲۸ یا ۳۱ دن کا ہوجاتا ہو، اور دونوں بلادوں کے درمیان مہینوں کا توازن باقی نہ رہتا ہو، تو ایسے دو بلادوں کے درمیان اختلاف مطالع معتبر ہے، لہٰذا ایک کی رؤیت طریق موجب سے ثابت ہونے کی صورت میں دوسرے میں معتبر نہ ہوگی، اسی وجہ سے مکۃ المکرّمہ اور عرب ممالک کی رؤیت کا برصغیر اور ہندوستان میں اعتبار نہ ہوگا، اور مکۃ المکرّمہ سے طریق موجب کے ساتھ ہندوستان میں رؤیت کا ثبوت ہوجائے تو ہندستان والے اس پر عمل نہیں کریں گے نہ روزے کی قضاء کریں گے، اور نہ ہندوستان والے عید منائیں گے جیسا کہ آج کے زمانہ میں ہر سال ہندوستان سے ایک دن پہلے مکہ اور مدینہ والے روزہ رکھتے ہیں، اور اسی طرح ایک دن پہلے وہاں والے عید مناتے ہیں، اور ان کا روزہ اور عید طریق موجب سے ثابت ہونے کے باوجود برصغیر کے لوگ اس پر عمل نہیں کرتے اس لئے کہ برصغیر اور عرب ممالک کے درمیان

جومسافت ہے وہ مسافت بعیدہ اورمسافت فاحشہ ہے، لہٰذا حضرت گنگوہیؒ کا وہ قول جو (الکوکب الدری ۱/ ۲۴۶ پرموجود ہے، قابل عمل نہ ہوگا، بدائع کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

وجه ظاهر الرواية أن المطالع لا تختلف إلا عند المسافة البعيدة الفاحشة . (بدائع الصنائع، ۲/ ۲۱)

هذا إذا كانت المسافة بين البلدين قريبة لا تختلف فيها المطالع فأما إذا كانت بعيدة فلايلزم أحد البلدين حكم الأخر لأن مطلع البلاد عند المسافة الفاحشة تختلف فيعتبر فی أهل كل بلد مطالع بلدهم دو ن البلد الآخر . (بدائع زکریا ۲/ ۲۲٤، کراچی ۲/ ۸۳، بیروت ۲/ ۵۷۹)

اورعلماء کی دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار اس وقت ہوگا، جب کہ دو بلادوں کے درمیان مسافت بعیدہ فاحشہ ہواوراگر مسافت بعیدہ فاحشہ نہیں ہے تو اختلاف مطالع مختلف شمار نہیں ہونگے، بلکہ مطالع ایک ہی شمار ہوں گے، لہٰذا اس قول کی وجہ سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ آسام وکلکتہ کی رؤیت دہلی اور اترپردیش کے لوگوں کیلئے طریق موجب سے ثابت ہونے کے باوجود معتبر نہ ہوگی، بلکہ اس کا اعتبار کرکے اس پر عمل کرنا لازم ہوگا، ایسی صورت میں فقہاء کے دونوں قولوں کے درمیان تعارض بھی باقی نہیں رہتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ ارمحرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۱/ ۱۴۳۳ھ

کہاں تک کی رؤیت کا اعتبار ہوگا اور اختلاف مطالع سے کیا مراد ہے؟

سوال: [۴۷۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ثبوت رؤیت ہلال کا مسئلہ ہے مفتی صاحب سے سوال ہے کہ کہاں تک کی رؤیت کے ثبوت کا اعتبار ہے اور اختلاف مطالع سے کیا مراد ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ثبوت رؤیت ہلال میں اس جگہ کی رؤیت کے ثبوت کا اعتبار ہے جس جگہ کی معتبر خبر کو ماننے سے اپنے یہاں کا مہینہ ۲۹/ دن سے کم یا ۳۰/ دن سے زیادہ کا لازم نہ آتا ہو، اور اختلاف مطالع کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے شہر یا دوسرے ملک کی رؤیت تسلیم کرنے سے اپنے یہاں کا مہینہ ۲۹/ دن سے کم یا ۳۰/ دن سے زیادہ کا لازم آتا ہو، لہٰذا ایسی جگہ کی خبر تسلیم نہیں کی جائے گی، اسلئے کہ شریعت کی نظر میں کوئی مہینہ ۲۹/ دن سے کم اور ۳۰/ دن سے زیادہ کا نہیں ہوسکتا۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ/۴۵۱، امداد الفتاویٰ ۲/ ۱۰۸، امداد المفتیین /۴۸۳، احسن الفتاویٰ ۴/ ۴۷۴، جواہر الفقہ ۳/ ۴۸۲، جدید فقہی مسائل ۲/ ۳۳، انوار رحمت/ ۵۵۱، ایضاح المسائل/ ۷۹)

هذا إذا كانت المسافة بين البلدين قريبة لا تختلف فيها المطالع فأما إذا كانت بعيدة فلا يلزم أحد البلدين حكم الآخر لأن مطالع البلاد عند المسافة الفاحشة تختلف فيعتبر فى أهل كل بلد مطالع بلدهم دون البلد الآخر. (بدائع الصنائع، كتاب الصوم، إثبات الأهلة، كراچی ۲/ ۸۳، زكريا ۲/ ۲۲٤، بيروت ۲/ ۵۷۹)

إذا كان بين البلدتين تفاوت لايختلف المطالع لزم حكم أهل إحدى البلدتين البلدة الأخرىٰ فأما إذا كانت تفاوت يختلف المطالع لم يلزم حكم إحدىٰ البلدتين البلدةالأخرىٰ. (تاتار خانية، زكريا ۳/ ۳٦٥، رقم: ٤٥٨٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ ۶/ ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۵۲)

رمضان میں سعودیہ سے ہندوستان آنے والا شخص روزہ کب تک رکھے؟

سوال: [۴۷۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبداللہ

رمضان المبارک میں ایک بار وطن گیا شاید تیس بتیس روزے رکھنے پڑے تھے جو دو روزے زائد ہیں ان کو ترک کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر سفر میں دو روزے چھوڑ دے تو کیا بعد میں قضاء رکھنا ضروری ہے، جبکہ تیس روزے پورے ہوگئے ہوں؟

المستفتي: شفیع احمد الاعظمی، الرفاع (بحرین)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جو آدمی دور دراز علاقہ سے کسی دوسرے علاقہ میں پہونچ جاتا ہے، اس پر جہاں پہونچتا ہے وہاں کا حکم لاگو ہوجاتا ہے، لہٰذا سعودی عرب سے کوئی شخص ۳۰/ روزے رکھ کر ہندوستان آجاتا ہے، اور ہندوستان میں ابھی ۲۸/ روزے ہوئے ہیں، تو ہندوستانیوں کی طرح اس پر بھی بقیہ روزے رکھنا لازم ہوجاتا ہے، لہٰذا اس پر مزید دو روزے لازم ہوجائیں گے، اگر اثناء سفر نہ رکھ سکے تو بعد میں قضاء رکھنا لازم ہوگا، اس مسئلہ کو احقر نے اپنی کتاب ایضاح المسائل/ ۳۸ میں بھی واضح کردیا ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/۱۲۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ رجب ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۲۵۳)

اختلاف مطالع کی وجہ سے ۳۲/ روزے کی فرضیت کی ایک صورت

سوال: [۴۷۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی جب رمضان المبارک کے روزے شروع ہوئے تو وہ سعودیہ میں تھا، وہاں اسنے چاند دیکھ کر روزے شروع کردیئے پھر اثناء رمضان میں ہندوستان آگیا اور یہاں اسنے عید کا چاند دیکھ کر چونکہ یہاں رمضان بعد میں شروع ہوئے تھے، اسلئے اسکے ۳۲/ روزے ہوگئے تو اسکے یہ دو روزے کون سے شمار ہوں گے، اسی طرح ایک آدمی شروع رمضان المبارک میں ہندوستان میں تھا، سعودیہ جاکر اسنے عید کی اسکے اٹھائیس روزے

ہوئے تو اسکے دو روزوں کا کیا ہوگا۔ مع دلائل تحریر فرمائیں؟

المستفتي: محمد سعید، پالنپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ملک اور تاریخ بدل جانیکی وجہ سے ۳۲؍روزے ہونے کی صورت میں وہ سارے روزے فرض شمار ہوں گے، اور تیس روزے کے بعد بھی اس کیلئے روزہ چھوڑنا درست نہ ہوگا۔

لو صام رائي هلال رمضان وأكمل العدة لم يفطر إلا مع الإمام لقوله عليه السلام صومكم يوم تصومون وفطركم يوم تفطرون . (شامی، کتاب الصوم ، زکریادیوبند۳/ ۳۵۱، کراچی ۲/ ۳۸٤، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالکتاب دیوبند/ ٦٥١)

عن أبي هريرة – رضي الله عنه – أن النبي صلى الله عليه وسلم قال في هلال رمضان : إذا رأيتموه فصوموا ، ثم إذا رأيتموه فأفطروا فإن غم عليكم فأتموا ثلاثين صومكم يوم تصومون ، وفطركم يوم تفطرون ، الحديث: (مصنف عبد الرزاق ، باب الصيام ، المجلس العلمي ٤/١٥٥، رقم: ٧٣٠٤)

عن أبي هريرة – رضي الله عنه – عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: صومكم يوم تصومون ، وفطركم يوم تفطرون . (سنن الدار قطني، كتاب الصيام ، قبيل باب في وقت السحر ، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ١٤٤، رقم: ٢١٦٠)

اور دوسری صورت میں یعنی ۲؍روزے رہ جانے کی صورت میں کوئی صریح جزئیہ تو نہیں ملا، البتہ اصول پر نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ عدد روزہ میں اسی ملک کا اعتبار ہوگا ، اگر وہاں عید کا چاند ۲۹؍کو ہوا ہے، تو ایک اور روزہ ہوگا اور تیس کا ہوا ہے تو دو روزے بعد میں قضا کرنے ہوں گے کیونکہ مہینہ ۲۹؍سے کم کا نہیں ہوتا اس حکم کی نظیریں احسن الفتاویٰ ۴/۴۲۳ میں موجود ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۲۵؍شوال۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۶؍۲۰۱۱)

شرعی ثبوت کے بعد اختلاف کی وجہ سے عیدین کو مؤخر کرنا

سوال: [۴۷۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز کن اعذار کی بناء پر وقت متعینہ سے مؤخر کی جاسکتی ہے، اگر علماء دیو بند کے مستند اعلان کو بریلوی تسلیم نہ کریں، تو کیا اتحاد عید کی خاطر عیدین کی نمازوں کو مؤخر کیا جاسکتا ہے، جبکہ بریلوی جماعت علماء دیو بند اور ان کے ماننے والوں کو ایمان سے خارج کہتی ہے، تو کیا اس بنیادی اختلاف کے باوجود محض بریلویوں کی خوشنودی یا عیدگاہ میں مجمع بڑھانے کے لئے اہل حق عیدین کی نمازوں کو مؤخر کرسکتے ہیں، جبکہ الگ الگ دونوں کے عیدین کی نماز پڑھنے میں جھگڑے فساد کا کوئی اندیشہ نہیں ہے، بارہا کا تجربہ ہے اور جیسا کہ الگ الگ عیدگاہوں و مسجدوں میں دونوں فرقے نماز پڑھتے ہیں، اور کوئی فساد یا قتل وقتال برپا نہیں ہوتا - ایک عالم دین فرماتے ہیں، کہ تاخیر عیدین کیلئے صرف وہ اعذار معتبر ہیں جو مانع صلوٰۃ ہوں اسلئے بالتفصیل جواب باصواب سے آگاہ فرمایا جائے۔

المستفتي: اختر الزماں، کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: درج ذیل اعذار کی وجہ سے عیدین کی نمازیں مؤخر کی جاسکتی ہیں، مثلاً: (۱) بارش۔

(۲) بادل کی وجہ سے ۲۹؍کو چاند نظر نہیں آیا، اور ۳۰؍کو بعد الزوال یا قبل الزوال ایسے وقت رؤیت کا شرعی ثبوت حاصل ہو کہ لوگوں کا جمع ہو کر قبل الزوال نماز ادا کرنا ممکن نہ ہو۔

(۳) بادل کے روز نماز کے بعد معلوم ہوا کہ جس وقت نماز ادا کی گئی ہے اس وقت زوال ہو چکا تھا۔

(۴) امام نے بلا طہارت نماز پڑھائی اور ایسے وقت معلوم ہوا کہ زوال سے قبل لوٹانا ممکن نہ ہو۔

وتؤخر صلوٰة عيد الفطر بعذر كأن غم الهلال وشهدوا بعد الزوال أو صلوها في غيم فظهر أنها كانت بعد الزوال فتؤخر إلىٰ الغدالخ. وفي الطحطاوي وكالمطر ونحوه كما في السراج وكما لوصلى بالناس على غيرطهارة ولم يعلم إلا بعد الزوال كما في الخانية وشهدوابعد الزوال أو قبله بحيث لا يمكن اجتماع الناس الخ. (طحطاوی علی مراقی الفلاح، باب العیدین قدیم /۲۹۲، دارالکتاب دیو بند/۵۳۶، هندیه قدیم ۱/۱۵۱، جدید ۱/۲۱۲، قاضیخان علی الهندیه ۱/۱۸۵، جدید ۱/۱۱۶)

لہٰذا مذکورہ عالم دین کا فرمان صحیح ہے، محض بریلویوں کی من چاہی کیلئے یا حکم کے خلاف من چاہت لوگوں کی من مانی میں اگر مجمع بڑھ جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کو ایسے مجمع کی ضرورت نہیں، اہل حق کو وقت کے مطابق سنت طریقے سے نماز ادا کرلینی چاہئے۔

عن عمران بن حصين قال: قال رسول الله ﷺ: لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق. (المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي۱۸/۱۷۰، رقم: ۳۸۱، مشكوٰة ۲/۳۲۱)

ایسے حالات میں عید الفطر یوم ثانی میں صحیح نہ ہوگی، اور عید الاضحیٰ کراہت تحریمی کیساتھ قضا ہوگی، ادا نہ ہوگی۔

وتكون القضاء لا أداء (إلىٰ قوله) بلاعذر مع الكراهة وفي الشامية أنها كراهة تحريم الخ. (الدرالمختار، كتاب الصلوٰة، باب العيدين، زكريا ديو بند ۳/۵۹، ۱/۶۱۸، كراچی ۲/۱۷۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رصفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۵۴۹)

رمضان المبارک کی تاریخ میں اختلاف

سوال: [۴۷۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امسال کلکتہ میں ۱۳؍فروری سے رمضان المبارک کا روزہ رکھا گیا لیکن ہندوستان کے خطہ میں ۱۲؍فروری سے روزہ رکھنے کے سلسلہ میں تسلی بخش شہادت نہیں ملی ہے، عوام الناس نے مجھ سے ایک روزہ قضا رکھنے کا استفسار کیا ہے، تو میں نے کہا کہ اپنے مدرسہ مرادآباد کے جناب مفتی صاحب سے خط وکتابت کروں گا اس کے بعد بتاؤں گا، لہٰذا آپ سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ اس سلسلہ میں رہبری فرمائیں، ۱۲؍فروری کو جو حضرات روزہ نہیں رکھ سکے تو کیا اس کا قضا روزہ رکھا جائے یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب دے کر ممنون فرمائیں کرم ہوگا؟

المستفتي: احسان الحق قاسمی، جہانگیرآباد، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جمعہ کی رؤیت طریق موجب سے ثابت نہیں ہے اسلئے جنھوں نے ۲۹؍روزہ رکھے ہیں، ان پر ایک روزہ قضا کرنا لازم نہ ہوگا، اسلئے کہ قضا لازم ہونے کیلئے طریق موجب سے رؤیت کا ثبوت لازم ہوتا ہے۔ (مستفاد ایضاح المسائل /۷۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍شوال ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۶۷۷)

سوال برجواب

سوال: [۴۷۰۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے آپ سے سوال کیا تھا، کہ اس سال عید الفطر کی نماز کب ہوئی منگل کو صحیح ہوئی یا

بدھ کوتو آپ نے جواب میں فرمایا لکھنؤ وغیرہ میں رؤیت شرعی طور پر ثابت ہونے کی وجہ سے منگل کو عید صحیح ہوئی ہے، مگر میرا سوال یہ ہے کہ اگر آسمان صاف ہوتو بہت لوگوں کا چاند دیکھنا شرط ہے، مگر اس دن بھارت میں کسی جگہ بادل نہیں تھا، تو صرف لکھنؤ کے لوگوں کے چاند دیکھنے سے عید کیوں ہوئی؟

المستفتي: مزمل الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پوری یوپی کے اندر مطلع صاف نہیں تھا بنگال میں صاف رہا ہوگا، آپ نے جو لکھا ہے کہ پورے بھارت میں مطلع صاف رہا ہے، صحیح نہیں ہے، ہم نے لکھنؤ بلند شہر، بہار وغیرہ کی رؤیت کو شرعی ثبوت سے معتبر مان کر یہاں مرادآباد میں بھی اعلان کردیا اور اسی طرح کے ثبوت کی بناء پر دیوبند، سہارنپور، دہلی ان تمام مقامات میں ایک ساتھ اعلان کیا گیا، اسلئے ہمارے نزدیک یوپی بہار وغیرہ میں منگل کی عید ہی صحیح تھی، اس دن روزہ رکھنا جائز نہیں تھا، اسلئے اس سال کی عید منگل ہی کے روز صحیح سمجھی گئی ہے، اور چاندرات میں پنجاب یوپی بہاران تمام صوبوں میں مطلع ابرآلود تھا، صاف نہیں تھا، بنگال کا علم ہم کو نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴؍۶۰۷۵)

عیدالفطر کی تاریخ میں اختلاف

سوال: [۴۷۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اس سال عیدالفطر کب ہوئی کچھ جگہوں پر منگل کو اور کچھ جگہوں پر بدھ کو تو کن لوگوں کی عید ٹھیک ہوئی؟ تشفی بخش جواب سے نوازیں؟ کرم ہوگا؟

المستفتي: مزمل الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہمارے یہاں لکھنؤ وغیرہ کی رؤیت شرعی طور پر ثابت ہونے کی وجہ سے منگل کو عید ہوئی ہے اور ہمارے علاقہ میں یہی عید صحیح ہوئی ہے، بعض اہل بدعت نے اپنی ضد سے بدھ کو بھی منائی جو خود ان کے درمیان اختلاف کا سبب رہا ہے، لکھنؤ کانپور بنارس رامپور مرادآباد دہلی دیوبند سہارنپور سب جگہ منگل کو ہوئی باقی جن علاقوں میں عمومی سطح پر بدھ کو ہوئی ہے وہاں کی باتیں وہاں کے علماء بہتر جانیں شاید ان کے پاس منگل کیلئے شرعی ثبوت نہیں پہونچا ہو۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۹۲۱)

ہلال کمیٹی غلط اعلان کردے تو کیا حکم ہے؟

سوال: [۴۷۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید صوبہ بہار کا رہنے والا ہے، جس کی ہلال کمیٹی امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ ہے، بعض مرتبہ یہاں عید کرنے یا روزہ رکھنے کا اعلان کردیا جاتا ہے، جس میں چاند دیکھنے والے شاہدوں اور اس کی جگہ کی بھی تعیین کردی جاتی ہے، جبکہ اس کے خلاف پوری دنیا میں عدم رؤیت ہلال کا اعلان کیا جاتا ہے، تو اس صورت میں کیا بہار والوں کو عید منانی ہوگی یا رمضان کے روزے رکھنے ہوں گے، یا رمضان کے چاند اور عید کے متعلق کچھ تفصیل ہے جبکہ بعض مرتبہ اس اعلان پر عمل کرنے کی صورت میں اختلاف وانتشار بھی ہوجاتا ہے۔

المستفتي: محسن، تکمیل ادب، مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امسال امارت شرعیہ بہار کی طرف سے رؤیت ہلال کا جو اعلان کیا گیا ہے، اس میں بڑا گھپلہ رہا ہے، کیونکہ جن شہادتوں کو بنیاد بنا کر

انھوں نے اعلان کیا تھا، ان کا جھوٹ ہونا بعد میں ظاہر ہو چکا تھا، اسلئے کہ ۳۱/ کا کوئی مہینہ ہو نہیں سکتا اور ان شہادتوں کی عدالت کا بھی جائزہ لینا چاہئے، ورنہ اس قسم کا دھوکہ ہوسکتا ہے، البتہ ہلال کمیٹی جو حدود شرعیہ کے دائرے میں رہ کر کام کررہی ہے، اس کا اعلان معتبر ہوا کرتا ہے، اور اس اعلان کے مطابق عمل بھی ہونا چاہئے لیکن اگر اعلان اور فیصلہ میں مغالطہ اور خامی رہ جائے، تو اسکی تلافی بھی ہو جانی چاہئے، کیونکہ یہاں اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے نظم وانتظام مضبوط نہیں ہے، اسلئے شاہدوں کو یہ خطرہ نہیں ہوتا ہے کہ جھوٹ ظاہر ہو جانے کے بعد کوئی سزا مل سکتی ہے، ایسی صورت میں شہادت کی بنیاد پر اگر ہلال کمیٹی نے اعلان کردیا ہے، تو اس پر عمل کرنے والوں کا عمل شرعاً صحیح ہوگا، مگر اگلے ماہ اگر ۳۱/ یا ۲۸ کا ہوجاتا ہے، تو پچھلے ماہ کی رؤیت کو بنیاد بنانا صحیح نہ ہوگا، بلکہ اس ماہ کی رؤیت کا اعتبار مستقل طور پر کرنا لازم ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۳/ ۱۲۰، ۱۲۱، میرٹھ ۱۵/ ۱۰۶، ڈابھیل ۱۰/ ۷۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ۷/ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/ ۷/ ۱۴۱۵ھ

شرعی شہادت کے باوجود سابقہ اجتماعی غلط فیصلہ برقرار رکھنا

سوال: [۴۷۰۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شہر کے دینی ذمہ دار لوگوں نے رؤیت کی شہادت پہنچنے کی بنا پر باہم طے کیا کہ عیدالاضحیٰ کی نماز جمعرات کو ہوگی پھر آٹھ ذی الحجہ کی شام کو شرعی شہادت موصول ہوئی کہ دسویں ذی الحجہ بدھ کو ہے اس شرعی شہادت کو نہ مان کر سابقہ اجتماعی فیصلہ کو باقی رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا

المستفتي: عبدالرحمٰن، عبدالحق قریشی، محمد کامل، عبدالوحید
بشیر احمد محمد حنیف قریشی، اصالت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شرعی شہادت موصول ہو جائے یا طریق موجب سے رؤیت کا ثبوت ہو جائے تو اس پر عمل کرنا واجب ہے، اور خلاف کرنا معصیت ہے، لہٰذا سابقہ فیصلہ کو باقی رکھنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/۹۹)

وإذا ثبت فی موضع لزم جمیع الناس ولا اعتبار باختلاف المطالع حتی قالوا لو رأی أهل المغرب هلال رمضان یجب برؤیتهم علی أهل المشرق إذا ثبت عندهم بطریق موجب . (مجمع الانهر، کتاب الصوم، قبیل باب موجب الفساد، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/۳۵۲، مصری قدیم ۱/۲۳۹، هندیه زکریا ۱/۱۹۹، الدر مع الرد کراچی ۲/۳۹٤، زکریا ۳/۳٦٤، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالکتاب دیوبند/٦٥٦، البحرالرائق، کوئٹه ۲/۲۷۰، زکریا دیوبند ۲/٤۷۱)

ان مذکورہ کتابوں کی عبارت کا معنی یہ ہے کہ جب ایک جگہ چاند کا ثبوت ہو جائے تو تمام لوگوں پر واجب ہوگا، اور اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں، حتی کہ فقہاء نے کہا کہ اہل مغرب نے رمضان کا چاند دیکھ لیا تو ان کے دیکھنے سے اہل مشرق پر لازم ہوگا، جبکہ ان کے پاس طریق موجب یعنی خود شہادت یا شہادت علی الشہادۃ یا کتاب القاضی إلی القاضی وغیرہ سے ثابت ہو جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۱۸)

شرعی شہادت کے باوجود بلا عذر عید الاضحیٰ کو ایک دن مؤخر کرنا

سوال: [۴۷۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

رؤیت ہلال کی شرعی شہادت کے بعد نماز عید الاضحیٰ کو دوسرے دن کے لئے بلا عذر شرعی مؤخر کرنا کیسا ہے؟ کیا دوسرے دن نماز کی ادائیگی بلا کراہت درست ہوگی، اور اگر مع الکراہت ہے تو کراہت تحریمی ہے یا تنزیہی؟ اس سلسلہ میں شہادت اور اخباری خبر دونوں کا حکم یکساں ہے یا کچھ فرق ہے؟

المستفتي: عبدالرحمٰن، عبدالحق قریشی، محمد کامل، عبدالوحید بشیر احمد محمد حنیف قریشی، اصالت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شرعی شہادت باطریق موجب سے رؤیت کا تحقق ہوجانے پر بلا عذر شرعی یوم اول سے مؤخر کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

لأن تأخيرها لغير عذر من اليوم الأول مكروه . (البحرالرائق ۲/۱۶۳)

ويجوز تأخيرها إلىٰ آخر ثالث أيام النحر بلاعذر مع الكراهة وفى الشامية وبه يعلم أنها كراهة تحريم الخ. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب العيدين كوئٹه ۱/۶۱۸، کراچی ۲/۱۷۶، زکریا دیوبند۳/۵۹)

اسی کے ہم معنی عبارت حسب ذیل کتابوں میں بھی ہے۔ (زیلعی ۱/۱۱۴، ہدایہ ۱/۱۷۴، اشرفی مجمع الانہر ۱/۱۷۵، بزازیہ مع الہندیہ زکریا ۴/۷۷، جدید زکریا دیوبند ۱/۵۲، سمیٹ/۱۰، ہندیہ زکریا ۱/۱۵۲، جدید زکریا دیوبند ۱/۲۱۲، النیرۃ ۱/۱۱۴، بدائع الصنائع کراچی ۱/۲۷۶، مراقی الفلاح قدیم/۲۹۳، غنیۃ المستملی قدیم/۵۸۲، صغیری مجتبائی دہلی/۲۸۴، شرح نقایہ، اعزازیہ دیوبند ۱/۱۳۰)

نیز شہادت اور اخباری خبروں میں فرق ہے شہادت پر عمل واجب ہے اور ضروری ہے، عمل نہ کرنے پر گنہ گار اور معصیت کا مرتکب ہوتا ہے۔

ركنها استعمال لفظ الشهادة وحكمها وجوب الحكم على القاضى بما ثبت الخ. (مجمع الأنهر ، كتاب الشهادة ،دارالكتب العلمية بيروت ۳/۲۵۷، مصرى قديم ۲/۱۸۵)

چاہے شاہدوں نے خود آ کر شہادت دی ہو یا شہادت علی الشہادت یا کتاب القاضی إلی القاضی سے ثابت ہو!

وشهدوا أنه شهد عند قاضي مصرٍ كذا شاهدان برؤية الهلال فى ليلة كذا وقضى القاضي به (إلىٰ قوله) جاز لهٰذا القاضى (وفى الشامية أن المراد بالجواز الصحة فلا ينافى الوجوب تأمل) أن يحكم لشهادتهما لأن قضاء القاضى حجة الخ. (الدر المختار، کوئٹه ۲/۱۰۲ کراچی ۲/۳۹۰، زکریا دیوبند۳/۳۵۸، ۳۵۹، فتاویٰ عالمگیری زکریا ۱/۱۹۹، جدید۱/۲۶۱)

محض اخباری خبروں پر بلا تحقیق عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

قد تشيع أخبار يتحدث بها سائر أهل البلدة (إلىٰ قوله) فمثل هذا لا ينبغى أن يسمع فضلاً عن أن يثبت به حكم. (شامی، کوئٹه۲/۱۰۲، کراچی ۲/۳۹۰، زکریا دیوبند۳/۳۵۹)

اور اگر اخباری خبریں استفاضہ اور تواتر کو پہنچ جائیں تو طریق موجب کے درجہ میں ہونے کی وجہ سے عمل کرنا لازم ہوگا، بشرطیکہ دونوں مقاموں کی تاریخ ہر زمانہ میں متحد ہو، لہٰذا سعودیہ کی رؤیت معتبر نہیں، کیونکہ وہاں رؤیت ماننے سے ہمارے یہاں کا مہینہ ۲۸/ کا بھی ہوجاتا ہے۔

لو استفاض الخبر في البلد الأخرى لزمهم على الصحيح الخ. (الدر المختار، کراچی ۲/۳۹۰، زکریا دیوبند۳/۳۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱۸/۲۳)

سعودی کی رؤیت پر عمل کرنا جائز نہیں۔ اکابر کے فتاویٰ

دار العلوم دیوبند کا فتویٰ

آپ کی تحریر غور کے ساتھ پڑھی اس سے قبل یہاں سے لکھا جا چکا ہے کہ اپنے قریبی ملک مراکش کی رؤیت کی خبر کی بنیاد پر اپنے یہاں رؤیت کا اعلان کریں، بطریق موجب خبر آنے کا سال میں ایک مرتبہ انتظام کرلینا مناسب ہوگا، سہولت پسندی میں پڑ کر سعودی رؤیت کے مطابق اپنے یہاں رمضان اور عید کا اعلان کرنا درست نہیں، اگر کوئی فتویٰ بھی اس طرح کا حاصل کرلیا گیا ہے، تو یہ شرعی اصول کے خلاف ہے برطانیہ والوں کو سعودیہ کی رؤیت پر اپنے یہاں فیصلہ نہ کرنا چاہئے، آپ پوری قوت کے ساتھ مراکش کی رؤیت کے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کا رواج ڈالیں یہی اقرب إلی الصحۃ ہے۔

المستفتی: حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ

الجواب الصحح
کفیل الرحمٰن

الجواب الصحح
ظفیر الدین

الجواب الصحح
عبد اللہ

مظاہر العلوم سہارنپور کی تائید

جواب صحیح اور قواعد شرعیہ کے مطابق ہے اپنے قریبی ممالک کا اعتبار ہونا چاہئے، جہاں طلوع وغیرہ میں زیادہ تفاوت نہ ہو۔

العبد محمد طاہر عفا اللہ عنہ

العبد: مقصود

جامعہ ڈابھیل کی تائید

احقر جواب بالا سے پورے طور پر متفق ہے۔

العبد: احمد خانپوری عفی عنہ

مفتی اعظم برطانیہ حضرت مولانا مفتی اسمٰعیل صاحب کچھولوی مدظلہ کا فتویٰ

آپ نے جو حالات وواقعات لکھے ہیں، اس کے پیش نظر ہم اہل برطانیہ کے لئے

سعودیہ کی رؤیت ہلال کے اعلان پر عمل کرنا درست نہیں، یکم محرم ۱۴۱۲ھ اور یکم رجب ۱۴۱۲ھ کے سعودیہ کے اعلان سے ثابت ہوگیا کہ ان کا اعلان بداہت کے بھی خلاف ہے کیونکہ دنیا میں ایک ہی سورج اور چاند ہے اور محرم کے اعلان کے وقت ہوائی جہاز میں اور رجب کے چاند کے اعلان کے وقت امریکہ میں سورج گرہن کی تصویر کی گئی، نیز احسن الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ حکومت سعودیہ میں رؤیت ہلال کا فیصلہ مسلک حنفیہ کیخلاف ہونے کے علاوہ بداہت کے خلاف بھی ہوتا ہے اسلئے پاکستان کیلئے حجت نہیں، لہٰذا اہل برطانیہ کیلئے بھی اسے حجت قرار نہیں دیا جائے گا۔

اسمعیل کچھولوی

حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہ، استاذ حدیث دارالعلوم، دیوبند کا فتویٰ

حامدا ومصلیا ومسلما، اما بعد: ضابطۂ شرعی یہ ہے کہ متحد المطلع ملک سے آئی ہوئی چاند کی شرعی شہادت یا خبر مقامی رؤیت ہلال کمیٹی منظور کرلے تو وہ معتبر ہوگی مگر شرط یہ ہے کہ جس ملک سے خبر آئی ہو وہاں رؤیت کا باقاعدہ نظام ہو اور شرعی اصول کے مطابق فیصلہ کیا جاتا ہو، اس اصول سے اگر مراکش میں باقاعدہ رؤیت کا نظام ہے تو وہاں سے آئی ہوئی شہادت یا خبر جب مقامی رؤیت کمیٹی قبول کرلے تو برطانیہ میں واجب العمل ہوگی، دوسرا ضابطہ یہ ہے کہ مشرقی ملک کی خبر یا شہادت مغربی ممالک کیلئے حسب تفصیل حجت ہے مگر سعودیہ کی خبر کے بارے میں بہت سے لوگوں کو گمان یہ ہے کہ وہاں رؤیت پر فیصلہ نہیں ہوتا بلکہ ''نیا چاند'' پیدا ہوتے ہی رؤیت مان لی جاتی ہے، اور اس بدگمانی کیلئے واضح قرائن ہیں اسلئے سعودیہ کی رؤیت کی خبر پر فیصلہ کرنا جائز نہیں، جہاں واقعی رؤیت پر فیصلہ ہوتا ہو اور برطانیہ سے اس کا مطلع متحد ہو یا وہ ملک برطانیہ سے مشرق میں واقع ہوتا ہو اور اس شہادت یا خبر کو مقامی رؤیت ہلال کمیٹی منظور کرلے تو اس کے فیصلہ پر عمل کرنا واجب ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ: سعید احمد عفی عنہ پالنپوری،

خادم: دارالعلوم دیوبند

سعودیہ عربیہ کی رؤیت ہلال کا فیصلہ معتبر یا غیر معتبر

سوال: [۴۷۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دارالعلوم دیوبند، انڈیا کا فتویٰ مظاہر العلوم سہارنپور، انڈیا کی تائید جامعہ ڈابھیل گجرات، انڈیا کی تائید، (اس میں اہل برطانیہ کیلئے سعودی عربیہ کی رؤیت ہلال پر عمل کرنے کو فقہی اصول کیخلاف اور اس کے مقابلہ میں مراکش کی رؤیت کے قبول اور اس پر عمل کرنے کو اقرب إلی الصحۃ کہا گیا ہے) مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہ العالی کا فتویٰ اور مفتی اسماعیل کچھولوی صاحب کا فتویٰ (دونوں فتاویٰ میں اہل برطانیہ کے لئے سعودی عرب کی رؤیت ہلال پر فیصلہ (عمل) کرنے کو ناجائز کہا گیا ہے، ان سب کی نقول اسی سوالنامہ کے ساتھ شامل ہے۔

ہم لوگ اپنے ان اکابر کے فتاویٰ کے پیش نظر رمضان شریف کے روزے کے بارے میں سعودی عرب کی رؤیت کے اعلان اور فیصلہ کو شرعی اصول وضوابط رؤیت کے خلاف ہونے کی بناء پر غیر معتبر سمجھکر اس پر عمل کو ناجائز سمجھتے ہیں، اور اس پر عمل بھی نہیں کرتے مگر دل میں ایک خلجان رہتا ہے کہ جس طرح رمضان کا روزہ رکھنا ارکان اسلام میں سے ایک رکن اور فرض ہے، اسی طرح حج بیت اللہ بھی ارکان اسلام میں سے ایک رکن اور فرض ہے، دونوں میں سے ہر ایک کی صحت اور حفاظت کا اہتمام یکساں طور پر مسلمان پر فرض ہے۔

(۱) سعودی عرب کی رؤیت ہلال غیر معتبر اور شرعی طریقہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے فرض حج کے صحیح ہونے کی کیا تاویل وتوجیہ ہوگی؟

(۲) اپنے وقت کو ضائع کرنا اور اپنے مال کو ضائع کرنا شرعا حرام اور ناجائز ہے، سعودی عرب کی رؤیت ہلال کا اعلان وفیصلہ غیر معتبر اور غیر شرعی ہونے کی وجہ سے نفل حج کو جانا اپنے وقت اور مال کو ضائع کرنا ہے، اور نفل حج کو جانا کوئی مجبوری اور عذر نہیں، اس بنا پر

خود نفل حج کے لئے جانے سے بچنا اور اپنے ہم خیال لوگوں کو نفل حج سے بچنے کی ترغیب وتلقین واجب یا کم از کم افضل وبہتر ہے یا نہیں؟

(۳) رؤیت ہلال کے شرعی اصول وضوابط کی خلاف ورزی کی بناء پر سعودی عرب کی رؤیت کے اعلان وفیصلہ پر رمضان شریف کے روزہ کے بارے میں عمل جائز نہ ہو اور حج فرض یا نفل کے بارے میں اس پر عمل جائز ہو تو دونوں میں فرق کی وجہ کیا ہے؟

(۴) مذکورہ بالا اکابر کے فتاویٰ کے مطابق سعودی عرب کی رؤیت کے فیصلہ اور اعلان پر عمل نہ کرنے والا شخص رمضان شریف میں عمرہ کیلئے وہاں پہنچ گیا اب اسکو وہاں کی رؤیت کے مطابق روزہ کی ابتدا یا عید کرنا درست ہوگا؟ یا اس پر عید کے بعد ایک روزہ کی قضا لازم ہوگی؟

(۵) اقتداء کے صحیح ہونے کیلئے اقتداء کی نیت لازم اور ضروری ہے، مثلاً: میں آج فرض ظہر اس امام کے پیچھے پڑھ رہا ہوں وغیرہ حج اور عمرہ کو جانے والی عورتوں کو اپنے وطن میں نماز باجماعت کا اتفاق نہ ہونے کی بناء پر عموماً اقتداء کے مسائل کا علم نہیں ہوتا، لہٰذا حرمین شریفین کی نماز باجماعت میں کسی عورت نے مذکورہ بالا طور پر اقتداء کی نیت نہیں کی تو کیا اسکی اقتداء صحیح ہوجائیگی؟ یا اس نماز کا اعادہ واجب ہوگا؟ نماز باجماعت کی صف میں کھڑے ہوتے ہی مذکور نیت کو اقتداء کا قائم مقام قرار دیا جاسکتا ہے،؟ اور کیا یہ تأویل مردوں کے حق میں بھی صحیح قرار دی جاسکتی ہے؟ امید ہے کہ ان مذکورہ بالا امور کا مدلل اور تشفی بخش جواب دیکر ممنون ومشکور فرمائیں گے؟

المستفتي: عبداللہ ٹیپل، ڈیوز بری، یوکے

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سوال نامہ میں جتنے گوشے لکھے گئے ہیں، ان سب کا اصل تعلق برطانیہ میں رؤیت ہلال کے حکم سے ہے، برطانیہ میں سعودیہ کی رؤیت کا اعتبار کیا جائے، یا مراکش کا؟ اس سلسلے میں ہم یہاں ہندوستان میں رہ کر کوئی فیصلہ کن بات

لکھنے سے قاصر ہیں، اور برطانیہ کے معتبر اور مقتدا علماء اور مفتیان کرام وہاں کے بارے میں صحیح فیصلہ کرسکتے ہیں، بریں بناء ہم اس بارے میں کوئی حکم شرعی لکھنے سے اپنے آپ کو قاصر سمجھتے ہیں، لہٰذا اس سلسلے میں ہمیں معذور سمجھا جائے، العذر عند کرام الناس مقبول۔

(۲) مقتدی کے لئے امام کے پیچھے اقتداء کے صحیح ہونے کے لئے یہ لازم ہے کہ جو بھی امام نماز پڑھا رہا ہو اس کے پیچھے اقتداء کی نیت کی جائے لیکن اقتداء کی نیت کی صحت کے لئے یہ لازم اور ضروری نہیں ہے، کہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہی امام کی اقتداء کی نیت کی جائے، بلکہ اتنا بھی کافی ہوجاتا ہے، کہ اپنی قیام گاہ سے چلتے وقت جماعت میں شرکت کی نیت کرلی جائے، پھر تکبیر تحریمہ کے وقت امام کی اقتداء کی نیت ذہن میں نہ رہی ہو تب بھی اقتداء درست ہوجاتی ہے اسی طرح مسجد میں آکر جماعت کے انتظار میں بیٹھ جائے پھر جماعت کھڑی ہوجائے تو اقتداء کی نیت ذہن میں نہ رہی ہو بس لوگوں کے ساتھ جماعت میں یونہی شریک ہوجائے تب بھی اقتداء درست ہوجاتی ہے، اور اس طرح کی شرکت اقتداء کی نیت کے قائم مقام ہوجاتی ہے، اور شریک ہونیوالے چاہے مرد ہوں یا عورت سب کیلئے یکساں حکم ہے، لہٰذا حرمین شریفین میں امام کے پیچھے جماعت میں شریک ہونے والی عورتیں جس طرح بھی شریک ہوجائیں محض جماعت میں شرکت کا ارادہ ان کے لئے کافی ہے، لہٰذا سوالنامہ میں جو شبہ ظاہر کیا گیا ہے، اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، بلاشبہ تمام عورتوں کی نماز حرمین شریفین کے امام کے پیچھے درست ہوجائے گی۔

وفي البدائع: خرج من منزله يريد الجماعة، فلما انتهى إلى الإمام كبر ولم تحضره النية جاز. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة كراچی ١/٤١٦، زكريا ٢/٩٣)

ومنهم من قال إذا انتظر تكبير الإمام ثم كبر بعده يصح شروعه فى صلوٰة الإمام، كذا في الفتاویٰ يعني لو وجد منه الانتظار فقط من غير أن تحضره نية الاقتداء عند التكبير يصح الاقتداء ويقوم الانتظار مقام النية وهو حسن. (حلبی کبیر، مکتبہ اشرفیہ دیوبند/۱ ۲۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ رشعبان ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۱۴۹/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۸/۲ھ

سعودیہ کی رؤیت ہندوستان کیلئے معتبر نہیں

سوال: [(الف) ۴۷۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سعودیہ وغیرہ میں جب چاند ہوجائے تو بذریعہ خبر اسی دن ہندوستان میں بھی ماننا چاہئے کیونکہ بخاری کی حدیث اسی پر ناطق ہے، نیز اس سے اتحاد ثابت ہوگا، ہاں پہلے اتنے ذرائع نہ تھے اسلئے ممکن نہ تھا، اب تو ذرائع سبیہ ممکن ہی نہیں بلکہ اسہل ہوگئے ہیں۔

المستفتي: محمد حبیب اللہ، فرخ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سعودیہ کی رؤیت ہندوستان کیلئے معتبر نہیں ہے، بخاری کی کونسی حدیث ہے جس سے سعودیہ کی رؤیت پر ہندوستان میں ماننا لازم ہوتا ہے، تفصیل لکھیں؟ اعتبار ذرائع اور ثبوت کا نہیں ہے بلکہ دوری اور مطلع کا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ رشوال ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۴۸۵/۳۳)

کیا مکہ کی رؤیت ہندوستان میں معتبر ہے؟

سوال: [(ب) ۴۷۱۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان میں جمعہ کو رؤیت ہوئی بعد میں پتا چلا کہ سعودی عرب میں جمعرات کو رؤیت ہوچکی تھی، تو کیا ہندوستان والوں پر ضروری ہوگا کہ وہ سعودی عرب والوں کے ساتھ عید منائیں، اور

پہلا روزہ قضا کریں، نیز ان امور کو بالتفصیل شریعت مطہرہ کی روشنی میں حل فرمائیں۔

(الف) کیا شریعت میں حساب فلکی رؤیت کے باب میں کوئی شرعی ذریعہ نہیں؟

(ب) کیا ہلال رمضان کے لئے کسی ایسے ملک کے اعلان پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، جس کے بارے میں یقین ہو کہ وہاں ’’قواعد شرعیہ‘‘ کے مطابق رؤیت ہلال کا فیصلہ ہوتا ہے، خواہ وہ ملک کتنی ہی دور کیوں نہ ہو؟

(ج) رؤیت ہلال کی پیروی کے لئے کیا ممالک بعیدہ کا اعتبار کیا جائے گا یا اپنے وطن کی رؤیت پر عمل کرنا ہوگا؟

برائے کرم ان چند سوالات کے جوابات میں شرعی رہنمائی فرمائیں کیونکہ ہمارے اپنے علاقے میں چند احباب نے اہل خیر کے نام سے پمفلٹ چھپوا کر لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کیا ہے، جس کے بعد لوگوں میں عجیب قسم کا انتشار پیدا ہوگیا ہے، اور اس پمفلٹ میں ائمۂ مجتہدین اور دیوبندی و بریلوی مکاتب فکر کے کے اکابر کی کتابوں کے حوالے بھی لکھے گئے ہیں ثبوت کے لئے مذکورہ پمفلٹ بھی سوال نامہ کے ساتھ ارسال کیا جارہا ہے، برائے کرم رہبری فرمائیں؟ والسلام

المستفتي: ابواحرار فاروقی

امت میں اختلاف کیوں؟

- سن ہجری کب اور کہاں طے ہوئی؟ اسلام کی بنیاد کہاں سے شروع ہوئی؟
- رمضان اور عیدین سے متعلق تمام مذاہب کے علماء کے فتاویٰ کیا ہیں؟
- حج اور عرفات کا میدان کہاں ہے، اسلام کا مرکز کہاں؟

اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو ایک نظام، نظام شمسی پر متعین کیا ہے، جس سے ساری کائنات کا نظام چلا آرہا ہے، دنیا کے جس حصے پر سورج کی روشنی پڑتی ہے، وہاں دن کہلاتا ہے، اور جس حصے پر سورج کی روشنی نہیں پڑتی وہاں رات کا سماں ہوتا ہے، جبکہ قرآن

پاک کی سورۂ بقرہ: آیت نمبر ۱۸۹/ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ. ترجمہ: لوگ آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے (یہ لوگوں کی عبادت) کے وقتوں اور حج کے موسم کیلئے ہے۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتَابِ اللهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ. (سورہ توبہ: آیت نمبر ۳۶)

ترجمہ: مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ ہے، اسی دن سے جب سے آسمان اور زمین کو پیدا کیا، اب ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ مہینوں اور سال کی گنتی اللہ تعالیٰ نے کسی ایک ملک یا مقام کیلئے نہیں بنایا بلکہ ساری دنیا کیلئے بنایا۔

سورۂ بنی اسرائیل: آیت نمبر ۷۸/ أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ إِلٰى غَسَقِ اللَّيْلِ.

ترجمہ: نماز کو قائم کرو، آفتاب کے ڈھلنے سے لیکر رات کی تاریکی تک۔

زمین کی گردش کے اعتبار سے اس کا زمین کے جس حصے میں سورج کی روشنی کا پڑنا شروع ہوتا ہے، اس مقام کا طلوع آفتاب ہے، لیکن دن چوبیس گھنٹوں کا ایک ہی ہے، ایک مقام یا ملک سے دوسرے مقام میں وقت کی مسافت کا فرق ہو جاتا ہے، جیسا کہ مذکورہ آیت سے معلوم ہوتا ہے، کہ ساری دنیا کے لوگ نہ ایک وقت سحری کر سکتے ہیں نہ افطار کر سکتے ہیں۔

جیسا کہ سورۂ یونس آیت نمبر ۵/ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللهُ ذٰلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الآيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ.

ترجمہ: وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو نورانی بنایا اور اس کے لئے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو، اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں بے فائدہ نہیں پیدا کیں، وہ یہ دلائل ان کو صاف صاف بتلا رہا ہے جو دانش رکھتے ہیں۔

مقامی وقت کے مطابق طلوع آفتاب سے غروب آفتاب رات کی تاریکی میں نماز کو قائم کریں، لیکن مہینوں اور سال کیلئے چاند کی منزلوں سے گنتی کی گئی ہے۔

سورۂ توبہ میں پھر فرمایا: آیت نمبر ۳۷/ **إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ.**

ترجمہ: مہینوں کو آگے پیچھے کر دینا کفر کی زیادتی ہے۔

حدیث: سنن ابوداؤد کتاب العیدین کے احکام ومسائل میں: ابوعمیر بن انس اپنے چچاؤں سے جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تھے بیان کرتے ہیں ایک قافلے والے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے شہادت دی کہ ہم نے کل شام کو ہلال چاند دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام کو حکم دیا کہ اپنے روزے توڑ دیں (کیونکہ اب یہ دن یکم شوال ہو گیا) اور اگلے دن صبح کو عیدگاہ پہنچ جائیں۔ (چونکہ خبر تاخیر سے ملی تھی) مذکورہ حدیث صحابی حسن بصریؒ (مشہور تابعی) سے بھی مروی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام مالکؒ: رؤیت واحدہ سے متفق ہیں۔

(۱) حضرت گنگوہیؒ کا فتویٰ: بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا کاندھلویؒ کے استاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے الکوکب الدری شرح ترمذی میں فتویٰ جاری کیا ہے کہ: ہندوستان میں چاند جمعہ کی رات نظر آیا اور مکہ معظّمہ میں جمعرات کی رات چاند نظر آیا اور ہندوستان والوں کو پتہ نہ چل سکا کہ مکہ میں رمضان شروع ہو چکا ہے، تو جب بھی ان کو اس بات کا پتہ چلے ان کے لئے ضروری ہوگا کہ عید مکہ والوں کے ساتھ منائیں اور پہلا روزہ قضا کریں۔ (الکوکب الدری شرح ترمذی/ ۳۳۶)

(۲) امیر تبلیغی جماعت حضرت شیخ زکریاؒ: حضرت شیخ الحدیث اپنی کتاب میں لکھتے ہیں سعودی عرب میں رمضان، عید اور حج کے چاند کا اعلان باقاعدہ رؤیت شرعی کی بناء پر ہوتا ہے، اور سعودی کا طریقہ عین شرعی قرار دیتے ہیں، اور شبہ کی گنجائش نہیں اور یہ صحیح طریقہ ہے۔

(۳) اعلیٰ حضرت مولانا **احمد رضاخان صاحب بریلوی کا فتویٰ**:
ان کے نزدیک صحیح معتمد یہی ہے کہ ہلال رمضان وعید کے اختلاف مطالع کا کچھ اعتبار نہیں اگر مشرق میں رؤیت ہوتو مغرب پر حجت ہے اور اگر مغرب میں ہوتو مشرق پر۔ ثبوت شرعی ہو (در مختار) اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے فتاوی رضویہ جلد ۱۸ میں واضح ثبوت ہے کہ مکہ معظّمہ کی شرعی خبر ہندوستان امریکہ، یورپ یا کہیں بھی پہنچے مکہ کی رؤیت پر عمل کرنا ضروری ہے۔
منجانب: اہل خیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہ کے نزدیک اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں، لہٰذا ان کے نزدیک بلاد بعیدہ کی رؤیت طریق موجب سے حاصل ہوجائے تو اس پر عمل کرنا لازم ہوجاتا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اختلاف مطالع کا اعتبار ہے لہٰذا بلاد بعیدہ کی خبر طریق موجب سے حاصل ہونے کے باوجود اس کا اعتبار نہیں ، یہ ائمہ کے درمیان کا اختلاف ہے، اور حنفیہ کی کتابوں میں دوروایتیں ہیں ایک ظاہر الروایت جو امام ابوحنیفہ، امام مالک ، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہ کی طرف منسوب ہے، اس روایت کے اعتبار سے مشرق کی خبر مغرب میں اور مغرب کی خبر مشرق میں طریق موجب سے حاصل ہوجائے ، تو اس پر عمل کرنا لازم ہوجاتا ہے، اسی روایت کو حضرت گنگوہیؒ نے الکوکب الدری ۱/۲۴۶ نسخۂ قدیم میں واضح فرمایا ہے۔

حنفیہ کی دوسری روایت یہی ہے، کہ اختلاف مطالع کا اعتبار ہے، لہٰذا بلاد بعیدہ کی خبر طریق موجب سے حاصل ہونے کے باوجود اس پر عمل کرنا درست نہیں ہوگا۔

اب اس تفصیل کے بعد حضرت سید الکونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات پر غور کرنا ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ارشاد فرمایا ہے، اس سلسلے میں چند روایات یہاں نقل کردی جاتی ہیں، پھر اس کے بعد دونوں قولوں میں سے روایات کا مصداق کیا ہے واضح کیا جائے گا،

اس سلسلے میں ہم آپ کے سامنے چار روایتیں پیش کرتے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

عن أبی هريرة يقول قال النبی صلی اللّٰه عليه وسلم أو قال أبو القاسم صلی اللّٰه عليه وسلم صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته فإن أغمی عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين .(الصحيح البخاری ۱/۲۵۶، رقم: ۱۸۷۱، ف: ۱۹۰۸)

عن عبد اللّٰه بن عمر قال: قال رسول اللّٰه عليه وسلم : "الشهر هكذا وهكذا وهكذا" ثلاث مرات بيده ثم قبض فی الثالثة إبهامه ، فإن غم عليكم فأتموا ثلاثين .(السنن الكبری للبيهقی ۶/۱۹۶، رقم: ۸۰۲۱)

عن ابن عمر عن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم أنه قال: إنا أمة أمية لانكتب ولا نحسب الشهر هكذا وهكذا يعنی مرة تسعا وعشرين ومرة ثلاثين .(الصحيح البخاری ۱/۲۵۶، رقم: ۱۸۷۵)

عن محمد بن سعد عن أبيه عن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم قال: الشهر هكذا وهكذا عشرًا وعشراً وتسعا مرة .(الصحيح للمسلم ۱/۳۴۸، النسخة الهنديه)

اب ان روایات کی عبارت پر غور کرنے کی ضرورت ہے، ان ساری روایات پر غور کرنے کے بعد یہ بات صاف واضح ہوجاتی ہے، کہ آپ ﷺ نے دو طرح سے ارشاد فرمایا!

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " **صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته**" چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو، یہ حدیث شریف مطلق ہے اسکا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے، کہ ہر ایک قوم اپنے علاقہ کی رؤیت کی مکلّف ہے اور دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پوری امت ایک رؤیت پر عمل کرے گی تو اس روایت کے اندر دو پہلو ہمارے سامنے آئے۔

ایک پہلو یہ ہے کہ ہر قوم اپنے اپنے خطہ اور علاقہ کی رؤیت کی مکلّف ہے جیسا کہ امام شافعیؒ نے سمجھا ہے، اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ دور دراز اور بلاد بعیدہ کی رؤیت کی بھی ہر قوم مکلّف ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل نے سمجھا ہے، اسی کو حضرت گنگوہیؒ

نے ''الکوکب الدری'' میں ذکر کیا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان دونوں پہلوؤں میں سے کسی ایک پر عمل کیسے ہو، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے ارشادات کو سامنے رکھ کر سمجھنا ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس ارشاد میں کیا ہے؟ تو اس بارے میں مؤخر الذکر تینوں روایتوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں روایات میں صاف الفاظ کے ساتھ یہ ارشاد فرمایا ہے: **الشهر هكذا وهكذا وهكذا ثلاث مرات بيده ثم قبض في الثالثة إبهامه فإن غم عليكم فأتموا ثلاثين**، اور بعض روایات میں دو مرتبہ عشرۃ کہا اور ایک مرتبہ تسع فرمایا ہے، سب کا حاصل یہ نکلا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین کر کے فرمایا کہ مہینہ انتیس یا تیس ہی دن کا ہوتا ہے، اٹھائیس یا اکتیس دن کا کوئی مہینہ نہیں ہوتا ہے، لہٰذا بلاد بعیدہ کی رؤیت کا اعتبار اس شرط کے ساتھ کیا جائے گا کہ آپ کے یہاں کسی بھی زمانہ میں ان بلاد بعیدہ کی رؤیت کا اعتبار کرنے کی صورت میں مہینہ اٹھائیس یا اکتیس کا ہونا لازم نہ آتا ہو، لہٰذا حنفیہ کی کتابوں میں ظاہر الروایہ جو نقل کیا گیا ہے جسمیں بلاد بعیدہ کی خبر کو معتبر مانا گیا ہے، اس کا مطلب یہی ہے، کہ اتنی دور کی بلاد بعیدہ کی رؤیت معتبر ہوگی کہ وہاں کی رؤیت تسلیم کرنے کی صورت میں آپ کے یہاں کسی بھی زمانہ میں کبھی بھی (مہینہ) اٹھائیس یا اکتیس کا ہونا لازم نہ آتا ہو اور سعودیہ عربیہ مکۃ المکرّمہ کی رؤیت ہندوستان میں تسلیم کرنے کی صورت میں ہندوستان کا مہینہ اٹھائیس یا اکتیس دن کا ہونا لازم آتا ہے، اس لئے سعودی عرب کی رؤیت دونوں قسم کی روایتوں کے پیش نظر ہندوستان میں معتبر نہیں ہوگی، مگر آسام ومنی پور کی رؤیت پاکستان اور پشاور کے لئے، اسی طرح بنگلا دیش کی رؤیت کراچی اور سندھ اور بلوچستان کے لئے یا اس کے برعکس صوبۂ سندھ کی رؤیت پورے ہندوستان کے لئے معتبر ہوگی، ایسا ہی جنوب شمال میں کشمیر کی رؤیت آندھرا اور تامل ناڈ اور بنگال وآسام کے لئے اسی طرح اس کے برعکس مشرق ہند اور جنوب ہند کی رؤیت شمال ہند کے لئے معتبر ہوگی اور یہ بھی ایک دوسرے کیلئے بلاد بعیدہ کی رؤیتیں ہیں مگر ان میں سے کسی ایک کی رؤیت تسلیم

کرنے کی صورت میں دوسری جگہ مہینہ اٹھائیس یا اکتیس دن کا ہونا لازم نہیں آتا یہی حضرت سید الکونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساری روایات کا حاصل ہے، اور حضرات فقہاء کی ظاہر الروایہ میں جو مشرق کی رؤیت مغرب کے لئے اور مغرب کی مشرق کے لئے معتبر فرمایا گیا ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے، اور جن بزرگوں نے مکۃ المکرّمہ کی رؤیت کو ہندوستان والوں کے لئے لازم قرار دیا ہے، انہوں نے مشرق ومغرب کا مطلب واضح کرنے میں جو بات لکھی ہے، وہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے، لہٰذا جو تفصیل آپ کے سامنے لکھی گئی ہے، یہی صحیح اور معتبر ہے، اور اسی کو صاحب بدائع اور علامہ شامیؒ نے بھی نقل فرمایا ہے، علامہ زیلعیؒ کے حوالہ سے علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے ''العرف الشذی'' میں بہت صاف الفاظ کے ساتھ اس مسئلہ کو واضح فرمایا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے ارشادات کی مراد اسی کو بتلایا ہے، جو ہم نے لکھا ہے، عبارت ملاحظہ فرمایئے:

هـذا إذا كـانـت المسافة بين البلدين قريبة لا تختلف فيها المطالع ، فـأمـا إذا كـانـت بـعيدة فلا يلزم أحد البلدين حكم الآخر؛ لأن مطالع البلاد عـنـد الـمسـافة الفاحشة تختلف فيعتبر فى أهل كل بلد مطالع بلدهم دون البلد الآخر .(بدائع الصنائع ۲/ ۲۲٤ - ۲۲٥، شامی، زکریا ۳/ ۳٦٤)

وقال الزيلعى شارح الكنز إن عدم عبرة اختلاف المطالع إنما هو فى البلاد المتقاربة لا البلاد النائية وقال كك فى تجريد القدوري وقال به الجرجاني ، أقول : لابد من تسليم قول الزيلعى وإلا فيلزم وقوع العيد يوم السابع والعشرين أو الثامن والعشرين أو يوم الحادى والثلاثين أو الثاني والثلاثين فإن هلال بلاد قسطنطنية ربما يتقدم على هلالنا بيومين فإذا صمنا على هلالنا ثم بلغنا رؤية هلال بلاد قسطنطنية يلزم تقديم العيد أو يلزم تأخير العيد إذا صام رجل من بلاد قسطنطنية ثم جاء نا قبل العيد ومسألة هذا الرجل لم أجدها فى كتبنا وظنى أنه يمشى على رؤية من يتعيد ذلك

الرجل فيهم وقست هذه المسألة على ما فى كتب الشافعية من صلى الظهر ثم بلغ فى الفور بموضع لم يدخل فيه وقت الظهر إلى الآن أنه يصلى معهم أيضا والله أعلم وعلمه أتم، وكنت قطعت بما قال الزيلعي ثم رأيت فى قواعد ابن رشد إجماعا على اعتبار اختلاف المطالع فى البلد ان النائية، وأما تحديد القرب والنائى فمحمول إلى المبتلىٰ به ليس له حد معين وذكر الشافعية فى التحديد شيئاً .(العرف الشذى مع الترمذى، النسخة الهندية ١/١٤٩)

اور مذکورہ پمفلٹ میں یہ جو اصول قائم کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو ایک نظام شمسی پر قائم کیا ہے جس سے سارے کائنات کا نظام چل رہا ہے، ان کا یہ دعویٰ درست نہیں ہے، اس لئے کہ صوم وافطار اور حج جیسی اہم ترین عبادت کا نظام، نظام قمری پر موقوف ہے، نظام شمسی پر نہیں ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے ” يسئلونك عن الأهلة، قل هى مواقيت للناس والحج ، الآية (سورة بقرة آيت:١٨٩) میں واضح فرمایا ہے، کہ نظام قمری ہی پر اسلام کے اکثر امور کا مدار ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۲۳۰۱/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۱۲/۷ھ

نینی تال کے پہاڑوں کے اوپر سے دیکھے ہوئے چاند کا اعتبار

سوال: [۴۷۱۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کہ ” نینی تال“ کے پہاڑ کی چوٹی کے اوپر سے دیکھا ہوا چاند نیچے والوں کیلئے معتبر ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نینی تال کے پہاڑ کی چوٹی کے اوپر سے دیکھا ہوا چاند نیچے والوں کے لئے معتبر ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت/۵۲۴، کتاب المسائل ۲/۱۲۵، جدید فقہی مسائل ۲/۲۴)

فأما إذ كانت متغيمة أوجاء من خارج المصر أوكان فى موضع مرتفع فإنه يقبل عندنا، وقوله عندنا يدل على أنه قول ائمتنا الثلاثة وقد جزم به فى المحيط. (شامی، کتاب الصوم ، زکریا ۳/ ۳۵۷، کراچی ۲/ ۳۸۸)

فإذا جاء من خارج المصر أو جاء من أعلى الأماكن فى مصر ذكر الطحاوى أنه تقبل شهادته -- وذكر الكرخي أنه تقبل وفي الأقضية صحح رواية الطحاوى واعتمد عليها. (تاتارخانية زكريا ۳/ ۳۵۹، رقم: ۴۵۶۳)

وأما إذاجاء من خارج المصر أوجاء من أعلى الأماكن فى مصر ذكر الطحاوى أنه تقبل شهادته . (مجمع الأنهر ، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۵۰)

ذكر الطحاوى أنه تقبل شهادة الواحد إذا جاء من خارج المصر وكذا إذا كان على مكان مرتفع. (هنديه قديم، زكريا ۱/ ۱۹۸، هنديه جديد اتحاد ۱/ ۲۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۶/۲ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۵۵۲/۴۰)

ہیلی کاپٹر اور ہوائی جہاز سے دیکھے ہوئے چاند کا اعتبار

سوال: [۴۷۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا ہیلی کاپٹر اور ہوائی جہاز سے دیکھا ہوا چاند زمین والوں کے لئے معتبر ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ہوائی جہاز یا ہیلی کاپٹر سے معتبر اور ثقہ افراد بادلوں سے اتنی اونچائی سے چاند دیکھ کر آئیں جتنی اونچائی سے مطلع میں اختلاف پیدا نہ ہو تو شرعاً ان کی یہ رؤیت زمین والوں کیلئے معتبر ہوگی۔ (مستفاد: انوار رحمت/ ۵۲۴، کتاب المسائل ۲/ ۱۲۵، جدید فقہی مسائل ۲/ ۲۴)

وأما إذا جاء من خارج المصر أو جاء من أعلى الأماكن فى مصر ذكر الطحاوى إنه تقبل شهادته. (مجمع الأنهر، مكتبه فقيه الأمة ١/ ٣٥٠)

فإذا جاء من خارج المصر أو جاء من أعلى الأماكن فى مصر ذكر الطحاوى أنه تقبل شهادته -- وذكر الكرخى أنه تقبل وفى الأقضية صحح رواية الطحاوى واعتمد عليها. (تاتارخانية زكريا ٣/ ٣٥٩، رقم: ٤٥٦٣)

فأما إذ كانت متغيمة أو جاء من خارج المصر أو كان في موضع مرتفع فإنه يقبل عندنا وقوله عندنا يدل على أنه قول ائمتنا الثلاثة وقد جزم به فى المحيط. (شامي زكريا ٣/ ٣٥٧، شامى، كراچى ٢/ ٣٨٨)

ذكر الطحاوى أنه تقبل شهادة الواحد إذا جاء من خارج المصر وكذا إذا كان على مكان مرتفع. (هنديه قديم، زكريا ١/ ١٩٨، هنديه جديد اتحاد ١/ ٢٦٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۶/۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۵۵۳/۴۰)

چشمہ لگا کر چاند دیکھنا

سوال: [۴۷۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جن کی دور کی نگاہیں کمزور ہوتی ہیں، اگر وہ دوربین چشمہ لگا کر چاند دیکھیں تو شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ تشفی بخش جواب دیں کرم ہوگا؟

المستفتي: اختر الزماں، کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جائز اور معتبر ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ

۲/۱۱٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رصفر ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۴۹/۲۳)

دوربین وخوردبین کی رؤیت کا حکم

سوال: [۴۷۱٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایسی چھوٹی دوربین جو عام طور پر زمین پر سروے میں استعمال ہوتی ہو، اور جس سے روئے زمین پر ایک میل بھی صاف نظر نہیں آ سکتا، کیا ایسی دوربین سے چاند دیکھنا معتبر نہیں ہے، وہ دوربین ایسی نہیں جو کئی میٹر لمبی اور خاص چوڑی ہوتی ہے، جو امریکہ وغیرہ کی رسدگاہوں میں نصب ہوتی ہے، اسلئے چھوٹی دوربین جس سے افق کے نیچے کی چیزیں ہرگز نظر نہیں آ سکتیں اس کے ذریعہ چاند دیکھے جانے کا حکم کیا ہے؟

المستفتي: اختر الزماں، کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقہاء نے خوردبین اور دوربین کو عینک کا درجہ دیا ہے، لہٰذا اس سے رؤیت معتبر ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۱۱۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رصفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۴۹/۲۳)

پاکستانی رؤیت ہلال کے شرعی اعلان پر ہندوستان میں عمل

سوال: [۴۷۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پاکستان کراچی میں رؤیت ہلال کمیٹی ہے اور وہ باقاعدہ شرعی ثبوت حاصل کرنے کے بعد ریڈیو سے رؤیت ہلال کے ثبوت کا اعلان کرتے ہیں، تو کیا اس اعلان پر ہندوستان والوں کو عمل کرنا

ضروری ہے یا نہیں؟ اور روزہ وافطار کرسکتے ہیں یا نہیں؟ جواب سے نوازیں عنداللہ ماجور ہوں

المستفتي: محمد فاروق غفرلہ، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جی ہاں مذکورہ شرائط کے ساتھ پاکستان یا اتنی دور سے اعلان ہو کہ اس کے تسلیم کرنے سے ہندوستان میں مہینہ کبھی ۲۸ یا ۳۱ دن کا نہ ہوتا ہوتو اس پر عمل کرنا واجب ہے، خلاف کرنا معصیت ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۹۹، محمودیہ، جدید ڈابھیل ۱۰/ ۶۹، قدیم ۳/ ۱۲۱، و۳/ ۳۰۹، نظام الفتاویٰ/ ۲۳)

نیز اعلان کرنے والا شخص باشرع یا مسلم ہونا شرط نہیں ہے۔ (مستفاد: محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۰/ ۸۲، قدیم ۳/ ۱۳۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ رمضان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۰۳)

ریڈیو کے ذریعے رؤیت ہلال کی خبر کا شرعی حکم

سوال: [۴۷۱۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان اور عید کے موقع پر ریڈیو سے جو خبریں اس طرح نشر ہوتی ہیں، کہ یہاں چاند دیکھا گیا ہے، فلاں جگہ چاند دیکھا گیا ہے، یا کل رمضان ہے یا عید ہے ایسی خبروں کا شرعاً کیا حکم ہے محض ان خبروں سے روزہ رکھنا یا عید کرنا درست ہے یا نہیں اس بارے میں رمضان وعید دونوں کا حکم یکساں ہے یا مختلف اگر ریڈیو کی خبروں سے رمضان کے ثبوت کا ظن غالب ہوجائے تو رزوہ رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: محمد فاروق، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی خبروں پر صدق کا ظن غالب ہوجائے تو شرعاً

معتبر مان کر روزہ رکھنا اور روزہ کا اعلان کرنا درست ہے، عید وافطار کیلئے معتبر نہیں۔ (مستفاد: محمودیہ، جدید ڈابھیل ۱۰/ ۹۱، قدیم ۳/ ۱۲۹، جدید ڈابھیل ۱۰/ ۶۹، قدیم ۳/ ۱۲۱)

والظاهر أنه يلزم أهل القرىٰ الصوم بسماع المدافع أو رؤية القناديل من المصر لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كما صرحوا به واحتمال كون ذلک لغير رمضان بعيد إذ لايفعل مثل ذلک عادة في ليلة الشک إلا لثبوت رمضان الخ. (شامی، کتاب الصوم، قبیل مطلب لا عبرة بقول الموقتين زکریا ۳/ ۳۵۴، کراچی ۲/ ۳۸۶، ۲/ ۹۹)

اور عید وافطار کیلئے یہ شرط ہے کہ رؤیت ہلال کا طریق موجب سے ثابت ہونے کے بعد اس طرح اعلان کرے کہ میں فلاں ذمہ دار ہوں شرعی طور پر مجھے رؤیت کا ثبوت مل گیا ہے، یا دوسرے آدمی سے اعلان کروائے وہ یہ اعلان کرے کہ فلاں ذمہ دار کی طرف سے بول رہا ہوں اور میں فلاں ہوں کہ فلاں ذمہ دار کو رؤیت کا شرعی ثبوت مل گیا ہے، لہٰذا فلاں دن نماز عید ادا کی جائے، تو معتبر مان کر افطار جائز ہے ورنہ نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۹۹، محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۰/ ۶۹، قدیم ۳/ ۱۲۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ رمضان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۰۳)

ریڈیو میں دلی سے اعلان

سوال: [۴۷۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان المبارک یا عید الفطر وغیرہ کے موقع پر اگر چاند نظر نہ آئے تو کیا ریڈیو میں دلی سے عبد اللہ بخاری اور ممبئی کلکتہ وغیرہ سے خبریں سن کر روزہ رکھ لینا یا عید کر لینا ہمارے لئے ضروری ہے اور کیا مطلع کے صاف ہونے اور نہ ہونے سے مسئلہ پر کوئی اثر پڑے گا؟

المستفتي: عبد القادر، مدرسہ قاسمیہ، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو اعلان ہوتا ہے وہ عام طور پر تحقیق کے بعد ہی ہوتا ہے، دلی میں تین جگہ سے اعلان ہوتا ہے۔

(۱) امارت شرعیہ ہند (دفتر جمعیۃ علماء ہند) یہاں باضابطہ ہلال کمیٹی قائم ہے۔

(۲) امام جامع مسجد دلی جو اس وقت مولانا احمد بخاری ہیں۔

(۳) مفتی مکرم فتحپوری، اگر ان تینوں جگہوں میں سے کسی ایک کی طرف سے اعلان ہو جائے تو جس علاقہ کے لوگ اسکے حلقہ اثر میں رہتے ہیں، ان کیلئے یہ اعلان صوم وافطار کیلئے کافی ہے، اگر مولانا احمد بخاری کے اعلان کے زیر اثر ہیں تو انکے اعلان کے مطابق عمل کریں اور اگر مفتی مکرم کے اعلان کے زیر اثر ہیں تو ان کے اعلان کے مطابق عمل کریں اور اگر امارت شرعیہ کے زیر اثر ہیں، تو ان کے اعلان کے مطابق عمل کرنا چاہیں تو عمل کریں۔ (مستفاد: جدید آلات اور چاند کا ثبوت) اور مطلع صاف ہونے کی صورت میں دلی کلکتہ ممبئی وغیرہ میں ثبوت رؤیت کا جو فیصلہ ہوا ہے، اس فیصلہ کی اطلاع اس کے حلقہ اثر میں طریق موجب کے ساتھ پہونچنا لازم ہے، یعنی اتنے اخبار یا اتنے ریڈیو یا اتنے ٹیلیفون یا فیکس یا معتبر آدمی کے ذریعہ سے پہونچ جائے تو اس اطلاع پر عمل کرنا حلقہ اثر کے لوگوں پر لازم ہو جاتا ہے ،لہٰذا اگر آپ کا علاقہ دلی کلکتہ یا ممبئی کے حلقہ کے اثر میں ہے تو آپ کے یہاں اس طریقہ سے عمل کیا جا سکتا ہے، جو اوپر لکھا جا چکا۔ (مستفاد: جدید آلات اور چاند کا ثبوت) جواہر الفقہ، جدید ۳/ ۴۷۷، ۴۷۸، قدیم ۱/ ۳۹۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۳/۵/۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۲۶۸۰)

ریڈیو اسٹیشن کے اعلان پر اعلان کرنا

سوال: [۴۷۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ریڈیو

اسٹیشن پر مقرر ناشر اگر یوں خبر دے کہ فلاں جگہ فلاں شخص نے جو کہ قاضی شہر ہیں، یا رؤیت ہلال کمیٹی کے صدر ہیں، رؤیت ہلال کا اور عید کا اعلان کر دیا ہے، کیا مذکورہ بالا خبر کی بناء پر دوسری جگہوں پر صوم وافطار کا اعلان کرنا صحیح ہے، اور ناشر مذکور کی نمائندگی کی بھی تصریح نہیں ہے، اگر چہ رؤیت ہلال کے سلسلہ میں کتاب بھی تصنیف کی جا چکی ہیں، لیکن ہم مختصر اور واضح فتویٰ چاہتے ہیں، جس پر بغیر غور وفکر کئے ہوئے عمل کرنا آسان ہو اور باہم اختلاف نہ ہو کیونکہ مذکورہ کتب کی عبارات ومطالب کی افہام وتفہیم میں بسا اوقات علماء کے مابین اختلاف ہو جاتا ہے، جو عوام کی پریشانی کا باعث بن جاتا ہے۔

المستفتي: منصب علی قاسمی، ں انڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دو شرطوں کیساتھ یہ خبر واعلان معتبر ہوگا۔(۱) ذمہ دار کی طرف سے جانا پہچانا نمائندہ ہو۔

(۲) اعلان کرانے والا باشرع ہو، اعلان میں ناشر کے الفاظ وآواز شرط نہیں ہے جبکہ یہ یقین ہو جائے کہ فلاں ذمہ دار کی طرف سے یہ اعلان ہے، بصورت دیگر اعلان افطار معتبر نہ ہوگا۔(مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۹۹ محمودیہ قدیم، ڈابھیل ۱۰/ ۶۹، ۳۰/ ۱۲۱ یا ۱۲۹)

نیز اعلان کرنے والے کا باشرع یا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے ۔(محمودیہ ۳/ ۱۳۴، قدیم جدید ڈابھیل ۱۰/ ۸۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ رمضان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۰۲)

ریڈیو کی خبر کا اعتبار ہے یا نہیں

سوال: [۴۷۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رؤیت

ہلال کے سلسلہ میں ریڈیو کی خبر معتبر ہے یا نہیں کیا ریڈیو کی خبر کو مدار بنا کر دوسری جگہ پر اعلان صوم وافطار کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: منصب علی قاسمی، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر ریڈیو کی خبر پر صدق کا ظن غالب ہو جائے تو اتنی دور تک دوسری جگہوں پر اعلان صوم کیا جا سکتا ہے، کہ اس کے تسلیم کرنے سے مہینہ کبھی ۲۸ یا ۳۱ کا نہ ہوتا ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ، جدید ڈابھیل ۹۱/۱۰، قدیم ۱۲۹/۳، قدیم ۱۲۱/۳، جدید ڈابھیل ۶۹/۱۰)

والظاهر أنه يلزم أهل القرىٰ الصوم بسماع المدافع أو رؤيته القناديل من المصر لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كماصرحوا به واحتمال كون ذلك بغير رمضان بعيد إذ لايفعل مثل ذلك عادة فى ليلة الشك إلا لثبوت رمضان الخ. (شامی، کتاب الصوم، قبیل مطلب لا عبرة بقول الموقتين زكريا ٣/٣٥٤، كراچی ٢/٣٨٦، ٢/٩٩)

اور اعلان افطار وعید کیلئے شرط یہ ہے کہ باشرع حدود شرع سے واقف حاکم مسلم یا ہلال کمیٹی کے پاس رؤیت ہلال کا ثبوت شرعی ہو جانے کے بعد ریڈیو پر اس طرح خود اعلان کرے یا دوسرے سے کرائے کہ میں فلاں ذمہ دار ہوں یا فلاں ذمہ دار کی طرف سے ہوں اور یہ اعلان کر رہا ہوں کہ رؤیت کا شرعی ثبوت مجھکو یا فلاں ذمہ دار کو حاصل ہو چکا ہے، لھذا فلاں دن عید ہے اور یہ اعلان اتنی دور تک قابل تسلیم ہوگا کہ اسکے تسلیم کرنے سے وہاں مہینہ ۲۸ یا ۳۱ کا نہ ہوتا ہو، لہٰذا اہل یوپی کیلئے پاکستان وبنگلہ دیش وبرما لنکا وغیرہ کا اعلان معتبر ہوگا الخ۔ (مستفاد: محمودیہ جدید ڈابھیل ۶۹/۱۰، قدیم ۱۲۱/۳، امداد الفتاویٰ ۹۹/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍رمضان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۰۲/۲۴)

تار، ٹیلفون اور ریڈیو کی خبر کا حکم

سوال: [۴۷۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رؤیت ہلال کے متعلق چاند کے ہونے اور نہ ہونے کی جو خبر ریڈیو کے ذریعہ نشر کی جاتی ہے، وہ شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کن شرائط کیساتھ اور نہیں ہے تو کیوں؟ کبھی کبھی خبر اس طرح نشر کی جاتی ہے کہ امام صاحب نے دہلی میں چاند کے ہونے کا اعلان کردیا یا دہلی میں کل روزہ ہے یا رؤیت ہلال ہوجانے کی وجہ سے کل دہلی میں عید ہے، اس طرح کبھی خبر پاکستان وبمبئی وبہار سے نشر کی جاتی ہے، واضح رہے کہ ریڈیو اسٹیشن سے کبھی مفتی یا عالم صاحب کے نام کے ساتھ خبر نشر کی جاتی ہے، اور کبھی بغیر اسم کی صراحت کے، ایسے وقت میں جب مختلف مقامات سے خبریں آرہی ہوں اور ہمارے شہر میں رؤیت نہ ہوئی ہو اور نہ ہی اطراف میں کوئی عینی شاہد ہے تو کیا یہاں کے ذمہ داران مدرسہ ان نشریات کو معتبر جان کر اپنے مدرسہ کی جانب سے اعلان کرادیں، اور قیاس بھی کہتا ہے کہ جب شرق وغرب بہار میں چاند ہوگیا تو درمیان میں کیا مانع، غبار، دھواں، بدلی کی وجہ سے نظر نہیں آیا ہوگا، البتہ رؤیت ہوگئی ہے، ورنہ کیسے فوراً دہلی، ممبئی، لکھنؤ سے رابطہ قائم کیا جائے، اور اگر رابطہ قائم ہو بھی جائے تب بھی ٹیلیفون کی سماعت خود ہی ایک مسئلہ ہے، ایسے موقع پر مدرسہ میں لوگوں کا ازدحام ہوتا ہے، کیا کیا جائے؟

المستفتي: محمد زید، سنبھلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہلال رمضان المبارک کیلئے شہادت ضروری نہیں ہے، محض خبر کافی ہے اس لئے اگر ریڈیو، ٹیلیفون اور تار وغیرہ سے خبریں آجائیں اور ایسی خبروں سے صدق کا ظن غالب ہوجائے، تو ان کو معتبر مان کر روزہ رکھ لینا ذمہ داران کا اپنے حلقہ میں اس کا اعلان کردینا شرعا درست ہوگا، نیز اتنی دور تک کی خبروں پر عمل کیا جاسکتا ہے، کہ وہاں کی رؤیت کو تسلیم کرنے کی وجہ سے آپ کے یہاں مہینہ ۲۸ یا ۳۱ دن کا نہ ہوتا ہو، جس

میں پاکستان ہندوستان، بنگلہ دیش، برما شامل ہیں، سعودیہ وغیرہ کی خبر معتبر نہ ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ، جدید ڈابھیل ۱۰/ ۹۱، قدیم ۳/ ۱۲۹، قدیم ۳/ ۱۲۱، جدید ڈابھیل ۱۰/ ۶۹)

والظاهر أنه يلزم أهل القرىٰ الصوم بسماع المدافع أو رؤيته القناديل من المصر لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كماصرحوا به واحتمال كون ذلك بغير رمضان بعيد إذ لايفعل مثل ذلك عادة فى ليلة الشك إلا لثبوت رمضان الخ. (شامی، كتاب الصوم، قبيل مطلب لا عبرة بقول الموقتين زكريا ۳/ ۳۵٤، كراچی ۲/ ۳۸٦، ۲/ ۹۹)

اور ہلال عید الفطر واضحیٰ کے لئے طریق موجب سے ثبوت لازم ہے یعنی رؤیت کی شرعی شہادت یا "**شهادة على الشهادة بالرؤية**" یا شہادت علی حکم حاکم یا استفاضہ سے ثابت ہو اس کے بغیر معتبر نہیں، اسلئے تار یا ٹیلیفون کی خبریں یہاں بالکل معتبر نہ ہوں گی اور ریڈیو کی خبر اس شرط کے ساتھ معتبر ہوسکتی ہے، کہ حاکم مسلم یا رؤیت ہلال کمیٹی جس کے افراد حدود شرع سے واقف متبع شرع ہوں، ثبوت شرعی کے بعد ریڈیو پر اس طرح اعلان کرے، یا کرائے، کہ میں فلاں ہوں، فلاں ذمہ دار یا فلاں کمیٹی کی طرف سے اعلان کررہا ہوں، کہ رؤیت ہلال کا شرعی ثبوت ہم کو مل گیا ہے فلاں دن نماز عید ادا کی جائے گی، یہ اعلان اتنی دور تک معتبر ہوگا، کہ اس کے تسلیم کرنے سے آپ کے یہاں مہینہ ۲۸ یا ۳۱ کا کبھی نہ ہوتا ہو، لہٰذا اہل یوپی کیلئے بصورت دیگر ریڈیو کا اعلان معتبر نہ ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۹۹، محمودیہ قدیم ۳/ ۱۲۱، جدید ڈابھیل ۱۰/ ۶۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ رمضان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۹۳/۲۴)

آبزرویٹری کی پیشن گوئی سے رؤیت ہلال کے ثبوت کا حکم

سوال: [۴۷۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یورپ اور برطانیہ میں کچھ عوام کے علاوہ ہم مسلک علماء کرام کی ایک مختصر سی جماعت

ہے جنکے عبادات کے سلسلہ میں محکمہ موسمیات آبزرویڑی کی نیومون اور چاند کی پیدائش کے متعلق ہمارے اسلاف امت کے عقائد کیخلاف حسب ذیل لکھے ہوئے کچھ عقائد ونظریات ہیں

عقیدہ: (۱) آبزرویڑی کی پیشن گوئی اوران کے حسابات قطعی اوراجماعی ہونیکی وجہ سے ثبوت ہلال رمضان وعیدین وغیرہ میں اسکے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔

عقیدہ: (۲) آبزرویڑی (گرین وچ والوں) کی پیشن گوئی کیخلاف رؤیت وثبوت ہلال کے متعلق امکان رؤیت سے پہلے جو گواہی چاند دیکھے جانے کی ہوگی، وہ بلا تردد رد کردی جائے گی۔

عقیدہ: (۳) امکان رؤیت بھی وہ قابل اعتبار ہوگی جوآبزرویڑی والے بتلائیں گے؟

عقیدہ: (۴) چاند دیکھے جانے کی شہادت اور گواہی بھی وہی قابل اعتبار ہوگی جو (نیو مون کے حساب کے مطابق) امکان رؤیت کے بعد ہوگی وغیرہ- ماحصل اور خلاصہ یہ کہ ان کے یہاں عقائد کے اعتبار سے حتمی طور پر سائنسی تحقیقات جدیدہ (انسانوں کے ہاتھوں بنائے ہوئے) مشینی آلات اور فلکیاتی حسابی پیشن گوئی (نیومون) کوقطعی اور اجماعی تصور کرتے ہوئے اسے رؤیت ہلال اور ثبوت ہلال کے بارے میں معیار اور بنیاد بنا کر اس کے بتلائے ہوئے حسابات یا متعینہ گھنٹے سے پہلے عرب وعجم میں کہیں سے بھی چاند دیکھے جانے کا شرعی ثبوت مہیا ہوجائے یا مفتیان کرام کی جانب سے تصدیقی اعلانات ہوجائیں تب بھی یہ حضرات اسے تسلیم کرنے اور ماننے کیلئے قطعاً تیار نہیں بلکہ فلکیاتی پیشن گوئی سے پہلے چاند دیکھنے والے چاہے متعدد مستند علماء صلحاء یا مشائخ ہوں، یا دیندار مسلمانوں میں سے جم غفیر ہی کیوں مشاہدہ نہ کرلیں تب بھی یہ حضرات ان کی شہادتوں کو معاذ اللہ مردود وباطل اور غلط قرار دینے میں ذرہ برابر بھی جھجھک اور تردد محسوس نہیں کرتے۔

سوال یہ کہ: ان فلکیاتی علماء کرام کا ثبوت رؤیت ہلال کے سلسلہ میں مشینی آبزرویڑی کی حسابی پیشن گوئی کو عقیدتاً قطعی اجماعی تصور کرتے ہوئے اسے بنیاد ومعیار اور دین کا ایک جزء سمجھتے ہوئے اس کے مطابق عمل کرنا اور کرانے پر مصر ہونا یہ احداث فی

الدین میں داخل ہے یانہیں؟ اگر احداث فی الدین میں داخل ہے تو انھیں ضال اور مضل کہا جائیگا یانہیں؟ یا انہیں بدعتی کہا جائیگا؟ مذکورہ عقائد رکھنے والے اہل علم کو بایں عقیدہ مساجد ومدارس وغیرہ کی خدمات پر برقرار رکھنا مناسب ہے یانہیں؟ امید کہ تسلی بخش جواب تحریر فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں گے؟

المستفتي: محمد ایوب سوری عفی عنہ، باٹلی، برطانیہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آپ کے اصل سوال کا جواب پیش کرنے سے پہلے برطانیہ میں ثبوت ہلال سے متعلق تھوڑی سی بات پیش کی جارہی ہے، کہ برطانیہ جیسے ممالک میں سال کے اکثر و بیشتر حصوں میں چاند دکھائی نہیں دیتا ہے، وہاں والوں کیلئے شریعت کا بہترین حل یہ سمجھ میں آتا ہے۔

(۱) معتبر ترین لوگوں کی ایک جماعت ہوائی جہاز کے ذریعہ بادلوں سے اوپر جاکر چاند کا معاینہ کرکے اور وہ لوگ ثبوت یا نفی سے متعلق جو شہادت دیدیں متفقہ طور پر پورے ملک کے لوگ اس پر عمل کریں۔

(۲) اسلامی ممالک کی طرف سے معتبر ذرائع سے رؤیت کی اطلاع آجائے یا برطانیہ زمین کے جس خطہ پر واقع ہے اس کے محاذ اور برابر میں جن ممالک میں مطلع صاف رہتا ہے وہاں سے شرعی اطلاع آجائے جیسا کہ مراکش اور الجزائر وغیرہ تو اس اطلاع کے مطابق پورے برطانیہ میں ہر مسلک کے لوگ متفق ہوکر عمل کریں ضرورت کی وجہ سے دوسرے ممالک کی خبروں اور وہاں کی اطلاعات پر عمل کرنا شرعاً جائز ہے، نیز برطانیہ میں حضرت اقدس مولانا مفتی عبد الرحیم لاجپوری دامت برکاتہم کی زیر صدارت ۱۶/ جولائی ۱۹۷۸ء جمعیۃ علماء برطانیہ کی ہلال کمیٹی نے جو اسی طرح کا فیصلہ دیا ہے اس پر اہل برطانیہ کو عمل کرنا چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۹/ ۴۱۵، ۴۱۴)

اس کے بعد آپ کے اصل سوال کا جواب پیش ہے۔

فلکیاتی سائنس دانوں اور مشینی آ بزرویڑی کے حساب وکتاب اوران کی پیشن گوئی پرعمل کرنے کا شریعت نے امت کو مکلّف نہیں بنایا ہے، بلکہ شریعت نے ثبوت ہلال کے بارے میں طریق موجب سے آئی ہوئی شہادتوں کا اعتبار کیا ہے، لہٰذا شرعی اطلاع اور شرعی شہادتوں کو نہ مان کر محض مشینی آبزویٹری اور فلکیاتی سائنس دانوں کی پیشن گوئی کو عمل کیلئے معیار بنالینا اور اس کوقطعی سمجھنے کا عقیدہ رکھنا حدیث رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور احداث فی الدین ہے اسلئے جولوگ ایسا عقیدہ رکھتے ان کی اصلاح کی ضرورت ہے اورانہیں توجہ دلائی جائے، اگر باز نہ آئیں تو ان کو گمراہ اور فاسق قرار دیا جاسکتا ہے، اور ایسے لوگوں کو دینی امور کا نمائندہ بنانا بھی درست نہ ہوگا، بلکہ صحیح العقیدہ دیندار مسلمانوں کو مساجد ومدارس جیسے دینی امور کا ذمہ دار بنانا چاہئے، حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

آ قائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشادفرمایا:

أنا أمة أمية لانكتب ولا نحسب الشهر هٰكذا وهٰكذا يعنى مرة تسعاً وعشرين ومرة ثلٰثين . (بخاری شریف ، باب قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لانكتب ولا نحسب ، النسخة الهندية ۱/۲۵٦، حديث : ۱۸۷۵، ف: ۱۹۱۳، مسلم شریف ، باب وجوب صوم رمضان لروية الهلال الخ، النسخة الهندية ۱/۳٤۷، بيت الافكار رقم: ۱۰۸۰)

فقہاء نے لکھا ہے: **لاعبرة بقول المؤقتين ولو عدولاً على المذهب وفى الشامية لا يعتبر قولهم بالإجماع ولايجوز للمنجم أن يعمل بحساب نفسه فلايلزم بقول المؤقتين أنه أي الهلال يكون فى السماء ليلة كذا وإن كانوا عدولاً فى الصحيح .** (شامی ، كتاب الصوم ، مطلب لا عبرة بقول المؤقتين كراچی ۲/۳۸۷، زكريا ديوبند ۳/۳٥٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۲/۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵؍ ۶۶۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲۳ھ

۳/ باب السحور والإفطار

منتہاء سحراور صبح صادق سے قبل اذان فجر دینا

سوال: [۴۷۲۴]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(الف) منتہاء سحر ہی صبح صادق ہے یا کچھ درمیان میں وقفہ ہے۔

(ب) صبح صادق سے دوتین منٹ قبل اگر کسی نے کھایا پیا تو روزہ ہوگا یانہیں؟

(ج) جس جگہ عوام اذان فجر پر سحری ختم کرتے ہوں تو کیا اذان فجر قبل صبح صادق دی جاسکتی ہے؟

(د) اگر صرف رمضان المبارک میں اذان فجر قبل صبح صادق دیدی جائے تاکہ لوگوں کے روزے ضائع نہ ہوں تو یہ عذر عندالشرع درجۂ جواز میں ہے یانہیں؟

المستفتی: نورالعارفین، نولگڑھ راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (الف) منتہاء سحر ہی صبح صادق ہے سحری کے وقت اور صبح صادق کے درمیان میں کوئی وقفہ نہیں ہوتا۔

النهار عبارة عن زمان ممتد من طلوع الفجر الصادق إلىٰ غروب الشمس وهو قول أصحاب الفقه واللغة. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، كتاب الصوم، قديم /۳۴٦، جديد دارالكتاب ديوبند/ ٦۳۱)

(ب) جب تک صبح صادق نہ ہواس وقت تک سحری کھاسکتے ہیں، اور روزہ درست ہوجائے گا، البتہ اتنی تاخیر نہ کریں کہ صبح صادق میں شک ہوجائے۔ (بہشتی زیور۳/۱۴)

(ج-د) جولوگ اذان فجر تک سحری کھاتے ہیں، اگر صبح صادق پر اذان ہوئی ہے تو ان لوگوں کے روزے صحیح نہیں ہونگے، اوران کی وجہ سے اذان صبح صادق سے قبل نہیں دی

جاسکتی ہے اور یہ نہ ایسا عذر ہے جس کی وجہ سے اذان صبح صادق سے پہلے دینے کی اجازت دی جاسکے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۱۰۵، احسن الفتاویٰ ۴/۲ ۴۳۲)

تقديم الأذان على الوقت في غير الصبح لايجوز اتفاقاً وكذا في الصبح عند ابي حنيفةؒ ومحمدؒ وإن قدم يعاد في الوقت هكذا في شرح مجمع البحرين لابن الملك وعليه الفتوىٰ . (عالمگیری، زکریا ۱/۵۳، جدید زکریا ۱/۱۱۰، شامی، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول، کراچی ۱/۳۸۵، زکریا ۲/ ۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۲۸ھ

سحری کا وقت

سوال: [۴۷۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضرت تھانویؒ امداد الفتاویٰ ۲/ ۹۵ پر فرماتے ہیں کہ طلوع آفتاب کے وقت سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل تک سحری کھا سکتے ہیں اور اس کے تحت حاشیہ میں لکھا ہے کہ بعض موسم میں اس سے بھی زیادہ کی گنجائش ہے یہ احتیاطاً لکھدیا، اب دریافت کرنا چاہتے ہیں، کہ گنجائش کتنے منٹ کی ہے ہمارے یہاں ایک دائمی جنتری ہے تمام بنگال کی تمام مساجد و مدارس اور عوام وعلماء کرام اس پر عمل کرتے ہیں، رمضان ہذا میں حضرت مولانا کے معین کردہ ڈیڑھ گھنٹہ سے چار منٹ کا فرق ہورہا ہے، یعنی ایک گھنٹہ ۳۴ منٹ پر ہماری سحری کا وقت ختم ہوتا ہے اس صورت میں ہمارا عمل صحیح ہے یا غلط ہے؟ شرعی حیثیت سے جو حکم ہو جہاں تک ہوسکے جلدی روانہ فرمادیں؟

المستفتی: خدا بخش، گوند پور، ۲۴ پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حضرت مولانا تھانویؒ نے خود یہ قید لگادی ہے کہ

بعض موسموں میں ڈیڑھ گھنٹہ سے زیادہ یا کم بھی ہوسکتا ہے، جس زمانہ میں حضرت تھانویؒ نے یہ فتویٰ جس وقت لکھا ہے اس زمانہ میں طلوع آفتاب سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے ہوتا رہا ہوگا، اسلئے حضرت تھانویؒ نے احتیاط کی قید لگائی ہے، لہٰذا اگر آپ کے یہاں طلوع آفتاب سے ایک گھنٹہ ۳۴ منٹ پہلے طلوع صبح صادق ہوتی ہے، تو اسی کا اعتبار ہوگا، لہٰذا اہل بنگال کو وہاں کی حقیقی صبح صادق کا اعتبار کرنا چاہئے۔

عن ابي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ : إن للصلوٰة أولاً وآخراً –إلىٰ– وإن أول وقت الفجر حين يطلع الفجر وإن آخر وقتها حين تطلع الشمس . (سنن ترمذی، کتاب الصلوٰة، باب مواقيت الصلوٰة، النسخة الهندية ١/٣٩، دارالسلام رقم: ١٥١)

الفجر فجران – إلىٰ – والثاني هو البياض الذى يستطير ويعترض في الأفق، ولا يزال يزداد حتى ينتشر، وسمىٰ مستطيراً لذلك ، يثبت به أحكام النهار من حرمة الطعام والشراب للصائم وخروج وقت العشاء وجواز أداء الفجر. (الفتاوىٰ التاتا رخانية، زكريا ٢/٤، رقم: ١٤٩٠)

أول وقت الفجر إذ طلع الفجر الثاني وهو المعترض في الأفق وآخر وقتها مالم تطلع الشمس . (هدايه، اول اشرفی دیو بند/ ٨٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رشوال ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۵۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱۰/۲۰ھ

سحری کا آخری وقت اور حدیث ابوداؤد اذان کے وقت پانی پینے کا مطلب

سوال: [۲۲۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سحری کا آخری وقت کیا ہے، اگر کوئی شخص ختم سحری کے دو تین منٹ بعد تک کھاتا رہے یا فجر کی اذان اول وقت میں ہورہی ہو، اس وقت پانی پیتا رہے، تو اس کا روزہ صحیح ہوگا یا نہیں؟ اور حدیث

مندرجہ ذیل کا کیا مطلب ہے؟ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سنو تم میں سے کوئی فجر کی اذان کی آواز سنے اور اس کے ہاتھ میں پانی کا برتن ہو تو برتن کو اس وقت تک ہاتھ سے نہ رکھے جب تک اپنی ضرورت پورا نہ کرلے، یعنی پانی پینا ہو تو پی لے۔ (مشکوٰۃ شریف، ابوداؤد شریف) حدیث مذکور سے معلوم ہوتا ہے، کہ فجر کی اذان ہورہی ہو تب بھی کھانا پینا جائز ہے، جواب باصواب سے نواز کر عنداللہ ماجور ہوں؟

المستفتی: محمد اسحٰق ندیاوی، متعلم مدرسہ ہٰذا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سحری کا آخری وقت صبح صادق کا طلوع ہے طلوع صبح صادق کے ایک منٹ بعد بھی کھانے پینے سے روزہ صحیح نہیں ہوسکتا ہے، جس حدیث شریف میں کھانے پینے کی بات آئی ہے، اس سے مراد رمضان المبارک میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی وہ اذان ہے جو سونے والوں کو جگانے کی غرض سے دی جاتی تھی، وہ طلوع صبح صادق سے قبل ہوتی تھی، اس سے استدلال کر کے صبح صادق کے بعد کھانے پینے والوں کا روزہ صحیح نہیں ہوگا، ایسے روزہ کی قضا کرنا واجب ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/۴۴۳، فتاویٰ دارالعلوم ۶/۳۴۵)

عن سمرة بن جندب قال: قال رسول الله ﷺ: لا يغرنكم من سحوركم أذان بلال ولابياض الأفق المستطيل هكذا يستطير هكذا وحكاه حماد بيديه قال: يعني معترضاً. (صحيح مسلم، كتاب الصوم، باب بيان أن الدخول في الصوم، النسخة الهندية ۱/ ۳۵۰، بيت الافكار رقم: ۱۰۹۴)

الفجر فجران، سمى الضرب الأول كاذباً –إلىٰ– والثاني: هو البياض الذي يستطير ويعترض في الأفق، ولا يزال يزداد حتى ينتشر، وسمىٰ مستطيراً لذلك، يثبت به أحكام النهار، من حرمة الطعام والشراب للصائم وخروج وقت العشاء وجواز أداء الفجر. (الفتاوىٰ التاتار

خانية زكريا ٢/٤، رقم: ١٤٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۷۰/۲۴)

دوران سحری اذان ہونے پر کھانا کھائے یا رک جائے

سوال: [۴۷۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان کے مہینے میں خالد روزہ رکھ رہا تھا، اتفاق سے ایک روز آنکھ دیر سے کھلی یعنی جس وقت سحری کھا رہا تھا، آذان ہونے لگی اب خالد کھانے سے ہاتھ ہٹا لے یا اس پلیٹ کے کھانے کو صاف کردے؟ جواب دیں۔

المستفتي: محمد مختار عالم، سکٹو نگلہ، ضلع مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر سحری کھانے کے وقت اذان ہو رہی ہے، اور اذان طلوع فجر کے بعد ہی دی جارہی ہے تو روزہ فاسد ہو جائیگا اور پلیٹ کا بقیہ کھانا کھا لینا ہرگز درست نہیں ہوسکتا اسلئے کہ صبح صادق ہو چکی ہے۔

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ : الأية (البقرة : ١٨٧)

وإذا تسحر وهو يظن أن الفجر لم يطلع فإذا هو قد طلع (إلىٰ قوله) وعليه القضاء الخ. (هدايه، كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفارة قديم ١/٢٠٥، جديد اشرفي ديوبند ١/٢٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ر ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۰۸۷/۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۳/۱۳ھ

انتہاءِ سحر سے متعلق امداد الفتاویٰ کی عبارت کی توضیح

سوال: [۴۷۲۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ کتاب الصوم میں انتہاءِ سحر کے تعلق سے تحریر فرمایا ہے، کہ ہیئت کے قاعدہ سے طلوع آفتاب کے وقت سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل تک سحری کھا سکتے ہیں اور فقہاء نے احتیاط کی ہے کہ غروب سے طلوع تک کل جتنا وقت ہے اس کو سات حصوں پر تقسیم کریں چھ حصے میں سحری کھا سکتے ہیں، اب اس عبارت کے تعلق سے خالد کہتا ہے، کہ حضرت تھانویؒ اس عبارت سے ختم سحری کا احتیاطی وقت بتانا چاہتے ہیں، زید کہتا ہے کہ غروب سے طلوع تک سات حصے کر کے ساتویں حصہ کی ابتدا صبح صادق ہے فوراً اذان کہہ کر نماز فجر پڑھی جا سکتی ہے، دونوں میں کس کا قول صحیح ہے اگر فروری میں غروب سے طلوع تک سات حصے کئے جائیں تو ساتواں صبح صادق والا حصہ پونے دو گھنٹہ سے زیادہ کا ہوتا ہے، جبکہ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ طلوع آفتاب سے تخمیناً ڈیڑھ گھنٹہ قبل صبح کاذب ہوتی ہے، پھر صبح صادق ہوتی ہے (تعلیم الاسلام ۵۲/۳) پورے سال میں صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیان زیادہ سے زیادہ کتنا فصل ہوتا ہے، اور کم از کم کتنا ہوتا ہے۔

المستفتي: حاجی عبد اللہ، جے پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حکم کا اصل مدار طلوع صادق پر ہے، اور طلوع صبح صادق کی تصدیق معتدل موسم میں صحت مند آدمی کے دیکھنے سے ہوتی ہے، اور جو دائمی جنتری بنائی گئی ہے، اس کی بنیاد سال بھر کے تجربہ پر ہے، اسلئے علماء اور مشائخ نے دائمی جنتریوں کو معتبر قرار دیکر ان پر عمل کیا ہے، حضرت تھانویؒ کا زمانہ بھی دائمی جنتریوں کی تحقیق کا زمانہ تھا، اور بعض زمانہ میں صبح صادق اور طلوع آفتاب میں فاصلہ زیادہ ہوتا ہے، اور بعض میں کم بھی ہوتا ہے، جو جنتری سے بھی پتہ چلتا ہے، اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کی

بات یوں صحیح ہے کہ اکتوبر میں صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیان ایک گھنٹہ ۲۴ منٹ کا فاصلہ ہوتا ہے، تو ڈیڑھ گھنٹہ قبل صبح کاذب ہوسکتی ہے، اور حضرت تھانویؒ کی بات اس طرح صحیح ہوسکتی ہے، کہ جولائی میں صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیان ایک گھنٹہ ۴۰ منٹ کا فاصلہ ہوتا ہے تو طلوع آفتاب سے دو گھنٹہ قبل سحری بند کر دینا احتیاط کی بات ہے، نیز حضرت تھانویؒ کا معمول بھی ہمیشہ احتیاط پر رہتا تھا، ہم نے تحقیق کر کے دیکھا ہے کہ جولائی میں ایک گھنٹہ ۴۰ منٹ تک کا فاصلہ رہتا ہے اور اکتوبر میں ایک گھنٹہ ۲۴ منٹ اور دیگر مہینوں میں اس کے درمیان مختلف فاصلہ رہتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۸/ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۲۲۰/۳۱)	۱۴۱۵/۱۱/۲۱ھ

سحری سے قبل مسجدوں میں اٹھنے کا اعلان کرنا

سوال: [۴۷۲۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسئلہ یہ ہے کہ رمضان کے اندر تین بجے سے مسجدوں میں اٹھنے کا اعلان کیا جاتا ہے، اس سے غیر مسلم بھائیوں کو تکلیف پہونچتی ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: احسان الحق قاسمی، جہانگیر آباد، سیتا پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: رمضان المبارک میں خالص مسلمانوں کے محلوں میں سحری کے وقت سحری کیلئے صرف ایک مرتبہ آواز دیکر بیدار کرنیکی گنجائش ہے، بار بار اعلان کرنے میں ذکر وتلاوت اور نماز وعبادت میں خلل ہوتا ہے، اسلئے بار بار اعلان کرنا ممنوع ہے، اور غیر مسلم اکثریت والے محلے اور مخلوط محلوں میں اعلان کرنے میں غیر مسلموں کی نیند میں خلل پڑے گا، تو ایک مرتبہ بھی جائز نہ ہوگا، ہاں البتہ بجائے مائک وغیرہ میں عام اعلان کرنے کے خصوصی طور پر کسی کو اس طرح بیدار کرنے میں کوئی

مضائقہ نہیں جس سے غیروں کوتکلیف نہ ہو۔

عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ: أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا یدخل الجنة من لایأمن جاره بوائقه . (صحیح مسلم ، کتاب الإیمان ، باب بیان تحریم ایذاء الجار ، النسخة الهندیة ۱/ ۵۰، بیت الافکار رقم: ٤٦، المعجم الکبیر ۱۰ /۲۲۷، حدیث: ۱۰۵۵۳)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۶/۱۱/۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۹۵۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱۱/۲ھ

سحری کیلئے لوگوں کو بیدار کرنا اور وقت بتانا

سوال: [۴۷۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان المبارک میں سحری کے وقت مسلمانوں کو بیدار کرنے اور وقت بتانے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: محمد ریحان اسرائیلی، نئی کالونی، کالا گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: رمضان المبارک میں سحری کیلئے مسلمانوں کو بیدار کرنا اور وقت بتانا جائز ہے، اور حدیث میں اس کا ثبوت بھی ہے، مگر لوگوں کو ایذا نہ ہو مثلاً خوب شور شرابہ ہو جائے کیونکہ حدیث پاک میں ایذاء ناس کی ممانعت آئی ہے۔

عن سالم عن ابیه أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال إن بلالاً یؤذن بلیل فکلوا واشربوا حتی تسمعوا تأذین إبن أم مکتوم . (ترمذی ، کتاب الصلوٰة ، باب ماجاء فی الأذان باللیل ، النسخة الهندیة ۱/ ۵۰)

قال الشیخ الأنور : بأن التکرار کان للتسحیر. (عرف الشذی ، حاشیة ترمذی ۱/ ٥٤)

عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ: أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: لایدخل الجنة من لا یأمن

جاره بوائقه . (صحيح مسلم ، كتاب الإيمان ، باب بيان تحريم ايذاء الجار، النسخة الهندية ١/٥٠، بيت الافكار رقم:٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/۱/۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۹۵۰)

سحری کیلئے بیدار کرنے کی غرض سے وقفہ وقفہ سے اعلان کرنا

سوال: [۴۷۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ماہ رمضان المبارک میں ختم سحری سے ایک گھنٹہ قبل بذریعہ لاؤڈ اسپیکر تیز آواز میں قوالی اور نعت شریف کے ذریعہ لوگوں کو سحری کیلئے بیدار کرنا اور درمیان میں وقفہ، وقفہ سے سحری کا وقت بتانا کہاں تک جائز اور درست ہے؟ جب کہ پڑوسی اسکے اس عمل سے بیزار ہوں، عام لوگوں کو تہجد میں دیگر نفل نماز میں تلاوت قرآن میں ذکر و تسبیح میں کسی بیمار کی شدید بیماری کی حالت میں لاوڈ اسپیکر کی تیز آواز خلل ڈالتی ہو ایسی صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے، نیز اس کا سنت طریقہ کیا ہے؟ صاحب لاؤڈ اسپیکر کا یہ کہنا ہے کہ ہم دین کا کام کر رہے ہیں، کسی کو ہمیں روکنے کا کوئی حق نہیں ہے، کہاں تک درست ہے؟

المستفتي: محمد احمد، فیل خانہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: رمضان جیسے مبارک مہینہ میں اور وہ بھی رات کے آخری حصہ میں ہم مسلمانوں میں ایک مصیبت اور بلا کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے کہ ختم سحری سے ایک ڈیڑھ گھنٹہ پہلے مائک میں کیسٹ لگا کر قوالی، گانا اور نعت خوانی تسلسل کے ساتھ ہوتی رہتی ہے، جس کی وجہ سے پڑوس کے لوگ نہ تلاوت کر سکتے ہیں، نہ ذکر کر سکتے ہیں، نہ نفل پڑھ سکتے ہیں، اور نہ ہی آرام کر سکتے ہیں، اس طرح ایذا رسانی حرام اور معصیت ہے اور ایسے ناجائز اور معصیت کے کام کو عبادت سمجھنا نہایت خطرناک گناہ ہے ہاں البتہ صرف

ایک آدھ دفعہ سحری کا اعلان کرنا جائز ہے، شروع میں ایک دفعہ اعلان کر دیا جائے اور پھر آخر میں ختم سحری سے پہلے اعلان کر دیا جائے یہی کافی ہے، اور کوئی ضرورت نہیں جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی توبہ کی آیت نازل ہوئی تھی، اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے خوش ہو کر اس کی اطلاع کی اجازت چاہی تو حضور ﷺ نے یہ کہہ کر منع فرما دیا کہ لوگوں کے آرام اور عبادت میں خلل پیدا ہوگا، اس لئے صبح کو اطلاع دی گئی۔

أخبرني عبد الرحمن بن عبد الله ابن كعب بن مالك عن أبيه قال: سمعت أبي كعب بن مالك وهو أحد الثلثة الذين تيب عليهم –إلى– فقال رسول الله ﷺ: يا أم سلمة! تيب علىٰ كعب قالت: أفلا أرسل إليه فأبشره قال: إذا يحطمكم الناس فيمنعونكم النوم سائر الليلة حتى إذا صلى رسول الله ﷺ صلوٰة الفجر آذن بتوبة الله علينا. (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب قوله وعلى الثلثة الذين خلفوا الخ ـ ٢/٦٧٥، رقم: ٤٤٩٠، ف: ٤٦٧٧)

قرآنی آیت کے اعلان کی بھی خلل کے اندیشہ سے اجازت نہیں ہوئی تو رمضان جیسے مبارک مہینہ میں قوالی اور نعت خوانی اور فلمی گانا تسلسل کیساتھ کرنا قطعاً جائز نہ ہوگا۔

عن ابی هريرةؓ أن رسول الله ﷺ قال: لايدخل الجنة من لا يأمن جاره بوائقه. (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان تحريم ايذاء الجار، النسخة الهندية ١/٥٠، بيت الافكار رقم: ٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۹۰۸)

سحری وافطار کیلئے نقارہ بجانا

سوال: [۴۷۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سحری اور افطار کے اوقات میں نقارہ بجانا کیسا ہے؟ ہمارے شہر وشارم میں سحری کے اوقات سے پہلے یعنی نوجوان لوگ رات دو بجے سے سحری کے وقت ختم ہونے سے آدھا گھنٹہ پہلے تک

وقفہ وقفہ سے گلی گلی نقارہ بجاتے ہیں، (اس کی وجہ سے بیمار لوگ اور بوڑھے حضرات چھوٹے بچوں کو) اس کی آواز سے تکلیف ہوتی ہے، اورنو جوان نقارہ بنانے کیلئے مستقل چندہ کرتے ہیں، اوراس کے بچے ہوئے پیسے سے رات میں گپ شپ کرتے ہیں، اور رات بھر جاگ کر پورے علاقہ میں گھومتے ہیں، حالانکہ سحری کیلئے سائرن کا انتظام ہے شہر کے بعض لوگ فتاویٰ محمودیہ اور فتاویٰ رحیمیہ کے حوالہ سے کہتے ہیں، کہ نقارہ بجانا بلا کراہت درست ہے، اب سوال یہ ہوتا ہے کہ ایذائے، مسلم مال کا غلط استعمال اور رمضان کے مبارک اوقات کی ناقدری کرتے ہوئے وقفہ وقفہ سے نقارہ بجانا شرعاً کیسا ہے؟ جو بھی حکم ہو شریعت کی روشنی میں جواب دے کر ممنون فرمائیں؟ کرم ہوگا؟

المستفتي: محمد آصف، کنویز، تنظیم العلماء میل وشارم، تمل ناڈو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فتاویٰ محمودیہ اور فتاویٰ رحیمیہ میں ضرورت کی بنا پر نقارہ کے ذریعہ سے لوگوں کو اطلاع کرنے کی بات لکھی ہے، اور جب سائرن وغیرہ کے ذریعہ سے یہ ضرورت پوری ہو جاتی ہے، تو نقارہ بجانے کی ضرورت نہیں، نیز فتاویٰ محمودیہ ۱۵/ ۱۵۶، فتاویٰ رحیمیہ ۷/ ۲۴۱ میں نقارہ کی تیاری کے لئے چندہ کی اجازت نہیں لکھی ہے، لہٰذا نقارہ بجانے کی تیاری کیلئے چندہ کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، اس لئے وہاں کے ذمہ دار لوگوں پر لازم ہے، کہ مذکورہ نوجوانوں کو اس کام کے لئے چندہ سے روکیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۴۵)

سحری اور افطار کی دعاء کا ثبوت

سوال: [۴۷۳۳]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان المبارک میں سحری وافطار کی دعاء جوتم حنفیوں کے یہاں پابندی کے ساتھ پڑھی جاتی ہے، وہ کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے تو حنفیوں کی یہاں کیوں پڑھی جاتی ہے یہ سحری وافطار کی دعاء کیا واقعی حدیث سے اسکا ثبوت نہیں ہے اور قابل ترک ہے؟

المستفتی: محمد عباس، ساکن سہور، تھانہ ٹانڈہ، ضلع رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رمضان المبارک میں افطار کی دعا صحیح حدیث شریف سے ثابت ہے ابوداؤد شریف میں ہے:

عن معاذ بن زهرة أنه بلغه أن النبى صلى الله عليه وسلم كان إذا أفطر قال اللّهم لک صمت وعلى رزقک أفطرت. (ابو داؤد شريف، كتاب الصيام، باب القول عند الأفطار، النسخة الهندية ۱/ ۳۲۲، دارالسلام رقم: ۲۳۵۸)

اورسحری میں جو" **نويت أن أصوم غدًا لله تعالىٰ من شهر رمضان**"وغیرہ پڑھتے ہیں، یہ حدیث شریف سے ثابت نہیں اسی وجہ سے کسی حنفی مفتی اور عالم نے اسکے سنت ہونے کا فتویٰ نہیں دیا، اور نہ ہی کسی حنفی کتاب میں اس کو سنت یا مستحب کہا گیا ہے، لیکن اگر کوئی شخص دل کی نیت کے مطابق زبان سے الفاظ استعمال کرتا ہے، تو اسپر کوئی گناہ نہیں ہے، اور یہی حنفیہ کا مسلک ہے اگر کوئی شخص خواہ حنفی ہو یا شافعی، مالکی ہو یا حنبلی یا غیر مقلد کوئی ایسا کام کرتا ہے، جو حدیث شریف سے ثابت نہیں ہے تو اس کا وہ عمل مسلک کیلئے مسئلہ نہیں بنتا یہ عوام کا اپنا عمل ہے۔ فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۵۴۷/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۳/۵ھ

لاؤڈ اسپیکر پر ختم سحری وطلوع آفتاب کا اعلان

سوال: [۴۷۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض مقامات پر مساجد کے اندر لاؤڈ اسپیکر پر نماز فجر کا وقت ختم ہونے کا اعلان کیا جاتا ہے، کیا اس طرح کے اعلان کا شریعت کے اندر کوئی ثبوت ہے اسی طرح رمضان المبارک میں سحری کے وقت لاؤڈ اسپیکر پر مساجد کے اندر بیدار کرنے کیلئے اعلان کیا جاتا ہے، کیا اس طرح کے اعلانات بدعت میں شامل نہیں ہیں، براہ کرم وضاحت کیساتھ شریعت کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتي: شریف احمد، ضابطہ گنج، نجیب آباد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: طلوع آفتاب کے وقت اسطرح کا اعلان صحابہ اور سلف صالحین کے زمانہ میں کہیں نہیں تھا اوراس دور میں طلوع آفتاب کے علم کے مختلف ذرائع مثلاً گھڑی وغیرہ موجود ہیں، اسلئے اب بدرجہ اولیٰ ممانعت ہونی چاہئے اور فقہی جزئیات سے یہی واضح ہوتا ہے، کہ اعلان نہ کیا جائے۔

سئل عن شمس الأئمة الحلوانی عن قوم کسالی عادتهم الصلوٰة وقت طلوع الشمس أيمنعون عن ذلک؟ قال : لا لأنهم لو منعوا لايصلون بعد ذلک . (الفتاوى التاتار خانية، كتاب الصلوٰة، الفصل الاول فی المواقيت، زكريا ۱۵/۲، رقم: ۱۵۱۸، قديم ۴۰۸/۱، بحرالرائق، زكريا ۴۳۷/۱، کوئٹہ ۲۵۱/۱)

البتہ رمضان المبارک میں سحری کیلئے بیدار کرنے کا اعلان جائز ہے مگر نصف لیل کے بعد مائک میں تلاوت نعت یا گانا وغیرہ لگانا جائز نہیں ہے، اس کا نام اعلان نہیں ہے، اس کی وجہ سے لوگ نہ عبادت کر سکتے ہیں، اور نہ آرام کر پاتے ہیں۔

وفی شرعة الإسلام استحباب الأذان للتسحير فی رمضان. (العرف الشذی علی الترمذی، کتاب الزکاة، باب ماجاء فی الأذان بالليل ۵۴/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۳۴۹/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۶/۱۷ھ

حالت جنابت میں سحری کھانا

سوال: [۴۷۳۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی سے جماع کیا اور اسی ناپاکی کی حالت میں سحری کھا کر روزہ رکھا کیا زید کا اور اس کی بیوی کا روزہ درست ہوگیا، اور جان بوجھ کر جنابت کی حالت میں سحری کھا کر روزہ رکھنا اور اکثر اس عمل کو کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبد اللہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حالت جنابت میں منہ ہاتھ دھو کر سحری کھالینا جائز ہے، اسی حالت میں اگر اذان بھی ہوگئی ہو تب بھی روزہ صحیح ہوجاتا ہے، ہاں البتہ اس کا عادی بن جانا بہتر نہیں ہے۔

عن عبد الله بن سعد قال: سمعت النبي ﷺ عن مواكلة الحائض فقال: وأكلها، الحديث: (ترمذی، کتاب الطهارة، باب ماجاء فی مواكلة الحائض والجنب، النسخة الهندية ۱/ ۳۵، دارالسلام رقم: ۱۳۳)

لو أصبح جنباً لايضره الخ. (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسده کوئٹہ ۲/ ۲۷۳، زكريا ۲/ ٤٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۴۳۵/۳۳)

افطار کے وقت اذان دینا سنت ہے یا اعلان کرنا

سوال: [۴۷۳۶]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان المبارک میں افطار کے وقت اذان پڑھنا سنت ہے یا اعلان کرنا سنت ہے، جوطریقہ افضل ہواسکا مفصل جواب مدلل ارشادفرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: روزہ کےافطارکامدارغروب آفتاب پر ہے، جونہی آفتاب غروب ہوجائے توافطارکاحکم ہےاسی طرح مغرب کی اذان کامدار بھی غروب آفتاب پر ہے، تومعلوم ہوا کہ افطار اورمغرب کی اذان دونوں کا وقت ایک ہی ہے، اسلئے جونہی سورج غروب ہوجائے تومؤذن کسی مختصر چیز کے ذریعہ سے اپناافطار کرکےفوراًاذان شروع کردے یہی مسنون اورافضل طریقہ ہے، اوراذان کے ذریعہ سے دوچیزوں کا اعلان ہوتا ہے، (۱) وقت افطارکا۔ (۲) وقت نمازکا۔

عن عمر بن الخطاب رضی قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم إذا أقبل الليل وأدبر النهار وغابت الشمس فقد أفطرت . (ترمذی، کتاب الصوم ، باب ماجاء إذا أقبل الليل وادبر النهار ، النسخة الهندية ۱/ ۱۵۰، دارالسلام رقم: ۶۹۸)

ان تعجيل المغرب عقيب غروب الشمس مجمع عليه الخ. (اعلاء السنن ، كتاب الصلوٰة ، باب المواقيت كراهية التاخير فی المغرب ، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۴۲)

أول وقت الصلوٰة المغرب إذا غربت الشمس بالإجماع . (حلبی كبيری ، الشرط الخامس ، هو الوقت قديم /۲۲۷، جديد اشرفيه ديو بند/۲۲۸، صغيری، مطبع مجتبائی دهلی /۱۳۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۸/۲/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۴۹۴/۳۶)

الجواب صحیح:
احقرمحمدسلمان منصورپوری غفرلہ
۹/۲/۱۴۲۳ھ

سائرن اور اذان میں وقفہ ہو یا اذان اور جماعت میں؟

سوال: [۴۷۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان المبارک میں ہمارے یہاں افطار کے وقت پہلے سائرن بجایا جاتا ہے، اس کے دس منٹ بعد اذان ہوتی ہے، پھر جماعت کھڑی ہوتی ہے، اب مسئلہ یہ ہے کہ سائرن اور اذان میں وقفہ کرنا چاہئے یا اذان اور جماعت میں وقفہ کرنا چاہئے کون سا عمل درست ہے، نیز یہ بھی واضح فرمادیجئے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں کیا عمل تھا؟

المستفتی: محمد عقیل، مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سائرن بجانے کا مقصد صرف وقت افطار کا اعلان ہے اس کا نماز سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور اذان دینے کا مقصد نماز کیلئے اعلان ہے اور جن جگہوں پر افطار کے واسطے سائرن بجانے کا سلسلہ نہیں ہے وہاں پر اذان ہی وقت افطار کے اعلان کے درجہ میں ہو جاتی ہے، لہٰذا ایسے مقامات میں اذان نماز کے اعلان کے ساتھ ساتھ وقت افطار کا بھی اعلان ہے، اسلئے ایسی جگہوں میں اذان اور جماعت کے درمیان میں ہی فاصلہ رکھنا چاہئے اور جن جگہوں میں سائرن کی آواز سے افطار کیا جاتا ہے ان جگہوں میں اختیار ہے چاہے سائرن بجتے ہی اذان دیدی جائے اور سائرن اور اذان کے بعد جماعت تک کا جو مناسب فاصلہ ہے وہ قائم رکھا جائے، یہی دستور ہمارے مرادآباد میں بھی ہے، اور اگر کسی جگہ ایسا معمول ہو چکا ہے کہ لوگ افطار کے لئے اذان کا انتظار نہیں کرتے ہیں، صرف سائرن کا انتظار کرتے ہیں، وہاں پر اذان کے بارے میں اختیار ہے چاہے اذان بعد میں دیدے، اور چاہے پہلے دیدے اور حضور ﷺ کے زمانہ میں چونکہ اذان ہی اعلان ہوتی تھی، اسلئے اذان اور جماعت کے درمیان میں کافی فاصلہ ہوتا تھا۔

الأذان فی اللغة الإعلام وفی الشرع إعلام بدخول وقت الصلوٰة بذکر

مخصوص وهو مشروع للصلوٰة الخمس بالاجماع الخ. (حاشیہ ترمذی ۱/ ۴۸)

عن جابرؓ ان رسول الله ﷺ قال لبلال یابلال : اجعل بين أذانك وإقامتك قدر مايفرغ الآكل من أكله والشارب من شربه والمعتصر إذا دخل لقضاء حاجته الخ. (السنن الترمذی ، كتاب الصلوٰة ، باب ماجاء فی الترسل فی الأذان ، النسخة الهندية ۱/ ۴۸ ، دار السلام رقم: ۱۹۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۱/ ۱۴۳۵ھ

حرام کمائی کرنے والے کی افطاری کا حکم

سوال: [۴۷۳۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان المبارک کے مہینہ میں افطار کا رواج ہے افطاری کروانے والوں میں بعض ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں، جن کی خالص آمدنی سودی کاروبار یا شراب کے کاروبار ہی کی ہوتی ہے، اس کے علاوہ حلال آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، تو اس صورت میں افطاری کرنا کیسا ہے؟ افطاری خواہ مسجد میں ہو یا گھر پر؟

المستفتي: زاہد علی قاسمی، سدھولی، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق : رمضان المبارک کے مہینہ میں کوئی مسلمان اپنی حلال کمائی سے افطار کرائے تو اس کا ثواب حدیث شریف میں بہت زیادہ وارد ہوا ہے، لیکن جس کی آمدنی صرف سودی یا شراب کے کاروبار کی ہوتی ہے، اس کے علاوہ حلال آمدنی کا کوئی ذریعہ اس کے پاس نہیں ہے تو ایسے شخص کے یہاں سود یا شراب کے پیسہ کے افطار میں شرکت کیلئے کسی بھی مسلمان کیلئے جانا جائز نہیں ہے۔

آكل الربا وكاسب الحرام أهدى اليه أو اضافه إليه وغالب ماله حرام لايقبل ولايأكل . (هنديه ، كتاب الكراهية ، الباب الثانی عشر فی الهدايا

والضيافات زكريا ٥/٣٤٣، هنديه، جديد زكريا ديو بند٥/٣٩٧)

وكذا (أي لايجب) دعوة من كان غالب ماله من حرام . (هنديه، زكرياه/٣٤٣، جديد مكتبه زكريا ٥/٣٩٧)

رجل أهدىٰ إلىٰ إنسان أو أضافه إن كان غالب ماله من حرام لا ينبغي أن يقبل ويأكل من طعامه . (الفتاوى التاتار خانية، زكريا ١٨/١٧٥، رقم: ٢٨٤٠٥)

عن زيد بن خالد – رضى الله عنه – قال قال رسول الله ﷺ من فطر صائماً أوجهز غازياً فله مثل أجره . (شعب الإيمان للبيهقى ٣/٤١٨، رقم: ٣٩٥٣، مشكوٰة /١٧٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رجمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۶/۲۰ھ

ہندؤں کے یہاں افطار کرنے کا حکم

سوال: [۴۷۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان شریف میں روزہ افطار کرانے کا رواج ہے جس میں ہندو لوگ بھی افطار کراتے ہیں، اور مسلمان بھی اور وہ رشوت بھی لیتے ہیں، اور حرام وحلال میں پرہیز بھی نہیں کرتے ان کے یہاں رزوہ افطار کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: جرار احمد قاسمی، بھنڈیہ، سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: غیر مسلم کے یہاں ان کے عقیدہ اور دھرم کے اعتبار سے شراب، رشوت، سود وغیرہ کا پیسہ حلال ہے اسلامی شریعت کے وہ پابند نہیں ہوتے، لہٰذا غیر مسلم کی ملکیت میں جو مال ہے وہ اگر غیر مسلم مسلمان کو تحفہ میں پیسے کی شکل میں دیدے یا کھانے کی شکل میں دیدے تو حلال اور جائز ہے، لہٰذا اگر غیر مسلم اپنے پیسے سے مسلمان کو افطار کرائے تو جائز ہے، لیکن بہتر یہی ہے کہ افطار کرنے کیلئے غیر مسلم کے گھر نہ جایا جائے

بلکہ افطار کے سامان کا انتظام کر کے وہ غیر مسلم مسلمان کے گھر بھیج دے۔

أن بلالا قال لعمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ إن عمالک یأخذون الخمر والخنازیر في الخراج فقال لا تأخذ وهامنهم ولكن ولوهم ببيعها وخذوا أنتم من الثمن. (اعلاء السنن، كتاب البيوع، باب حرمة بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام، دارالكتب العلمية بيروت ١٤/١٣٤، كراچی ١٤/١١١-١١٢)

فهذا عمر قد أجاز لأهل الذمة بيع الخمر والخنازير وأجاز للمسلمين أخذ أثمانهما فى الجزية والخراج وذلك بمحضر من الصحابة ولم ينكر عليه منكر. (اعلاء السنن كراچی ١٤/١١٢، دارالكتب العلمية بيروت ١٤/١٣٥)

اور اگر افطار کرانے والا مسلمان ہے اور وہ رشوت بھی لیتا ہے، تو دیکھا جائے اس کے یہاں حلال آمدنی زیادہ ہے یا حرام، یا حلال وحرام برابر ہے، اگر حرام آمدنی زیادہ ہے یا حلال کے برابر ہے تو اسکے یہاں افطار کیلئے نہ جائے، اور اگر حلال آمدنی زیادہ ہے تو اس کے یہاں افطار کیلئے جانا جائز ہے۔

آكل الربا و كاسب الحرام أهدىٰ إليه أو أضافه وغالب ماله حرام لا يقبل ولا يأكل مالم يخبره أن ذلك المال أصله حلال، وإن كان غالب ماله حلالاً لا بأس بقبول هديته والأكل منه. (فتاویٰ عالمگیری، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر فى الهدايا والضيافات، زكريا ٥/٣٤٣، جديد زكريا ٥/٣٩٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/محرم ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۶۶۳/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱/۲۵ھ

غیر مسلموں کے یہاں روزہ افطار کرنے کا حکم

سوال: [۴۷۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی غیر مسلم رمضان المبارک میں بڑے اہتمام کے ساتھ روزہ داروں کا روزہ افطار کرائے تو کیا ہم لوگ وہاں جاکر روزہ افطار کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر غیر مسلم کے یہاں جاکر روزہ افطار نہیں کرنا چاہئے تو اس کی وجہ وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: ظہیر احمد، وشال ٹیلر،
پیر کا بازار، سیوہارہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر یہ اندیشہ ہو کہ کل کو مسلمانوں کو غیر مسلموں کے مذہبی معاملہ میں شرکت کرنی پڑے گی اور ان کے مذہبی امور میں اعانت کرنی پڑے گی، تو وہاں افطار کرنے سے مسلمان اپنے کو باز رکھیں، اور اگر یہ بات نہیں ہے بلکہ غیر مسلم کار خیر سمجھکر افطار کا انتظام کرتا ہے، تو بلا کسی کراہت کے وہاں افطار کرنا جائز ہے، اور حلال ہے۔
(مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۱۶۴، فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۳۵۶، ۶/ ۴۹۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۱۱)

ہندو کی افطاری سے افطار کرنا

سوال: [۴۷۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان المبارک میں افطار کے وقت بہت سے ہندو لوگ مسجد میں روزہ کھولنے کی چیزیں مثلاً کیلا کھجور، انگور، سیب وغیرہ وغیرہ بھیجتے ہیں، تو روزہ دار کو ان کی بھیجی ہوئی چیزوں سے روزہ کی حالت میں لینا اور کھانا کیسا ہے؟ روزہ درست ہوا یا نہیں؟ یہاں کے علماء کہتے ہیں کہ ان کی بھیجی ہوئی چیزوں سے روزہ میں کھا سکتے ہیں، لہٰذا اس کا بھی جواب مرحمت فرمائیں؟

المستفتي: محمد خواجہ نیو جنتا،

ساميل اود گیر، ضلع: لاتور، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہندو کی افطاری سے افطار کرنا مسلمان کیلئے جائز ہے۔(مستفاد: ایضاح المسائل/۸۳،فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۴۹۴)فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱۱/۲۷ھ

غیر مسلم کے یہاں افطاری کرنے والے کے روزہ کا حکم

سوال: [۴۷۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی ہندو کسی مسلمان کو افطار کرائے تو اس مسلمان کا روزہ صحیح ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: حافظ عبد الرشید، کاشی پور، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: روزہ صحیح ہو جائے گا۔(مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۶/ ۴۹۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/شوال ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۳۴)

۴/ باب مایفسد الصوم ومالا یفسد

پائریا کے مریض کا خون پیٹ میں جانا

سوال: [۴۷۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کو پائریا کی بیماری ہے اکثر اوقات مسوڑھوں سے اتنا خون نکلتا ہے، کہ خون تھوک پر غالب آجاتا ہے، اور روزے کی حالت میں پیٹ کے اندر بھی چلا جاتا ہے، تو زید کا رزوہ صحیح ہے یانہیں اور بیماری مسلسل رہنے کی وجہ سے قضاء کرنے میں بھی یہی صورت حال رہتی ہے، تو زید کس طرح روزہ رکھے اور رکھے گئے روزوں کے بارے میں کیا کرے؟ شریعت کی رو سے جواب دیکر ممنون فرمائیں کرم ہوگا؟

المستفتي: سلیم اللہ، منی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مسوڑھوں سے غیر اختیاری طور پر خون نکلتا رہتا ہے، اور غیر اختیاری طور پر بے خیالی میں نگل بھی جاتا ہے، تو روزہ کی حالت میں اس طرح غیر اختیاری طور پر مسوڑھے کا خون پیٹ میں چلا جانا مفسد صوم نہیں ہے، نیز یہ چیزیں منھ کے باہر کی نہیں ہیں، بلکہ منھ کے اندر کی ہیں، ان کے پیٹ میں جانے کیوجہ سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۱۰۹/۳، جدید زکریا ۲۵۹/۷)

ومالیس بمقصود بالأکل ولا یمکن الا حتراز عنه کالزباب إذا وصل إلیٰ جوف الصائم لم یفطرهٗ – ولو دخل حلقه غبار الطاحونة أو طعم الأدوية أو غبار الهرس وأشباهه أو الدخان أو ماسطع من غبار التراب بالريح أو بحوافر الدواب وأشباه ذلک لم یفطره کذا فی السراج الوهاج الدموع إذا دخلت فم الصائم إن کان قلیلاً کالقطرة والقطرتین أو نحوها لایفسد صومه. (عالمگیری، کتاب الصوم، الباب الرابع فیما یفسد وما لا یفسد

زکریا ۱/ ۲۰۳، جدید زکریا ۱/ ۲۶۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ۷/ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۷/ ۱۴۲۶ھ

روزہ میں تمباکو پاؤڈر سے تیار شدہ ٹوتھ پیسٹ کا استعمال

سوال: [۴۷۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اِپکُو Ipco تمباکو پاؤڈر سے تیار شدہ ٹوتھ پیسٹ ہے ایک شخص کی عادت اتنی مضبوط ہے کہ مذکورہ توتھ پیسٹ سے دانت صاف کئے بغیر پاخانہ صاف نہیں ہوتا، اگر استعمال ترک کردے تو قبض کی شکایت پیدا ہوتی ہے، مذکورہ ٹوتھ پیسٹ میں ذائقہ بھی ہوتا ہے، لیکن اس کے استعمال سے پیٹ کے معدہ میں اترنے کا امکان نہیں ہوتا ہاں اتنا ضرور ہے کہ جسمانی رگیں اسکے استعمال کی عادی ہوگئی ہیں، کہ اس سے دانت صاف کئے بغیر جسم میں چستی انبساط پیدا نہیں ہوتا، مذکورہ توتھ پیسٹ کا فارمولا والا کاغذ بھی ساتھ شامل ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا بحالت صوم استعمال ہوسکتا ہے؟ اگر استعمال کرے تو روزہ فاسد ہوجائیگا، جو بھی حکم ہو جواب ارسال فرمائیں۔ عین کرم ہوگا

المستفتی: ولی بن احمد فلاحی، ضلع: بھروچ، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر اس کا اثر حلق سے نیچے اتر جاتا ہے، تو روزہ فاسد ہوجائیگا اور اگر حلق کے اندر داخل نہیں ہوتا ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، مگر مکروہ ہوگا، لہٰذا روزہ کی حالت میں اس کا استعمال ممنوع ہی ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۴۲۹)

عن عطاء قال: ولا يمضغ العلك ، فإن ازدرد ريق العلك لا أقول أنه يفطر ، ولكنه ينهى عنه . (صحيح البخاري ، كتاب الصوم ، باب قول النبي ﷺ إذا توضأ فليستنشق بمنخره الماء ۱/ ۲۵۹)

وكره له ذوق شيئ وكذا مضغه وفى الشامية الظاهر أن الكراهة في هذه الأشياء تنزيهية . (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصوم ، باب مايفسد الصوم وما لايفسده ، مطلب فيما يكره للصائم كراچی ٢/٤١٦، زكريا ٣/٣٩٥، هنديه زكريا ١/١٩٩، جديد مكتبه زكريا ١/٢٦٦، الباب الرابع فيما يفسد ومالا يفسد) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم/ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۴۸۹/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۱۱/۱۴۱۸ھ

روزہ میں گل منجن کرنا

سوال: [۴۷۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ روزے کی حالت میں ایسے منجن کا استعمال کرنا کیسا ہے؟ جو تمبا کو اور دیگر اشیاء سے ملا کر بنایا گیا ہو، جبکہ اس میں ایک قسم کی حدت اور تیزی ہونے کے ساتھ ساتھ قدرے نشہ بھی ہوتا ہے، جس کو نس اور گل سے تعبیر کرتے ہیں، ایک عالم صاحب فرماتے ہیں کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے، لہٰذا اس کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ بات کہاں تک درست ہے، جواب باصواب سے نواز کر شکریہ کا موقع دیں؟

المستفتی: محمد اکبر، منگرول، پیرآ کولہ، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: روزے کی حالت میں اس منجن کے استعمال کرنے سے متعلق قدرے تفصیل ہے، وہ یہ کہ منجن کرنے کی وجہ سے اس کے ذرات وغیرہ حلق میں نہ جائیں، تو ایسی صورت میں منجن ملنا صرف خلاف اولیٰ یعنی مکروہ تنزیہی ہے، چاہے منجن تیز ہو یا نہ ہو، لہٰذا مذکورہ عالم کا مکروہ تنزیہی کہنا صحیح اور درست ہے، ہاں البتہ اس منجن کے کرنے سے حلق میں کوئی ذرات نہ پہونچیں پھر بھی اس سے نشہ اور سکر پیدا ہوتا ہے، تو مکروہ تحریمی ہے اور اگر کوئی ذرہ پیٹ میں چلا جائے، تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔

عن عطاء قال: ولا يمضغ العلك ، فإن ازدرد ريق العلك لا أقول أنه يفطر ، ولكنه ينهى عنه . (صحيح البخاري ، كتاب الصوم ، باب قول النبي ﷺ إذا توضأ فليستنشق بمنخره الماء ۲۵۹/۱)

وكره له ذوق شيئى وكذا مضغه بلا عذر وفي الشامية : إن الكراهة في هذه الأشياء تنزيهية . (شامی، كتاب الصوم ، باب مايفسد الصوم ، ومالا يفسده كراچی ۴۱٦/۲، زكريا ۳۹۵/۳)

وكره مضغ علك أبيض ممضوغ ملتئم وفي الشامية : قال للقطع بأنه معلل بعدم الوصول ، فإن كان ممايصل عادة حكم بالفساد لأنه كالمتيقن . (شامی، كراچی ۴۱٦/۲، زكريا ۳۹٦/۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍رجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۰۷۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴؍رجب ۱۴۲۷ھ

روزے میں انجکشن، گلوکوز اور خون چڑھانا

سوال: [۴۷۴۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(الف) کس قسم کے انجکشن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔

(ب) گلوکوز اور خون چڑھوانے سے روزہ میں کوئی نقص تو نہیں آتا؟

المستفتي: محمد یونس، پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) انجکشن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۸۷/۱۱، جدید ڈابھیل ۱۵۳/۱۰)

وأما ما وصل إلى الجوف أو الى الدماغ عن غير المخارق الأصلية بأن داوى الجائفة والآمة، فإن داواها بدواء يابس لا يفسد. (بدائع الصنائع ، كتاب الصوم ، فصل في فساد الصوم ، زكريا ۲۴۳/۲، قديم ۹۳/۲)

(۲) گلوکوز اور خون چڑھوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے، جبکہ براہ راست خون معدہ میں داخل نہ کیا جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۳/۱۴۳، جدید ڈابھیل ۱۰/۱۴۸، ایضاح المسائل/۸۴)

وأكثر المشائخ اعتبروا الوصول إلىٰ الجوف فى الجائفة والآمة إن عرف أن اليابس وصل إلى جوف يفسد صومه بالاتفاق، وإن لم يعرف أن الرطب لايصل إلىٰ الجوف لايفسد. (الفتاوى التاتار خانية ،زكريا ٣/٣٧٩، رقم: ٤٦٢٩)

(۳) روزہ دار اپنا خون نکلوا کر دیدے تو روزہ فاسد نہ ہوگا، ہاں البتہ اس سے سخت کمزوری کا خطرہ ہے تو مکروہ ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/۴۲۵، ایضاح المسائل/ ۸۷، جواہر الفقہ قدیم ۱/ ۳۷۹، جدید زکریا ۳/ ۵۱۹)

عن ثابت البناني قال: سئل أنس بن مالك أكنتم تكرهون الحجامة للصائم؟ قال لا، إلا من أجل الضعف. (صحيح البخاري، الصوم باب الحجامة والقيئى للصائم ١/ ٢٦٠، رقم: ١٨٩٩، ف: ١٩٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/۹/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶۱۹/۳۱)

روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانا اور گلوکوز چڑھوانا

سوال: [۴۷۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ انجکشن لگوانے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے، یا نہیں؟ نیز گلوکوز کی بوتل چڑھوانے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے یا نہیں؟ جواب سے نوازیں؟

المستفتي: عبد الکریم، بردوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: انجکشن اور گلوکوز سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۳/۱۴۳، جدید ڈابھیل ۱۰/ ۱۴۸)

الموجود فی حلقه أثر داخل من المسام الذی هو خلل البدن والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ. (شامی، باب مایفسد الصوم وما لایفسد، مطلب یکره السر إذا خاف فوت الصبح، زکریا ۳/۳۶۷، کراچی ۲/۳۹۵، کوئٹه ۲/۱۳٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۲۰۰)

روزہ دار کا انجکشن لگوانا یا خون نکلوانا

سوال: [۴۷۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر جسم سے ٹیسٹ کیلئے خون لیا جائے یا انجکشن لگایا جائے تو اس سے روزہ اور وضو میں تو کوئی اثر نہیں ہوگا، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے مستفیض فرمائیں؟

المستفتي: محمد فرمان، محلّہ بھٹی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر انجکشن سے داخل کیا جائے تو روزہ اور وضو پر کوئی اثر نہیں ہوگا، روزہ اور وضو بدستور باقی رہیں گے۔

وأما وصل إلیٰ الجوف أو إلیٰ الدماغ عن غير المخارق الأصلية بأن داوی الجائفة والآمة فإن داواها بدواء يابس لايفسد لأنه لم يصل إلیٰ الجوف ولا إلیٰ الدماغ الخ. (بدائع الصنائع، کتاب الصوم، فصل فی فساد الصوم، زکریا ۲/۲٤۳، قدیم ۲/۹۳)

اور اگر خون بدن سے نکل جائے تو روزہ باقی رہے گا اور وضو ٹوٹ جائے گا۔

عن ثابت البناني قال: سئل أنس بن مالک أكنتم تكرهون الحجامة

للصائم؟ قال: لا ، إلا من أجل الضعف. (صحيح البخاری ، الصوم ، باب الحجامة والقيئی للصائم ۱/ ۲٦٠ ، رقم: ۱۸۹۹ ، ف: ۱۹٤٠)

عن ابن عباس أنه ذكر عنده الوضوء من الطعام ، قال الأعمش مرة : الحجامة للصائم فقال : إنما الوضوء مما يخرج وليس مما يدخل ، وإنما الفطر مما دخل وليس مما خرج. (السنن الكبریٰ للبيهقی ، دارالفكر بيروت ٦/ ٣١٢ ، رقم: ٨٣٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۱۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۴/۲۱ھ

گلوکوز چڑھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

سوال: [۴۷۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ روزہ میں گلوکوز چڑھوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے؟ اگر نہیں ہوتا ہے تو اشکال کیا جارہا ہے کہ جب طاقت کا انجکشن جو معدہ اور دماغ میں براہ راست پہونچتا ہو نہ لگوانا چاہئے تو گلوکوز تو بدن کو پوری طاقت دیتا ہے، بلکہ خوراک کا پورا کام کرتا ہے، تو اس سے روزہ میں کیسے فساد نہیں آ سکتا بہت سے مریضوں کو تو خوراک کے بجائے گلوکوز کے سہارے ہی طاقت پہونچائی جاتی ہے؟

المستفتي: محمد ابراہم، صدر: منتظمہ کمیٹی، جامع مسجد احمد گڈھ پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: گلوکوز نسوں کے ذریعہ سے چڑھایا جاتا ہے، اور معدہ میں براہ راست انجکشن لگا کر معدہ اور آنتوں میں دوا پہونچانے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے، اور گلوکوز سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ براہ راست معدہ میں پہونچانے کی وجہ سے روزہ فاسد ہوتا ہے اور نسوں میں طاقت کی چیزیں پہونچنے سے روزہ

فاسد نہیں ہوتا ہے، دونوں میں فرق ہے، چاہے نسوں میں گلوکوز چڑھانے سے طاقت پہونچتی ہو اور اس سے معدہ کو بھی قوت پہونچتی ہو۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۸۴)

قال في النهر: لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن، والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق على أن من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه أنه لايفطر . (فتاویٰ شامی، کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم، ومالا یفسد کراچی ۲/ ۳۹۵، زکریا۳/۳۶۷)

ومايدخل من مسام البدن من الدهن لايفطر . (هنديه، زكريا قديم ۱/۲۰۳، جديد ۱/۲٦٦)

والداخل من المسام لاينافي كما لو اغتسل بالماء البارد. (هدايه، اشرفي ديوبند۱/۲۱۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍شعبان ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۹۹/۳۸)

بحالت صوم آنکھوں میں دوا ڈالنا

سوال: [۴۷۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بحالت صوم آدمی آنکھوں میں دوا ڈال سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالکریم، بردوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ڈال سکتا ہے، اس سے فاسد نہیں ہوگا۔

طعم الكحل أو الدهن (إلىٰ قوله) لا يفطر الخ. (هنديه، زكريا۱/۱۹۹)

وأما إذا اكتحل أو أقطر بشيئ من الدواء في عينه لا يفسد الصوم

عندنا، وإن وجد طعم ذلک فی حلقه. (الفتاوی التاتار خانية زكريا ٣/ ٣٧٩، رقم: ٤٦٣٠، هنديه زكريا ١/ ٢٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ رمضان ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۰۰)

روزہ کی حالت میں آنکھ میں دوا ڈالنا

سوال: [۴۷۵۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ روزے کی حالت میں آنکھ کے اندر دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، یا مکروہ ہوجاتا ہے یا نہیں۔

المستفتي: احمد عامر فیضی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: روزہ کی حالت میں آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور نہ ہی مکروہ ہوتا ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۸۵)

وأما إذا اكتحل أو أقطر بشيئ من الدواء فی عينه لا يفسد الصوم عند نا وإن وجد طعم ذلک فی حلقه. (الفتاویٰ التاتار خانية، الفصل الرابع فی مايفسد الصوم، زكريا ٣/ ٣٧٩، رقم: ٤٦٣٠)

ولو أقطر شيئا من الدواء فی عينه لا يفطر صومه عندنا، وإن وجد طعمه فی حلقه. (هنديه، زكريا ١/ ٢٠٣، جديد مكتبه زكريا ١/ ٢٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ۹/ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۱۸۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/ ۹/ ۱۴۱۳ھ

کیا کان میں دوا ڈالنا مفسد صوم ہے؟

سوال: [۵۲۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کان میں دواڈالنا مفسد صوم ہے یا نہیں؟ جدید تحقیقات یوں کہتی ہے، کہ کان میں کوئی ایسا منفذ نہیں ہے، جس سے کان میں ڈالی ہوئی دوا جوف دماغ تک پہونچے تو کیا اب اس تحقیق کے مطابق یہ کہا جائے گا کہ کان میں دواڈالنا مفسد صوم نہیں ہے جبکہ قدیم فقہاء اس کو مفسد صوم کہتے ہیں۔

المستفتي: عمران بہاری، انکلیشور، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کان میں تیل یا دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور جدید تحقیق سے جو روزہ کا نہ ٹوٹنا ثابت کیا جاتا ہے، اس کا اعتبار نہیں اور قدیم فقہاء کی محتاط رائے وہی ہے جو اوپر درج کی گئی ہے، اسی پر فتویٰ ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۲/۸۷)

ومن احتقن أو استعّط أو أقطر فی أذنه دهنا أفطر ولا كفارة عليه الخ. (هدايه ، كتاب الصوم ، باب مايوجب القضاء والكفارة ، اشرفی ديوبند ۱/ ۲۲۰، مكتبه بلال ديوبند ۱/ ۴۳۷، مراقی الفلاح ، دارالكتاب ديوبند/ ۶۷۲، مجمع الأنهر ، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۵۶)

إذا استعّط أو أقطر فی أذنه إن كان شئيا يتعلق به صلاح البدن نحو الدهن والدواء يفسد صومه من غير كفارة ، وإن كان شيئاً لا يتعلق به صلاح البدن كالماء ، قال مشائخنا : ينبغی أن لايفسد صومه . (الفتاویٰ التاتارخانية، زكريا ۳/۳۷۷، ۴۶۲۰، الدر المختار مع الشامی ، كراچی ۲/ ۴۰۲، زكريا ۳/ ۳۷۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۶۴)

روزہ کی حالت میں خون دینا

سوال: [۴۷۵۳]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر میں روزہ دارہوں اورروزہ کی حالت میں کسی کوخون نکلوا کردوں تو میرا روزہ ٹوٹ جائے گا نہیں؟

المستفتي: مزمل الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: روزہ کی حالت میں خون نکلوانا مفسد نہیں البتہ اگرایسے ضعف کا خطرہ ہو کہ روزہ کی طاقت نہ رہے گی ،تو اس صورت میں مکروہ ہے ۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۴۲۵)

عن ابن عباس أنه ذكر عنده الوضوء من الطعام ، قال الأعمش : مرة والحجامة للصائم فقال: إنماالوضوء ممايخرج وليس ممايدخل ،وإنما الفطر ممادخل وليس مماخرج. (السنن الكبرىٰ للبيهقى ، دارالفكر بيروت ٦/ ٣١٢، رقم: ٨٣٤٦)

عن ثابت البناني قال: سئل أنس بن مالک أكنتم تكرهون الحجامة للصائم؟ قال: لا ، إلا من أجل الضعف. (صحيح البخارى ، الصوم ، باب الحجامة والقيئى للصائم ١/ ٢٦٠، رقم:١٨٩٩، ف: ١٩٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/۴/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۴/ ۶۰۷)

روزہ کی حالت میں بدن میں خون یا گلوکوز چڑھانا

سوال: [۴۷۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ روزہ کی حالت میں خون چڑھانا جائز ہے یانہیں؟ اسی طرح کمزوری کی وجہ سے گلوکوز چڑھانا جائز ہے یانہیں؟

المستفتي: احسان الحق قاسمی ، سیتاپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: روزہ کی حالت میں بدن میں خون چڑھوانا جائز ہے، اسی طرح گلوکوز چڑھوانا بھی جائز ہے، اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا کیوں کہ روزہ معدہ یا دماغ میں کسی چیز کے داخل ہونے سے ٹوٹتا ہے اور بدن کے کسی راستے سے پیٹ میں کوئی چیز پہونچانے سے ٹوٹتا ہے، مثلاً: سبیلین سے یا منھ سے ناک سے کان سے کوئی چیز داخل کی جائے، تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور بدن میں خون چڑھوانے سے خون دماغ یا معدہ میں داخل نہیں ہوتا ہے، بلکہ رگوں کے واسطے سے جسم میں پہنچتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۰/۱۴۶، میرٹھ ۱۵/۱۷۲، امداد الفتاویٰ ۲/۱۴۴، احسن الفتاویٰ ۴/۴۳۲)

وأما ما وصل إلى الجوف أو إلىٰ الدماغ عن غير المخارق الأصلية بأن داوى الجائفة والآمة فإن داواها بدواء يابس لايفسد – وإن داواها بدواء رطب يفسد عند أبي حنيفة وعندهما لا يفسد هما اعتبر المخارق الأصلية لأن الوصول إلىٰ الجوف من المخارق الأصلية متيقن به ومن غيرها، مشكوك فيه فلا نحكم بالفساد مع الشک. (بدائع الصنائع، كتاب الصوم، مفسداته زكريا ٢/٢٤٣)

هذا يدل على أن استقرار الداخل فى الجوف شرط فساد الصوم. (بدائع الصنائع، زكريا ٢/٢٤٤)

ومايدخل من مسام البدن من الدهن لايفطر. (هنديه، زكريا ١/٢٠٣، جديد زكريا ديوبند ١/٢٦٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍صفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۵۴)

روزہ کی حالت میں انجکشن لگا کر ڈاڑھ نکالنا

سوال: [۴۷۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ روزہ

کی حالت میں ڈاڑھ نکلوانا درست ہے یا نہیں؟ جبکہ ڈاڑھ نکالنے سے پہلے مسوڑھے میں انجکشن بھی لگاتے ہیں، اور جب ڈاڑھ نکل جاتی ہے،تو خون بھی نکلتا ہے؟

المستفتي: عبداللہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق : روزہ کی حالت میں ڈاڑھ نکالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا بشرطیکہ خون حلق میں نہ گیا ہو، اور روزہ کی حالت میں انجکشن لگانا بھی جائز ہے، لہٰذا مسوڑھے میں جو انجکشن لگایا گیا ہے، اس کی وجہ سے روزہ میں کوئی فرق نہیں آیا، نیز خروج دم بھی ناقض صوم نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/۴۱۴، ایضاح المسائل/۸۵، احسن الفتاویٰ ۴/ ۴۳۷)

خرج الدم من بين أسنانه ودخل حلقه ومن هذا يعلم حكم من قلع ضرسه في رمضان ودخل الدم إلىٰ جوفه فى النهار ولونائماً فيجب عليه القضاء. (شامی، زکریا ۳/۳٦۸، کراچی ۲/۳۹٦)

الدم إذا خرج من الأسنان ودخل حلقه إن كانت الغلبة للبزاق لا يضره ،وإن كانت الغلبة للدم يفسدصومه. (هنديه زكريا ۱/۲۰۳، خانيه هامش الهنديه زكريا ۱/۲۰۸، هنديه جديد زكريا ديوبند ۱/۲٦٦)

وأما ماوصل إلىٰ الجوف أو إلى الدماغ من غير المخارق الأصلية – وإن داواها بدواء رطب يفسد عند أبى حنيفة وعندهما لا يفسد هما اعتبرا المخارق الأصلية لأن الوصول إلىٰ الجوف من المخارق الأصلية متيقن به وعن غيرهما مشكوك فيه فلا نحكم بالفسادمع الشك. (بدائع الصنائع ، زكريا۲/۲٤۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲٦ر صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۵۵)

روزے کی حالت میں آپریشن کرانا

سوال: [۴۷۵۶]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ روزے کی حالت میں آپریشن کرانے سے روزہ باقی رہے گا یا ختم ہوجائیگا، اوراس آپریشن میں اس کے منھ میں کوئی چیز نہیں گئی؟

المستفتي: ربیع الاسلام، ضلع جلپائی گڑی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روزے کی حالت میں آپریشن کرانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، کیونکہ روزے میں معدے کے اندرکوئی چیز داخل ہونے سے روزہ ٹوٹتا ہے، اورآپریشن میں کوئی چیز معدے میں نہیں گئی ہے۔ (مستفاد: محقق ومدلل جدید مسائل/۱۸۲)

ولوشد الطعام بخيط وأرسله في حلقه وطرف الخيط في يده لا يفسد الصوم إلا إذا انفصل. (البحر الرائق، مكتبه زكريا ٢/٤٨٧، البحرالرائق، كوئٹه ٢/٢٧٩)

وكذا لو ابتلع خشبة أي عودا من خشب إن غاب في حلقه أفطر وإلا فلا – مفاده – وهو أن مادخل في الجوف إن غاب فيه فسد وهو المراد بالاستقرار، وإن لم يغب بل بقي طرف منه في الخارج أو كان متصلاً بشيئ خارج لا يفسد لعدم استقراره. (شامی، زكريا ٣/٣٦٩، كراچی ٢/٣٩٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۶۱۵/۴۱)

حالت صوم میں ڈائیلیسس کرانا

سوال: [۴۷۵۷]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ روزہ کی حالت میں ڈائیلیسس کرانا جائز ہے یانہیں؟ اور ڈائیلیسس میں مشین کے ذریعہ سے

خون کی صفائی ہوتی ہے، کوئی خارجی چیز بدن میں اس طرح داخل نہیں کی جاتی ہے، جو بدن کے اندر رہ جائے یا اسکے ذریعہ سے روزہ دار کو کسی طرح کا غذائی فائدہ ہوتا ہو، اسلئے مفتی صاحب سے گزارش ہے کہ اسکے بارے میں حکم شرعی واضح فرمادیں؟

المستفتي: سمیع الدین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: روزہ کی حالت میں ڈائیلیسس کرانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اور ڈائیلیسس کی دو شکلیں ہیں۔

(۱) ڈائلیسس کی ایک شکل یہ ہوتی ہے، کہ بدن کے اندر کا خون مشین اپنے اندر کھینچ کرلے لیتی ہے، پھر اسی خون کو صاف کرتی ہوئی دوسری طرف سے بدن کے اندر داخل کرتی جاتی ہے، اور یہی شکل عام طور پر رائج ہے۔

(۲) ڈائیلیسس کی دوسری شکل یہ ہوتی ہے کہ بدن کی کھال کاٹ کر اسکے اندر ایک تھیلی جیسی رکھدی جاتی ہے، اور تھیلی کے پائپ کا منھ بدن کے باہر ہوتا ہے، اور پائپ کے منھ کے ذریعہ سے اس تھیلی کے اندر کیمیکل ڈالدیا جاتا ہے، پھر بارہ گھنٹہ کے اندر یہ کیمیکل خون کے خراب مادہ کو اپنے اندر جذب کرتا جاتا ہے، اور بارہ گھنٹہ کے بعد یہ کیمیکل جس نے خراب مادہ کو اپنے اندر جذب کیا ہے، اسی پائپ کے راستہ سے نکال لیا جاتا ہے، پھر اسے نکالنے کے بعد نیا کیمیکل اس میں ڈالدیا جاتا ہے، اور یہ کیمیکل بارہ گھنٹہ میں اپنا کام کرلے گا، ڈائیلیسس کی یہ شکل بہت ہی کم رائج ہے، اسلئے کہ اس شکل میں بہت زیادہ پیسہ خرچ ہوتا ہے، ڈائیلیسس کی ان دونوں شکلوں پر غور کرنا ہے کہ ان میں مفسد صوم یعنی روزہ کو فاسد کرنے والا کوئی عمل پایا گیا یا نہیں؟ تو ظاہر بات ہے کہ بدن کے فطری راستہ میں سے کسی راستہ کے ذریعہ سے اندر کوئی چیز نہیں پہنچائی گئی، اسلئے ڈائیلیسس کی دونوں شکلیں روزہ کی حالت میں جائز ہیں، ان میں سے کوئی بھی شکل روزہ کی حالت میں اختیار کی جائے روزہ فاسد نہیں ہوگا، بدستور باقی رہے گا۔

وأما ما وصل إلىٰ الجوف أو الدماغ عن غير المخارق الأصلية بأن داوى الجائفة والآمة فإن داواها بدواء يابس لا يفسد لأنه لم يصل إلىٰ الجوف ولا إلىٰ الدماغ. (بدائع الصنائع، زكريا ۲/ ۲۴۳)

ومفاده أن استقرار الداخل في الجوف شرط للفسادأى مفاد ماذكر متناو شرحاً وهو أن مادخل في الجوف إن غاب فيه فسد وهو المراد بالاستقرار وإن لم يغب بل بقي طرف منه في الخارج أو كان متصلاً بشيئى خارج لايفسد لعدم استقراره. (شامی، زکریا ۳/ ۳۶۹، کراچی ۲/ ۳۹۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۲/۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۴۵/۴۰)

بحالت صوم پتّہ کا آپریشن

سوال: [۴۷۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ روزہ کی حالت میں پتہ کا آپریشن کرکے پتہ نکالنا جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا اس سے روزہ ٹوٹے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روزہ کی حالت میں پتہ کا آپریشن جائز ہے، اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا؛ کیونکہ روزہ معدہ میں کسی چیز کے جانے سے ٹوٹتا ہے اور اس آپریشن میں معدہ میں کوئی چیز نہیں پہنچتی۔

وأكثر المشائخ اعتبروا الوصول إلىٰ الجوف في الجائفة والآمة ، إن عرف أن اليابس وصل إلىٰ الجوف يفسد صومه بالاتفاق ، وإن لم يعرف أن الرطب لايصل إلىٰ الجوف لا يفسد. (الفتاوى التاتار خانية، زكريا ۳/ ۳۷۹، رقم: ۴۶۲۹)

وفي دواء الجائفة والآمة أكثر المشائخ علىٰ أن العبرة للوصول إلىٰ

الجوف أو الدماغ لالكونهٖ رطباً أو يابساً. (هنديه، زكريا ١/٢٠٤، بدائع قديم ٢/٩٣، زكريا ٢/٢٤٣، جديد مكتبه زكريا ١/٢٦٦، شامي زكريا ٣/٣٧٦، كراچی ٢/٤٠٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۲/۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۵۳)

حالت صوم میں پھیپھڑے سے پانی نکالنا

سوال: [۴۷۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حالت صوم میں پھیپھڑے سے پانی نکالنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: روزہ کی حالت میں پھیپھڑے سے پانی نکالنا جائز ہے، اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیوں کہ روزہ معدہ میں کسی چیز کے داخل ہونے سے ٹوٹتا ہے، اور پھیپھڑے سے پانی نکالنے میں معدہ کا کوئی واسطہ نہیں ہے، اور اس سے معدہ وپھیپھڑے میں کوئی چیز داخل نہیں ہوتی، بلکہ اس سے نکالی گئی ہے، اسلئے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ (مستفاد: محقق ومدلل جدید مسائل/۱۸۲)

لو ابتلع خشبة أو خيطاً ولو فيه لقمة مربوطة إلا أن ينفصل منها بشيئ ومفاده أن استقرار الداخل فى الجوف شرط للفساد (تحته فى الشامى) مفاده أى مفاد ذكر متنا وشرحا وهو أن مادخل فى الجوف إن غاب فيه فسد وهو المراد بالاستقرار، وإن لم يغب بل بقى طرف منه فى الخارج أوكان متصلاً بشيئى خارج لا يفسد لعدم استقرارهٖ. (شامی، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسد زكريا ٣/٣٦٩، كراچی ٢/٣٩٧)

والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ. (شامی، زكريا ٣/٣٦٧، كراچی ٢/٣٩٥)

فساد الصوم متعلق بالدخول شرعاً . (بدائع الصنائع، زكريا٢/٢٤٢)

هذا يدل على أن استقرار الداخل فى الجوف شرط فسادالصوم .
(بدائع الصنائع ، زكريا ٢/٢٤٤)

عن ابن عباس رضى الله عنه أنه ذكر عنده الوضوء من الطعام قال الأعمش مرة : والحجامة للصائم ،فقال: إنما الوضوء مما يخرج وليس مما يدخل و إنما الفطر مما دخل وليس مما خرج. (سنن كبرى بيهقى، دارالفكر بيروت٦/٢/٣١٢، رقم: ٨٣٤٦، مصنف ابن ابى شيبة ،موسسه علوم القرآن بيروت٤/٢١٦، رقم: ٩٤١١، مجمع الزوائد دارالكتب العلمية بيروت٣/١٦٧)

قال ابن عباس وعكرمة الفطر مما دخل وليس مما خرج وكان ابن عمر يحتجم وهو صائم . (صحيح البخارى ، كتا ب الصوم ، باب الحجامة والقيئ للصائم الخ ـ١/ ٢٦٠) *فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم*

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۹۴/۴۰)

روزہ کی حالت میں انہیلر کا استعمال

سوال: [۴۷۶۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں تنفس (دمہ) کا مریض ہوں تقریباً تیس (۳۰) سال سے مجھے یہ مرض لاحق ہے ابتداءً یہ ایک موسمی مرض تھا، یعنی صرف موسم سرما میں لاحق ہوتا تھا اور اثناءِ مرض دوا استعمال کرنے اور ٹھنڈی چیزوں سے پرہیز کرتے رہنے سے رفتہ رفتہ کم ہوجاتا تھا، حقیقت میں غذائی اشیاء میں بعض چیزیں طبیعت کے لئے ناموافق بن جانے سے غذا جز وبدن نہ بن کر بلغمی رطوبات بن جانے سے یہ مرض پیدا ہوتا ہے۔

جوں جوں عمر بڑھتی جارہی ہے، اورقوت مدافعت کم ہوتی جارہی ہے، یہ مرض موسمی نہ

رہا بلکہ سال بھر وقتاً فوقتاً حملہ کرتا رہتا ہے، علاوہ ازیں اب کوئی دوا بھی مفید ثابت نہیں ہوتی ہے، بلکہ تنفس کم ہونے کیلئے دوا کھائی جاتی ہے،تو دوسری مختلف قسم کی بیماریاں مثلاً کھجلی وغیرہ پیدا ہوجاتی ہیں، اور نئے امراض کے دفعیہ کیلئے دوا کھاتا ہوں تو پھر تنفس غالب ہوجاتا ہے، اور طبیعت کا توازن ہی اب قائم نہ رہا۔

ایسی صورت میں صرف ایک دوا جس کو انگریزی میں (INHALER) انہیلر کہا جاتا ہے، کچھ وقتی فائدہ دیتی ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ انگریزی دواؤں کا مرکب ایک ڈبہ میں رکھا ہوا ہے اور تنفس کے غلبہ کے وقت پمپ مارنے سے دوا ہوا بن کر منھ کے ذریعہ پھیپھڑے کو پہونچ جاتی ہے، اور بلغم ہٹ کر دم لینے میں سہولت ہوجاتی ہے، باقی اس سے معدہ کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا، اگر یہ دوا پمپ کے ذریعے نہ پہونچائی جائے تو معمولی نہیں بلکہ انتہائی تکلیف کے ساتھ سانس لینا پڑتا ہے۔

یہ تنفس روزہ کی حالت میں بھی جیسا کہ اوپر کی تفصیل سے واضح ہوتا ہے،حملہ کرتا ہے، اور روزہ کی حالت میں ایک دومرتبہ پمپ کے ذریعہ پھیپھڑے کو دوا نہ پہونچائی جائے تو روزہ میں بڑی دقت ہوتی ہے، بلکہ جان کا بھی خطرہ ہے، حقیقت میں یہ دوا معدہ تک نہیں جاتی بلکہ صرف پھیپھڑے کے اندر جاکر کام کرتی ہے، جیسا کہ اس سے ملحق کاغذ کے نقشہ سے پتہ چلتا ہے۔

(۱) اب سوال یہ ہے کہ مجھ جیسے مریض کیلئے روزہ کی حالت میں ایک دومرتبہ انتہائی مجبوری کے سبب پمپ کے ذریعہ دوا پہونچا کر روزہ کو مکمل کرنا جائز ہے یا اس طرح کرنے سے روزہ فاسد ہوکر مجبوری کے سبب سے فدیہ دیدینا کافی ہے؟

(۲) میری عمر تقریباً پچپن (۵۵) سال کی ہے، بلوغ کے بعد سے تقریباً اب تک غفلت یا مرض کے سبب بہت سے روزے فوت ہوگئے ہیں، اندازاً بیس سال کے روزوں کی قضا لازم ہے، ایسی صورت میں مجھ پر ان تمام کا فدیہ اب دینا لازم ہے یا نہیں؟ جبکہ میں ایک اسکول میں بحیثیت ٹیچر ایک ملازم ہوں اور ماہانہ تقریباً پانچ ہزار روپئے کی آمدنی ہے۔

المستفتي: فضل الرحمٰن غفر اللہ لہٗ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: انہیلر کے ذریعہ سے دمہ کے مرض میں پھیپھڑے سے سانس کے آنے جانے کی نالی کھل جاتی ہے، اور آسانی کے ساتھ اسکے ذریعہ سے سانس جاری ہوجاتا ہے، اور دمہ کے مریض کی اس کے استعمال کے بغیر خطرناک حالت ہوجاتی ہے، اوراس کے استعمال کے بغیر روزہ رکھنا اسکے لئے ممکن نہیں ہے، تو ایسی مجبوری کی صورت میں اگر وہ صاحب استطاعت ہے، تو انہیلر کے استعمال کے ساتھ روزہ بھی رکھے اور احتیاطاً فدیہ بھی دیتا رہے، اور اگر صاحب استطاعت نہیں ہے، تو انہیلر کے استعمال کے ساتھ روزہ رکھتا رہیگا، اور روزہ ترک نہ کرے جیسا کہ سلسل البول اور انفلات ریح کی حالت میں مجبوری کی وجہ سے نماز پڑھنا جائز ہوجاتا ہے، حالانکہ خروج ریح اور خروج بول دونوں کی وجہ سے نماز اور وضو دونوں فاسد ہوجاتے ہیں، مگر مجبوری کی وجہ سے اس کے لئے جائز قرار دیئے گئے ہیں، اور انہیلر کا استعمال ایسا ہے، جیسا کہ تیز خوشبو کا استعمال ہے، جیسے تیز خوشبو دل و دماغ ہر جگہ محسوس ہوتی ہے، اور بعض دفعہ تیز خوشبو کے استعمال سے آدمی نزلہ کا مریض ہوجاتا ہے، مگر اس کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا ایسا ہی انہیلر کا استعمال بھی ہے، کہ اس سے صرف سانس کی نالی کھل جاتی ہے، جوف معدہ سے اسکا تعلق نہیں ہوتا ہے، بلکہ صرف پھیپھڑے تک محدود رہتا ہے، اس لئے دمہ کے مریض کیلئے اسکے استعمال کے ساتھ روزہ رکھنے کی گنجائش ہے، اور بلوغ کے بعد سے جتنے روزہ غفلت یا مرض کی وجہ سے فوت ہوگئے ہیں، ان سب روزوں کی قضاء لازم ہے اور ان روزوں کی قضاء کرتے ہوئے اگر انہیلر کے استعمال کی ضرورت پڑے تو اس کی گنجائش ہے۔

وصاحب عذر من به سلس البول أو استطلاق بطن أو انفلات ريح أو استحاضة إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة بأن لايجد في جميع وقتها زمناً يتوضأ ويصلي فيه خالياً عن الحدث، وحكمه الوضوء لكل فرض ثم يصلي به فيه فرضاً ونفلاً. (شامی، کتاب الطهارة، باب الحيض،

کراچی ۱/۳۰۵، زکریا ۱/۵۰۴،۵۰۵)

وأما صاحب الجرح الذی لا یرقأ ومن به سلسل البول والمستحاضة وکذامن به الرعاف الدائم وانفلات الریح ، واستطلاق البطن یتوضأون لکل صلاة...... فیصلون بذلک الوضوء فی الوقت ماشاء وا من الفرائض والنوافل . (حلبی کبیر، اشرفیه یوبند/۱۳۳، مجمع الانهر ، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۸٤)

مریض مجروح تحته ثیاب نجسة إن کان بحال لا یبسط تحته إلا تنجس من ساعته له أن یصلی علیٰ حالهٖ. (شامی،کراچی ۱/۳۰۷، زکریا ۱/۵۰۷، سراجیه/۱۱٤)

إذا دخل الدخان أوالغبار أو ریح العطر أو الذباب حلقه لا یفسد صومه . (قاضی خان علی الهندیة، کتاب الصوم ، الفصل الخامس فی مالا یفسد الصوم، زکریا۱/۲۰۸، جدید زکریا ۱/ ۱۳۰)

لایکره للصائم شمّ رائحة المسک والورد ونحوه ممالا یکون جوهراً متصلاً کالدخان . (مراقی الفلاح مع حاشیة الطحاوی ، دارالکتاب دیوبند/٦٥٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍رجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۷۷۴)

بحالت صوم دمہ کے مریض کا انہیلر استعمال کرنا

سوال: [۴۷۶۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری عمر ستر سال ہے، اور میں دمہ کا مریض ہوں تو کیا میں روزہ کی حالت میں ''انہیلر'' استعمال کرسکتا ہوں یا نہیں؟ سوالنامہ کے ساتھ دوا کی تفصیلات منسلک ہیں؟

المستفتي: شفیع الدین، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جوآدمی دمہ کا مریض ہے، اور مرض کا سلسلہ تسلسل کیساتھ جاری ہے اور مرض سے شفایاب ہوکر روزوں کا اطمینان کیساتھ صحت کی حالت میں قضا کرنے کی امید بھی نہیں ہے، اور آکسیجن استعمال کرنے سے سانس کی نالی کھل جاتی ہے، اور روزہ رکھنے کی قوت باقی رہتی ہے، تو ایسے لوگوں کیلئے آکسیجن استعمال کرنے کے ساتھ روزہ رکھنے کو احقر جائز سمجھتا ہے، اور جن لوگوں نے اس کو ناجائز کہا ہے، احقر کو ان کی رائے سے اتفاق نہیں ہے، اور احقر دووجہوں سے اس کو جائز سمجھتا ہے۔

(۱) اس آکسیجن کا استعمال کرنا اس تیز عطر کے استعمال کے مثل ہے جس عطر کے استعمال سے حساس آدمی کو نزلہ وکھانسی شروع ہو جاتی ہے، ایسا ہی آکسیجن کو استعمال کرنیکی وجہ سے سانس کی نالی کھول کر دل ودماغ میں ایسا تاثر پیدا کرتا ہے جیسا کہ اس تیز عطر سے پیدا ہوتا ہے، اور تیز عطر کا سونگھنا روزہ کی حالت میں بلاعذر سب کے نزدیک جائز ہے، لہٰذا عذر کیوجہ سے اس آکسیجن کا استعمال بھی درست ہوگا۔

إذا دخل الدخان أو الغبار أو ریح العطر أو الذباب حلقه لا یفسد صومه. (قاضی خان علی الهندیة، کتاب الصوم، الفصل الخامس فی مالا یفسد الصوم، زکریا ۱/ ۲۰۸، جدید زکریا ۱/ ۱۳۰)

اور جواز کی دوسری وجہ یہ ہے کہ خروج ریح پوری امت کے نزدیک ناقض وضو ہے اسی طرح خروج بول بھی پوری امت کے نزدیک ناقض وضو ہے مگر سلسل البول کے مریض اور انفلات ریح کے مریض کو شریعت نے اس کی خروج ریح کی حالت میں اور خروج بول کی حالت میں نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے، ایسا ہی اگر کسی کے نزدیک آکسیجن کا استعمال کرنا ناقض صوم ہے، تو ''مرض دمہ'' کے عذر کی وجہ سے انفلات ریح اور سلسل البول والے کی طرح آکسیجن استعمال کر کے اس کیلئے روزہ رکھنا جائز ہوگا۔

وصاحب عذر من به سلس البول أو استطلاق بطن أو انفلات ريح أو استحاضة إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة بأن لايجد فى جميع وقتها زمناً يتوضأ ويصلى فيه خالياً عن الحدث، وحكمه الوضوء لكل فرض ثم يصلى به فيه فرضاً ونفلاً . (شامی، کتاب الطهارة ، باب الحيض ، کراچی ۱/۳۰۵، زکریا ۱/۵۰۵)

وأما صاحب الجرح الذى لا يرقأ ومن به سلس البول والمستحاضة وكذامن به الرعاف الدائم وانفلات الريح ، واستطلاق البطن يتوضأون لكل صلاة ...... فيصلون بذلك الوضوء فى الوقت ماشاء وا من الفرائض والنوافل. (حلبی کبیر، اشرفیه یوبند/۱۳۳، مجمع الانهر ، دارالکتب العلمية بيروت ۱/۴۸)

مريض مجروح تحته ثبات نجسة إن كان بحال لا يبسط تحته إلا تنجس من ساعته له أن يصلى على حاله. (شامی،کراچی ۱/۳۰۷، زکریا ۱/۵۰۷، سراجیه/۱۱۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ رشعبان ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۹۹/۳۸)

کیا زبان کے نیچے دوا رکھنا مفسد صوم ہے؟

سوال: [۴۷۶۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کی عمر ۲۷ رسال ہے اور طبیعت بھی خراب رہتی ہے، معمولاً دوا لینی پڑتی ہے بائیں جانب دل کے پاس روزانہ درد ہوتا ہے، اور کبھی کبھی سر میں بھی درد ہوتا ہے، چنانچہ ڈاکٹر نے ایک زود اثر دوا تجویز کی ہے جسے زبان کے نیچے رکھا جاتا ہے، اور اس سے درد کو آرام مل جاتا ہے، اور دوا گھل کر اندر چلی جاتی ہے، اگر دوا نہ لی جائے تو درد میں شدت ہو جاتی ہے، اور عادۃً روزانہ کم از کم دو تین مرتبہ یہ کیفیت ہوتی ہے، اور دوا لینی پڑتی ہے، اس طرح روزہ

کی حالت میں دوا لینے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں دو عالموں کی دو الگ الگ رائے ہیں ایک صاحب کہتے ہیں کہ روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، اور دوسرے صاحب کی رائے یہ ہے کہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اول الذکر عالم اسے قیاس کرتے ہیں، اس عورت کے اوپر جسے اپنے شوہر سے غیض وغضب کا اندیشہ ہوا سے روزے کی حالت میں نمک چکھ کر تھوک دینے کی اجازت ہے اور بچے کو چبا کر دینے کی اجازت پر قیاس کرتے ہیں، اور ثانی الذکر عالم اس قیاس کو قیاس مع الفارق قرار دیتے ہیں، اور فساد صوم کے قائل ہیں، آپ سے گذارش ہے کہ جو بات شرعاً درست ہو مدلل ومفصل تحریر فرمائیں؟

المستفتي: محمد ناصر، پکاباغ، گلشہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روزہ فاسد ہونے کیلئے لازم ہے، کہ انسان کے منفذ کے ذریعہ سے کوئی چیز پیٹ میں پہونچ جائے مثلاً: حلق، کان، یا ناک کے راستہ سے یا پیشاب پاخانہ کے راستہ سے اور ان کے علاوہ مسامات کے ذریعہ سے جو چیزیں بدن میں پھونچتی ہیں، ان سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے، چاہے مسامات کے واسطے سے نسوں میں پہونچ جائے اور اس سے انسان کو طاقت ملتی ہو روزہ نہیں ٹوٹے گا، جیسا کہ انجکشن اور گلوکوز کی بوتل کے ذریعہ سے دوا پہونچتی ہے، مگر اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، اور منھ کے اندر کا حصہ شریعت میں روزہ کے مسئلہ میں باہر کا حکم رکھتا ہے، اسلئے پانی سے کلی کرنے کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے اسی طرح پیپسی اور لیمن وغیرہ کے ذریعہ سے کلی کرکے پھینک دیا جائے تب بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا اور ٹھنڈے پانی سے کلی کرنے کی وجہ سے زبان ڈاڑھ اور پورے منھ میں ٹھنڈھک کا احساس ہوتا ہے، اور لیمن وغیرہ کے ذریعہ کلی کرنے کی وجہ سے اس کا پورا ذائقہ محسوس ہوتا ہے، مگر حلق کے اندر ان میں سے کوئی چیز نہیں پہونچتی تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا بس اس میں شرط یہ ہے کہ ان میں سے کوئی چیز حلق کے راستہ سے اندر کی طرف نہ پہونچنے پائے، اسی وجہ سے عورت کیلئے سالن کا ذائقہ چکھ کر تھوک دینا جائز ہے اس سے

روزہ میں کوئی فرق نہیں آئے گا،لہٰذا اگر کوئی شخص ایسے مرض میں مبتلا ہے کہ آئندہ بالکل تندرست ہوکر روزہ کی قضاء کرنے کی امید نہیں ہے،مگر زبان کے نیچے دوا رکھ دی جائے تو اس کو روزہ کی طاقت ملتی ہے،اوراس کے بغیر روزہ رکھنا ممکن نہیں ہےاور حلق کے راستہ سے دوا کے اثرات پیٹ میں نہیں پہونچتے ،تو ایسے شخص کیلئے زبان کے نیچے دوا رکھ کر روزہ کا فرض ادا کرنا شرعاً جائز ہوگا،لیکن شرط یہ ہے کہ حلق کے راستہ سے دوا کا ذائقہ پیٹ میں نہ پہونچنے پائے بلکہ زبان کے مسامات کے ذریعہ سےاس کے بدن میں پھیلتا ہو،نیز خروج ریح کی وجہ سے وضوٹوٹ جاتا ہے،مگر کوئی شخص ایسا ہے جو انفلات ریح کا مریض ہےتواس کیلئے ہر نماز کے واسطے نیا وضو کر کےاسی حالت میں نماز پڑھنا جائز ہےچاہےنماز کی حالت میں مسلسل خروج ریح ہوتا رہتا ہو،اسی طرح سلسل البول کا مریض ہےاور خروج بول ناقض وضو ہے ،مگر اس شخص کیلئے اسی حالت میں نماز پڑھنا جائز ہے،خواہ نماز کی حالت میں پیشاب کے قطرات مسلسل نکلتے رہتے ہوں،اسی طرح مذکورہ آدمی کیلئے زبان کے نیچے دوا رکھی ہوئی حالت میں روزہ کا فریضہ ادا کرنا بھی جائز ہے،جیسا کہ فقہاء کی اس طرح کی عبارات سے واضح ہے۔

لأن الموجود فی حلقه أثر داخل من المسام الذی هو خلل البدن ، والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ . (شامی، کتاب الصوم ، باب مایفسد الصوم، ومالا یفسد ،رکراچی ۲/۳۹۵، زکریا ۳/۳۶۷)

ومـا یـدخل من مسام البدن من الدهن لایفطر . (هـندیه ، زکریا ۱/۲۰۳، جدید زکریا ۱/۲۶۶)

والـداخـل من المسام لامن المسالک فلا ینافیه . (البحرالرائق، ،زکریا دیوبند۲/۴۷۶، کوئٹه۲/۲۷۳)

والـداخـل مـن الـمسـام لاینافی کمالو اغتسل بالماء البارد. (هدایه ، اشرفی دیوبند۱/۲۱۷)

لأن الـفـم لـه حـکـم الظاهر حتی لایفسد صومه بالمضمضة . (هدایه،

اشرفی دیوبند ۱/۲۱۸، مستفاد: فتاویٰ محمودیه جدید ۱۰/۱۴۹، کتاب الفتاویٰ ۳/۳۹۲)

إن كـان زوجها سيئ الخلق ، بذى اللسان يضايقها فى ملوحة الطعام فلا بأس به . (الفتاویٰ التاتار خانية ، زکریا ۳/۳۹۶، رقم: ٤٦٨٥)

اب اس وضاحت کے بعد ہم کوسوالنامہ میں پیش کردہ معارضہ میں اس عالم کی بات درست معلوم ہوتی ہے، جنھوں نے عورت کیلئے سالن کا نمک اور ذائقہ چکھنے کی اجازت کو استدلال میں پیش کیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رشعبان ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۷۸۱/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۸/۶ھ

کیا کانچ کو اندر داخل کرنے سے روزہ فاسد ہوجائیگا

سوال: [۴۷۶۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کو ایک خاص بیماری ہے جس کو عامۃً کانچ کہتے ہیں، جوکہ پاخانہ کے مقام سے باہر آتی ہے، تو اب زید حاجت کے بعد اس کو پانی سے صاف کرکے اندر کرتا ہے تو کانچ سے لگا ہوا پانی اندر ہی رہ جاتا ہے، تو کیا اس سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟ اور یہ مرض بھی ایسا ہے کہ بغیر اندر کئے ہوئے اندر خود دخول ہی نہ ہوگا، اگر وہ پانی سے دھلتا نہیں تو غلاظت رہ جاتی ہے؟

المستفتي: محمد عبد اللہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس کو اولاً پانی سے صاف کرنے کے بعد ہاتھ سے پانی صاف کرلیا جائے، اسکے بعد اندر داخل کردیا جائے گا، تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

خـرج سـرمـه فـغسـلـه فإن قام قبل أن ينشفه فسدصومه وإلا فلا لأن المـاء اتـصـل بـظـاهـره ثم زال قبل أن يصل إلىٰ الباطن بعود المقعدة الخ .

(شامی، کتاب الزکاۃ، باب مایفسد الصوم وما لایفسد کراچی ۲/۳۹۷، زکریا ۳/۳۶۹)

وكذا لو استنجى رجل وبالغ حتى دخل الماء باطنه، والرجل إذا تثاقل، حتى خرج إسته في حالة الاستنجاء ثم عاد إلىٰ مكانه فسد صومه إلا أن يجفف قبل أن يقوم. (الفتاویٰ التاتارخانية زكريا۳/ ۳۸۰، رقم: ٤٦٣٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶۸۸/۳۱)

بحالت صوم بواسیری مسے کو اندر داخل کرنا

سوال: [۴۷۶۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) زید کانچ کا دائمی مریض ہے، قضاء حاجت کے وقت کانچ باہر نکل آتی ہے، بعد فراغت وہ اس کو اندر داخل کرتا ہے، رمضان المبارک میں حالت روزہ میں بھی وہ یہی عمل یعنی کانچ کو دھل کر اندر داخل کرتا ہے، تو کیا اس صورت میں اس کا روزہ باقی رہے گا یا نہیں؟ اگر نہیں تو کفارہ دینا ہوگا یا نہیں؟ اگر کفارہ نہیں بلکہ قضا ہے تو معلوم یہ کرنا ہے، کہ جب وہ دائمی مریض ہے تو پھر کس طرح قضا رکھے گا، کیا اس کو کانچ کسی کپڑے سے خشک کر کے اندر داخل کرنا چاہئے، تو اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر اسکو کپڑا میسر نہیں تو پھر کیا کرے کیا کپڑے سے خشک کرنا ضروری ہے جبکہ " **لايكلف الله نفساً إلا وسعها** " موجود ہے۔

المستفتي: مولانا محمد سالم قاسمی،
مدرس جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر کانچ کی تری موضع حقنہ اور جوف معدہ تک نہیں پہونچتی ہے تو اس کے روزہ میں کوئی فرق نہیں آئے گا، اور موضع حقنہ کچھ دوری پر

ہوتا ہے، جو آنتوں سے متصل ہوتا ہے، اسلئے اگر ہاتھ سے زائد پانی زائل کرلیا جائے پھر کانچ اور بواسیری مسے کو اندر داخل کردیا جائے، تو تری کا اثر موضع حقنہ اور آنتوں تک نہیں پہونچتا ہے، اسلئے کپڑے سے خشک کرنا لازم نہ ہوگا، بلکہ صرف ہاتھ سے زائد پانی کو زائل کردینا بھی کافی ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم/۴۵۹، جدید زکریا/۴۳۵)

اور جو معمولی تری باقی رہ جاتی ہے، وہ کانچ کے اندر پہونچتے پہونچتے ختم ہوجاتی ہے، اسلئے مفسد صوم نہ ہوگا۔

وخرج سرمه فغسله إن نشفه قبل أن يقوم ويرجع لمحله لايفسد صومه لزوال الماء الذى اتصل به لأن الماء اتصل بظاهره ثم زال قبل أن يصل إلى الباطن الخ. (طحطاوى على المراقى ،كتاب الصوم ، باب مايفسد الصوم ويوجب القضاء ، جديد دارالكتاب ديوبند /٦٧٦، قديم/ ٣٧٠)

والحد الذى يتعلق بالوصول إليه الفساد قدر المحققنة الخ. (فتح القدير ، كتا ب الصوم ، باب مايوجب القضاء والكفارة ، زكريا ٢/ ٣٤٧، كراچى ٢/ ٢٦٦، دارالفكر بيروت ٢/ ٣٤٣، شامى، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم كراچى ٢/ ٣٩٧، زكريا٣/ ٣٦٩)

خرج سرمه فغسله فإن قام قبل أن ينشفه فسدصومه ، وإلا فلا ؛ لأن الماء اتصل بظاهره ثم زال قبل أن يصل إلىٰ الباطن بعود المقعد . (شامى، كتاب الصوم ، باب مايفسد الصوم ، ومالا يفسد قبيل مطلب مهم المفتىٰ فى الوقائع ، كراچى ٢/ ٣٩٧، زكريا٣/ ٣٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/۲/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳۲۶/۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۲/۱۴۱۴ھ

ناپاکی کی حالت میں روزہ رکھنے کا حکم

سوال: [۴۷۶۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کے روزہ کی نیت تھی غسل واجب ہوگیا صبح آنکھ تاخیر سے کھلی کیا روزہ رکھ لیا جائے، اب تک کچھ کھایا پیا نہیں ہے؟

المستفتي: قاضی اشرف حسین،
بھٹی اسٹریٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس سے روزہ رکھنے میں کوئی خلل نہیں ہوتا ہے، روزہ بلا کراہت درست ہو جائے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۴۱۱)

عن عائشة وأم سلمة زوجي النبى صلى الله عليه وسلم أنهما قالتا: إن كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ليصبح جنباً من جماع غير احتلام فى رمضان، ثم يصوم. (صحيح مسلم، كتاب الصيام باب صحة صوم من طلع عليه الفجر وهو جنب، النسخة الهندية ١/ ٣٥٤، رقم: ١١٠٩، ١١١٠، صحيح البخارى، كتاب الصوم، باب اغتسال الصائم١ /٢٥٨، رقم: ١٨٩١، ف: ١٩٣١، سنن أبى داؤد، كتاب الصوم، باب فيمن أصبح جنبا وهو صائم، النسخة الهندية ١/ ٣٢٤، دارالسلام رقم: ٢٣٨٩)

أو أصبح جنبا إلى قوله لم يفطر. (الدر المختار كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم، ومالا يفسده مصرى٢/ ١٣٨، كراچى ٢/ ٤٠٠، زكريا٣/ ٣٧٢)

وفى الخلاصة: إذا أصبح جنباً لايفسد صومه. (الفتاوىٰ التاتار خانية زكريا٣/ ٣٨٤، رقم: ٤٦٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ محرم الحرام ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۹۹)

روزہ کی حالت میں تھوک نگلنا

سوال: [۴۷۶۶]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب کوروزہ کی حالت میں باربارتھوک آتاہے، اوروہ اکثر اس کونگل جاتے ہیں، ایسا کرنے سے روزے میں نقص آئےگایانہیں؟ اسکے بارے میں کیافتویٰ ہے؟

المستفتي: انصارالدین صدیقی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تھوک نگلنے سے روزہ پرکوئی اثرنہیں پڑتا۔ (مستفاد: بہشتی زیور۳/۱۱)

لو جمع الريق قصداً ثم ابتلعه لايفسد صومه في أصح الوجهين.

(بزازيه على الهندية، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم، ومالا يفسد زكريا ٤/٩٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
یکم رمضان ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۸۰۸)

الجواب صحیح:
احقرمحمدسلمان منصورپوری غفرلہ
۱/۹/۱۴۱۲ھ

بحالت روزہ اگربتی جلانا

سوال: [۴۷۶۷]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں مچھر بہت ہیں اسلئے کچھواچھاپ اگربتی جلائی جاتی ہے، جس سے مچھر بھاگ جاتے ہیں، دریافت طلب امریہ ہے کہ روزے کی حالت میں اگربتی جلائی جائےتوشرعی حکم کیاہے؟ مفصل اورمدلل بیان فرمائیں نوازش ہوگی؟

المستفتي: انصارالدین صدیقی،
مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگرمچھروغیرہ کی تکلیف سےحفاظت کیلئے

اگر بتی وغیرہ جلائی جائے تو اسکی گنجائش ہے اوراس کی خوشبو محسوس ہو جانا روزہ کیلئے مضر نہیں ہے،لیکن اگر بالقصد اسکا دھواں منھ میں داخل کیا جائے تو روزہ فاسد ہو جائیگا، نیز مساجد میں محض خوشبو کیلئے اسکو جلانے سے پرہیز کرنا چاہئے ۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۱/ ۸۹، جدید ڈابھیل ۱۰/ ۱۵۷)

أو دخل حلقه دخان بلا صنعه لعدم قدرته على الامتناع عنه (إلىٰ قوله) وأنه من أدخل بصنعه دخانا حلقه بأي صورة كان الإدخال فسد صومه سواء كان دخان عنبر، أوعود ، أوغيرهما. (مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوی ، قديم /٣٦١، جديددارالكتاب ديوبند/ ٦٦٠)

أودخل حلقه غبار أو ذباب أو دخان ولو ذاكرا استحسانا لعدم إمكان التحرز عنه، ومفاده أنه لو أدخل حلقه الدخان أفطر ، أى دخان كان ولو عوداً أو عنبراً لو ذكراً لإمكان التحرز عنه . (شامی، کراچی ۲/ ۳۵۹،زکریا ۳/ ۳۶۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رمضان ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۰۸)

حالت صوم میں اگربتی اور دیگر دھوئیں کا حکم

سوال: [۴۷۶۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں رمضان میں جمعہ اوراس کے علاوہ ایام میں بھی اگر بتی مسجدوں میں جلادیا کرتے ہیں،تو اب دریافت یہ کرنا ہے کہ اگر بتی کا دھواں ناک اوراس کے واسطے سے منھ میں جانے سے روزہ ٹوٹے گا یانہیں؟ شرعی حکم کیا ہے؟ اسی طرح رمضان میں اگر عورت روزہ کی حالت میں بچوں کیلئے کھانا پکادے تو اسکے دھوئیں سے روزہ ٹوٹے گا یانہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: روزہ کی حالت میں اگربتی وغیرہ کا دھواں بالقصد سونگھنے سے روزہ فاسد ہوجائے گا، لیکن بلاقصد حلق میں چلے جانے سے روزہ فاسد نہ ہوگا، مگر پھر بھی بحالت روزہ مسجدوں وغیرہ میں اگربتی جلانے سے احتراز بہتر ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۸۶، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۱/۹۰، ۱۳/ ۱۲۸)

أو نویٰ الفطر ولم يفطر لعدم الفعل أو دخل حلقه دخان بلا صنعه لعدم قدرته على الامتناع عنه (إلیٰ قوله) وأنه من أدخل بصنعه دخانا حلقه بأی صورة كان الإدخال فسد صومه سواء كان دخان عنبر وعود أو غيرهما.

(مراقی الفلاح مع الطحطاوی، کتاب الصوم، باب فی بیان مالا یفسد الصوم قدیم /۳۶۱، جدید دارالکتاب دیوبند/ ٦٦٠، درمختار مع الشامی ، کراچی ۲/۳۹۵، زکریا ۳/۳٦٦)

اور یہی حکم اس روزہ دار عورت کا ہے، کہ جو اپنے بچوں کیلئے بوقت ضرورت کھانا تیار کرے کہ اس میں چونکہ دھواں حلق میں داخل کرنے کا قصد نہیں ہوتا اور اس سے بچنا بھی ممکن نہیں، اسلئے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

أو نویٰ الفطر ولم يفطر لعدم الفعل أو دخل حلقه دخان بلاصنعه لعدم قدرته على الامتناع عنه فصار كبلل بقى فى فمه بعد المضمضة .

(مراقی الفلاح مع الطحطاوی، قدیم /۳٦۱، جدید دارالکتاب دیوبند/ ٦٦٠، الدر المختار مع الشامی کراچی ۲/ ۳۹۵، زکریا۳/ ۳٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱٦ /رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦۸۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱٦/۷/۱۴۲۱ھ

روزے کی حالت میں اگربتی جلانا

سوال: [۴۷۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ کے دن ایک صاحب روزے کی حالت میں اگربتی مسجد میں جلاتے ہیں جسکا دھواں باہر بہت کم جاتا ہے، اندر ہی اندر رہتا ہے، حالانکہ دھواں کے نکلنے کیلئے دو کھڑکی اور چار پانچ دروازے ہیں، مسجد ایک بڑے ہال پر مشتمل ہے جسمیں دوسو آدمی آتے ہیں، ایسی صورت میں روزہ داروں کے روزے میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے کہ نہیں؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتي: محمد عثمان، میاں سرائے، سنبھل، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسی مسجد میں اگربتی سلگانے سے روزہ داروں کے روزے میں خلل نہیں آتا ہے، اگر اسکی خوشبو سے پوری مسجد معطر ہوجائے ۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۳/ ۱۲۶، جدید ڈابھیل ۱۰/ ۱۵۷، جواہر الفقہ قدیم ۱/ ۳۷۹، جدید زکریا دیوبند ۳/ ۵۱۹)

وكذا إذا دخل الدخان أو الغبار أو ريح العطر أو الذباب حلقه لايفسد صومه. (قاضی خان علی الهندية ،كتاب الصوم ، الفصل الخامس فيما لايفسد الصوم زكريا ١/ ٢٠٨، جديد زكريا ١/ ١٣٠)

أو نوىٰ الفطر ولم يفطر لعدم الفعل أو دخل حلقه دخان بلاصنعه لعدم قدرته على الامتناع عنه فصار كبلل بقى فى فمه بعد المضمضة. (مراقى الفلاح مع الطحطاوى ، قديم /١ ٣٦، جديد دارالكتاب ديوبند/ ٦٦٠، درمختار مع الشامى كراچى ٢/ ٣٩٥،زكريا٣/٣٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ رمضان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۴۳)

بحالت صوم مشت زنی

سوال: [۴۷۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید

نے روزہ رکھا روزہ کی حالت میں مشت زنی کی اور انزال ہوا تو روزہ فاسد ہوا یا نہیں؟

المستفتي: معین الدین، گڈاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: روزہ کی حالت میں مشت زنی کرنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے، جس کی قضاء واجب ہے، البتہ کفارہ لازم نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/۴۷۱)

الصائم إذا عالج ذكره حتى أمنىٰ فعليه القضاء وهو المختار، وبه قال عامة المشائخ. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الصوم، الباب الرابع، فی ما یفسد وما لا یفسد زکریا ۱/۲۰۵، جدید زکریا ۱/۲۶۷، البحرالرائق، کوئٹه ۲/۲۷۲، زکریا ۲/۴۷۵، فتاویٰ تاتار خانیة ۲/۲۷۰، زکریا ۳/۳۸۵، رقم: ۴۶۴۹، بنایه، اشرفیه دیوبند ۴/۳۹) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/۴/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۶۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۴/۱۴۲۳ھ

حالت صوم میں انزال ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال: [۴۷۷۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی شخص نے روزہ کی حالت میں کسی اجنبیہ عورت سے مذاق کیا اور اس شخص کو انزال ہوگیا تو کیا اس شخص کا روزہ فاسد ہوجائے گا یا باقی رہے گا، اور اگر روزہ فاسد ہوجاتا ہے، تو اسکی صرف قضا کافی ہے یا کفارہ بھی واجب ہوجائیگا، اور اگر کفارہ واجب ہوتا ہے، تو اسکی کیا مقدار ہے؟

المستفتي: عبدالرحمٰن، غاری آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اجنبیہ عورت سے نفسانی مذاق ناجائز اور حرام ہے،

اورانزال سے روزہ کی قضاء واجب ہے کفارہ نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۱۲۵)

أو قبل ولو قبلة فاحشة بأن يدغدغ أو يمص شفتيها أو لمس ولو بحائل لايمنع الحرارة ...... فأنزل ...... قضى فى الصور كلها فقط. (شامی، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم، ومالايفسده، كراچی ۲/۴۰٤، زكريا ۳/۳۷۹)

ولو أنزل بقبلة أو لمس فعليه القضاء دون الكفارة . (هدايه، اشرفيه ديوبند ۱/۲۱۷، هنديه، زكريا ۱/۲۰٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۶؍صفر المظفر ۱۴۱۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۶۴۵)	۱۴۱۷/۲/۶ھ

بحالت صوم امرد کی تقبیل اور معانقہ سے انزال ہونا

سوال: [۴۷۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے جس کا نام عبداللہ ہے، بحالت صوم مع الشہوۃ ایک امرد لڑکے کی تقبیل کی اور عبداللہ نے اس امرد لڑکے سے معانقہ کیا جس سے عبداللہ کو روزہ کی حالت میں انزال ہوگیا۔

آپ یہ ارشاد فرمائیں کہ عبداللہ کا روزہ ٹوٹا یا نہیں، اگر روزہ ٹوٹا تو صرف قضاء لازم ہوگی، یا کفارہ بھی اگر کفارہ بھی لازم آتا ہے، تو عرض یہ ہے کہ عبداللہ اتنا کمزور ہے کہ ساٹھ روزے لگاتار نہیں رکھ سکتا اور نہ ہی ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی طاقت رکھتا ہے، اور نہ ہی اتنا روپیہ عبداللہ کے پاس موجود ہے آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب تحریر فرمائیں، عبداللہ بہت ہی بے چین ہے، اور آخرت کا خوف اس کو بہت لاحق ہے، ازراہ کرم جواب جلد عنایت فرمائیں؟

المستفتي: مقبول اختر، امروہہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ صورت میں عبداللہ کا روزہ ٹوٹ چکا ہے،

لیکن کفارہ اس پر واجب نہیں ہے، بلکہ صرف ایک روزہ قضاء کرنا لازم ہوگا۔

عن الهزهاز: أن ابن مسعود قال: في القبلة للصائم قولا شديداً، يعني يصوم مكانه وهذا عندنا فيه إذاقبل فأنزل. (السنن الكبریٰ للبيهقي، الصيام، باب وجوب القضاء على من قبل فأنزل، دارالفكر بيروت ٢٦١/٦، رقم: ١٨٩٨، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي بيروت، الصيام، باب الرفث واللمس وهو صائم ١١٢/٤، رقم: ٨٤٥٠، مصنف ابن أبي شيبه، مؤسسه علوم القرآن بيروت، الصيام، باب ماقالوا في الصائم، حين يمنى ٢٥٩/٦، رقم: ٩٥٧٢)

ولو أنزل بقبلة أولمس فعليه القضاء دون الكفارة الخ. (هدايه، كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفارة، اشرفي ديوبند ٢١٧/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷؍۲۳۹۳)

حالت صوم میں منھ کی بو مضر نہیں

سوال: [۴۷۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص ضعیف العمر تقریباً اسی سال اس کی عمر ہے اس کی تمام داڑھیں نکل چکی ہیں، کچھ دانت بھی نکل چکے ہیں، اور کچھ دانت باقی ہیں، اوپر اور نیچے دونوں جانبوں کے ان دانتوں کی جڑیں خراب ہوگئی ہیں، جس کی وجہ سے جڑیں چھیدی ہوگئی ہیں، کھانا کھانے یا اور کوئی چیز کھانے میں انہیں دانتوں سے کام لیا جاتا ہے، لہٰذا ان کی جڑوں میں اور مسوڑھوں کی جڑوں میں کھانے کے ریزے یا اور جو چیز کھائی جاتی ہے، باقی رہ جاتی ہے، لہٰذا جہاں تک کوشش ہوتی ہے، خلال کے ذریعہ نکال دیئے جاتے ہیں، اس کے بعد اچھی طرح سے کلی کرکے ختم کردیئے جاتے ہیں، مگر کھانے کی جو بھی چیز کھائی جاتی ہے، اسکی بو باقی رہتی ہے، حتی کہ برش وغیرہ کا بھی استعمال کیا جاتا ہے، اس کے باوجود بھی بو باقی رہتی ہے، اب

رمضان المبارک آرہا ہے، سحری میں جو بھی کھایا جاتا ہے، تو خلال اور برش وغیرہ استعمال کرکے روزہ رکھ لیا جاتا ہے، اب سحری کے کھانے کی بوکئی گھنٹے تک باقی رہتی ہے، اور وہ بوتھوک کے ساتھ حلق میں داخل ہوجاتی ہے، لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس بو کے حلق کے اندر داخل ہونے سے روزے میں کسی طرح کا کوئی خلل تو واقع نہیں ہوتا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض اس بو کے باقی رہنے کی وجہ سے روزہ میں کسی قسم کی خرابی لازم نہیں آتی بلاشبہ روزہ صحیح ہوجائیگا۔

أو دخل أثر طعم الأدوية فيه أي فی حلقه لأنه لا يمكن الاحتراز عنها، فلا يفسد الصوم بدخولها وهو ذاكر لصومه الخ. (طحطاوی مراقی الفلاح، کتاب الصوم ، باب فی بیان مالا یفسد الصوم قدیم / ۳۶۲، جدید دارالکتاب دیوبند/ ۶۶۱)

ولو دخل حلقه غبار الطاحونة أوطعم الأدوية أو غبار الهرس وأشباهه.......... لم يفطر هكذا فی السراج الوهاج. (ھندیہ ، زکریا ۱/ ۲۰۳، جدید زکریا ۱/ ۲۶۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رشعبان ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۲۱)

حالت صوم میں بیوی سے بوس وکنار

سوال: [۴۷۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حالت صوم میں بیوی کو بوس وکنار کرنا کیسا ہے، اس سے روزہ مکروہ یا فاسد ہو جاتا ہے، شرعاً جو حکم ہو تحریر فرمائیں؟

المستفتي: محمد رضوان، مقام: فتح پور،

پوسٹ: کملاپور، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر اپنے نفس پر قابو اور اطمینان ہے تو کوئی حرج نہیں، اور اگر نفس پر قابو نہ رہنے کا اندیشہ ہے، تو مکروہ تحریمی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۶/۴۱۲)

عن أبي هريرةؓ: أن رجلا سأل النبي صلى الله عليه وسلم عن المباشرة للصائم؟ فرخص له، وأتاه آخر فسأله فنهاه، فإذا الذي رخص له شيخ، والذي نهاه شاب. (سنن أبي داؤد، الصوم، باب كراهيته للشاب الصائم، النسخةالهندية ۱/۳۲٤، دارالسلام رقم: ۲۳۸۷، السنن الكبرى للبيهقي، الصيام، باب كراهية القبلة لمن حركت القبلة شهوته، دارالفكر بيروت ٦/۲٥٥، رقم: ۸۱۷٤، مصنف ابن أبي شيبة، الصيام، ماذكر في المباشرة للصائم، مؤسسه علوم القرآن بيروت ٦/۲٤۷، رقم: ۹٥۲۷)

عن عطاء بن يسار أن ابن عباس سئل عن القبلة للصائم؟ فأرخص فيها للشيخ، وكرهها للشاب. (السنن الكبرىٰ للبيهقي الصيام، باب كراهية القبلة لمن حركت القبلة شهوته، دارالفكر بيروت ٦/۲٥٦، رقم: ۸۱۷۹)

ولا بأس بالقبلة إذا أمن على نفسه أي الجماع أوالإنزال ويكره إذا لم يأمن الخ. (هدايه، كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفارة، اشرفي ديوبند ۱/۲۱۷، حاشية الطحطاوي على المراقي الفلاح /٦۸۰، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا۳/۳۹۹، رقم: ٤٦۹۰)

لہٰذا جوان آدمی کو اس سے احتراز بہتر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۹؍رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۳۶۹)

بیوی کا تھوک نگلنے سے روزہ کا حکم

سوال: [۴۷۷۵]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کا تھوک چاٹ لیااور چاٹ کر نگل گیا تو کیا حکم ہے؟ آیا اس کا روزہ ٹوٹا یانہیں؟ اگر روزہ ٹوٹ گیا تو صرف روزہ کی قضا لازم ہوگی، یا قضا وکفارہ دونوں واجب ہوں گے؟ جواب سے نواز کر ممنون فرمائیں؟

المستفتي: محمد ایوب، بارہ بنکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بیوی کا تھوک چاٹ کر نگل جانے سے روزہ فاسد ہوگیا اور کفارہ بھی لازم ہوگا۔

ولو ابتلع بزاق غيره فسد صومه بغير كفارة إلا إذا كان بزاق صديقه فحينئذ تلزمه الكفارة، كذا في المحيط. (هنديه، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد الصوم ومالا يفسد، زكريا ۱/۲۰۳)

ومنه أي من موجب الكفارة ابتلع بزاق زوجته أو بزاق صديقه لأنه يتلذذ به. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، دارالكتاب ديوبند/٦٦٧)

وإن ابتلع بزاق غيره فسد صومه بغير كفارة إلا إذاكان بزاق صديقه فحينئذ تلزمه الكفارة لأن الناس قلما يعافون ببزاق أصدقائهم. (الفتاویٰ التاتارخانية، زكريا ۳/۳۸۳، رقم: ٤٦٤٠) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۶ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۶۶۶/۳۵)	۱۴۲۱/۵/۲۰ھ

روزہ کی حالت میں بیوی کا بوسہ لینا

سوال: [۴۷۷۶]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ روزہ

کی حالت میں میں نے خواہشات سے مغلوب ہوکر اپنی بیوی کا بوسہ لے لیا تھا، ایک حافظ صاحب سے معلوم کرنے پر بتایا کہ روزہ بھی لازم اور کفارہ بھی، کیا مسئلہ درست ہے؟

المستفتی: محمد ظہیر کمیلا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مسئولہ میں اگر صرف بیوی کا بوسہ ہی لیا ہے، تو روزہ فاسد نہیں ہوا، لہٰذا آپ پر نہ قضاء ہے اور نہ کفارہ ہے اور حافظ صاحب کا بتایا ہوا مسئلہ درست نہیں ہے، البتہ روزہ کی حالت میں جوان مرد کو بیوی سے بوس وکنار ہونا مکروہ تحریمی ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۸۸، فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۴۱۲، احسن الفتاویٰ ۴/ ۴۴۱)

عن أبی هریرةؓ : أن رجلا سأل النبی ﷺ عن المباشرة للصائم ؟ فرخص له ، وأتاه آخر فسأله فنهاه ، فإذا الذی رخص له شیخ، والذی نهاه شاب . (سنن أبی داؤد ، الصوم ، باب کراهیته للشاب ، النسخةالهندیة ۱/ ۳۲٤، دارالسلام رقم: ۲۳۸۷ ، السنن الکبری للبیهقی، الصیام ، باب کراهیة القبلة لمن حرکت القبلة شهوته، دارالفکر بیروت٦/ ۲٥٥ ، رقم: ۸۱۷٤)

عن عطاء بن یسار أن ابن عباس سئل عن القبلة للصائم ؟ فأرخص فیها للشیخ،وکرهها للشاب . (السنن الکبریٰ للبیهقی الصیام ، باب کراهیة القبلة لمن حرکت القبلة شهوته ، دارالفکر بیروت ٦/ ۲٥٦ ، رقم: ۸۱۷۹)

وکره قبلة ومس ومعانقة ومباشرة فاحشة إن لم یأمن من المفسد وإن أمن لابأس . (شامی، کتاب الصوم ، باب مایفسد الصوم ،ومالا یفسده ، کراچی ۲/ ٤۱۷،زکریا۳/ ۳۹٦)

ولا بأس بالقبلة إذا أمن علی نفسه أی الجماع أو الإنزال ویکره إذا لم یأمن . (هدایه اشرفی دیوبند۱/ ۲۱۷، حاشیة الطحطاوی علی المراقی ، دارالکتاب دیوبند/ ٦۸۰، الفتاویٰ التاتارخانیة زکریا ۳/ ۳۹۹، رقم: ٤٦۹۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۹۳۰/۳۵)

حالت صوم میں بیوی کو یاد کرنے سے انزال ہونا

سوال: [۴۷۷۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید رمضان میں تنہا رہتا ہے، اسکی زوجہ اپنے میکہ میں ہے دو پہر میں قیلولہ کیلئے زید لیٹا کہ بیوی یاد آنے لگی اور اس کے خیالات میں زید گھبرا رہا تھا، یہاں تک کہ اسکو انزال ہوگیا، جس میں اس کے فعل کا کوئی دخل نہیں تھا، تو کیا اس صورت میں اس کا روزہ فاسد ہوا یا نہیں، اگر فاسد ہوگیا تو قضاء و کفارہ دونوں لازم ہوں گے یا صرف قضا سے کام چل سکتا ہے؟

المستفتي: عبدالرحیم، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: رمضان میں بیوی کو یاد کرنے اور اس کے سوچنے سے انزال ہو جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، البتہ ایسے خیالات دل میں جمانا اچھی بات نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۸۹)

وصار كالمتفكر إذا أمنىٰ. (هدايه) قال المحشىٰ يعنى إذا فكر في امرأة حسناء فأنزل لا يفطر. (هدايه، كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة، اشرفي ديوبند ۱/ ۲۱۷)

إذا نظر إلىٰ امرأة بشهوة في وجهها أو فرجها كرر النظر أو لا لا يفطر إذا أنزل، وكذا لا يفطر بالفكر إذا أمنىٰ هكذا في السراج الوهاج. (هنديه زكريا ۱/ ۲۰۴، جديد زكريا ۱/ ۲۶۶)

إذا نظر إلىٰ امرأته بشهوة فأمنىٰ، وفي الشامية، أو تفكر فأمنىٰ لا يفسد. (الفتاوىٰ التاتارخانية، زكريا ۳/ ۳۸۶، رقم: ۴۶۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵؍۶۶۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱؍۵؍۱۴۲۱ھ

روزہ دار کا مرتد ہو کر پھر اسلام لے آنا

سوال: [۴۷۷۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص روزہ دار تھا، تقریباً گیارہ بجے اس نے یہ کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتا ہوں، پھر یہ کہا کہ عیسیٰؑ اللہ کے بیٹے ہیں، اور فرشتے اسکی بیٹیاں ہیں، یہ کہنے کے بعد اس نے کہا کہ میں ایمان لایا اللہ پر اور کلمہ طیبہ پڑھا کیا وہ شخص کافر ہونے کے بعد ایمان لایا یا اپنی حالت پر برقرار رہا، وہ روزہ کی قضاء کرے گا یا نہیں؟

المستفتي: افسر علی، رامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر سچے دل سے توبہ کر کے دوبارہ ایمان لایا ہے، اور اس نے موجب افطار کوئی چیز بھی استعمال نہیں کی ہے، اور زوال سے پہلے پہلے دوبارہ روزہ کی بھی نیت کر لی ہے، تو اس کا روزہ صحیح ہو گیا ہے، دوبارہ قضاء کی ضرورت نہیں ہے۔

إذا ارتد رجل عن الإسلام و العياذ بالله فى أول اليوم من رمضان ثم رجع إلى الإسلام قبل الزوال فهو صائم ، وإن أفطر فعليه القضاء دون الكفارة الخ. (فتاویٰ قاضی خان علی الهندية ، كتاب الصوم ، الفصل الثانی فی النية ، زکریا ۱/۲۰۲، عالمگیری ، زکریا ۱/۱۹۶، جدید ۱/۲۵۸، بزازيه على الهندية، زکریا ٤/٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴؍۹۹۱)

غلطی سے وقت سے پہلے افطار کرنے کا حکم

سوال: [۹۷۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان المبارک کو وقت افطار ۵؍ بجکر ۳۱؍ منٹ پر تھا، وقت سے پہلے غلطی سے ۵؍ بجکر ۲۵؍ منٹ پر گولا داغ دیا گیا، جس پر بستی کے بیشتر لوگوں نے افطار کرلیا دریافت یہ کرنا ہے کہ جن لوگوں نے گولے کی آواز پر دو یا تین منٹ پہلے افطار کرلیا، ان کا روزہ درست ہوا یا نہیں، یا جن لوگوں نے وقت سے پہلے افطار کیا ان کو اس روزہ کی قضاء کرنی پڑے گی؟

المستفتي: قاسم جھلرہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مذکورہ میں جتنے لوگوں نے گولے کی آواز سنکر افطار کرلیا ہے ان سب پر روزہ قضاء کرنا لازم ہوگا، کفارہ لازم نہ ہوگا، نیز سورج غروب ہونے سے دو یا تین منٹ قبل افطار کرلیا ہے تو ان پر بھی ایک روزہ قضاء کرنا لازم ہوگا۔

أو تسحر ظنه ليلاً والفجر طالع أو أفطر كذلك والشمس حية أمسك يومه وقضىٰ ولم يكفر الخ. (كنز على البحر، كتاب الصوم، فصل في العوارض كوئٹه ۲/ ۲۹۱، زكريا ۲/ ۵۰۸)

وإذا تسحر وهو يظن أن الفجر لم يطلع فإذا هو قد طلع أو أفطر وهو يرىٰ أن الشمس قد غربت فإذا هي لم تغرب أمسك بقية يومه قضاء لحق الوقت بالقدر الممكن وعليه القضاء ...... ولا كفارة عليه. (هدايه اشرفى ديو بند ۱/ ۲۲۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳؍ ۵۴۳۳)

۵/ باب القضاء والكفارة والفدية

بغیر چاند دیکھے محض ریڈیو کی خبر پر ۳۰؍رمضان کوافطار کرنا

سوال: [۴۷۸۰]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے گاؤں میں ۲۹؍رمضان مکمل کرکے تیس رمضان صبح آٹھ بجے جموکشمیر سے بذریعہ ریڈیوخبر ملی کہ چاند دیکھا گیا، اور عید بھی جموکشمیر میں آج ہی منائی جارہی ہے، اس حال میں زید کے گاؤں کے اکثر افراد نے روزہ افطار کرلیا پھر بعد میں کافی تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ چاند نظر نہیں آیا ہے، اور روزے افطار کردہ حضرات نے بھی تیس کے بعد ایک تاریخ بدھ کے دن ہی عید منائی اب اس حال میں جوحضرات روزہ افطار کرلیتے ہیں، آیا ان پر قضاء وکفارہ دونوں واجب ہوگا یا صرف قضاء واجب ہوگی؟

المستفتي: محمد اسرائیل، مقام: کرماٹانڈہ، کسکا، ضلع دھنباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مذکورہ میں جن لوگوں نے روزہ افطار کیا ہے، ان پر صرف روزہ کی قضاء لازم ہے، کفارہ نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۳/ ۱۵۷)

لو أفطر أهل الرستاق بصوت الطبل يوم الثلاثين ظانين أنه يوم العيد وهو لغيره لم يكفروا الخ. (مجمع الأنهر، كتاب الصوم، باب موجب الفساد، مصري قديم ۱/ ۲۴۳، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۵۸، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح قديم / ۳۶۹، دارالكتاب ديوبند / ۶۷۵، شامي، كراچی ۲/ ۴۰۷، زكريا ديوبند ۳/ ۳۸۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۵؍ذیقعدہ ۱۴۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۴۲)

اذان تک سحری کھانا

سوال: [۴۷۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان کے مہینہ میں سحری کھاتے کھاتے بسا اوقات مؤذن اذان دیدیتے ہیں، تو بعض اذان کی آواز سنتے ہی پانی پی کر فارغ ہوجاتے ہیں، لیکن بعض آدمی حی علی الصلوٰۃ کے ہونے کے بعد سحری کھاتے رہتے ہیں، تو کیا ان سب کا روزہ درست ہوگا یا بعد میں اس روزہ کی قضاء لازم ہوگی؟ جو بھی ہو مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: سعید اللہ، بیلا چاہی، سپول

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان کی آواز تک اگر کھاتے رہے تو ایسی صورت میں اس دن کو روزہ کی طرح گذاردے اور بعد میں ایک روزہ کی قضاء کرے اس کی وجہ یہ ہے کہ مؤذن سحری کا وقت ختم ہونے کے بعد صبح صادق شروع ہونے کے کچھ دیر بعد اذان دیا کرتا ہے، لہٰذا مؤذن کی آواز شروع ہونے کے وقت دن کی ابتداء ہوجاتی ہے، اس وجہ سے اس روزہ کی قضاء کرنا لازم ہے۔

ولو ظهر أنه أكل والفجر طالع يجب عليه القضاء ولا كفارة. (هندیه، زكريا ديوبند ١/ ١٩٤ كتاب الصوم، الباب الأول في تعريفه إلى وشرطه - جديد ١/ ٢٥٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ رجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۸/۲ھ

جان بوجھ کر روزہ توڑ دینے کا حکم

سوال: [۴۷۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک

آدمی نے رات کو روزہ رکھنے کیلئے سحری کھائی اور روزے کی بھی نیت کی تھی، جب سوکر اٹھا دن کے نو بجے دل میں سوچا کہ آج روزہ نہیں رکھوں گا، تو اس نے پانی پی لیا تو اسکے لئے قضاء کے ساتھ کفارہ بھی دینا ہوگا، یا نہیں؟

المستفتي: عبدالکریم، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مذکورہ میں قضاء وکفارہ دونوں واجب رہیں گے۔

كما في الدرالمختار وإن جامع المكلف آدميا مشتهىٰ في رمضان اداءً إلىٰ قوله أكل أو شرب غذاءً إلىٰ قوله عمداً قضىٰ في الصور كلهاو كفر.

(الدر مع الرد، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسد زكريا ديوبند ۳/ ۳۸۵ تا۳۸۸، کراچی ۲/ ۴۰۹ تا ۴۱۱، کوئٹه ۲/ ۱۱۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳؍۲۳۹)

روزہ کا فدیہ ادا کرنے کا شرعی طریقہ

سوال: [۴۷۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فدیۂ صوم کے ادا کرنے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

المستفتي: حسب الرحمٰن شمسی، سیدی سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ہر روزہ کے عوض میں ایک صدقۂ فطر یا اسکی قیمت ادا کردیا کرے۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ ۱/ ۳۹۰، کراچی)

عن ابن عمرؓ عن النبی ﷺ فی الذی یموت وعلیه رمضان ولم یقضه، قال یطعم عنه لکل یوم نصف صاع من بر . (السنن الکبریٰ للبیهقی، الصیام، باب من قال إذفرط فی القضاء بعد الإمکان حتی مات، دارالفکر ۶/۳۹۹، رقم: ۸۳۱۰، صحیح ابن خزیمه ،المکتب الاسلامی ۲/۹۸۸،رقم: ۲۰۵۶)

ویطعم لکل یوم مسکینا (إلیٰ قوله) لکل یوم مسکینا نصف صاع الخ. (هدایه، اشرفیه یو بند۱/ ۲۲۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍رجب ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸؍۲۷۷۵)

روزہ کا فدیہ کن صورتوں میں ہے؟

سوال: [۴۷۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ روزہ کا فدیہ کن کن صورتوں میں دیا جا سکتا ہے؟

المستفتي: حسب الرحمٰن شمسی، سیدی سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آدمی بوڑھا ہو جائے، اور روزہ رکھنے کی طاقت باقی نہ رہے تو روزہ کے بدلہ فدیہ دینے کی شرعی طور پر اجازت ہے۔

عن عطاء سمع ابن عباس، یقرأ وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین، قال ابن عباس: لیست بمنسوخة هوالشیخ الکبیر، والمرأة الکبیرة لا یستطیعان أن یصوما، فیطعمان مکان کل یوم مسکینا. (صحیح البخاری، التفسیر، باب ماجاء فی أیام معدودات...... ،النسخة الهندیة ۲/۶۴۷، رقم: ۴۳۲۰، ف: ۴۵۰۵)

وللشیخ الفانی العاجز عن الصوم الفطر ویفدی وجوباً الخ. (الدر المختار، کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم ومالا یفسده زکریا دیوبند۳/ ۴۱۰، کراچی

۴۲۷/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍رجب ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۷۷۵)

فدیۂ صوم کے مستحق کون؟

سوال: [۴۷۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فدیۂ صوم کے مستحق حضرات کون ہیں؟

المستفتي: حسب الرحمٰن شمسی، سیدی سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فدیہ کے مستحق وہ نادار فقیر ہیں، جو مستحق زکوٰۃ ہیں۔

عن ابن عمرؓ عن النبی ﷺ قال: من مات وعليه صيام شهر فليطعم عنه مكان كل يوم مسكيناً . (سنن الترمذی ، الصوم، باب ماجاء فی الكفارة ، النسخة الهندية ۱/۱۵۲، دارالسلام رقم:۷۱۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍رجب ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۷۷۵)

روزہ کا فدیہ کب اور کس کو دیا جائے؟ اور فدیہ کی مقدار

سوال: [۴۷۸۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) زید دل کا مریض ہے ڈاکٹروں کی ہدایت ہے کہ زید کے منھ میں ہر گھنٹہ دوا یا غذا میں سے کچھ نہ کچھ دینا ضروری ہے، اس صورت میں زید روزہ رکھنے کی قوت نہیں رکھتا ہے۔

(۲) نیز یہ بھی واضح فرمادیں کہ فدیۂ صوم کسی مدرسہ کو کتابوں کی شکل میں بھی دیا

جا سکتا ہے یا نہیں؟

(۳) اوراس کی وضاحت بھی فرمادیں کہ دور حاضر میں سیر کا رواج نہیں ہے بلکہ کلو کا حساب چل رہا ہے تو کلو کی مقدار کیا بنے گی؟

المستفتي: حسب الرحمٰن شمسی، سیدی سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) اگر آئندہ صحت یابی کی کوئی امید نہیں ہے، تو فدیہ دینے کی گنجائش ہے، لیکن اگر کسی زمانہ میں صحت یاب ہو جائے تو روزہ رکھنا لازم ہوگا۔

فَمَنْ كَانَ مِنكُم مَّرِيضاً اَوْعَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ. (البقرة: ١٨٤)

المريض إذا تحقق اليأس من الصحة فعليه الفدية لكل يوم من المرض الخ. (شامی، کتاب الصوم، باب مايفسد الصوم، وما لا يفسده كراچی ٢/٤٢٧، زكريا ٣/٤١٠)

فإن برئ المريض أو قدم المسافر وأدرک من الوقت بقدر مافاته فيلزمه قضاء جميع ما أدرک الخ. (هنديه ١/٢٠٧، جديد ١/٢٧٠، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار)

(۲) مدرسہ میں کتابیں خرید کر دینے سے فدیہ ادا نہ ہوگا، بلکہ فقیر کو مالک بنا دینا شرط ہے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة الخ. (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ٢/٣٤٤، زكريا ٣/٢٩١)

(۳) فدیہ میں روزانہ ایک صدقہ یا اسکی قیمت فقیر کو دینا ہے اور صدقۂ فطر کی مقدار موجودہ اوزان کے حساب سے ڈیڑھ کلو ۴۷ رگرام ۶۴۰ رملی گرام گیہوں ہے۔

عن ابن عمرؓ، عن النبی ﷺ فی الذی یموت وعلیه رمضان ولم یقضه، قال: یطعم عنه لکل یوم نصف صاع من بر. (السنن الکبریٰ

للبيهقى، الصيام، باب من قال إذا فرط فى القضاء ...... دار الفكر ٦/٢٩٩، رقم: ٨٣١١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/رجب ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۷۷۹)

روزہ ونماز کا کفارہ

سوال: [۴۷۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک نماز اور ایک روزہ کا کفارہ کتنا ہوگا۔

المستفتي: عبد القیوم، موضع ہتھیا، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایک نماز اور ایک روزہ کا فدیہ اور کفارہ ایک صدقۂ فطر ہے، جسکی مقدار موجودہ اوزان سے ڈیڑھ کلو ۴۷/گرام ۶۴۰/ملی گرام گیہوں ہے، نیز مارکیٹ سے اس کی قیمت معلوم کر کے پیسہ بھی دے سکتے ہیں۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۹۰)

عن ابن عمرؓ، عن النبی ﷺ قال: من مات وعليه رمضان لم يقضه فليطعم عنه لكل يوم نصف صاع من بر. (صحيح ابن خزيمه، المكتب الاسلامى ٢/٩٨٨، رقم: ٢٠٥٦)

أن عمر بن الخطابؓ قال: إذا مات الرجل، وعليه صيام رمضان آخر أطعم عنه من كل يوم نصف صاع من بر. (مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمى ٤/٢٣٩، رقم: ٧٦٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/رمضان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۵۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/رمضان ۱۴۱۴ھ

بچوں و جوان مسکینوں کو کفارہ کا کھانا کھلانا

سوال: [۴۷۸۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ روزہ وغیرہ کے کفارہ میں اگر مسکینوں کو کھانا کھلانے میں جوان فقیروں کے ساتھ کچھ نابالغ بچے ہیں وہ بھی کھانا کھارہے ہیں، مثلاً تیس بالغ فقیر ہیں اور تیس نابالغ تو کیا یہ کفارہ ادا ہوگیا یانہیں؟ کیا کھانا کھلانے میں بالغ و جوان ہونے کی شرط ہے یانہیں؟ حالانکہ قرآن میں عام ہے یعنی ''ستین مسکیناً'' کے الفاظ آئے ہیں، جس میں بالغ نابالغ کی قید سمجھ میں نہیں آتی صحیح رہنمائی فرمائیں، کرم ہوگا؟

المستفتي: قمرالحق، مودھا، ہمیر پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر نابالغ بچے قریب البلوغ ہیں، اور سمجھدار ہیں، اور بڑوں کے برابر کھانا کھالیتے ہیں، تو کفارہ ادا ہوجائے گا ورنہ نہیں۔

''ستین مسکیناً ولو حکماً ولا یجزئ غیر المراهق وتحته في الشامیة ولو کان فیمن أطعمهم صبیٌ فطیم لم یجزه لأنه لا یستو في کاملاً الخ. (شامی، کتاب الطلاق، باب الکفارة کراچی ۳/۴۷۸، زکریا ۵/۱۴۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۲۱۳/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱/۲۴ھ

بہشتی زیور کتاب الصوم کے ایک مسئلہ کی تشریح

سوال: [۴۷۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بندہ بہشتی زیور دیکھ رہا تھا، اس میں ایک مسئلہ پر نظر پڑی جو باب الصوم سے متعلق ہے، بندہ کو اس مسئلہ میں کچھ خلجان ہے، لہٰذا اس مسئلہ کو بندہ آپ کے پاس تحریر کرکے بھیج رہا ہے، کسی نے بھولے سے

کچھ کھاپی لیا بعد میں معلوم ہوا کہ میرا روزہ تھا اور اس نے سمجھا کہ میرا روزہ ٹوٹ گیا پھر بعد میں قصداً کھاپی لیا یا بیوی سے جماع کرلیا تو اس کا روزہ فاسد ہوگیا اور صرف قضاء واجب ہوگی کفارہ نہیں، لیکن اگر مسئلہ معلوم تھا کہ میرا روزہ نہیں ٹوٹا پھر بھی قصداً کھاپی لیا تو صرف قضاء واجب ہے، لیکن اسی صورت میں قصداً جماع کرلیا، تو قضا کیساتھ کفارہ بھی واجب ہوگا، اوراس کے بعد مسئلہ میں تینوں چیزیں یعنی کھانے پینے اور جماع ہر ایک کا حکم ایک ہی بیان کیا گیا ہے اور وہ کفارہ کا واجب ہونا ہے، مسئلہ معلوم ہونے کی صورت میں (بہشتی زیور حصہ۱۱/۱۰۴)

حالانکہ بہشتی زیور میں شامی کی جس عبارت کوحوالہ میں نقل کیا گیا ہے، اس عبارت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے، کہ کھانے اور پینے اور جماع ہر ایک کا حکم ایک ہی ہے، لیکن وہ یہ ہے کہ کفارہ واجب نہیں ہوگا، خواہ مسئلہ معلوم ہو یا نہ ہو کیونکہ عدم وجوب کفارہ کی علت میں امام مالکؒ کا اختلاف ہے اور وہ اختلاف تینوں چیزیں یعنی کھانے پینے اور جماع ہر ایک میں ہے، اور شامی کی عبارت یہ ہے۔

إلا فی مسئلة المتن وهو مالو أكل وكذا لو جامع أو شرب لأن علة عدم الكفارة خلاف مالك وخلافه فی الأكل والشرب والجماع، كما فی الزيلعی. (شامی، کراچی۲/۴۰۲، زکریا۳/۳۷۵، مطلب جواز الافطار بالتحری)

لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ بہشتی زیور میں نقل مسئلہ میں تسامح ہوا ہے، یا بندہ کی سمجھ کا قصور ہے۔

نوٹ: بہشتی زیور کے نسخے میں عبارت مختلف نقل کی گئی ہے یعنی کسی نسخے میں درمختار اور شامی دونوں کی عبارت ہے اور کسی میں صرف درمختار کی عبارت ہے، میرے سامنے جو نسخہ ہے وہ کتب خانہ اختری متصل مظاہر علوم سہارنپور کا مطبوعہ ہے؟

المستفتي: محمد شاہد عفی عنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہشتی زیور کی عبارت مجمل ہے اس سے

حضرات فقہاء کی رائے کھل کر واضح نہیں ہو پاتی نیز حاشیہ میں جو شامی کی عبارت ذکر کی گئی ہے، اس سے بھی بات کھل کر واضح نہیں ہوتی اس مسئلہ کی پوری وضاحت فتاویٰ تاتارخانیہ میں موجود ہے۔

اصل میں پورا مسئلہ یوں ہے کہ اگر روزہ دار نے نسیاناً کچھ کھا پی لیا ہے پھر اس کے بعد اسکو یاد آ گیا کہ وہ روزہ دار ہے، پھر اس کے بعد یہ سمجھ کر دوبارہ قصداً کھا پی لیا ہے، کہ میرا روزہ ٹوٹ گیا ہے، تو ایسی صورت میں اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا کفارہ لازم نہ ہوگا، صرف قضاء واجب ہوگی اس کے برخلاف اگر روزہ کی حالت میں نسیاناً اپنی بیوی سے جماع کرلیا کہ میرا روزہ ٹوٹ گیا ہے، تو ایسی صورت میں اسکا روزہ فاسد ہو جائے گا، کفارہ لازم نہ ہوگا، صرف قضا واجب ہوگی اسکے برخلاف اگر روزہ کی حالت میں نسیاناً اپنی بیوی سے جماع کرلیا بعد میں یاد آیا کہ میرا تو روزہ تھا، اس کے بعد دوبارہ قصداً جماع کرتا ہے، تو اسکی دو صورتیں ہیں، (۱) یہ شخص مسئلہ مسائل سے واقف نہیں اور یہ سمجھتا رہا کہ میرا روزہ تو ختم ہو چکا ہے، پھر اس کے بعد قصداً جماع کرلیا تو اس شخص پر بھی صرف قضا واجب ہے، کفارہ لازم نہیں ہے، اور اگر یہ شخص عالم اور فقیہ ہے مسائل سے واقف ہے پھر قصداً جماع کرلیتا ہے، تو ایسی صورت میں اس شخص پر قضاء بھی لازم ہے اور کفارہ بھی لازم ہوگا، اور بہشتی زیور کی عبارت میں اتنی قید موجود ہے کہ مسئلہ جاننے کی صورت میں جماع میں کفارہ لازم ہے چنانچہ عبارت یوں ہے اور اگر مسئلہ جانتا ہو پھر بھول کر ایسا کرنے کے بعد عمداً افطار کرلے تو جماع کی صورت میں کفارہ بھی لازم ہوگا، یہ مسئلہ اپنی جگہ درست ہے، فتاویٰ تاتارخانیہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

إذا جامع امرأته في نهار رمضان ناسياً فتذكر وهو مخالطها فقام عنها أو جامع ليلاً فانفجر الصبح وهو مخالطها فقام عنها حتى لم يفسد صومه ثم عاد وهو ذاكر ذكر في بعض الكتب أن عليه الكفارة من قبل أنه عاد وهو على صومه وذكر في بعض الكتب عن محمد في وجوب الكفارة روايتان في

روایة قال تلزمه الکفارة لماقلنا وفی روایة قال إن کان الرجل فقیهایعلم أن الأول لم یفطره ثم عاد تلزمه الکفارة وإن کان جاهلاً لا تلزمه الکفارة ، وهو نظیر ماإذا کان ناسیاً ثم أکل بعد ذلک متعمداً إن کان الرجل فقیها تلزمه الکفارة ، وإن کان جاهلاً لا . (الفتاویٰ التاتار خانیة ، کتاب الصوم ، الفصل الخامس وجوب الکفارة ، کوئٹه ۲/ ۲۷۷، زکریا ۳/ ۳۹۳، رقم: ٤٦٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۴/ ۱۴۲۵ھ

ماہواری کی وجہ سے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضاء یا فدیہ

سوال: [۴۷۹۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جب سے مجھ پر روزے فرض ہوئے ہیں، مجھے علم نہیں تھا کہ جو روزے حیض کے دوران چھوٹ گئے ہیں، ان کی ادائیگی ضروری ہے، اب مسئلہ یہ درپیش ہے کہ میں ان روزوں کا فدیہ دینا چاہتی ہوں میں قضاء روزے تو رکھنا چاہتی ہوں مگر مجبوری یہ ہے کہ میرے چار چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، اور روزے تقریباً سو سے بھی زیادہ ہیں، جو کہ قضاء ہیں، ۱۹۹۹ء سے تو میں نے قضاء روزہ فوراً ادا کر دیئے ہیں، ۲۰۰۰ء اور ۲۰۰۱ء کے بھی رکھ لئے ہیں، ۱۹۷۸ء سے ۱۹۹۸ء کے لگ بھگ ایک سو روزے قضاء ہیں، اور ان کی ادائیگی کرنا چاہتی ہوں، زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے، تو میں چاہتی ہوں کہ فدیہ ادا کردوں؟

المستفتیة: ساحرہ، لندن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ماہواری کی وجہ سے جو روزے ۱۹۷۸ء سے لیکر ۱۹۹۸ء تک قضاء ہوئے ہیں، ان کی ادائیگی ضروری ہے، ان کے بدلہ میں فدیہ دینا درست نہیں ہے، کیونکہ روزہ کے بدلہ میں فدیہ دینا ایسی عورتوں کیلئے ہے، جو کہ اسی نوے سال کی

عمر کو پہونچ کر ضعف وکمزوری کی وجہ سے روزہ رکھنے پر کسی طرح قادر نہ ہو، اور جن عورتوں کو ماہواری آتی ہے، وہ شریعت میں صحیح اور تندرست عورتیں شمار کی جاتی ہیں، لہٰذا آپ صحیح اور تندرست عورتوں میں شامل ہیں، اسلئے آپ کو قضاء میں روزہ ہی رکھنا لازم ہوگا، اور اسکی آسان شکل آپ کیلئے یہ ہے کہ سردیوں کے زمانہ میں، مہینہ میں دس دس پندرہ پندرہ روزے رکھ لیا کریں تو انشاء اللہ دوسال میں آپ کے تمام روزے مکمل ہوجائیں گے ۔(مستفاد: عزیز الفتاویٰ/ ۳۸۵)

وللشيخ الفاني وهو يفدي فقط وليست على غيره من المريض والمسافر والحامل والمرضع لعدم ورود نص فيهم وروده في الشيخ الفاني. (البحرالرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض ۲/ ۲۸۶، زكريا ۲/ ۵۰۱، هدايه،اشرفيه ديو بند ۱/ ۲۲۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۵۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۴/۶ھ

شوگر کے مریض کو فدیہ ادا کرنا

سوال: [۴۷۹۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوگر کے مریض کو روزہ رکھنے پر جان کا خطرہ ہے ہر گھنٹے اس کو پانی پینا لازم ہے تو اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شوگر کے مریض کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے، اگر مرض دائمی ہے، تو ہر روزے کا فدیہ دینا ضروری ہے ۔(مستفاد: فتاویٰ حقانیہ ۴/ ۱۹۵، آپ کے مسائل اور انکا حل ۴/ ۵۶۰)

المريض إذا خاف على نفسه التلف أو ذهاب عضو يفطر بالإجماع وإن خاف الزيادة و امتداده فكذلك عندنا و عليه القضاء إذا أفطر . (هنديه ، كتاب الصوم ، الباب الخامس فى الأعذار التى تبيح الإفطار ، زكريا ۱/۲۰۷، جديد ۱/۲۶۹)

فمن كان منكم مريضا أو على سفر فعدة من أيام أخر وقد بينا أنه ليس المراد عين المرض فإن المريض الذى لايضره الصوم ليس له أن يفطر فكان ذكر المريض كناية عن أمريضر الصوم معه . (بدائع ،زكريا ۲/۲۵۰، وكذا فى الفتاوى التاتار خانيةزكريا۳/۴۰۳، رقم:۴۶۹۷، الفقه على المذاهب الأربعة ، دارالفكر ۱/۵۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رجب ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱؍۱۱۶۱۶)

بیماری کی وجہ سے چھوٹے ہوئے روزوں کا فدیہ

سوال: [۴۷۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکا جس کی عمر بوقت انتقال ۲۸؍سال تھی، اور اس نے جب سے روزہ فرض ہوا تھا بوجہ بیماری نہیں رکھا تھا، کتنے سال کے روزوں کا کفارہ ادا کرنا چاہئے اور کس حساب سے کل رقم ادا کرنی چاہئے ،اس بچے کا والد روزوں کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہے؟

المستفتي: اقبال احمد، بندوق والے، بازار گنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر اولیاء کو مرحوم کے بالغ ہونے کا وقت معلوم نہیں ہے،تو پندرہویں سال میں بالغ فرض کرے ۱۴؍سال کے ۴۲۰؍روزوں کا فدیہ ہر روزہ کے عوض میں ایک صدقۂ فطر یا اس کی قیمت مرحوم کی طرف سے فقراء کو دیدی جائے ،تو انشاء

اللہ تعالیٰ عنداللہ مرحوم سے روزوں کا مؤاخذہ نہیں ہوگا، نیز معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ آج گیہوں کا بھاؤ فی کلو ۲/۸۰ پیسے ہیں، تو اس حساب سے کل فدیہ دو ہزار اٹھاون روپیہ ہوتا ہے۔

عن ابن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من مات وعلیه صیام شهر فلیطعم عنه مکان کل یوم مسکینا. (سنن الترمذی، الصوم، باب ماجاء فی الکفارة، النسخة الهندیة ۱/۱۵۲، دارالسلام رقم: ۷۱۸، صحیح ابن خزیمه ،المکتب الاسلامی ۲/۹۸۸، رقم: ۲۰۵۶)

عن ابن عمر عن النبی ﷺ فی الذي یموت وعلیه رمضان ولم یقضه قال: یطعم عنه لکل یوم نصف صاع من بر. (السنن الکبریٰ للبیهقی، الصیام، باب من قال إذا فرط فی القضاء بعد الإمکان حتی مات الخ.........دارالفکر ۶/۲۹۹،رقم: ۸۳۱۱)

وإن کان مریضاً وقت الإیجاب ولم یبرأ حتی مات فلا شیئی علیه فإذا لم یف به الثلث توقف الزائد علی إجازة الوارث فیعطی لصوم کل یوم طعام مسکین لقوله صلی اللہ علیه وسلم من مات وعلیه صوم شهر فلیطعم عنه مکان کل یوم مسکین الخ. (حاشیة الطحطاوی مع مراقی الفلاح، قدیم /۲۳۸، دارالکتاب دیوبند/۴۳۸)

وفدی لزوماً عنه أی عن المیت ولیه الذی یتصرف فی ماله الخ.

(الدرالمختار، کراچی ۲/۴۲۴، زکریا دیوبند۳/۴۰۶)

فإن لم یوص ویتبرع عنه الورثة جاز الخ. (عالمگیری، کتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي تبیح الإفطار، جدید ۱/۲۷۰، زکریا دیوبند ۱/۲۹۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الأولی ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۹۱)

بیس سال کے روزوں اور انیس سال کی نمازوں کا فدیہ

سوال: [۴۷۹۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب کا انتقال ہوا ہے جنکے ذمہ بیس سال کے رمضان کے روزے اور انیس سال کی نمازیں باقی ہیں، سوال طلب امر یہ ہے کہ مرحوم کے چھٹے ہوئے تمام روزوں اور نمازوں کا مجموعی فدیہ کتنا ہوگا؟ جلد جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی؟

المستفتي: مولانا محمد عمر صاحب، مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: روزہ کا فدیہ ایک صدقۂ فطر ہے اور ہر نماز کا فدیہ بھی ایک صدقۂ فطر ہے اور وتر کا فدیہ بھی لازم ہوتا ہے، تو بیس سال کے روزوں کا فدیہ ۹ رنو کوئنٹل ۴۴ رکلو ۴۸۷ رگرام گیہوں ہوگا، اور انیس سال کی نمازوں کا فدیہ ۲۴۶ رکوئنٹل ۲۳ رکلو ۲۲۵ رگرام ۶۰۰ رملی گرام گیہوں ہوگا۔

عن نافع عن ابن عمرؓ عن النبی ﷺ قال: من مات وعليه رمضان لم يقضه فليطعم عنه لكل يوم نصف صاع من بر. (صحيح ابن خزيمه، المكتب الإسلامي ۲/۹۸۸، رقم: ۲۰۵۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رصفر ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۲۶۶)

روزہ کا فدیہ کافر کو دینا

سوال: [۴۷۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ روزہ کا فدیہ کافروں کو دینا درست ہے یا نہیں؟ اسی طریقہ سے صدقہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتي: سردار خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: روزہ کا فدیہ غیر مسلم کو دینا جائز نہیں ہے۔
(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/۴۴۴)

وفی الشامية تحت قوله ومصرفاً قال الرملی وفی الحاوی وإن أطعم فقراء أهل الذمة جاز وقال أبو يوسفؒ لايجوز وبه نأخذ قلت بل صرح في كافي الحاكم بأنه لايجوز ولم يذكر فيه خلافاً وبه علم أنه ظاهر الرواية عن الكل. (شامی، کتاب الطلاق، باب الكفارة كراچی ۳/۴۷۹، زكريا ۵/۱۴۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۸۶۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۱۲/۱۴۲۳ھ

دائمی مرض اور صحت کی ناامیدی میں روزہ کا فدیہ

سوال: [۴۷۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دل کی بیماری کی وجہ سے ڈاکٹر منع کرتے ہیں روزہ رکھنے کو اور روزہ رکھنے کی وجہ سے تکلیف بڑھ جاتی ہے، اور روزہ اگر چھوڑ دیں تو بعد میں روزہ رکھنا ممکن ہی نہیں ہے تو ایسی صورت میں کیا کریں؟

المستفتي: محمد فرقان، تمبا کو والے

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر دائمی مرض ہے اور صحت یابی سے بالکل ناامیدی ہے تو روزانہ کسی فقیر کو ایک صدقۂ فطر کی مقدار گیہوں بطور فدیہ کے دیا کریں یا ایک صدقۂ فطر کی قیمت دیا کریں۔

كما فی الشامی، المريض إذا تحقق اليأس من الصحة فعليه الفدية لكل يوم من المرض الخ. (شامی، کتاب الصوم، باب ما لا يفسد كوئٹہ ۲/۱۶۳،

کراچی ۲/ ٤٢٧، زکریا۳/ ٤١٠)

اور اگر کسی وقت صحت یاب ہوجائے اور اللہ تعالیٰ روزہ رکھنے کے قابل بنادیں تو پھر اس وقت قضاء کرنا بھی واجب رہے گا۔

کمافی الدرالمختار ومتی قدر قضیٰ لأن استمرار العجز شرط الخليفة.

(الدر المختار مع الرد، کوئٹه ۲/ ١٦٤، کراچی۲/ ٤٢٧، زکریا دیو بند۳/ ٤١١)

عن عبادة بن نفسي رضـ قال: قال النبی صلی الله علیه وسلم : من مرض في رمضان فلم يزل مريضاً، حتى مات لم يطعم عنه، وإن صح فلم يقضه، حتى مات أطعم عنه . (مصنف عبد الرزاق ،الصيام ، باب المرض فی رمضان، وقضاء ه، المجلس العلمی ٤/ ٢٣٧، رقم: ٧٦٣٥)

عن ابن عمر عن النبی ﷺ في الذي يموت وعليه رمضان ولم يقضه قال: يطعم عنه لكل يوم نصف صاع من بر . (السنن الکبریٰ للبیهقی ، الصیام ، باب من قال إذا فرط فی القضاء بعد الإمکان ،دارالفکر ٦/ ٢٩٩، رقم: ٨٣١١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦ رمضان المبارک ١٤٠٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢١٣/٢٣)

الجواب صحیح:
حفظ الرحمٰن
١٠/١/٧ ١٤٠ھ

دل کے مریض والے آدمی کا روزہ، امامت اور فدیہ کا حکم

سوال: [۴۷۹٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ایک شخص دل کا مریض ہے امامت کرتا ہے، دل کا مریض ہونے کی بنا پر روزہ بھی نہیں رکھ سکتا ہے، ذرا بھی بھوک پیاس برداشت نہیں ہو پاتی ہے، کمزوری اتنی آجاتی ہے کہ اٹھنا بیٹھنا بھی مشکل ہوجاتا ہے، دوسرے ڈاکٹر نے بھی منع کردیا ہے کہ روزہ رکھنے میں کمزوری آکر زیادہ پریشانی کا سبب ہوجائے گا، لہٰذا کیا شخص مذکور روزہ نہ رکھ کر رمضان میں

امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) شخص مذکور نے دل کے عارضہ کی وجہ سے رمضان میں روزے نہیں رکھے ہیں، تو کیا رمضان کے علاوہ میں امامت کرسکتا ہے؟

(۳) اور جیسا کہ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں ہے تو روزہ کی تلافی کے واسطے کیا صورت اختیار کی جائے؟

المستفتي: حافظ محمد انور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) روزہ نہ رکھنا اقتداء کے صحیح ہونے کیلئے مانع نہیں ہے، لہٰذا سوال میں مذکور شخص جو دل کا مریض ہے اور ذرا سی بھوک پیاس برداشت نہیں کرسکتا اور روزہ کی وجہ سے کمزوری آجاتی ہے وہ روزہ نہ رکھنے کے باوجود امامت کرسکتا ہے۔

المانع من الاقتداء ثلٰثة أشياء منها طريق عام يمر فيه العجلة والأوقار هكذا في شرح الطحاوي ثم قال ومنها نهر عظيم لايكن العبور منه إلا بالعلاج كالقنطرة وغيرها هكذا في شرح الطحاوی ثم قال ومنها صف تام من النساء هكذا فی شرح الطحاوی. (عالمگیری ۱/۸۷، جدید زکریا ۱/۱۴۵)

لیکن اگر مقتدیوں کو نفرت ہو تو ایسے معذور آدمی کو امامت ترک کر دینا چاہیے روزہ ایک فریضۂ اسلام ہونے کی وجہ سے ایسا معذور آدمی جو رمضان کا روزہ نہیں رکھ سکتا لوگ اس کی امامت کو پسند نہیں کریں گے اسلئے بضد ہو کر امامت پر قائم نہ رہنا چاہیے ازخود امامت ترک کر دینا چاہیے، اور کسی صحیح تندرست متبع شریعت آدمی کو امام بنانا چاہیے۔

وأم قوما وهم له كارهون إن الكراهة لفساد فيه أو لأنهم أحق بالإمامة منه كره له ذلک تحريماً. (شامی، زکریا ۲/۲۹۷)

(۲) جب رمضان کے فرض روزے رکھنے کی طاقت نہیں اور روزہ نہیں رکھ پاتا تو رمضان اور غیر رمضان دونوں میں امامت کی ذمہ داری کسی تندرست آدمی کو سونپ دینی

چاہئے تاکہ مقتدیوں میں اعتراض اوراور خلجان پیدا نہ ہو۔

وأم قوما وهم له كارهون إن الكراهة لفساد فيه أو لأنهم أحق بالإمامة منه كره له ذلك تحريماً. (شامی، زکریا ۲/ ۲۹۷)

(۳) اگر آئندہ بھی صحت یابی سے ناامید ہوجائے تو ہردن کے روزہ کے بدلہ میں فدیہ ادا کرے جس کی مقدار نصف صاع گیہوں ہے، جوموجودہ اوزان کے اعتبار سے ڈیڑھ کلو ۴۷ رگرام، ۶۴۰ رملی گرام ہوتا ہے، اوراگراس کے بجائے اس کی قیمت دینا چاہے تو وہ بھی جائز ہے۔ (مستفاد: ایضا المسائل/ ۹۰)

المريض إذا تحقق اليأس من الصحة فعليه الفدية لكل يوم من المرض. (شامی، زکریا ۳/ ۴۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:	کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ	۱۷/ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
۱۴۲۴/۳/۱۸ھ	(الف فتویٰ نمبر: ۷۹۸۴)

روزہ رکھنے کی طاقت نہیں تو کیا کرے؟

سوال: [۴۷۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ضعیف عمر عورت ہوں تقریباً میری عمر اس وقت ۶۵/۷۰ سال کے قریب ہے، میں رمضان المبارک میں روزہ نہیں رکھ سکتی، روزہ رکھوں تو میری جان کا خطرہ ہے، تو میرے لئے کیا صورت ہوسکتی ہے؟

المستفتی: محمد کامران، منجانب نانی صاحبہ، فیض گنج، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر آپ ایسی کمزور ہوچکی ہیں کہ جس سے روزہ رکھنے کی بالکل ہمت نہیں تو ہرروزے کے بدلے میں پونے دوسیر گیہوں یا اسکی قیمت کسی فقیر یا مسکین کوبطور فدیہ کے دیا کریں۔

عن عطاء سمع ابن عباس يقرأ وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين قال ابن عباس : ليست بمنسوخة هوالشيخ الكبير والمرأة الكبيرة لا يستطيعان أن يصوما ، فيطعمان مكان كل يوم مسكينا . (صحيح البخاري ، التفسير، باب قوله وأياما معدو دات...... النسخة الهندية۲/ ٦٤٧، رقم: ٤٣٢٠، ف: ٤٥٠٥)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے!

فالشيخ الفاني الذى لا يقدر على الصيام يفطرويطعم لكل يوم مسكيناً. (هنديه ، زكريا ديوبند ١/ ٢٠٧، كتاب الصوم ، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار جديد ١/ ٢٧٠)

وللشيخ الفاني العاجز عن الصوم الفطر ويفدي وجوباً. (شامی، كتاب الصوم ، باب مايفسد الصوم وما لايفسد زكريا ديوبند٣/ ٤١٠، كراچی ٢/ ٤٢٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/۸/۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۱۹۱)

مرض کے سبب روزہ رکھنے کی طاقت نہیں

سوال: [۴۷۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی آدمی لاغر بیمار ہو روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو، اور وہ روزہ نہ رکھے اسکے واسطے کیا مسئلہ ہے؟ فدیہ ادا کرنا ہو تو کس حساب سے ادا کرے؟

المستفتیه: ہمایوں بیگم، محلّہ مغل پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مرض سے شفاء یاب ہونے کی امید ہو تو روزہ موقوف کردے اور جب شفایاب ہوجائیگا، تو جتنے روزے فوت ہوئے اتنے قضا کرلے، اور اگر شفایاب ہونے کی کوئی امید نہ ہو تو ہر روزہ کے بدلہ میں ایک صدقۂ فطر یا اسکی قیمت فقیر

کوصدقہ کردیا کرے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم۶/ ۴۶۶)

وَمَنْ كَانَ مَرِيْضاً أَوْعَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ. (البقرة: ۱۸۵)

عن عطاء سمع ابن عباس يقرأ وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين قال ابن عباس : ليست بمنسوخة هوالشيخ الكبير والمرأة الكبيرة لا يستطيعان أن يصوما ، فيطعمان مكان كل يوم مسكينا . (صحيح البخاري ، التفسير، باب قوله وأياما معدو دات...... النسخة الهندية۲/ ۶۴۷، رقم: ۴۳۲۰، ف: ۴۵۰۵)

فإن عجز عن الصوم لمرض لا يرجىٰ برؤه أو كبر أطعم أي ملك ستين مسكيناً ولو حكماً (قوله) **كالفطرة قدراً ومصرفاً أو قيمة ذلك الخ.** (الدر المختار ، كتاب الطلاق ، باب الكفارة ، كراچی ۴۷۸/۳، زکریا ديو بند۵/ ۱۴۳، كوئٹه ۲/ ۶۳۲، ۲/ ۱۳۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ شعبان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۵۶/۲۴)

رمضان میں سخت بیماری میں مبتلاء مریض کیا کرے؟

سوال: [۴۷۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید سانس کا مریض ہے، نیز وقفہ وقفہ سے اس کو منھ سے خون بھی آتا رہتا ہے، ایسے بیمار کیلئے روزہ کا کیا حکم ہے؟ اس حالت میں روزہ رکھے یا روزہ کا فدیہ ادا کرے، روزہ کا فدیہ کیا اور کتنا ہے؟ اگر کسی غریب مسکین کو صبح وشام کھانا کھلا دیا جائے تو کیا روزہ کا فدیہ ادا ہو جائے گا؟

المستفتي: محمد سلیم، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اس مرض سے شفاء کی امید نہیں ہے، اور اس حالت میں روزہ پر طاقت نہیں ہے، اور وہ شیخ فانی ہے تو ایسی صورت میں فدیہ

دینے کی اجازت ہے اور فدیہ کی مقدار ایک روزہ کا ایک صدقۂ فطر یا اسکی قیمت ہے۔
(مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۴۶۲)

عن عطاء سمع ابن عباس یقرأ وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین قال ابن عباس : لیست بمنسوخة هوالشیخ الکبیر والمرأة الکبیرة لا یستطیعان أن یصوما ، فیطعمان مکان کل یوم مسکینا . (صحیح البخاری ، التفسیر، باب قوله وأیاما معدو دات...... النسخة الهندیة ۲/ ٦٤٧، رقم: ٤٣٢٠، ف: ٤٥٠٥)

اور اگر مذکورہ شخص شیخ فانی نہیں ہے،صرف بیمار ہے تو فدیہ دینا جائز نہ ہوگا، بلکہ فی الحال روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اور بعد میں قضا کرنا لازم ہوگا۔(مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۴۶۲)

وَمَنْ كَانَ مَرِيْضاً أَوْعَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ. (البقرہ: ۱۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍محرم الحرام ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳؍۵۵۸۵)

۵۵؍سالہ آدمی شیخ فانی نہیں

سوال: [۴۸۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی ہے جس کی عمر تقریباً ۵۵؍سال ہے کسی عذر کی بنا پر رمضان المبارک کے مہینے کا روزہ نہ رکھ سکے تو کیا اسکی طرف سے فدیہ یعنی مسکین کو کھانا کھلا دے ،تو ان کی طرف سے فرض ساقط ہوجائیگا ، یانہیں ؟ یا یہ کہ رمضان المبارک کے بعد جب صحت یاب ہوجائے تو اسکی قضا کرنی پڑے گی ،قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل وضاحت فرماکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

نوٹ: اگر فدیہ دے تو کتنی مقدار دے؟

المستفتی: محمد نذیر الدین قاسمی ،مونگیری،
امام مسجد انجیر والی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۵۵؍سال کا آدمی شرعاً وعرفاً شیخ فانی نہیں ہے، ایسا آدمی اگر کسی مرض وغیرہ کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے تو فدیہ دینے سے بری نہیں ہوسکتا بلکہ صحت یاب ہونے پر روزوں کا قضاء کرنا واجب ہے۔

وَمَنْ كَانَ مَرِيْضاً أَوْعَلٰى سَفرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ. (البقرة: ۱۸۵)

أو مريض خاف الزيادة لمرضه وصحيح خاف المرض ...... الفطر وقضوا لزوماً ماقدروا بلا فدية الخ. (الدرالمختار، كتاب الصوم، فصل في العوارض، المبيحة لعدم الصوم زكريا ۴۰۳/۳ تا ۴۰۵، كراچی ۴۲۲/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷؍۲۴۰۸)

سانس کی مریضہ کا روزہ میں مشین استعمال کرنا

سوال: [۴۸۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں سانس کی مریضہ عرصہ سے ہوں، ڈاکٹری علاج چل رہا ہے، ڈاکٹر صاحب نے ایک مشین دی ہے، جو سانس کی زیادتی پر اسکے اندر ایک کیپسول جسمیں پاؤڈر بھرا ہوا ہے، رکھ کر مثل بیڑی سگریٹ کی طرح کھینچا جاتا ہے، وہ پھیپڑوں کو سکون دیتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ماہ مبارک آرہا ہے، روزہ کی حالت میں مشین استعمال کرسکتی ہوں یا نہیں؟ اگر روزہ قضا کرنا پڑے تو اس قضاء روزہ کا فدیہ کتنا دینا ہے؟

المستفتية: رقیہ خاتوں، زوجہ مقبول حسین، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سانس کی مریضہ ہے، دوبارہ شفایابی کی امید ہے، تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ اس وقت روزہ موقوف رکھا جائے، اور جب صحت یابی ہوجائے

تو چھوٹے ہوئے روزوں کی قضاء کرے، اور اگر دوبارہ شفایابی کی امید نہیں ہے، یا عمر ہی اس حد تک پہنچ چکی ہے، کہ ایسی عمر کے لوگ عام طور پر دوبارہ تندرست نہیں ہو پاتے ہیں، تو ایسے لوگوں کو شریعت میں شیخ فانی کہتے ہیں، اور عورتوں کو عجوزۂ کبیرہ کہا جاتا ہے، تو ایسے لوگوں کیلئے شریعت میں اس بات کی گنجائش ہے کہ روزہ چھوڑ دیں اور ہر روزہ کے بدلے میں ایک صدقۂ فطر کے بقدر فدیہ دیا کریں اب آپ اپنے بارے میں خود دیکھ لیں آپ کس قسم میں داخل ہیں؟ اور اگر تندرست آدمی ہے مگر دمہ کا مریض ہے، اور اس کا مرض ختم ہی نہیں ہوتا ہے، لیکن دواؤں کی مشین استعمال کرنے سے اسکے سانس ٹھکانے پر آجاتے ہوں اور روزہ رکھنے کی طاقت آجاتی ہو، تو ایسا آدمی مشین استعمال کرکے روزہ رکھا کریگا، اور ساتھ ساتھ احتیاطاً فدیہ بھی ادا کرتا رہے، اور اس طرح کے تندرست آدمی کیلئے مشین استعمال کرکے روزہ رکھنے کا حکم اس لئے ہے کہ روزہ اللہ کا ایک اہم فریضہ ہے ایک طاقتور آدمی جو مشین استعمال کرنے کے بعد روزہ رکھ سکتا ہو، اسے روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، جیسا کہ سلسل البول اور انفلات ریح کی حالت میں نماز چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے، اسی حالت میں نماز پڑھنے کا حکم ہے، اسی لئے مشین اور آلہ استعمال کرکے ایسا شخص روزہ رکھا کریگا، لیکن احتیاطاً ہر روزہ کیساتھ ایک صدقۂ فطر کی مقدار فدیہ بھی ادا کرتا رہے، اور اگر فدیہ دینے کے لئے پیسہ کا انتظام نہیں ہے، تو یوں ہی روزہ رکھتا رہے گا۔

عن عطاء سمع ابن عباس يقرأ وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين قال ابن عباس : ليست بمنسوخة هوالشيخ الكبير والمرأة الكبيرة لا يستطيعان أن يصوما ، فيطعمان مكان كل يوم مسكينا . (صحيح البخاري ، التفسير، باب قوله وأياما معلودات، النسخة الهندية ٢/ ٦٤٧، رقم: ٤٣٢٠، ف: ٤٥٠٥)

وتتوضأ المستحاضة ومن به سلس البول أو استطلاق بطن أو انفلات ريح أو رعاف دائم أوجرح لايرقأ لوقت كل فرض ويصلون به فرضاً ونفلاً. (تبيين الحقائق ، امداديه ملتان ١/ ٦٤، زكريا ١/ ١٨٠، ١٨١، هنديه ١/ ٤١، جديد ١/ ٩٥،

كتاب الطهارة قبيل: الباب السابع في النجاسة وأحكامها حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ، دارالكتاب ديوبند/٩ ٤ ١، الموسوعة الفقهية الكويتية٢٥ /١٨٨)

قال رحمه الله : لمن خاف زيادة المرض الفطر .(تبيين الحقائق ، امداديه ملتان ١ /٣٣٣، زكريا ٢ /١٨٩ ، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، دارالكتاب ديو بند/ ٦٨٤)

قا ل رحمه الله : وللشيخ الفاني وهو يفدي فقط أى للشيخ الفاني الفطر . (تبيين الحقائق ، زكريا ٢ /١٩٨ ، امداديه ملتان ١ /٣٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍رجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹؍۱۰۱۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴؍۷؍۱۴۳۱ھ

اسہال کی وجہ سے روزہ توڑنا

سوال: [۴۸۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ روزہ رکھنے کے بعد کئی اسہال ہوگئے مسلمان ڈاکٹر کی رائے سے دوا بھی کھائی اور گلوکوز بھی چڑھ رہا ہے، ڈاکٹر کہتا ہے، کہ دوا نہ کھائی تو حالت خراب ہوسکتی ہے، بلڈ پریشر ڈاؤن ہوگیا ہے، ایسی حالت میں روزہ توڑنے پر صرف رمضان کی قضاء ہوگی یا کفارہ بھی دینا ہوگا، اگر کفارہ بھی دینا ہے تو اسکی ادائیگی رقم میں کتنی ہوگی کیا کسی مدرسہ میں دیجا سکتی ہے، جواب کی تفصیل سے مطلع فرمائیں؟

المستفتي: ظفر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ کی درج شدہ صورت میں مسلمان مریض نے غیر فاسق ڈاکٹر کے بتلانے سے یا خود مریض کو مرض بڑھ جانے کا خطرہ ہونیکی وجہ سے روزہ توڑ دیا ہے، تو شرعاً کفارہ واجب نہیں ہوگا، بلکہ صرف قضاء واجب ہوگی۔
(مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۴۲۶)

وَمَنْ كَانَ مَرِيْضاً أَوْعَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ. (البقرہ: ۱۸۵)

أو مريض خاف الزيادة لمرضه بغلبة الظن بإمارة أو تجربة أو بإخبار طبيب حاذق مسلم مستور الخ. (الدرالمختار، کتاب الصوم، فصل فی العوارض المبیحۃ لعدم الصوم، زکریا دیوبند۳/۴۰۳، ۴۰۴، کراچی ۲/۴۲۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۴۱۴)

مرضعہ، حاملہ روزہ نہ رکھ سکے تو کیا کرے؟

سوال: [۴۸۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی مرضعہ اور حاملہ عورت کو رمضان میں روزہ رکھنے سے ضرر لاحق ہوجاتا ہے، تو کیا فدیہ دینے سے اس عورت کے اوپر سے روزہ ساقط ہوجائیگا یا روزہ کی قضاء کرے گی؟

المستفتي: محمد اختر، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرضعہ یا حاملہ کو روزہ رکھنے سے ضرر لاحق ہونے کا ڈر ہوتو وہ بعد میں ان روزوں کی قضاء کرے گی فدیہ دینے سے قضاء ساقط نہیں ہوگی۔

وقال الحسن: وإبراهيم في المرضعة والحامل إذا خافتا على أنفسهما أو ولدهما تفطران ثم تقضيان . (صحیح البخاری، کتاب التفسیر ۲/۶۴۷، رقم: الباب۲۵)

إذا خافت الحامل أو المرضعة على أنفسهما أو على ولدهما جاز الفطر وعليهما القضاء . (الفتاویٰ التاتارخانیۃ، کتاب الصوم، الفصل السابع فی الاسباب المبیحۃللفطرقدیم۲/۳۸۴، زکریا دیوبند۳/۴۰۴، رقم: ۴۶۹۹)

والفدية على الشيخ الفاني وليست على غيره من المريض والمسافر والحامل والمرضع لعدم ورود نص فيهم. (البحرالرائق، فصل فی العوارض

زکریا۲/ ۱ ۰ ۵، کوئٹه ۲/ ۸ ٦ ۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳؍ ۴۷۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸؍ ۳؍ ۱۴۱۷ھ

۶ / باب الاعتکاف

اعتکاف سے متعلق چند سوالات

سوال: [۴۸۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(الف) اعتکاف کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(ب) شریعت کی نگاہ میں انفرادی اعتکاف پسندیدہ ہے یا اجتماعی؟

(ج) اعتکاف کیلئے اپنے محلّہ کی مسجد کو چھوڑ کر سفر کرکے دوسری جگہ اعتکاف کرنا کیسا ہے؟

(د) رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں اعتکاف کیلئے اشتہار وغیرہ کے ذریعہ مجمع اکٹھا کیا جاتا ہے، جس میں یہ بھی اعلان ہوتا ہے، کہ ہمارے یہاں طعام کا بھی نظم ہے اور مجمع کی کثرت کی وجہ سے عبادتی رنگ کے بجائے مجلسی رنگ اور خورد ونوش کا پہلو غالب ہوتا ہے ایسا کرنا کیسا ہے؟

(ہ) اعتکاف کے اختتام پر بطور انعام نقد روپئے دئے جاتے ہیں، تاکہ آئندہ لوگ اسی مسجد میں اعتکاف کریں، اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد عارف، متعلم جامعہ عربیہ نورالاسلام، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (الف) رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔

وسنة مؤكدة في العشر الأخير من رمضان أي سنة كفاية كما فى البرهان. (الدر المختار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، زكريا ديوبند۳/ ۴۳۰، كراچی ۲/ ۴۴۲، مجمع الأنهر قديم ۱/ ۲۵۵، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۷۶)

(ب) اگر بلا تداعی اعتکاف میں اجتماع کی شکل ہوجائے تو اس میں کوئی حرج نہیں

ہے، جیسا کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کے یہاں لوگ تربیت حاصل کرنے کی غرض سے آتے تھے اور اجتماعی شکل ہوجاتی تھی، مگر لوگوں کو مدعو کر کے اجتماع کرنا یا باقاعدہ تشہیر کرانا جائز نہیں ہے بلکہ ایسی عبادت میں اخفاء زیادہ مناسب ہے۔

التطوع بالجماعة إذا كان على سبيل التداعى يكره . (هندية ، كتاب الصلاة الباب الخامس في الإمامة ، جديد ١ /١٤١ ، زكريا ١ /٨٣، الدر المختار، زكريا ٢ /٢٨٨ ،كراچى ٢ /٤٨، ٤٩)

(ج) اعتکاف اپنی مسجد میں یا علاقہ کی جامع مسجد میں کرنا افضل ہے اعتکاف وعبادت کیلئے صرف چار قسم کی مساجد کا سفر کرنا مشروع ہے باقی کسی اور مسجد میں اعتکاف کیلئے سفر کرنا ثابت نہیں ہے (۱) مسجد حرام (۲) مسجد نبوی (۳) مسجد اقصیٰ (۴) اپنے علاقہ کی جامع مسجد۔

لقوله عليه السلام: لاتشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد مسجد الحرام ، ومسجدي هذا، و مسجد الأقصىٰ. (ترمذی ، الصلاة، باب ماجاء فی أی المساجد أفضل ، النسخةالهندية ١/ ٧٥، دارالسلام رقم: ٣٢٦)

وأما الأفضل فأن يكون في المسجد الحرام ثم مسجد المدينة ، وهو مسجد رسول الله ﷺ ثم مسجد بيت المقدس ثم مسجد الجامع .

(البحرالرائق، کوئٹه٢/ ٣٠١، زكريا ٢ /٥٢٦)

(د) اپنے یہاں معتکفین کی تعداد بڑھانے کیلئے باقاعدہ اعلان اور اشتہار چسپاں کرانا جس سے اعتکاف کا مقصود فوت ہوجائے، شریعت میں محمود نہیں بلکہ سخت ممنوع ہے کیونکہ یہ تداعی إلی النوافل ہے جو مکروہ ہے، اسی طرح یہ اعلان کرانا کہ ہمارے یہاں قیام وطعام کا بھی نظم ہے تاکہ لوگ وہاں پہونچیں اور اعتکاف کریں درست نہیں البتہ جو لوگ اپنے شیخ کے یہاں محض بغرض اصلاح نفس اور تربیت حاصل کرنے ہی کیلئے آتے ہیں، اور اسی ضمن میں اعتکاف بھی کر لیتے ہیں، تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

التطوع بالجماعة إذا كان على سبيل التداعى يكره . (هنديه

زکریا۱/۸۳، الباب الخامس في الإمامة جدید ۱/۱٤۱)

(ہ) اعتکاف کے اختتام پر انعامات تقسیم کرنا تاکہ سال آئندہ بھی اعتکاف کیلئے یہیں پہونچیں اسلام میں ثابت نہیں بلکہ یہ خودساختہ اور گھڑا ہوا عمل ہے اور خلوص وللّٰہیت سے دوری اور سمعہ وریا ہے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

عن أبی هریرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ : ان الله لا ینظر إلیٰ صورکم وأموالکم ، ولکن ینظر إلیٰ قلوبکم وأعمالکم . (صحیح البخاری ، کتاب البر والصلة والآداب ، باب تحریم ظلم المسلم ......،النسخة الهندیة۲/۳۱۷، بیت الأفکاررقم: ۲۵٦٤، مسند أحمد بن حنبل۲/۲۸۵، رقم: ۷۸۱٤، ۲/۵۳۹، رقم: ۱۰۹۷۳، صحیح إبن حبان ، دارالفکر ۱/۲۲۱، رقم: ۳۹٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۲۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۴/۱۴۱۸ھ

کس مسجد میں اعتکاف مسنون ہے؟

سوال: [۴۸۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پورے شہر میں اگر ایک مسجد میں اعتکاف کرلیا جائے تو کافی ہوگا یا نہیں؟ ہمارے یہاں اسٹیشن والی مسجد سے متصل مسلم آبادی نہیں ہے بلکہ فاصلے پر ہے، ایک دو گھر مسلمانوں کے ہیں، باقی بازار اور غیر مسلموں کے گھر ہیں، کیا ایسی صورت میں مسجد مذکور میں اعتکاف ضروری ہے؟

المستفتي: اسرار احمد، نجیب آباد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق : جس مسجد میں تراویح کی نماز ہوتی ہے، اس مسجد میں اعتکاف بھی مسنون ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۴۹۸)

لہٰذا آپ کی مذکورہ مسجد میں بھی اعتکاف مسنون کا حکم ہوگا۔

وسنة مؤکدة في العشر الأخیر من رمضان وتحته فی الشامیة سنة

كفاية نظير ها إقامة التراويح بالجماعة فإذا قام بها البعض سقط الطلب عن الباقين فلم يأثموا بالمواظبة على الترك بلاعذر الخ. (شامی، کتاب الصوم، باب الاعتکاف زکریا ۴۳۰/۳، کراچی ۴۴۲/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ر شوال ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۹۱۴/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۱۰/۳۰ھ

غیر شرعی مسجد میں اعتکاف کا حکم

سوال: [۴۸۰۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ اسلامیہ کی موقوفہ زمین پر مہتمم صاحب نے ایک مسجد بنائی ہے، جس کی نوعیت یہ ہے کہ مہتمم صاحب نے ایک عمارت تیار کی اور اسمیں مستقل جماعت کیساتھ نماز ادا کی جاتی ہے، اور تعلیم بھی ہوتی ہے، اور طلبہ کا بھی قیام ہے اور اوپری منزل جو کہ فی الحال زیر تعمیر ہے وہ مسجد ہے اور اسکی مسجد ہونے کی نیت بھی کی ہے، اور نچلی عمارت جو کہ جماعت خانہ ہے، مہتمم صاحب نے تعمیر کے وقت مسجد کی نیت نہیں کی ہے، تو کیا یہ نچلی منزل جس میں مستقل جماعت ہوتی ہے، مدرسہ کی موقوفہ زمین پر ہونے کی وجہ سے نیت نہ ہونے کے باوجود نماز پنجوقتہ ہونے کی وجہ سے شرعی مسجد کہلائی جاسکتی ہے؟ اور اس میں سنت واجب ونفل اعتکاف ہوسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد کا نچلا حصہ چونکہ مسجد کی نیت سے تعمیر نہیں کیا گیا ہے، اسلئے وہ شرعی مسجد کے دائرے میں داخل نہیں ہے، لہٰذا اس حصہ میں اعتکاف بھی صحیح نہ ہوگا، اور اوپر کا حصہ چونکہ مسجد کی نیت سے بنایا گیا ہے، اسلئے وہ شرعی مسجد کے دائرے میں داخل ہے، لہٰذا اس میں اعتکاف بھی صحیح ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۶۸۳/۲)

لا اعتكاف إلا في مسجد جماعة وعن أبي حنيفةؒ أنه لا يصح إلا في مسجد يصلى فيه (وتحته في چلپی) مسجد الجماعة هو الذي يكون له

إمام ومؤذن أديت فيه الصلوٰة الخمس أولا . (هدايه مع العنايه ، كوئٹه ۲/ ۳۰۸)

وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه أي المسجد جاز كمسجد القدس . الدر المختار مع الشامی ، كتاب الوقف ، زكريا ديو بند٦/ ٥٤٧، كراچی ٤/ ٣٥٧، عالمگيری ، كتاب الوقف الباب الحادی عشر في المسجد جديد ٢/ ٤٠٨، زكريا ٢/ ٤٥٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۴۵/۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴۵۸/۲۹)

کیا اعتکاف کیلئے مسجد شرعی شرط ہے؟

سوال: [۴۸۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نا چیز نے فتاویٰ شامی ودیگر کتب فقہ کو دیکھا تو سمجھ میں یہ بات آئی کہ اعتکاف ایسی مسجد میں کیا جائے جہاں اذان اور پنجوقتہ جماعت کا اہتمام ہو اور عربی کتب میں ہر جگہ مسجد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، تو کیا اس سے مسجد شرعی مراد ہے؟ یا پھر اعتکاف ایسی جگہ بھی درست ہو جاتا ہے، جو مسجد شرعی تو نہیں ہے، لیکن اس جگہ پنجوقتہ نماز باجماعت ہوتی ہے۔ (۲) معتکف جب غسل کرنے جائے تو ناپاک کپڑے کو دھونے کی کیا شرعاً اجازت ہے برائے مہربانی با حوالہ تحریر فرمائیں؟ مہربانی ہوگی؟

المستفتي: عتیق الرحمٰن، ناگپوری،
دار العلوم حسینیہ، باسم روڈ، اکولہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) رجال کے اعتکاف کیلئے مسجد شرعی کا ہونا شرط ہے اس میں پانچوں وقت نماز باجماعت پڑھی جاتی ہو یا نہ پڑھی جاتی ہو۔

لا اعتكاف إلا فی مسجد جماعة وعن أبی حنيفةؒ أنه لا يصح إلا فی

مسجد يصلى فيه (وتحته فى چلپى) مسجد الجماعة هو الذى يكون له إمام ومؤذن أديت فيه الصلوٰة الخمس أولا . (هدايه مع العنايه ،كوئٹه ۲/ ۳۰۸)

(۲) جس طرح بدن کی طہارت کیلئے نکلنا جائز ہے اسی طرح ناپاک کپڑے کی طہارت کیلئے بھی نکلنا جائز ہے، اس لئے کہ یہ بھی حاجت شرعی کے دائرہ میں داخل ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ رصفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳۲۱/۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۱۸ھ

گاؤں کی مسجد چھوڑ کر دوسرے گاؤں کی مسجد میں اعتکاف

سوال: [۴۸۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک غریب آدمی اپنے گاؤں کی مسجد میں اعتکاف کرتا تھا، مسجد کے ذمہ دار حضرات ان کے کھانے کا انتظام کرتے تھے، اتفاق سے آئندہ سال دوسرے گاؤں کے لوگوں نے اسکو یہ لالچ دیا کہ ہماری مسجد میں یا فلاں گاؤں کی مسجد میں جا کر اعتکاف کروگے تو آپ کو اعتکاف کے بعد عید میں کپڑا اور روپئے وغیرہ بھی دیا جائیگا، چنانچہ وہ غریب آدمی ہر سال اس لالچ میں اپنے گاؤں کی مسجد کو چھوڑ کر دوسرے گاؤں کی مسجد میں رمضان کا اعتکاف کرتا ہے، تو اس غریب شخص کا اس طرح اعتکاف کرنا اور اعتکاف کے بعد کپڑا اور روپیہ وغیرہ لینا اور اس عمل کیلئے دوسرے شخص کا لالچ دلانا جائز ہے یا ناجائز؟ واضح رہے کہ جس گاؤں کی مسجد میں جا کر اعتکاف کرتا ہے، اس مسجد میں اس گاؤں کا کوئی آدمی اعتکاف کیلئے نہیں بیٹھتا ہے، تو کیا اس شخص کا اعتکاف اس گاؤں کے رہنے والے لوگوں کی طرف سے کافی ہو جائے گا؟ جبکہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ گاؤں کی مسجد میں اسی گاؤں کے ایک آدمی کا اعتکاف میں بیٹھنا ضروری ہے، ورنہ سب کے سب گنہگار ہونگے؟

المستفتي: محمد شفیق الرحمٰن، پورنیہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آبادی میں ہر محلّہ میں کم از کم ایک آدمی کا اعتکاف کرنا سنت مؤکدہ ہے، جس کو سنت مؤکدہ علی الکفایہ کہا جاتا ہے، یہ ذمہ داری ہر اہل مسجد پر ہے ،لہٰذا محلّہ والوں میں سے ایک دو آدمی اعتکاف کرلیں تو سب کے اوپر سے یہ ذمہ داری پوری ہوجاتی ہے،اوراعتکاف لیلۃ القدر کی تلاش اوراس میں عبادت کی غرض سے کیا جاتا ہے،جس میں نہایت اخلاص کی ضرورت ہے کپڑے یا کسی اور دنیوی اغراض ومقاصد کیلئے اعتکاف کیا جائے تو اس سے اعتکاف کا مقصد حاصل نہیں ہوسکتا، اپنی مسجد کو چھوڑ کر دنیوی اغراض کیلئے دوسری مسجد میں اعتکاف کیلئے منتقل ہونا مناسب نہیں ہے، بلکہ اپنی ہی مسجد میں اعتکاف کرنا چاہئے ،اور دوسری مسجد میں اعتکاف نہ کرنے کے خود اس محلّہ والے ذمہ دار ہیں ہاں البتہ دینی اغراض کی بناپر دوسری مسجد میں اعتکاف کے لئے منتقل ہوتو یہ جائز بھی ہے اور زیادہ فضیلت ہوگی ،مثلاً وہاں عوام کو وعظ اور دعوت وتبلیغ کرنا مقصود ہے تو ایسی صورت میں اعتکاف کیساتھ ساتھ دعوت وتبلیغ کا ثواب بھی ملے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۵۱۱)

وسنة مؤكدة في العشر الأخير من رمضان أي سنة كفاية(درمختار) فإذا قام بها البعض سقط الطلب عن الباقين فلم يأثموا. (شامی، کتاب الصوم، باب الاعتکاف ، کراچی ۲/ ٤٤٤، زکریا ۳/ ٤٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۰؍شعبان ۱۴۲۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۶؍۷۳۶۸)

کیا نفلی اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے؟

سوال: [۴۸۰۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے ایک ساتھی تین دن کا نفلی اعتکاف کرنا چاہتے ہیں، وہ ایسا کررہے ہیں، کہ منگل کے روز دوبجے سے اعتکاف شروع کریں گے،اور جمعہ کے دن دوبجے ختم کردیں گے، کیا یہ اعتکاف

درست ہے یا شام سے اعتکاف شروع کرنا ضروری ہے، جبکہ وہ روزہ بھی نہیں رکھتے ہیں؟

المستفتي: محمد اصغر، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ میں ذکر کردہ نفلی اعتکاف کی صورت شرعاً درست ہے نفلی اعتکاف دن کے کسی بھی حصہ میں شروع کر سکتے ہیں، نیز اس کے لئے روزہ رکھنا بھی ضروری نہیں ہے۔

وأقل مدة اعتكاف النفل ساعة عند محمدؒ فى الأصل وليس الصوم شرطاً للنفل على ظاهر الرواية . (مجمع الأنهر ، دارالكتب العلمية بيروت ١/٣٧٧، مصرى قديم ١/٢٥٦)

وأقله نفلاً ساعة عند محمد وهو ظاهر الرواية عن الإمام . (شامی، کراچی ٢/٤٤٣، زکریا٣/٤٣٣)

أن الصوم ليس بشرط فى التطوع وليس لأقله تقدير على الظاهر حتى لو دخل المسجد ونوى الاعتكاف إلىٰ أن يخرج منه صح . (هنديه ، كتاب الصوم ، الباب السابع في الاعتكاف، جديد ١/٢٧٤ زكريا١/٢١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۶/ربیع الاول ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۹۴۰/۳۸)	۱۴۳۱/۳/۶ھ

دوران اعتکاف انتقال ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال: [۴۸۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص اعتکاف میں بیٹھا اور اسی حالت میں یعنی اعتکاف کے ایام ہی میں اس دنیائے فانی کو خیر آباد کہہ دیا تو کیا اس شخص کا اعتکاف ہوا یا نہیں؟ اس شخص کی طرف سے کسی دوسرے شخص کو اس کے چھوٹے ہوئے ایام کو پورا کرنا پڑے گا یا نہیں؟

المستفتي: محمد ساجد، سیتامڑھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب اعتکاف کی حالت میں موت واقع ہوگئی ہے، انشاء اللہ تعالیٰ امید ہے کہ قیامت کے دن اعتکاف ہی کی حالت میں اٹھایا جائے گا، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو آدمی حج یا عمرہ کے سفر میں حالت احرام میں انتقال کرجائے قیامت کے دن احرام کی حالت میں تلبیہ پڑھتا ہوا اٹھایا جائے گا، اور بقیہ ایام کا اعتکاف اگر دوسرے لوگ نائب بن کر کریں تو اس کی طرف سے ادا نہ ہوگا، اور نہ ہی بقیہ کا پورا کرنا لازم ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: كنا مع النبى صلى الله عليه وسلم في سفر فرأى رجلا سقط عن بعيره فوقص فمات وهو محرم فقال رسول الله ﷺ: اغسلوه بماء وسدر، وكفنوه فى ثوبيه، ولا تخمروا رأسه، فإنه يبعث يوم القيامة يهل أو يلبى الحديث: (ترمذی، الحج، باب ماجاء فی المحرم، یموت فی احرامه، النسخة الهندیة ۱/۱۸۸، دارالسلام رقم: ۹۵۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍صفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۵۴/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱۵ھ

رمضان میں کتنے دن کا اعتکاف مسنون ہے؟

سوال: [۴۸۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ کفایہ ہے، یا ایک دن ورات اعتکاف کرلینے سے بھی سنت ادا ہوجائے گی، یہاں بعض علماء کہتے ہیں، کہ ایک دن ورات اعتکاف کرلینے سے بھی سنت ادا ہوجائے گی، مکمل دس ایام اعتکاف کرنے کی ضرورت نہیں ہے؟

المستفتي: محمد رمضان، دارالعلوم، کالیکا پور، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رمضان کے مکمل آخری عشرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے، صرف ایک دن رات کا اعتکاف کر لینے سے یہ سنت ادا نہیں ہوگی، اور بعض علماء کا یہ کہنا کہ ایک دن ورات اعتکاف کر لینے سے سنت ادا ہو جائے گی، مکمل دس ایام اعتکاف کرنے کی ضرورت نہیں، ازروئے شرع صحیح نہیں ہے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ مکمل عشرہ اعتکاف کرنے سے ہی سنت ادا ہوگی ورنہ نہیں۔

وسنة مؤكدة على الكفاية في العشر الأخير من رمضان فلو أداه واحد من أهل المسجد كفى الكل وإلا أثموا وإن أفسده قبل الإتمام أحرز ثواب مااعتكف ولم يأت بالسنة. (معارف السنن، كتاب الصوم، باب ماجاء في الاعتكاف ۵/۵۱۳، ۵۱۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۰۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۶/۱۴۲۴ھ

کیا عورت کے اعتکاف میں بیٹھنے سے سنت ادا ہو جائیگی؟

سوال: [۴۸۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں میں رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کے اعتکاف میں ایک مرد اگر بیٹھتا ہے تو سنت کفایہ کے طور پر سب کی طرف سے ادا ہو جاتا ہے، لیکن اگر ایک مرد کے بجائے دو عورتیں اعتکاف میں بیٹھ جائے اپنے اپنے گھروں میں تو کیا یہ سنت کفایہ ادا ہو جائے گی۔

المستفتي: محمد فرقان، خوش حال گنج، لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں اگر مرد کے

بجائے صرف عورت اعتکاف میں بیٹھتی ہے، خواہ ایک ہو یا چند اور مرد معتکف نہ ہو تو عورت کا اعتکاف صحیح ہو جائیگا، لیکن اس کے اعتکاف سے مردوں کے ذمہ سے اعتکاف کی سنیت ادا نہ ہوگی، بلکہ ان کے اوپر اعتکاف کی ذمہ داری باقی رہے گی ۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۳/۱۵۱، جدید ڈابھیل ۱۰/ ۲۷۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۹/ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۹۱)	۲۰/۴/۱۴۲۱ھ

خانقاہی اعتکاف

سوال: [۴۸۱۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے آسام میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے خلیفہ اجل حضرت مولانا احمد علی شیخ الحدیث دارالعلوم بانسکنڈی مسجد میں اعتکاف کرتے رہے، جس کو وہ خانقاہی اعتکاف کے نام سے موسوم کرتے تھے، اور حضرت کے انتقال کے بعد خانقاہی اعتکاف کے نام سے مساجد میں ان کے خلفاء اعتکاف کررہے ہیں اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ارشادات کے مطابق ذکر تسبیح وتہلیل وغیرہ کی مشق کراتے ہیں، لیکن یہاں کے کچھ لوگوں کا کہنا ہے (جن میں کئی مولوی بھی شریک ہیں) کہ خانقاہی اعتکاف مساجد میں جائز نہیں ہے، اب سوال یہ ہے کہ اکابرین ملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ، اور شیخ عبدالجبار صاحب شیخ الحدیث مدرسہ شاہی، مرادآباد وغیرہم سے خانقاہی اعتکاف مساجد میں کرنے کا ثبوت ہے یا نہیں؟ نیز شریعت میں اس طرح خانقاہی اعتکاف کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: عبدالخالق قاسمی، ذمہ دار خانقاہ احمدیہ،

مدنیہ، کلکاسیہ، پریہٹا، آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: خانقاہی اعتکاف سے کیا مراد ہے؟ اس سے اگر پورے مہینہ کا اعتکاف مراد ہے، تو یہ سلف سے ثابت نہیں اور اگر اس سے یہ مراد ہے کہ شیخ اپنے متعلقین کے ساتھ آخری عشرہ کا اعتکاف کرتا ہے، تو یہ حدیث سے ثابت ہے، اسلئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہتمام کیساتھ آخری عشرہ کا اعتکاف فرماتے تھے، اور آپ کیساتھ صحابۂ کرام کی ایک بڑی تعداد اعتکاف میں شرکت فرماتی تھی، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے، کہ پہلے اور دوسرے عشرہ میں لیلۃ القدر کا نہ ہونا متعین ہوجانے کے بعد آپ نے صحابہ سے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ جو لوگ پہلے میرے ساتھ اعتکاف کر چکے ہیں وہ اب چاہیں تو میرے ساتھ آخری عشرہ میں اعتکاف کرلیں۔

عن أبي سعيد الخدري قال إن رسول الله صلى الله عليه وسلم اعتكف العشر الأول من رمضان ثم اعتكف العشر الأوسط ، في قبة تركية على سدتها حصير – إلىٰ قوله– فقال إني اعتكفت في العشر الأول ألتمس هذه الليلة ثم اعتكفت العشر الأوسط ثم أتيت فقيل لي إنها في العشر الأواخر فمن أحب منكم أن يعتكف فليعتكف فاعتكف الناس معه قال وإني أريتها إلى قوله وإذا هي ليلة إحدى وعشرين من العشر الأواخر.

الحديث: (مسلم شريف، كتاب الصيام، باب فضل ليلة القدر، والحث على طلبها......،النسخة الهندية ۱/ ۳۷۰، بيت الافكاررقم: ۱۱۶۷، مشكوٰة ۱/ ۸۲، وهكذا في صحيح بابن خزيمه المكتب الاسلامى ۲/ ۱۰۳۹، رقم: ۲۱۷۱)

سائل کا مقصد اگر یہی ہے کہ مولانا احمد علی نوراللہ مرقدہٗ کی وفات کے بعد انکے خلفاء میں کوئی ایسا بھاری آدمی موجود ہے جو اپنے ماتحت اور متعلقین کیساتھ اس طرح آخری عشرہ کا اعتکاف کرتا ہے تو وہ حدیث رسول کے مطابق جائز ہے، اور حضرت گنگوہیؒ ، حضرت تھانویؒ ،

حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری بڑے حضرت رائپوری چھوٹے حضرت رائپوری، اور حضرت مولانا شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ ان تمام اکابر کا عمل بھی ایسا ہی تھا، نیز حضرت شیخ مولانا عبدالجبار صاحبؒ کا عمل بھی ایسا ہی تھا، لیکن حضرت شیخ الحدیث مولانا کریا صاحب نوراللہ مرقدہٗ کا عمل پورے رمضان کا تھا، اوران کے اس عمل پر علماء کی طرف سے اعتراضات بھی ہوئے ہیں، اور ان اعتراضات کے جوابات بھی دئے گئے ہیں، کہ حضرت شیخ پورے مہینہ کا اعتکاف آخری عشرہ کی طرح سنت سمجھ کرنہیں کرتے تھے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:	کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ	۷/ صفر ۱۴۲۳ھ
۱۴۲۳/۲/۷ھ	(الف فتویٰ نمبر: ۶ ۳/۷۴۹۳)

آخری عشرہ میں ایک دودن یا تین دن کا اعتکاف

سوال: [۴۸۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں لوگ رمضان کے آخری عشرہ میں ایک یا دو دن کا اعتکاف کرتے ہیں، اور اس کو سنت مؤکدہ کی ادائیگی سمجھتے ہیں، اور یہ سلسلہ کئی سالوں سے چلا آرہا ہے، کیا اس طرح آخری عشرہ میں اعتکاف کرنے سے سنت مؤکدہ کی طرف سے ادا ہوجائیگا ؟ اور ایسا کرنے والے گنہگار نہیں ہوں گے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب دے کر مشکور ہوں ؟

المستفتي: محمد انس، سیتا پوری، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آخری عشرہ میں ایک یا دودن کا اعتکاف کرنے سے نفلی اعتکاف بن جائیگا اس کا آخری عشرہ کے مسنون اعتکاف میں شمار نہیں کیا جائیگا، او رچونکہ نفل اعتکاف بھی ایک عبادت ہے، اور وہ بھی آخری عشرہ میں ہے تو یہ بھی ایک افضل ترین عمل ہے، مگر اس کو آخری عشرہ کا مسنون اعتکاف سمجھنا غلط ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۵۱۰، فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۱۵/ ۲۵۷)

عن أبی هریرةؓ قال: کان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم یعتکف فی کل رمضان عشرة أیام الخ. (صحیح البخاری، الصوم، باب الاعتکاف فی العشرالاوسط من رمضان، النسخة الهندیة ۱/۲۷٤، رقم: ۱۹۹۸، ف: ۲۰٤٤، ابو داؤد، باب أین یکون الاعتکاف ،النسخة الهندیة ۱/۳۳٤،رقم: ۲٤٦٦)

وینقسم إلیٰ واجب وهو المنذور ...... وإلیٰ سنة مؤکدة وهو فی العشر الأخیر من رمضان وإلیٰ مستحب وهو ماسواهما هکذا فی فتح القدیر. (هندیه، کتاب الصوم، الباب السابع في الإعتکاف ۱/۲۷٤، جدیدزکریا ۱/۲۱۱، شامی، زکریا ۳/ ۱۳۰، شامی کراچی ۲/ ٤٤۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/رجب المرجب ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۴۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۷/۱۴۳۵ھ

اعتکاف میں نیابت

سوال: [۴۸۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ معتکف کو دوران اعتکاف کوئی ایسی ضرورت پیش آ ئی یا مریض ہوگیا جس کی وجہ سے مسجد سے نکلنا بہت ضروری ہوگیا، تو کیا اس کے بدلے میں جتنے دن اس کے ذمہ اعتکاف کے دن باقی ہیں، کسی کو اس کی جگہ پر بیٹھایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبد الوحید، اصلاحی ضلع مہراج گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح اعتکاف میں بدل جائز نہیں ہے، لہٰذا نیابت درست نہ ہوگی، بلکہ ہر ایک کا اپنی طرف سے الگ الگ نفل اعتکاف ہوسکتا ہے، اسلئے کہ عبادت بدنیہ میں نیابت جائز نہیں۔

ولا تجوز فی البدنیة المحضة کالصلوٰة والصوم والاعتکاف الخ.

(مجمع الأنهر ، کتاب الحج عن الغیر ، مصری قدیم ۱/ ۳۰۷، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۴۵۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر شوال ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۱۰/ ۱۴۲۰ھ

حالت حیض میں اعتکاف

سوال: [۴۸۱۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اس ماہ رمضان المبارک کے آخیر عشرہ کے ہفتہ میں اعتکاف میں بیٹھنا چاہتی ہوں، اور میری بہت زیادہ خواہش ہے اب ذرا سی پریشانی یہ ہے کہ ہوسکتا ہے، رمضان کی ۲۹ یا ۳۰ تاریخ کو میری نماز قضا ہوجائے اگر خدانہ کرے نماز قضا ہوجائے، تو ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے یا اس بات کی اجازت شرعاً ہے کہ دو تین دن کیلئے کوئی روکنے کی دوائی کھالی جائے، احتیاط کے طور پر تو گناہ یا خدانہ کرے شرک تو نہیں ہوگا؟

المستفتیه: شاہانہ، محلّہ طویلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس کو روکنے کیلئے دوا نہ کھائی جائے بلکہ اگر وقت پورا ہونے سے پہلے خون جاری ہوجائے تو اعتکاف ختم کردیا جائے اور جتنے روز باقی رہ جائیں اتنے ایام کا اعتکاف مع روزہ کے بعد میں بطور قضا کے کرلیا جائے، اور اگر دوا استعمال کر کے روک لیا جائے تو بھی آپ گنہگار نہیں ہونگی، لیکن یہ اچھا کام نہیں ہے اس سے صحت متأثر ہوجاتی ہے۔

لزوم الاعتكاف المسنون بالشروع وإن لزوم قضاء جميعه أو باقيه مخرج على قول أبي يوسفؒ أما على قول غيره فيقضي اليوم الذي أفسده لاستقلال كل يوم بنفسه وإنما قلنا أي باقيه بناء على أن الشروع ملزم كالنذر وهو لو نذر العشر يلزمه كله متتابعاً ولو أفسد بعضه قضیٰ باقيه الخ.

(شامی، کتاب الصوم ،باب الاعتکاف ،زکریا دیوبند ٣/٤٣٤، کراچی ٢/٤٤٤، مصری ٢/١٨٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٠/رمضان المبارک ١٤١١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٣٧٣/٢٧)

ایام حیض میں اعتکاف کرنا

سوال: [٤٨١٧]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت اعتکاف میں بیٹھنا چاہتی ہے، رمضان میں اگر اس کو ماہواری آجائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ جواب سے نوازکر ممنون فرمائیں؟

المستفتي: اعجاز حسین، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عورت کیلئے ایام حیض میں اعتکاف کرنا جائز نہیں ہے، اسلئے جن ایام میں پاک رہتی ہے، انہیں میں اعتکاف کرے۔

والشرط المسجد المخصوص (إلیٰ قوله) والطهارة من حيض ونفاس الخ. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، كتاب الصوم، باب الأعتكاف قديم /٣٨٢، جديد دارالكتاب ديوبند/٧٠٠)

والحائض والنفساء ليسا بأهل للصلاة أی فلا يصح اعتكافهما. (شامی، کراچی ٢/٤٤١، زکریا ٣/٤٣٠)

ومنها أي (من شرائطها) الإسلام والعقل والطهارة عن الجنابة والحيض والنفاس. (هنديه، كتاب الصوم الباب السابع في الاعتكاف ،جديد ١/٢٧٤، زکریا ١/٢١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍شعبان ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱۶۰/۳۱)

اعتکاف کی حالت میں قرآن سننے کیلئے دوسری مسجد جانا

سوال: [۴۸۱۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص رمضان المبارک میں کلام پاک سن رہا تھا، اسی دوران میں اعتکاف کا وقت آجاتا ہے، پھر وہ شخص دوسری مسجد میں جاکر اعتکاف میں بیٹھ گیا اور اس مسجد میں سورۂ تراویح ہوتی ہے، کیا وہ شخص پہلی مسجد میں کلام پاک سننے جاسکتا ہے یا نہیں مدلل جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا؟

المستفتي: نظام الدین، مدرسہ بدرالعلوم گنگو، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اعتکاف میں بیٹھتے وقت دوسری مسجد میں قرآن پاک سننے کی نیت کرلے تو جائز ہے، ورنہ نہیں۔ (مستفاد: دارالعلوم ٦/۵۱۲)

ولو شرط وقت النذر والالتزام أن يخرج إلیٰ عيادة المريض وصلوة الجنازة وحضور مجلس العلمي يجوز ذلك. (الفتاویٰ التاتار خانية، كتاب الصوم، الفصل الثاني عشر، الاعتكاف كوئٹه ٢/٤١٢، زكريا ديوبند٣/٤٤٥، رقم: ٤٨٠٨، عالمگيری، كتاب الصوم، الباب السابع في الإعتكاف، جديد١/٢٧٦، زكرياديوبند١/٢١٢، الدر المختار، زكريا ديوبند٣/٤٣٩، كراچی ٢/٤٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍شوال ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴٦۴/۲۵)

جس کا اعتکاف ٹوٹ جائے تو وہ کیا کرے؟

سوال: [۴۸۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص بلاضرورت اعتکاف کی حالت میں مسجد سے باہر نکل آیا تو اس کا اعتکاف ٹوٹ گیا، اب یہ شخص کیا کرے، دوبارہ اعتکاف کی نیت کرکے مسجد ہی میں رکے یا پھر روانہ ہوجائے؟ مفصل جواب دے کر ممنون فرمائیں؟

المستفتي: محمد علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس شخص کا اعتکاف ٹوٹ جائے اس کو گھر آجانے کا اختیار رہے، دوبارہ نیت کرکے اعتکاف کرنا ضروری نہیں ہے، ہاں اگر اعتکاف نذر کا ہے تو اس کی قضا لازم ہے، اور اگر رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف ہے تو اس کی قضا مستحب ہے، اور اگر نفلی اعتکاف ہے تو اس کی قضا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وحرم عليه أي على المعتكف اعتكافا واجباً –إلىٰ– الخروج إلا لحاجة الإنسان –إلىٰ– فلو خرج ساعة بلا عذر فسد فيقضيه وفى الشامى أي لو واجباً بالنذر وأما التطوع لو قطعه قبل تمام اليوم فلا . (تنوير مع الدر، كتاب الصوم ، باب الاعتكاف زكريا ديوبند۳/۴۳۴تا ۴۳۷، كراچى ۲/۴۴۴ تا۴۴۷)

قوله أما النفل أي الشامل للسنة المؤكدة .... ومقتضى النظر لو شرع فى المسنون أعني العشر الأواخر بنيته ثم أفسده أن يجب قضاءه تخريجاً على قول أبى يوسفؒ في الشروع في نفل الصلوٰة ناوياً أربعاً لا على قولهما .... والحاصل أن الوجه يقتضى لزوم كل يوم شرع فيما عندهما بناء على لزوم صومه بخلاف الباقى لأن كل يوم بمنزلة شفع من النافلة الرباعية وإن كان المسنون هو اعتكاف العشر بتمامه. (شامى،

زکریا۳/ ۴۳۴، ۴۳۵، کراچی ۲/ ۴۴۴، ۴۴۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ شعبان ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۸/۱۶ھ

کیا اعتکاف کی قضا لازم ہے؟

سوال: [۴۸۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص اکیسویں شب میں اعتکاف میں بیٹھا دو دن کے بعد بلاضرورت باہر نکل گیا تو اس کا اعتکاف فاسد ہوگیا، تو اب اعتکاف کی قضا کس طرح کرے اور کب کرے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف مسنون ہے، واجب یا فرض نہیں ہے، اور جب ایک یا دو دن بعد مسجد سے بلاضرورت نکل گیا تو اعتکاف مسنون تو فاسد ہوکر نفل بن گیا، اس کے بعد بقیہ دنوں کا جو اعتکاف کرے گا، وہ بھی نفل بن جائے گا، اور فاسد ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے، کہ دو تین دن کا جو اعتکاف کیا ہے، وہ بالکل ختم ہوجائے گا، بلکہ وہ نفل بن جائے گا، اسلئے کہ اس کی باضابطہ قضا کی بات کتب فقہ سے ثابت نہیں ہے۔

وترک الاعتکاف فی شهر رمضان حتی اعتکف في العشر الأول من شوال وتحته فی فتح الملهم قال عیاض فعل ذلک قضاء قال یعنی بالقضاء الإتیان بمثل الفائت استدراکاً لفضله لا القضاء حقیقة الخ. (فتح الملهم، قبیل باب الاجتهاد، فی العشر الأواخر من شهر رمضان، اشرفیه دیوبند۳/ ۱۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ شعبان ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۸/۱۵ھ

بلاعذر شرعی اعتکاف کو فسخ کرنا

سوال: [۴۸۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص رمضان شریف کے اخیر عشرہ میں معتکف تھا، درمیان میں کسی عذر شرعی کی بنا پر اعتکاف فسخ کردیا، یا بغیر عذر شرعی کے اعتکاف فسخ کردیا تو کیا اس پر قضا یا کفارہ لازم ہوگا یا نہیں؟ مدلل جواب عنایت فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں؟

المستفتي: فیاض احمد سیتامڑھی،
متعلم شعبۂ افتاء، مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئولہ صورت میں رمضان کے عشرہ اخیرہ کا اعتکاف عذر شرعی یا بلاعذر شرعی کے جب فسخ کردیا، تو اس کی قضا یا کفارہ لازم نہیں ہے۔

فلا يلزم القضاء إلا في منذور أفسده قبل إتمامه الخ. (فتح القدير ۲/ ۳۹۳، شامی، زکریا ۳/۴۳۷، کتاب الصوم، باب الاعتکاف کراچی ۲/۴۴۷)

فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۳۰۱/۳۵)

معتکف کا وضو کرنے کیلئے مسجد سے باہر نکلنا اور بیڑی پینا

سوال: [۴۸۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا معتکف صرف باوضو رہنے کیلئے وضو کرنے کیلئے مسجد سے نکل سکتا ہے؟ اور معتکف مسجد کے آخری کنارہ پر بیڑی پیئے اور دھواں باہر پھینکے کیا اس کی اجازت ہے؟

المستفتی: جلیل احمد استاد جامع الہدیٰ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: معتکف کیلئے مسجد کے اندر باوضو رہنا مستحب ہے، اسی طرح وضو کیلئے باہر نکلنا جائز اور درست ہے، چاہے فرض نماز کے لئے وضو ہو یا نوافل وتلاوت وذکر کیلئے یا صرف باوضو رہنے کیلئے سب کی گنجائش ہے، اور مسجد کے کنارے بیٹھ کر بیڑی پینا اور دھواں حدود مسجد سے باہر پھینکنا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ حدود مسجد میں بیڑی سگریٹ کی بدبو کیساتھ داخل ہونا بھی جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر بیڑی سگریٹ پیئے بغیر طبیعت خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو رات کے وقت مغرب کے بعد یا عشاء کے بعد استنجاء وغیرہ سے فراغت کیلئے جب استنجاخانہ میں پہونچے تو یہ ضرورت بھی پوری کرلے اس کے بعد منھ اچھی طرح صاف کرکے مسجد میں داخل ہوجائے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲۰۱/۵، جدید زکریا ۲۷۷/۷، احسن الفتاویٰ ۵۱۰/۴، ۵۱۲)

ويخرج أيضا لأمر لابدله منه ثم يرجع إلى المسجد بعد ما فرغ من ذلك الأمر سريعاً ويخرج للوضوء والاغتسال فرضاً كان أو نفلاً. (الفتاویٰ التاتار خانية ، كتاب الصوم، الفصل الثانى عشر في الاعتكاف ، دار الإيمان ٢/ ١٣٤، زكريا ديو بند٣/ ٤٤٦، رقم: ٤٨١٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۲؍شوال ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۱۹۴/۳۹)	۱۴۳۱/۱۰/۲۲ھ

حالت اعتکاف میں لیڈی ٹیچر کا اسکول میں حاضری دینا

سوال: [۴۸۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لیڈی ٹیچر (اسکول کی معلّمہ) رمضان شریف کے آخری عشرہ کا اعتکاف کرنے کی خواہشمند ہے لیکن اسکول کے قاعدہ کے مطابق اسے دس روز کی چھٹی کے درمیان ایک دن صرف حاضر

ہوکر دستخط حاضری ضروری ہے، اس حاضری کی کوئی دوسری شکل بھی نہیں ہے، تو کیا یہ عورت دوران اعتکاف اپنے قریبی گاؤں سے اسکول حاضر ہوکر بلا کسی سے بات کرے ہوئے حاضری کے دستخط کر کے واپس اعتکاف میں جاسکتی ہے، اس عمل سے اس کا اعتکاف باقی رہے گا یا نہیں؟ اور کیا اس پر اس کی قضا لازم ہوگی یا نہیں؟ نیز عدم جواز کی صورت میں کوئی حیلہ بھی ہوسکتا ہے، کہ اعتکاف بھی پورا ہوجائے اور دستخط حاضری بھی ہوجائے؟

المستفتي: محمد شریف، مدرس پرائمری اسکول جلگاؤں، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسکول میں حاضر ہوکر دستخط کرنا یہ کوئی عذر شرعی نہیں اسلئے اعتکاف کی حالت میں دستخط کیلئے اسکول جانے سے اعتکاف فاسد ہوجائیگا، البتہ قضا لازم نہیں ہے، اسلئے کہ یہ سنت اعتکاف ہے، اعتکاف واجب نہیں ہے، نیز بلا عذر شرعی کے حیلہ کرنا بھی درست نہیں ہے۔

وحرم عليه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبيعية كبول وغائط وغسل لو احتلم .... فلو خرج ولو ناسياً ساعة زمانية لا رملية كمامر بلا عذر فسد. (درمختار مع الشامی، کتاب الصوم،باب الاعتکاف ، زکریا دیو بند۳/٤۳٤ تا٤۳٧، کراچی ۲/٤٤٤ تا٤٤٧، هدایه اشرفیه ۱/ ۲۳۰)

فلا يلزم القضاء إلا في منذور أفسد قبل إتمامه . (فتح القدیر، زکریا ۲/ ۳۹۸، کوئٹه ۲/ ۳۰۸، دارالفکر مصری ۲/ ۳۹۳)

كل حيلة يحتال الرجل لإبطال حق الغير أولإدخال شبهة فيه فهي مكروهة . (عالمگیری، کتاب الحیل، الفصل الأول في بيان جواز الحيل وعدم جوازها جدید٦/ ۳۹۳، قدیم ٦/ ۳۹۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ٦۵۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۳ھ

حالت اعتکاف میں دوا کھا کر روزہ توڑ دینا

سوال: [۴۸۲۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص اعتکاف کرنے والا مرد ہو یا عورت بوجہ بیماری روزہ کی قضا ہوگئی یا دن میں دوا کھالی ایسی صورت میں اعتکاف باقی رہا یا نہیں؟

المستفتی: بشیر احمد پیرزادہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فاسد ہوگیا ہے۔

ولا یخفیٰ أن اعتکاف العشر الأخیر مقدر فیکون الصوم شرطاً فیه الخ. (منحة الخالق علی البحر الرائق، زکریا۲/ ٥٢٤)

لہٰذا جس دن روزہ توڑ دیا ہے، اس دن کا اعتکاف مع روزہ کے بعد میں قضاء کر لینا لازم ہے، اور اگر پورے عشرہ کا اعتکاف مع روزہ کے قضاء کرلیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲٦ ررمضان ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۵٦)

خادم کی موجودگی میں پانی لانے کیلئے معتکف کا مسجد سے باہر جانا

سوال: [۴۸۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ معتکف اگر حدود مسجد سے نکل کر نل سے پانی لیکر مسجد میں آ کر پی لے جبکہ دوسرا آدمی بھی مسجد میں اسکے لئے موجود ہے تو اعتکاف باقی رہا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پانی لاکر دینے والے کی موجودگی میں پانی کیلئے

نکلنا مفسد اعتکاف ہے۔

فإن خرج لأجلها بطل اعتكافه . (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف كوئٹه ۲/ ۳۰۳، زكريا ديوبند۲/ ۵۳۰، مجمع الانهر قديم ۱/ ۲۵۷، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۷۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ رمضان ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۵۶)

غسل تبرید کیلئے مسجد سے باہر نکلنے کا حکم؟

سوال: [۴۸۲۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گرمی کے زمانہ میں معتکف کیلئے غسل تبرید کرنے کی غرض سے مسجد سے نکلنا جائز ہے یا نہیں، اگر جائز نہیں ہے، تو اسکی متبادل شکل کیا ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: گرمی کے زمانہ میں معتکف کیلئے غسل تبرید کی غرض سے مسجد سے نکلنا جائز نہیں، البتہ اسکی متبادل شکل یہ ہے کہ پائخانہ پیشاب کیلئے جب نکلے وہاں پر غسل خانہ بھی ہے اور اس میں ٹنکی لگی ہوئی ہے، یا کسی آدمی نے معتکف کے کہے بغیر از خود پانی رکھدیا تو ایسی صورت میں قضاء حاجت سے واپسی میں ضمناً غسل کر لینا جائز ہے۔

(مستفاد: انوار رسالت/ ۲۱۱، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۰/ ۲۴۴، میرٹھ ۱۵/ ۲۷۹، دارالعلوم ۶/ ۵۰۴)

وحرم عليه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبيعية كبول أو غائط وغسل لو احتلم ولا يمكنه الاغتسال في المسجد فلو أمكنه من غير أن يتلوث المسجد فلا بأس به أي بأن كان فيه بركة ماء أو موضع معد للطهارة أو اغتسل في إناء بحيث لايصيب المسجد الماء المستعمل .

(الدرالمختار مع الشامی، كتاب الصوم، باب الاعتكاف ، زكريا۳/ ۴۳۴، كراچی ۲/ ۴۴۵)

وإن غسلـه فـی الـمسجد في إناء لا بأس به لأنه ليس فيه تلويث الـمسجد. (خانيه علی هامش الهندية، فصل في الإعتكاف ۱/ ۲۲۳، جديد زكريا ۱/ ۲۳۹)

وإن غسل رأسه فی المسجد في إناء لاباس به إذا لم يلوث المسجد بالماء المستعمل . (بدائع الصنائع ، زكريا۲/ ۲۸٤)

ثـم إن أمكـنـه الاغتسـال فـی الـمسجد من غير أن يتلوث المسجد فلابأس به وإلا فيخرج ويغتسل ويعود إلیٰ المسجد. (هنديه قديم ، زكريا الباب السابع فی الاعتكاف ۱/ ۲۱۳، جديد ۱/ ۲۷٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۵/۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:۱۱۵۱۹/۴۰)

جنبی معتکف غسل کیلئے مسجد سے باہر کیسے نکلے؟

سوال: [۴۸۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص مسجد میں معتکف ہو اور غسل کی حاجت ہو جائے تو مسجد سے غسل کیلئے کیسے نکلے؟

المستفتي: ایس،اے،الاعظمی،
پوسٹ بکس نمبر۲۸۲۰۲، بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر معتکف جنبی ہو جائے تو تیمّم کر کے مسجد کی عظمت کا خیال رکھتے ہوئے مسجد سے باہر نکل جائے اور جلد غسل کر کے واپس ہو جائے۔
(مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/ ۱۰۶، جدید زکریا ۳/ ۱۴۹، جدید زکریا مطول ۳/ ۴۰۴)

وإن احتلم فی المسجد تيمم للخروج الخ. (شامی، كتاب الطهارة، باب

التیمم زکریا دیوبند ۱/ ٤١٠، کراچی ۱/ ٢٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ رجب ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۸۵)

میت کی تجہیز وتکفین کیلئے معتکف کا مسجد سے باہر نکلنا

سوال: [۴۸۲۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید حالت اعتکاف میں تھا، کہ اسی اثناء میں اس کی بیوی یا کسی گھر والے کا انتقال ہوگیا، زید تجہیز وتکفین کیلئے مسجد سے باہر نکل گیا تو کیا اس کا اعتکاف باقی رہے گا یا نہیں؟ اگر باقی نہیں رہے گا تو کیا اس کے نکلنے کی وجہ سے گاؤں والے بھی گنہگار ہوں گے یا نہیں؟ نیز وہ اعتکاف کی قضاء کب کرے گا؟ مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: سعید الرحمٰن، جھارکھنڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ ہے، اگر اعتکاف میں داخل ہوتے وقت مریض کی عیادت، میت کو تجہیز وتکفین کے لئے نکلنے کی نیت نہیں رہی ہے، تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تھوڑی دیر کیلئے بھی مسجد سے باہر نکلیں گے، تو اعتکاف فاسد ہوجائیگا، چاہے مریض کی عیادت یا نماز جنازہ وغیرہ کیلئے نکلنا ہوتا ہو، اس کے برخلاف حضرت امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک دن میں ایک دو گھنٹہ کیلئے اس طرح کی شدید ضرورت کی بناء پر مسجد سے باہر نکلنے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا، لٰہذا اپنے گھر کے لوگوں میں کسی کی موت ہوجائے جیسے بیوی یا ماں باپ یا اولاد یا حقیقی بھائی بہن میں سے جو ذورحم محرم ہیں، ان کی موت پر حضرات صاحبین کے قول کے مطابق ایک دو گھنٹہ کیلئے نکلنے کی گنجائش ہوگی، اور اس قدر قریبی لوگوں کے علاوہ دیگر رشتہ دار دوست واحباب کی موت پر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق تھوڑی دیر کیلئے بھی نکلنے سے اعتکاف فاسد ہوجائے

گا، لہٰذا مذکورہ واقعہ میں حضرات صاحبینؒ کے قول کے مطابق نکلنے اجازت ہوگی۔

فأما إذا خرج ساعة من المسجد فعلىٰ قول أبی حنیفةؒ یفسد اعتکافه وعند أبی یوسفؒ ومحمدؒ لایفسد مالم یخرج أکثر من نصف یوم وقول أبی حنیفةؒ أقیس، وقولهما أوسع قالا الیسیر من الخروج عفو لدفع الحاجة فإنه إذا خرج لحاجة الإنسان لایؤمر بأن یسرع المشي وله أن یمشي علی التؤدة فظهر أن القلیل من الخروج عفو، والکثیر لیس بعفو، فجعلنا الحد الفاصل أکثر من نصف یوم فإن الأقل تابع للأکثر فإذا کان فی أکثر الیوم في المسجد جعل کأنه فی جمیع الیوم فی المسجد. (المبسوط للسرخسی، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/۱۱۸، ۱۱۹)

ولا یخرج المعتکف من معتکفه لیلاً ولا نهارا إلا بعذر وإن خرج من غیر عذر ساعة فسد اعتکافه فی قول أبی حنیفةؒ وقال أبی یوسفؒ ومحمدؒ لایفسد حتی یکون أکثر من نصف یوم. (محیط برهانی ۲/۵۸۴، کوئٹه المجلس العلمی جدید ۳/۳۷۹، رقم: ۳۱۷۹)

ولایخرج المعتکف من معتکفه لیلاً ولا نهارا إلا بعذرٍ، وإن خرج من غیر عذر ساعة فسد اعتکافه فی قول أبی حنیفةؒ وقال ابویوسفؒ ومحمدؒ لایفسد حتی یکون أکثر من نصف یوم. (الفتاوی التاتار خانیة، زکریا ۳/۴۴۴، برقم: ۴۸۰۳)

فإن خرج ساعة من غیر حاجة فسد اعتکافه عند ابی حنیفةؒ قالا لایفسد حتی یکون أکثر من نصف النهار لأن القلیل عفو والکثیر لا، فجعلنا الحدالفاصل بینهما نصفاً لأن مافوقه کثیر. (الفتاوی الولوالجیة ۱/۲۴۱، دارالإیمان) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۴۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۵/۱۳ھ

عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف میں نماز جنازہ کیلئے مسجد سے باہر نکلنا

سوال: [۴۸۲۹]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف میں نماز جنازہ کیلئے مسجد سے باہر نکلنا بعدہٗ فوراً مسجد میں واپس آجانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو یہ سد باب ہے یا نفس مسئلہ؟ اگر ناجائز بطور سد باب ہوتو کسی اہل اللہ کی نماز جنازہ میں شرکت کیلئے مسجد سے نکل کر بعدہٗ فوراً مسجد واپس آجانے میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟ چونکہ اکثر اردو فتاویٰ کی کتابوں میں اعتکاف کی تین اقسام لکھی ہیں اوران سب کا ایک ہی حکم بیان فرما کر خروج من المسجد بلاعذر کوحرام اورمفسد اعتکاف قرار دیا ہے، جیسا کہ ایضاح المسائل میں ہے، اعتکاف نذر اورعشرۂ اخیرہ کے اعتکاف میں ضرورت شدیدہ کے بغیر مسجد سے باہر نکلنا حرام اور مفسد اعتکاف ہے۔ (۹۲ باب الاعتکاف، کذا احسن الفتاویٰ ۴/ ۵۰۱، باب الاعتکاف ،امداد الفتاویٰ ۲/۱۵۳، باب الاعتکاف،عزیزالفتاویٰ باب الاعتکاف)

بعنوان عشرۂ اخیرہ رمضان کا واجب نہیں تو اس کی قضاء بھی واجب نہیں ۔(کفایت المفتی ۴/۲۳۳،اخیرسوال وجواب)

لیکن عربی فتاویٰ کی کتابوں میں اعتکاف کی تین اقسام اوران کے دو احکام یعنی اعتکاف واجب کا ایک حکم اورسنت مؤکدہ ونفل کا ایک ہی حکم بیان فرما کرنفل وسنت اعتکاف میں خروج من المسجد بلاعذر کوجائز قرار دیا ہے،جیسا کہ:

وحرم عليه أي على المعتكف اعتكافاً واجباً أما النفل فله الخروج لأنه منه له لامبطل كما مر قوله أما النفل أي الشامل للسنة المؤكدة. (رد المختار على الدرالمختار، فى باب الاعتكاف وكذا فى البحر الرائق فى باب الاعتكاف)

وفي الهندية: وهذا كله فى الاعتكاف الواجب أما في النفل فلا بأس بان يخرج بعذر وغيره فى ظاهر الرواية وفي التحفه لابأس فيه بأن يعود

المريض ويشهد الجنائز كذا فى النقاية الخ. (كتاب الصوم باب فى الاعتكاف)

وفي التاتارخانية لايخرج المعتكف إلىٰ قوله وهذا كله فى الاعتكاف الواجب وأما فى الاعتكاف النفل فلا بأس بأن يخرج بعذر وبغير عذرٍ وهذا على ظاهر الرواية ، فإن محمداً قال فى الأصل الخ. (الدر المختار شرح تنوير الأبصار، كراچی ١/١٥٣، كتاب الصوم ٢/٤١٣، باب الاعتكاف، وكذا فى الدر الاحكام على غرر الاحكام ١/٢١٤، باب الاعتكاف، فتح المعين على شرح الكنز لمنلامبين ١/٤٥٥، باب الاعتكاف)

المستفتي: محمد شاه المظاہری، مقیم حال، املی والی مسجد، سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ میں جو شبہات پیش کئے گئے ہیں، وہ سوالنامہ میں نقل کردہ جزئیات کی روشنی میں عالمانہ شان کے مطابق ہیں، اور واقعی عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کے احکامات اور پابندیاں معلوم ہونے کے بعد ایسے ہی شبہات پیدا ہوسکتے ہیں، ہم جواب لکھنے سے پہلے نفلی اعتکاف اور واجب اعتکاف کی نوعیت کو واضح کردیتے ہیں، نفلی اعتکاف کی نوعیت یہ ہے، کہ جتنی دیر کیلئے چاہے کیا جاسکتا ہے، ایک گھنٹہ کیلئے یا ایک دن، تین دن کیلئے جس طرح چاہے کیا جاسکتا ہے، اور جس کا دل چاہے کرلے اور جس کا دل چاہے نہ کرے، اختیار ہے، درمیان میں مسجد سے باہر نکلیں گے تو یہ جتنی دیر کیلئے مسجد میں رہا گیا ہے، اتنی دیر کیلئے معتکف ہوگا، مفسد نہ ہوگا اسی لئے اس کی قضا نہیں ہے، نیز نفلی اعتکاف کیلئے روزہ شرط نہیں ہے، اور اعتکاف واجب اور نذر کی نوعیت یہ ہے کہ جتنی دیر کیلئے اعتکاف کیا جائے اسکی مدت پوری کرنی لازم ہے، درمیان میں بلا عذر نکل جانا منتہم نہیں ہے، بلکہ مفسد ہے اسلئے اس کی قضا لازم ہے، نیز اعتکاف واجب میں روزہ بھی شرط ہے، اب ہمیں اس کے بعد غور کرکے دیکھنا ہے کہ رمضان المبارک کے عشرۂ اُخیرہ کا اعتکاف کس کے مشابہ ہے، تو حقیقت یہ ہے کہ عشرۂ اخیرہ کا

اعتکاف من وجہٍ نفل کے مشابہ ہے اور من وجہٍ اعتکاف واجب اور نذر کے مشابہ ہے، نفل کے مشابہ اس لئے ہے کہ جو لوگ عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف نہیں کرتے ہیں، ان کے اوپر کوئی داروگیر اور ملامت نہیں، اور جو کرنا چاہے اسے کرنے کا اختیار ہے لازم نہیں، اس لئے فقہاء ومحدثین کی بعض عبارات میں نفلی اعتکاف میں عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف جو سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے اس کو بھی شامل کر دیا ہے، جیسا کہ سوالنامہ میں بھی اسی قسم کی عبارات نقل کی گئی ہیں، اور واجب اور نذر کے مشابہ اس لئے ہے، کہ اعتکاف عشرۂ اخیرہ سے بلا عذر نکلنا واجب ونذر کی طرح مفسد ہے، نفل کی طرح متمم نہیں ہے، اور نیز بقول امام ابو یوسفؒ پورے کی قضاء لازم ہے اور بقول طرفین وجمہور علماء صرف اسی دن کی قضاء لازم ہے، پورے عشرہ کی نہیں بہر حال فی الجملہ قضا لازم ہے، لہٰذا جس طرح اعتکاف نذر اور واجب اعتکاف میں نماز جنازہ اور عیادت مریض کیلئے نکلنا جائز نہیں اسی طرح سے عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف میں بھی نماز جنازہ اور عیادت مریض کیلئے نکلنا جائز نہ ہوگا، فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمایئے:

لو شرع في المسنون: أعنی العشر الأواخر بنيته ثم أفسده أن يجب قضاؤه تخريجا على قول أبی يوسفؒ إلى قوله: وعلى كل فيظهر من بحث ابن الهمام لزوم الاعتكاف المسنون بالشروع، وإن لزوم قضاء جميعه أو باقيه مخرج على قول أبی يوسفؒ، أما على قول غيره فيقضی اليوم الذي أفسده لا ستقلال كل يوم بنفسه، وإنما قلنا: أي باقيه بناء على الشروع ملزم كالنذر وهو لو نذر العشر يلزمه كله متتابعاً، ولو أفسد بعضه قضیٰ باقيه على مامر فی نذر صوم شهر معين. (شامی، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، کراچی ۲/ ٤٤٤) زکریا ۳/ ٤٣٤)

حاصل یہ نکلا کہ عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کو ابتدا اور شروع کرنے کے اعتبار سے اختیاری ہونے کی وجہ سے نوافل کے ساتھ مشابہت ہے اس لئے فقہاء ومحدثین نے نوافل کی

بحث میں اس کو بھی شامل فرمایا ہے، لیکن شروع کرنے کے بعد فی الجملہ لازم ہو جانے کے اعتبار سے اور اعتکاف نذر کی طرح روزہ شامل ہو جانے کی وجہ سے اعتکاف واجب کے مشابہ ہے، اس لئے اعتکاف نذر کی طرح بلا عذر شرعی نکلنا مفسد ہے، متمم نہیں ہے، نیز اگر کوئی شخص عشرۂ اخیرہ میں بغیر روزہ اعتکاف کریگا، تو عشرۂ اخیرہ کے مسنون اعتکاف کے دائرہ میں داخل نہیں ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۳/۱۷۳، جدید ڈابھیل ۱۰/ ۲۱۹، امداد الفتاویٰ ۲/۱۵۴)

أن الصوم شرطاً أيضاً في الاعتكاف المسنون لأنه مقدر بالعشر الأخير حتى لو اعتكفه بلا صوم لمرض أوسفر، ينبغي أن لا يصح عنه بل يكون نفلاً فلا تحصل به إقامة سنة الكفاية . (شامی، زکریا۳/ ۴۳۱، کراچی ۲/ ۴۴۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/صفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۱۶ھ

وفيه استحباب الاعتكاف الخ کی وضاحت

سوال: [۴۸۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضرت آئندہ عبارت کا مطلب واضح فرمائیں۔

وفيه استحباب الاعتكاف في العشر الأواخر من رمضان وهو مجمع عليه استحباب مؤكداً . (عمدة القاری ۱۱/ ۱۴۳)

عبارت مذکورہ کا ایسا مطلب لینا صحیح ہے یا غلط ''اس حدیث میں دلیل ہے کہ رمضان کے آخری عشرہ کے اعتکاف کے مستحب ہونے پر اجماع ہوا ہے، اور اس کے استحباب کے مؤکدہ ہونے پر بھی'' صحیح مطلب اور فیصلہ حضرت کے ذمہ مفوض ہے؟

المستفتي: محمد خدا بخش، گوبند پور،
۲۴/ پرگنہ، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عمدۃ القاری کی عبارت کا جو مطلب آپ نے سوال میں پوچھا ہے وہ درست ہے البتہ یہ اعتکاف سنت کفایہ ہے کہ بعض کے ادا کرنے سے سب کی طرف سے ادا ہو جائیگا۔

والاعتكاف المطلوب شرعاً علىٰ ثلاثة أقسام .... وسنة كفاية مؤكدة في العشر الأخير من رمضان الخ. (مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوی، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبه دار الكتاب ديوبند/ ٧٠٠)

وهو واجب بالنذر وسنة مؤكدة في العشر الأخير من رمضان أي سنة كفاية وتحته فى الشامية: نظير ها إقامة التراويح بالجماعة فإذا قام بها البعض سقط الطلب عن الباقين. (شامی، كتاب الصوم، باب الاعتكاف زكريا٣/ ٤٣٠، كراچی٢/ ٤٤٢، هنديه، كتاب الصوم، الباب السابع فى الاعتكاف زكريا ١/ ٢١١، جديد ١/ ٢٧٤، هدايه، اشرفيه ديوبند ١/ ٢٢٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رصفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۳/ ۱۴۲۰ھ

اعتکاف واجب اور نفل کے سلسلے میں عمدۃ القاری کی عبارت کی تشریح

سوال: [۴۸۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بخاری شریف کی شرح میں علامہ عینیؒ جز حادی عشر/ ۱۴۰ میں فرماتے ہیں:

وعند الحنفية الصوم شرط لصحة الواجب رواية واحدة ولصحة التطوع فيما روى الحسن عن ابى حنيفةؒ فلذلک قال أقله يوم والمراد به الاعتكاف مطلقاً عند أصحابنا لأن من شرط الاعتكاف الصوم مطلقاً.

عبارت بالا کے متعلق سوال ہے کہ اس کا صحیح مطلب کیا ہے، خصوصاً المراد بہ میں ہ ضمیر

سے کیا مراد ہے، اور الاعتکاف مطلقاً سے کون کون فرد مراد ہیں؟

المستفتي: محمد خدا بخش، ۲۴/ پرگنہ، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اصل جواب سے قبل اعتکاف کے بارے میں حنفیہ کا موقف سمجھ لیا جائے، حنفیہ کے یہاں اعتکاف واجب ایک یوم سے کم مشروع نہیں ہے، لہٰذا اس میں بالاتفاق صوم بھی مشروط ہے اور اعتکاف نفل کے بارے میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یوم کامل سے کم درست نہیں ہے، اسلئے کہ بلا صوم کے اعتکاف صحیح نہیں ہے، اور صوم کیلئے یوم کامل لازم ہے حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اکثر یوم بھی اعتکاف نفل ہوسکتا ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک ایک گھنٹہ کا بھی اعتکاف نفل صحیح ہے، لہٰذا ان دونوں کے نزدیک اعتکاف نفل کیلئے صوم شرط نہیں ہے، اب عمدۃ القاری کی عبارت کی وضاحت سنئے المراد بہ میں -ہ- ضمیر کا مرجع حدیث ابو داؤد لا اعتکاف الا بصوم الخ ہے اور الاعتکاف مطلقاً سے اعتکاف واجب اور اعتکاف نفل دونوں مراد ہیں، اسلئے کہ علامہ عینیؒ یہاں پر حضرت امام اعظمؒ کے قول کو پیش نظر رکھکر بحث فرما رہے ہیں، اس کی وضاحت البحر الرائق کی عبارت: **وروی عن الحسن أنه شرط واختلاف الرواية فيه مبني على اختلاف الرواية في اعتكاف التطوع أنه مقدر بيوم أو غير مقدر الخ.** (البحر الرائق، کراچی ۲/ ۳۰۱، زکریا ۲/ ۵۲۶)

سے بھی واضح ہوسکتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۵۹۳/۳۳)

قربت مشروعہ ومقصودہ سنت مؤکدہ ہے یا مستحب

سوال: [۴۸۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قربت مشروعہ یا قربت مقصودہ سنت مؤکدہ یا مستحب میں سے کون سے درجہ میں ہے یا اس کے

علاوہ کوئی دوسرا حکم ہے؟

المستفتي: محمد خدا بخش، ۲۴؍ پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سائل کی عبارت قربت مشروعہ یا قربت مقصودہ میں تسامح ہے اسلئے کہ قربت مشروعہ عبادات مقصودہ اور غیر مقصودہ دونوں کو عام ہے، صرف مقصودہ کے مرادف نہیں ہے، اور قربت مقصودہ اس کو کہتے ہیں، جو اصل کی حیثیت رکھتی ہے، جیسا کہ نماز عبادت مقصودہ ہے اسکی شرائط میں وضو، طہارتِ ثوب، طہارت مکان وغیرہ قربت مقصودہ میں سے ہیں۔

إن العبادات علی قسمین .... مقصودة وغیر مقصودة فالأول مالایکون وسیلة إلیٰ عبادة أخریٰ وشرطاً لصحتها والثانی مالیس کذلک کشرائط الصلوٰة کالوضوء وطهارة الثوب والمکان. (حاشیہ شرح وقایہ، کتاب الطہارۃ، اشرفی دیوبند ۱/۶۲)

شاید سائل یوں پوچھنا چاہتا ہے، کہ قربت مقصودہ جس طرح فرائض میں ہوتی ہے، اسی طرح درجہ سنت یا مستحب میں بھی ہوتی ہے، یا نہیں؟ جواب یہ ہیکہ قربت مقصودہ سنت بھی ہوتی ہے، جیسا کہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایۃ ہے، کسی دوسری عبادت کی شرط نہیں ہے، اسی طرح عمرہ کرنا سنت ہے جو کہ قربت مقصودہ ہے اسی طرح قربت مقصودہ میں مستحب بھی آسکتا ہے، جیسا کہ ایام بیض کا روزہ رکھنا مستحب ہے، مگر دوسری عبادت کے متعلقات میں سے نہ ہونے کی وجہ سے قربت مقصودہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ صفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۲۹ھ

عمدة القاری کی عبارت ”الاعتکاف مطلقاً“ کی وضاحت

سوال: [۴۸۳۳]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) میں نے حضرت کی خدمت میں عمدۃ القاری کی آئندہ عبارت کولکھا تھا، اور دریافت کیا تھا، کہ عبارت میں ''**الاعتکاف مطلقاً**'' سے کون کون فرد مراد ہیں، جواب ملا کہ ''**الاعتکاف مطلقاً**'' سے نفل اور واجب دونوں مراد ہیں، جواب کے متعلق بعض مولوی کہتے ہیں، کہ اسکی تین قسمیں یا تین افراد ہیں، لیکن ان میں سے دو مراد ہیں، اور مسنون خارج ہوگیا اسکی وجہ کیا ہے، حالانکہ مراد کی بناء اشتراط صوم اس میں بھی موجود ہے، لہٰذا عرض ہے کہ بتوضیح جواب سے آگاہ فرمائیں؟

(۲) شرح وقایہ میں:

وأقله يوم فيقضى من قطعه فيه أي إذا شرع الاعتكاف فقطعه قبل تمام يوم وليلة فعليه القضاء خلافا لمحمدؒ فإن أقله ساعة عنده وقد حصلت.

عبارت میں اقلہ کا مرجع مطلق اعتکاف ہے اور ارقام فرماویں پھر اختلاف ائمہؒ کا جو ذکر ہے وہ کس اعتکاف سے متعلق ہے، اگر نفل میں ہو تو نفل کی قضا تو نہیں ہے، اور اگر واجب میں ہو تو واجب کی اقل مدت بالاتفاق ایک روز ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک یہاں ایک ساعت کا ذکر ہے، یا اختلاف سنت مؤکدہ کے متعلق ہے، بہر حال جو بھی ہو خدا کے واسطے جواب شافی سے مطمئن فرمائیں؟

المستفتي: محمد خدا بخش، ۲۴؍ پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) اعتکاف نوافل میں اعتکاف مسنون بھی داخل ہے جو رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں کیا جاتا ہے، وہ اعتکاف مسنون جب ہی ثابت ہوگا کہ جب آخری عشرہ مکمل ہوگا، لہٰذا اگر ایک یوم یا نصف یوم بعد میں شروع کیا جائے، یا پہلے ختم کردیا جائیگا، تو اعتکاف مسنون نہ ہوگا، اور بغیر صوم کے ان دنوں کا اعتکاف ہوتا ہی نہیں، کیونکہ ان ایام میں روزہ رکھنا اعتکاف سے بڑھ کر فرض ہے، عمدۃ القاری کی عبارت

سے مسنون خارج نہیں ہے، لفظ نفل کے اندر داخل ہے۔

(۲) اگر سائل کے خیال کے اعتبار سے مرجع ضمیر کو مطلق بھی مان لیا جائے تب بھی اشکال نہ ہونا چاہئے، اسلئے کہ مطلق کے افراد میں سے فرد نفل بھی شامل ہے، اس کا قرینہ امام محمدؒ کے قول کے استثناء سے واضح ہے، اصول ہے۔ ''المطلق ینتفی بانتفاء جمیع أفراده الخ'' شرح وقایہ میں موجودہ عبارت سے صرف نفلی اعتکاف میں اختلاف ظاہر کیا گیا ہے، دیگر اعتکاف یہاں مراد نہیں ہے، اور نفلی اعتکاف شروع کرنے کے بعد وقت پورا ہونے سے قبل توڑنے سے امام محمدؒ کے یہاں قضاء نہیں ہے، مگر امام ابوحنیفہ کے یوم کامل اور صوم کی شرط کے ساتھ شروع کرنے کے بعد توڑ دینے سے قضاء لازم ہو جاتی ہے، جیسا کہ (فتویٰ الف۳۳/۵۵۹۳) میں عمدۃ القاری کی عبارت سے صوم کی شرط کے ساتھ وضاحت پیش کی جا چکی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۲۹ھ

سنت مؤکدہ، مستحب اور قربت مقصودہ

سوال: [۴۸۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جناب والا کا ارسال کردہ جواب الف۳۳/۵۶۵۸ ہاتھ آیا مسائل سے واقفیت حاصل ہوئی مزید چند باتیں معلوم کرنی ہیں۔

(۱) جب کسی خاص امر دینی کے متعلق علماء حضرات میں سے بعض سنت مؤکدہ کے قائل ہو جائیں اور بعض استحباب کے اور بعض قربت مشروعہ کے تو اس حال میں ''قربة مشروعة'' سے کیا مطلب اور مراد ہوگی، وضاحت فرمائیں؟

(۲) علامہ شامی نفل کو مسنون کیساتھ شامل فرماتے ہیں، صدر مفتی دیوبند جناب مرحوم عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے فرمایا کہ نفل مسنون کیساتھ شامل ہے، (دارالعلوم) اور آپ

نے بھی جواب میں مسنون اعتکاف کونفل میں داخل فرمایا اس حال میں شرح وقایہ میں ''اقلہ یوم'' کے سلسلہ میں اختلاف ائمہ کی کیا وجہ صورت ہوگی؟ اس کی وضاحت تشفی بخش کردیں۔

(۳) عمدۃ القاری کی عبارت ''**والمراد به عند أصحابنا الاعتكاف مطلقاً**'' میں واجب نفل دونوں ''اقلہ یوم'' والے حکم کیساتھ داخل ہوئے اور مسنون بھی داخل ہوا لیکن اقلہ یوم کے حکم سے خالی ہوکر حالانکہ حضرت امام اعظمؒ کے قول ''واقلہ یوم'' کے پیش نظر علامہ عینی نے بحث کی ہے، بحث کی بنیاد واجب نفل اور مسنون سب کی ایک ہے، لیکن حکم میں مختلف ہوا صرف اعتکاف مسنون۔ اس کی وجہ اس عبارت سے کس طرح ثابت ہوتی ہے، واضح فرماکر مطمئن فرمادیں، عرض عاجزیہ کہ مزاج گرامی کو ناگواری کا باعث نہ ہو؟

(۴) بہت سے علماء حضرات اعتکاف کے استحباب کے قائل ہوگئے ہیں، صاحب قدوری زاہدی اور امام حضور کے اصحاب بغداد کے رہنے والے مزید براں مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی نے ابوداؤد کے حاشیہ میں امام نوویؒ سے استحباب کے متعلق مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے، فرماتے ہیں: ''**قال أجمع المسلمون على استحبابه الخ**'' اب سنت مؤکدہ کو ترجیح ہوگی یا استحباب کو، پھر اس قول پر عمل کرنیوالے ازروئے شرع متین اساءت پر ہیں یا اس سے بری ہیں، ان پر کوئی گناہ وخطا نہیں ہے بلکہ اس پر عمل کرنے والے صحت پر ہیں؟

المستفتي: محمد خدا بخش، ۲۴؍ پرگنہ، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) جب بعض حضرات سنت، بعض حضرات مستحب اور بعض حضرات قربت مشروعہ لکھتے ہیں، تو ان کے آپس میں کوئی تعارض نہیں، جنھوں نے قربت مشروعہ کا لفظ اختیار کیا ہے وہ مقسم کو استعمال کرتے ہیں، جس کے اندر واجب، سنت، نفل سب کی عمومیت ہوتی ہے، اور ایسا لفظ عام بول کر اس کے افراد میں سے کسی ایک فرد کو مراد لینا شائع وذائع ہے، ظاہر بات ہے کہ یہاں قربت مشروعہ سے اعتکاف سنت مراد ہے، اور

جنھوں نے لفظ سنت یا سنت مؤکدہ استعمال فرمایا ہے،انھوں نے قربت مشروعہ کے اجزاء میں سے وہ جزءاستعمال کیا ہے، جو رمضان کے آخری عشرہ کیلئے سنت مؤکدہ کیساتھ موسوم ہے، اور جنھوں نے مستحب کا لفظ استعمال کیا ہے ، اس میں بھی کوئی تعارض نہیں ہے، اس لئے کہ استحباب کا لفظ سنن ہدیٰ اور سنن عادیہ دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے، اور سنن ہدیٰ تو وہ ہے جس کو حضورﷺ نے پسند فرمایا اور عبادت کے ارادہ سے عمل کیا ہے، اور سنن عادیہ وہ ہے جس میں عبادت کی نیت غالب نہیں ہوتی بلکہ عادت غالب ہوتی ہے، اب استحباب کا لفظ عام طور پر سنن عادیہ کیلئے بولا جاتا ہے، اور کبھی کبھی سنن ہدیٰ کیلئے بھی بولا جاتا ہے، اسی طرح سنت کا لفظ بھی سنن ہدیٰ اور سنن عادیہ دونوں کیلئے بولا جاتا ہے، مگر سنت کا لفظ سنن ہدیٰ کیلئے غالب رہتا ہے، اور استحباب کا لفظ سنن عادیہ کیلئے غالب رہتا ہے، مگر یہ لفظ ایک دوسرے کی جگہ پر استعمال بھی ہوتا ہے، اور جہاں پر فقہاء نے رمضان کے آخری عشرہ کے اعتکاف کیلئے استحباب کا لفظ استعمال کیا ہے، وہاں استحباب سے سنن ہدیٰ مراد ہے، لہٰذا آنجناب نے فقہاء کی جن عبارات میں تعارض سمجھا ہے اس تعارض کا مدار مذکورہ امور کو الگ الگ مقسم قرار دینے کی صورت میں اور ایک کی جگہ دوسرے کے استعمال ہونیکی صورت میں ہے اور یہاں ایسا نہیں ہے، شاید اس تقریر سے وضاحت سامنے آ گئی ہوگی۔

(۲) لفظ نفل کبھی فرض کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے، جب فرض کے مقابلہ میں نفل کا لفظ آتا ہے، تو اس وقت نفل کے اندر سنت مؤکدہ اور سنت غیر مؤکدہ مستحب سب شامل ہوتے ہیں، علامہ شامی، اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی وغیرہ نے نفل بول کر وہی عموم مراد لیا ہے، جو فرض کے مقابل میں آتا ہے، اور شرح وقایہ وغیرہ کی عبارت کا جو آپ نے حوالہ پیش کیا ہے، اس میں یوم کی قید امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نفل اعتکاف کیلئے لگائی گئی ہے، اور مسنون اعتکاف سے جو مشہور ہے وہ رمضان کے آخری عشرہ میں مکمل دس دن کا اعتکاف مراد ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں کوئی تعارض کی بات نہیں ہونی چاہئے، کہ ایک دن کا اعتکاف جو مستحب ہوتا ہے، اس کو بھی لفظ نفل سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور رمضان

کے آخری عشرہ میں دس دن کے مسنون اعتکاف کو بھی لفظ نفل سے تعبیر کرنا جائز ہے، اسلئے کوئی تعارض کی بات نہیں ہونی چاہئے۔

(۳) اور عمدۃ القاری کی عبارت ''**المراد به عند اصحابنا الاعتكاف مطلقاً**'' میں اعتکاف واجب اور اعتکاف نفل دونوں شامل ہیں مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق شامل ہیں کہ ان کے نزدیک مکمل ایک دن سے کم اعتکاف مشروع نہیں کیونکہ ان کے یہاں اعتکاف کیلئے روزہ شرط ہے اور عمدۃ القاری کی اس عبارت میں صرف امام صاحب کے قول کے مطابق تینوں کو خارج کردیا ہے، اسلئے کہ ان کے نزدیک اعتکاف نفل کیلئے روزہ شرط نہیں ہے، اور اس بات کو آپ بار بار معلوم فرما رہے ہیں، براہ کرم مذکورہ اصول کے تحت آپ خود بھی غور فرمائیں گے، تو سمجھ میں آجائیگا۔

(۴) اگر آنجناب ان حضرات کی عبارت سے رمضان کے آخری عشرہ کے مسنون اعتکاف کو پیش نظر رکھتے ہوئے سوال قائم فرما رہے ہیں، تب بھی کوئی اشکال نہیں اسلئے کہ پہلے ہم نے لکھدیا ہے کہ لفظ نفل مسنون اعتکاف کیلئے بھی شائع ہے، لہٰذا اس میں الجھنے کی ضرورت نہیں، امام قدوری، امام نووی اور مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ وغیرہ کی عبارات میں رمضان کے آخری عشرہ کے اعتکاف کیلئے لفظ نفل استعمال ہوا ہے، تو کوئی تعارض کی بات نہیں ہے کیونکہ نفل کا لفظ سنت مؤکدہ کیلئے بھی بولا جاتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۱۹/۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۴/۱۴۱۹ھ

اعتکاف کی قضا اور وقت

سوال: [۴۸۳۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چار سال ہوئے میں نے رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا تھا، اس سال دہلی میں فساد ہوا تھا اور اور کرفیو نافذ تھا، صرف اس کرفیو کی وجہ سے امام جامع مسجد دہلی نے خواہ مخواہ چاند

دیکھنے کا اعلان کر دیا تھا (جو کہ غلط تھا) لوگوں کے روزے ٹوٹے عید غلط ہوئی، ہمارے یہاں بھی لوگ مصر ہوئے کہ شاہی امام کہہ رہا ہے، جھوٹ تھوڑا کہے گا، میری عقل پر بھی پتھر پڑ گئے اور اعتکاف سے نکل آیا اور اگلے دن غلط عید کی نماز پڑھ لی روزہ کی تو قضا کر لی لیکن اعتکاف کی قضا کا خیال اب آیا، اب آپ سے عرض ہے کہ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں؟

(۱) کیا اعتکاف کی قضا ضروری ہے؟

(۲) رمضان المبارک میں ہی کی جاوے یا بلا رمضان دس یوم مع روزہ کے مسجد میں اعتکاف کر لیا جائے بہ نیت قضاء۔

المستفتي: مولانا حکیم عبد الجلیل، کرتپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اعتکاف کی قضا فرمالیجئے اور مکمل دس یوم کا اعتکاف فرمالیں رمضان میں کر سکتے ہیں، اور چاہے غیر رمضان میں کرلیں اور غیر رمضان میں روزہ رکھنا ہوگا۔

لو شرع فی المسنون أعني العشر الأواخر بنیته ثم أفسدہٗ أن یجب قضاءہ تخریجاً علی قول أبی یوسفؒ (إلیٰ قوله) یلزمه قضاء العشر. (شامی، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، زکریا دیوبند ۳/ ۴۳۴، کراچی ۲/ ۴۴۴) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۴۱۵/۵/۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰۰۶/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۵/۱۴ھ

۷/ باب صوم التطوع

کیا نفلی روزہ رکھنے کیلئے بیوی کی اجازت ضروری ہے؟

سوال: [۶۴۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) بندہ ہر پیر اور جمعرات کو نفلی روزہ رکھنے کا اہتمام کرتا ہے، جس طرح مستورات کو نفلی روزہ میں شوہر کی اجازت کی ضرورت ہوتی ہے، کیا اسی طرح مرد کو بھی عورت سے مشورہ یا اجازت ضروری ہے؟

(۲) فرض روزہ میں غلطی ہونے پر دو ماہ روزہ رکھنا یا مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، اگر کسی مجبوری کی وجہ سے نفل روزہ توڑنا پڑے تو کیا اس کا بھی کفارہ ہے؟

المستفتي: بشیر احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نفل روزہ رکھنے کیلئے مرد کو عورت سے اجازت لینا ضروری نہیں ہے، اور مہمان کی خاطر تواضع کی بناء پر نفل روزہ توڑنے کی اجازت ہے، لیکن بعد میں اس کی قضا لازم ہے۔

عن عائشةؓ قالت: أهدى لي ولحفصة طعام، وكنا صائمتين فأفطرنا، ثم دخل رسول الله ﷺ، فقلنا له: يارسول الله! إنّا أهديت لنا هدية فاشتهيناها فأفطرنا، فقال رسول الله ﷺ: لا عليكما، صوما مكانه يوما آخر. (سنن ابی داؤد، الصيام، باب من رای عليه القضاء، النسخة الهندية ۱/۳۳۳، دارالسلام رقم: ۲۴۵۷)

وللمتطوع بغير عذر في رواية ويقضي وظاهر الرواية أنه ليس له الفطر إلا من عذر وصححه في المحيط ثم اختلف المشائخ على ظاهر الرواية هل الضيافة عذر أولا، وفي الكافي والأظهر أنها عذر. (البحرالرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض، كوئٹه ۲/۲۸۷، زكريا ۲/۵۰۲)

والضيافة عذر للضيف والمضيف إن كان صاحبها ممن لا يرضىٰ بمجرد حضوره ويتأذى بترك الإفطار فيفطر الخ. (الدر المختار مع الشامی، كراچی ۲/۴۲۹، زكريا ۳/۴۱۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۲۴۹)

شب برأت کی تعیین

سوال: [۴۸۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کہتا ہے کہ ۱۴/۱۵/کی درمیانی شب کو شب برأت کہتے ہیں، اور عمر کہتا ہے کہ ۱۵/۱۶/کے درمیانی شب کو شب برأت کہتے ہیں، اور شب برأت کس تاریخ کو متعین کی گئی ہے، نیز شب برأت کی تاریخ کو متعین کر کے جواب عنایت فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شریعت میں ایام حج کے علاوہ بقیہ دنوں میں راتوں کو آنے والے دنوں کے تابع قرار دیا گیا ہے، اس لئے ۱۴/ویں تاریخ کا دن گذر کر جو رات شروع ہوتی ہے، وہی شعبان کی پندرہویں شب ہے، اسی کو شب برأت کہتے ہیں۔

لان الليالي في الحج في حكم الأيام الماضية الخ. (غنيه جديد/۱۸۲، انوار مناسك/۴۷۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۰۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۸/۸ھ

لیلۃ القدر میں اجتماعی سورۂ یاسین پڑھ کر دعا کرنے کا حکم

سوال: [۴۸۳۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہر

سال شب برأت اورشب قدر کے اگلے جمعہ میں ان دونوں راتوں کے فضائل کو بیان کیا جاتا ہے، اوران دونوں راتوں کی مغرب کی نماز کے بعد مصلیان کرام مشورہ کرکے اس دن کی عشاء کے مقررہ وقت کوتبدیل کرتے ہیں، مثلاً پہلے عشاء کی نمازرات کوآٹھ بجے ہوتی تھی، اس کونو بجے کردیتے ہیں، اب اس تبدیل شدہ وقت کومسجد کے مائک میں اس طرح اعلان کیا جاتا ہے، ''کہ آج شب برأت یا شب قدر ہے، لہٰذا عشاء کی نماز نو بجے ہوگی، اب عشاء کی نماز اس تبدیل شدہ وقت پر پڑھنے کے بعد تمام مصلی حضرات یہ مشورہ کرکے طے کرتے ہیں، کہ آخرشب یعنی سحری کھانے سے پہلے مثلاً رات کوڈھائی یا تین بجے سورۂ یاسین پڑھ کر دعا ہوگی، اس کے بعد تمام مصلی حضرات انفرادی طور پر اپنی اپنی عبادت میں مشغول ہوجاتے ہیں، اور یہ بات واضح رہے کہ اس رات کو پنجگانہ نماز کے مقابلہ میں لوگ کئی گنا بڑھ جاتے ہیں، لیکن مسجد میں جمع ہونے کیلئے کسی کو بلایا نہیں جاتا ہے، پھرآخرشب یعنی اس طے شدہ وقت پر امام صاحب سورۂ یاسین شریف پڑھتے ہیں اور تمام مصلی حضرات سنتے ہیں، پھرسب ملکر دعا کرکے اپنے اپنے گھر چلے جاتے ہیں، ان راتوں میں اس طرح مسجد میں جمع ہوکر عبادت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: انیس الرحمٰن قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: لیلۃ القدر کی عبادت کی فضیلت خود قرآن کریم میں بہت زیادہ آئی ہے، اوراحادیث شریفہ میں اس رات کی عبادت کی فضیلت بہت زیادہ وارد ہوئی ہے، اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینے کی عبادت سے زیادہ ہے۔'' **لیلة القدر خیر من الف شهر**''. (سورۃ القدر) اورشب برأت کی عبادت کی فضیلت حدیث پاک میں آئی ہے، اگر چہ حدیث شریف کچھ کمزور ہے مگر باب فضائل میں معتبر ہے، اسلئے ان راتوں میں عبادت کی ترغیب مناسب اور بہتر ہے۔

ان الله تبارک و تعالیٰ ینزل لیلة النصف من شعبان الی سماء الدینا

فیغفر لأکثر من عدد شعر غنم کلب. الحدیث: (ترمذی، کتاب الصوم، باب ماجاء فی لیلة النصف من شعبان ،النسخة الهندیة ۱/۱۵۶، دارالسلام رقم: ۷۳۹)

اورعشاء کی نماز کے وقت میں ترمیم وتاخیر انتظام سے متعلق ہے لہٰذا مسجد کے ذمہ داران کو اس کا اختیار ہے، اوران راتوں کی خصوصیت کی وجہ سے ایسا کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں، نیز مسجد میں جمع ہوکر انفرادی عبادتوں میں مشغول ہونا بھی بلاتردد جائز ہے ہاں البتہ یہ طریقہ سلف سے ثابت نہیں، کہ ایک آدمی سورۂ یاسین زور سے پڑھے باقی سنتے رہیں، اسلئے بہتر یہی ہے کہ اپنے اپنے طور پر پڑھیں اور جولوگ پڑھنے پر قادر نہیں ہیں، وہ سنتے رہیں، یا دوسری عبادت میں مشغول ہوجائیں، پھر سب اجتماعی دعاء میں شریک ہو جائیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍شوال ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۳۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۱۰/۱۴ھ

شوال کے چھ روزے کی فضیلت

سوال: [۴۸۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان کے بعد جو چھ روزے رکھے جاتے ہیں، ان کے کیا کیا فضائل ہیں، اور کب تک رکھے جاسکتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں، کہ رمضان کے بعد چھ روزے رکھنے پر چھ شہیدوں کا ثواب ملتا ہے، اس کی کیا حقیقت ہے؟ مفصل تحریر فرمائیں؟

المستفتي: طفیل احمد بستوی، مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چھ شہیدوں کے ثواب کے بارے میں فقیر کی نظر سے کوئی حدیث نہیں گذری، ہاں حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے، کہ پورے رمضان کے روزے کا ثواب دس مہینوں کے روزوں کے ثواب کے برابر ہے، اورشوال کے چھ

روزوں کا ثواب دومہینوں کے روزوں کے برابر ہوگا، گویا یہ ۳۶/روزوں کا ثواب پورے سال روزہ رکھنے کے برابر ہے۔

کما فی الحدیث: عن ثوبان مولیٰ رسول اللہ ﷺ عن رسول اللہ ﷺ أنہ قال: من صام ستة أيام بعد الفطر كان تمام السنة من جاء بالحسنة فله عشر أمثالها. الحديث: (ابن ماجہ شریف، کتاب الصوم، باب صيام ستة أيام من شوال، النسخة الهندية /۱۲۳، ترغيب وترهيب ۱۴۲/۲)

عن أيوب الانصاریؓ أنه حدثه أن رسول الله ﷺ قال: من صام رمضان ثم أتبعه ستا من شوال كان كصيام الدهر، الحديث: (مسلم شریف، كتاب الصوم، باب استحباب صوم ستة من شوال، النسخة الهندية ۱/ ۳۶۹، بيت الافكار رقم: /۱۱۶٤، مشکوٰۃ شریف، ۱۷۹/۱)

الحسنة بعشر أمثالها فرمضان بعشر أشهر والستة بشهرين الخ. (نووی ۳۶۹/۱)

شوال کا روزہ عید کے بعد سے متفرق رکھنا زیادہ افضل ہے اور اگر پے در پے رکھا جائے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

کما فی الدر المختار: وندب تفريق صوم الستة من شوال ولا يكره التتابع على المختار. (الدر المختار، کراچی ۴۳۵/۲، زکریا ۴۲۱/۳)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵۰/۲۳)

نصف شعبان کے روزہ کی شرعی حیثیت

سوال: [۴۸۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) مشکوٰۃ شریف جو موقوف علیہ میں نصاب درس ہے، اس کتاب سے استدلال درست

ہے یا نہیں؟ بکر جو عالم ہے وہ کہتا ہے، کہ مشکوٰۃ سے استدلال ایسے ہی کم علمی کی دلیل ہے، جیسے کوئی نورانی قاعدہ سے استدلال کرے، وضاحت فرمائیں کہ محدثین کے نزدیک مشکوٰۃ شریف کی کیا حیثیت ہے، اس سے استدلال درست ہے یا نہیں؟

(۲) زید جو عالم ہے ان کا کہنا ہے کہ ۱۵/شعبان کے روزے کا کوئی ثبوت نہیں، اسلئے صرف ۱۵/شعبان کا روزہ نہیں رکھنا چاہئے، اس کے ثبوت کیلئے چندسال قبل جب ۱۵/شعبان جمعہ کے دن تھا، توانھوں نے ممبر پر پانی پیا اور کہا کہ اس روزے کا ثبوت نہیں ہے، اس لئے میں روزہ سے نہیں ہوں، جس کی وجہ سے بہت سارے لوگوں نے روزہ توڑ دیا اور اب اس روزہ سے گریز کرنے لگے، ازروئے شرع اس روزہ کو رکھنا چاہئے یا نہیں؟ اور امام کا یہ فعل کیسا ہے؟

المستفتي: فردوس احمد نعمانی،
ناظم: جامعہ مظہریہ، آسنسول

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پندرہ شعبان کیلئے خاص روزہ صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے، اور صاحب مشکوٰۃ نے ابن ماجہ شریف کی جو حدیث نقل فرمائی ہے، وہ بہت ہی ضعیف اور موضوع کے درجہ کی ہے، اس کی سند میں ایک راوی ہے اس کا نام عبداللہ بن عبدالرحمٰن ابن ابی سبرۃ ہے، بعض محدثین نے کذاب تک کہا ہے، اسلئے اس حدیث کو ناقابل اعتبار قرار دیا گیا ہے، لہٰذا پندرہ ہی کو خصوصیت کے ساتھ روزہ رکھنا مسنون نہیں سمجھنا چاہئے، ہاں البتہ ہر ماہ کے ایام بیض ۱۳/۱۴/۱۵ کا روزہ مسنون ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص شعبان میں بھی ایام بیض کے روزے رکھتا ہے، اور ان میں پندرہ شعبان کا روزہ بھی ہے، تو اس کو مسنون سمجھنا درست ہے، اس حدیث کو ابن ماجہ شریف ۱/ ۹۹ میں ملاحظہ فرمایئے، اور اس کی سند کی تحقیق فرمایئے، اب رہی مشکوٰۃ شریف سے استدلال کی بات تو مشکوٰۃ شریف میں صحیح، حسن، ضعیف، موضوع ہر طرح کی احادیث موجود ہے، اور اس میں جو موضوع روایات ہیں، ان سے استدلال کرنا درست نہیں ہے، اور فضائل میں ضعیف کی گنجائش اور

صحیح اور حسن سے احکام اور فضائل سب میں استدلال کرنا درست ہے، اور روزہ توڑنا بھی غلط بات ہے، اسلئے کہ نفل روزہ ہرزمانہ میں رکھنا جائز ہے، صرف عیدین اور ایام تشریق میں جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رشوال ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۱۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۱۰/۱۴۳۱ھ

پندرھویں شعبان کولیکر دیوبندی، بریلوی اور غیر مقلدین میں اختلاف

سوال: [۴۸۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۱۵/ویں شعبان کولیکر دیوبندی بریلوی اور اہل حدیث لوگوں کے درمیان کافی اختلاف برپا ہے، اور کوئی کسی کی سننے کو تیار نہیں ہے، ایسی حالت میں آپ مجھے برائے کرم ۱۵/ویں شعبان کی رات کی فضیلت واعمال اور اس دن کے روزہ کے بارے میں ایسی احادیث تحریر فرمادیں جو کہ اہل حدیث کیلئے مسکت، بریلویوں کیلئے مشعل راہ اور دیوبندیوں کیلئے ہتھیار ہوں آپ کا یہ تعاون پوری امت مسلمہ کیلئے ہدایت اور آپ کیلئے مغفرت کا باعث ہوسکتا ہے؟

المستفتي: محمد فیاض قاسمی، رامپور، وارث نگر، سمستی پور، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نصف شعبان میں دو چیزیں ہیں۔ (۱) روزہ رکھنا پندرہویں شعبان کو خاص طور پر اس دن میں روزہ رکھنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے، حضرت علیؓ کی طرف منسوب کرکے اس دن روزہ رکھنے کے متعلق جس روایت کا ذکر کیا جاتا ہے، وہ روایت موضوع اور نا قابل اعتبار ہے، گویا کہ اس روایت کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے، کہ وہ روایت گڑھی ہوئی ہے، ثابت نہیں ہے، اس کی سند میں ایک راوی (ابن ابی سبرہ) ہے وہ متہم بالکذب ہے اس لئے خاص طور پر اس دن روزہ رکھنا حدیث سے ثابت

نہیں ہے ہاں البتہ پورے سال میں ایام منہیات کو چھوڑ کر کسی بھی دن روزہ رکھنا مستحب ہے،تو وہ دن بھی استحباب میں شامل ہوسکتا ہے،اسی طرح ہر مہینہ کے ایام بیض یعنی تیرہ چودہ پندرہ کو روزہ رکھنا مسنون ہے،اگر شعبان میں بھی ان دنوں کا روزہ رکھ لیا جائے جس میں پندرہویں تاریخ بھی شامل ہے تو مسنون ہوگا۔

(۲) پندرہویں شعبان کی رات کی فضیلت اور اس رات میں عبادت کرنا حدیث سے ثابت ہے اور متعدد صحابہ کرامؓ سے اس کی فضیلت سے متعلق روایات مروی ہیں،مثلاً خلیفۃ الرسول سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ،حضرت معاذ بن جبلؓ،حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت ابو ثعلبہ خشنیؓ،حضرت کثیر بن مرہ حضرمیؒ،حضرت عثمان بن ابی العاصؓ،حضرت عائشہ صدیقہؓ ان تمام صحابہ سے نصف شعبان کی رات کی فضیلت کی روایات وارد ہیں، کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مغفرت کیلئے زمین والوں کی طرف متوجہ رہتے ہیں، مذکورہ سات صحابہ میں حضرت صدیق اکبرؓ کی روایت کے بارے میں کٹر غیر مقلد عالم حمداء عبد المجید السلفی لکھتے ہیں:

روی الطبرانی والبیهقی من حدیث ابی بکر الصدیق بأسانید لا بأس به . (حاشیة المعجم الکبیر ۲۰/۱۰۸، رقم الحدیث: ۲۱۵)

اور حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت کی سند کو محمد حسن اسماعیل الشافعیؒ نے المعجم الاوسط کے حاشیہ میں اسنادہ حسن کہا ہے،ملاحظہ فرمایئے: (المعجم الاوسط جدید ۵/ ۱۱۹،رقم الحدیث: ۶۷۷۶ کا حاشیہ)

اور امام ابوبکر ہیثمیؒ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت جس کو معجم کبیر اور معجم الاوسط میں نقل کیا گیا ہے،اس کے بارے میں رجالہما ثقات کے الفاظ نقل فرمائے ہیں، اور ان دونوں کی روایات کے علاوہ دیگر صحابہ کی روایات کے بارے میں محدثین نے کم وبیش کلام کیا ہے،اور باب فضائل میں متکلم فیہ روایات جب متعدد طرق اور متعدد صحابہ سے ثابت ہو جائیں تو بلاشبہ معتبر ہو جاتی ہیں،اور یہاں غیر متکلم فیہ روایات بھی جو صحت کے درجہ میں ہیں موجود ہیں ، اسی لئے خواہ مخواہ اس رات کی فضیلت اور عبادت کے

بارے میں لوگوں کوشکوک وشبہات میں ڈالنا انتہائی نامناسب بات ہے، جنکو تفصیلی روایات دیکھنا ہو حسب ذیل حوالوں میں تلاش کرلیں ۔(مجمع الزوائد ۸/ ۶۵، المعجم الکبیر ۲۰/ ۱۰۸، رقم الحدیث/ ۲۱۵، المعجم الاوسط جدید۵/ ۱۱۹، رقم الحدیث/ ۶۷۷۶، شعب الإیمان بیہقی ۳/ ۳۷۸، رقم الحدیث/۳۸۲۲ تا ص ۳۸۵،رقم/ ۳۸۳۸، صحیح ابن حبان ، دارالفکر ۷/ ۳۵۰، رقم الحدیث/ ۵۶۷۵ ،مسند بزار ا/ ۱۵۷، رقم: ۸۰، مسند امام احمد بن حنبل ۶/ ۲۳۸ ، رقم الحدیث/ ۲۶۵۴۶، ابن ماجہ نسخہ ہندی/ ۹۹، نسخہ جدید رقم :۱۳۹۰)

یہ تفصیلی حوالے اس لئے دیئے گئے تاکہ باذوق لوگ ان حوالوں کے ذریعے سے حدیث کے مأخذوں کو براہ راست دیکھ کر مطمئن ہو جائیں، ان میں سے دوصحابی کی روایت غیر متکلم فیہ اور صحت کے درجہ میں ہے اور باقی صحابہ کی روایات میں کم وبیش کلام ہے لیکن تعدد طرق کی وجہ سے شک وشبہ دور ہوجاتا ہے، نیز صحت کے درجے کی روایات کی وجہ سے اس رات کی فضیلت کے بارے میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی، لہٰذا اس رات میں جتنا ہوسکے زیادہ سے زیادہ اپنے آپ کو عبادت میں لگادینا چاہئے ۔(مستفاد: انوار رسالت /۱۷۱تا۱۷۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍شعبان۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۴۱/۴۰)

پندرہ شعبان کے روزے کا حکم

سوال: [۴۸۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ماہ شعبان کے پندرھویں دن کے روزہ کے بارے میں جو احادیث سے ثبوت ملتا ہے، اسکی حقیقت کیا ہے، آپ علیہ السلام نے اس دن روزہ رکھا ہے یا نہیں؟ اسکے ثواب کے بارے میں کسی مستند حدیث سے ثبوت ملتا ہے یا نہیں؟ امید کہ حضرت والا مفصل ومدلل جواب دیں گے؟

المستفتي: عبداللہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :شعبان کی پندرہویں تاریخ کوروزہ رکھنے کی الگ سے فضیلت کسی صحیح حدیث شریف سے ثابت نہیں ،ابن ماجہ شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جوروایت ہےاس میں ایک راوی ابن ابی سبرہ ہے وہ متہم بالکذب ہے،اس کےاوپر جھوٹا ہونے کاالزام ہے،اس لئے اساطین امت کےنزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، لہٰذاابن ماجہ کی اس روایت سےکوئی حکم شرعی الگ سے ثابت نہیں ہوتا ہے، ہاں البتہ صحیح حدیث شریف سے یہ بات ثابت ہے کہ ہرمہینے کے ایام بیض کے اعتبار سے شعبان میں بھی ان ایام کاروزہ رکھنا مسنون اورمستحب ہے،لہٰذاپندرھویں شعبان کےروزے کی فضیلت اسی درجہ کی ہےجس درجہ کی فضیلت ہرمہینہ کی پندرہ تاریخ کوروزہ رکھنے کی ہے۔

عن ابی ہریرۃؓ قال أو صانی خلیلی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بثلث صیام ثلثۃ أیام من کل شہر . (بخاری شریف، کتاب الصوم ، باب صیام البیض ۱/۲۶۶، رقم: ۱۹۳۹، ف:۱۹۸۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۱۶ر شعبان ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۸/ ۹۱۰۵)

الجواب صحیح:
احقرمحمدسلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۷/۸/۱۷ھ

کیا صوم عاشورہ منفرداً مکروہ ہے؟

سوال:[۴۸۴۳]:کیا فرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کا روزہ مذہبی تقدس کو قائم رکھتے ہوئے رکھا لیکن صحابہ کرام نے آپ ﷺ کی توجہ مبذول کرائی کہ اس دن یہود ونصاریٰ روزہ رکھتے ہیں،ان کے ساتھ تشابہ واشتراک ہوتا ہے،اوراسلام میں تشابہ واشتراک سے پرہیز کی ہدایت ہے تو کیااس میں ایسی تبدیلی ہوسکتی ہے،جس سے مشابہت ختم ہوجائے ،حضورﷺ نے فرمایا انشاءاللہ اگلا سال آئے گا تو ہم نویں کوبھی روزہ رکھیں گے،لیکن اگلے سال کا ماہ محرم آنے

سے پہلے ہی حضو ﷺ رفیق اعلیٰ سے جا ملے، اس وقت دنیا میں جو یہود ونصاریٰ اسلام کے آغاز کے وقت تھے، ویسے اسوقت نہیں ہیں بلکہ یہود ونصاریٰ کی قوم تو باقی ہے لیکن یہودیت ونصرانیت کے اعمال وکردار ویسے نہیں رہے، بلکہ قمری ماہ کا نظام اعمال تو لگتا ہے، کہ ان قوموں میں مفقود ہوگیا ہے، تو کیا ایسی صورت میں عاشوراء کا صرف ایک روزہ رکھا جا سکتا ہے یا پھر عاشوراء سے قبل ایک عاشوراء سے بعد ایک روزہ حضو ﷺ کے ارشاد کے مطابق پہلے یا بعد میں ملانا ضروری ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالعزیز، صدر مدرس، مدرسہ اسلامیہ چائباسہ، مغربی سنگھ بھوم، جھارکھنڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یوم عاشوراء سے پہلے یا بعد میں ایک روزہ کا ملانا لازم اور ضروری نہیں بلکہ صرف اولیٰ اور افضل ہے، اور حضرات فقہاء کے درمیان تنہا عاشوراء کے دن روزہ رکھنا مکروہ ہونے اور نہ ہونے کے بارے میں اختلاف ہے، بعض فقہاء مکروہ تنزیہی کہتے ہیں، اور عامۃ الفقہاء اور اکثر ائمہ کے نزدیک مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہے، اسلئے کہ مسلمانوں کے ذہن میں تنہا عاشوراء کے دن روزہ رکھنے میں یہودیت کی مشابہت کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا، لہٰذا جو شخص عاشوراء سے پہلے یا بعد میں ایک روزہ رکھنے کی ہمت رکھتا ہو تو وہ پہلے یا بعد میں ایک ایک روزہ ملا کر رکھے اور اولیت وافضلیت حاصل کرے اور جو ہمت نہیں رکھتا ہے وہ تنہا عاشوراء کا روزہ رکھے اس کو بھی عاشوراء کے روزے کا ثواب مل جائے گا، اور اس کا روزہ مکروہ بھی نہیں ہوگا۔

وكره بعضهم صوم يوم عاشوراء وحده لمكان التشبه باليهود ولم يكرهه عامتهم لأنه من الأيام الفاضلة فيستحب استدراک فضيلتها بالصوم. (البدائع، کتاب الصوم، صوم الوصال، زکریا ۲/۲۱۸)

وقد عُد في الدر المختار صوم عاشوراء وحده من المكروه تنزيها

أی مفردا عن التاسع أو عن الحادی عشر ولکن قال صاحب البدائع وکره بعضهم صوم عاشوراء وحده لمکان التشبه بالیهود ولم یکرهه عامتهم لأنه من الأیام الفاضلة فیستحب استدراک فضیلتها بالصوم. (فتح الملهم، کتاب الصوم، باب صوم یوم عاشوراء، اشرفیه دیوبند ۳/ ۱۴٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۳/۱۱ھ

نویں ذی الحجہ کا روزہ کب رکھا جائے؟

سوال: [۴۸۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نویں ذی الحجہ کے روزہ کی فضیلت ثابت ہے یہ تو معلوم ہے لیکن دریافت یہ کرنا ہے، کہ نویں ذی الحجہ میں یہاں کی یعنی جس جگہ روزہ رکھنے والا رہ رہا ہے، وہاں کا اعتبار ہے یا سعودی کی تاریخ کا اعتبار ہے یعنی کس کی تاریخ کے اعتبار سے روزہ رکھنا ہے؟

المستفتی: عبد الرحمٰن، جویا، جے پی نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہندوستان میں ہندوستان کی نویں ذی الحجہ میں روزہ رکھنے کی فضیلت حاصل ہوگی، سعودیہ عربیہ کی نویں ذی الحجہ کا اعتبار نہیں ہوگا۔

فأما إذا کانت بعیدة فلا یلزم أحد البلدین حکم الآخر لأن مطالع البلاد عند المسافة الفاحشة تختلف فیعتبر فی أهل کل بلد مطالع بلدهم دون البلد الآخر الخ. (بدائع بیروت ۲/ ۵۷۹، زکریا دیوبند ۲/ ۲۲۴، ۲۲۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۱)

سنیچر، صرف عاشوراء اور نوروز کا روزہ کیوں مکروہ ہے؟

سوال: [۴۸۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تعلیم الاسلام میں روزہ سے متعلق ہے کہ کون کون سا روزہ مکروہ ہے جس میں۔

(۱) سنیچر کے دن کا روزہ لکھا ہے۔ (۲) صرف عاشوراء یعنی دسویں تاریخ کا روزہ۔ (۳) نوروز کے دن کا روزہ یہ کس وجہ سے مکروہ ہیں، تحریر فرمادیں؟

المستفتي: عبدالمعید، انعام پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سنیچر کے دن کو یہودیوں کے یہاں وہی مقام حاصل ہے جو مسلمانوں کے یہاں جمعہ کے دن کو حاصل ہے اسلئے اگر خاص کر صرف سنیچر کے دن روزہ رکھا جائیگا تو یہودیوں سے مشابہت لازم آئیگی اسلئے مکروہ ہے، اور اسلام سے پہلے یہودی خاص طور پر عاشوراء کا روزہ رکھا کرتے تھے، اسلئے کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات ملی تھی، پھر اسلام میں بھی رمضان کا روزہ فرض ہونے سے پہلے عاشوراء کا روزہ رکھا جاتا تھا، اور رمضان کا روزہ فرض ہوجانے کے بعد عاشوراء کے روزہ کا وجوب ختم ہوگیا، مگر اس کی سنیت باقی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی رکھا ہے اور امت کو ترغیب بھی دی ہے لیکن صرف تنہا عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کی صورت میں یہودیوں سے مشابہت پائی جاتی ہے، اسلئے اس سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد روزہ ملاکر رکھنا مستحب ہے ورنہ یہودیوں کی مشابہت لازم آئیگی جس میں ایک قسم کی کراہت ہے اسی طرح نوروز کا دن مجوسیوں کی عید کا دن ہے، اسلئے مکروہ ہے۔

والمکروہ تنزیهاً کعاشوراء وحدهٗ وسبت وحده ونیروز ومهرجان إن تعمده وفي الشامي: قوله وعاشوراء وحدهٗ أی مفرداً عن التاسع أوعن الحادی عشر لأنه تشبه بالیهود وسبت وحدهٗ للتشبه بالیهود وقوله

ونیروز ومهرجان ...... وهذان اليومان عيد ان للفرس لأنه يشبه تعظيم اليوم وأنه حرام . (شامی، كتاب الصوم ، كراچی ۲/ ۳۷۵، زكريا۳/ ۳۳۶، عمدة القاری ، كتاب الصوم، باب صوم يوم عاشوراء ، داراحياء التراث العربی بيروت ۱۱/ ۱۱۷، ۱۱۸، زكريا۸/ ۲۳۲، ۲۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/۴/ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۴/ ۱۴۲۹ھ

نفلی روزوں میں رمضان کے قضا روزوں کی نیت

سوال: [۴۸۴۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے ذمہ کچھ رمضان کے روزے باقی ہیں، اگر زید وہ روزے عشرہ ذی الحجہ یا یوم عاشوراء یا شب برأت سے اگلے دن ، ان دنوں میں اگر بجائے نفلی روزوں کے رمضان شریف کے قضا روزے رکھ لے تو کیا رمضان کے قضا روزوں کی ادائیگی ساتھ ساتھ نفلی روزوں کا ثواب بھی مل جائے گا، ان دنوں میں رمضان کے روزوں کی قضا کرنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟ مفصل جواب سے نوازیں کرم ہوگا؟

المستفتي: انیس احمد قاسمی، نہٹور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عشرۂ ذی الحجہ یا عاشوراء کے ایام میں رمضان کے قضا روزے رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن ان دنوں میں جو روزے رمضان کے قضا کے رکھے جائیں گے ان کے بارے میں فتاویٰ دار العلوم میں لکھا ہے، کہ وہ رمضان کے روزے ہی شمار ہوں گے، اوران روزوں پر نفل روزوں کا ثواب نہیں ملے گا، لیکن فقہاء کے ایک ضابطہ سے امید کی جاسکتی ہے، کہ ان دنوں کے روزے کا بھی ثواب مل جائیگا، وہ ضابطہ یہ ہے

کہ کوئی شخص وضو کر کے فوراً مسجد میں داخل ہو کر فجر کی دو سنتیں پڑھتا ہے اور اس میں تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد کی بھی نیت کرتا ہے، تو اس کو تین قسم کا ثواب ملتا ہے، فجر کی سنت تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۴۹۵)

فقہاء کی عبارت ملاحظہ ہو: **وأما إذا نوی نافلتین کما إذا نوی برکعتی الفجر التحیة والسنة أجزأت عنهما.** (الاشباہ/ ۷۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۳۲)

یوم الشک میں روزہ رکھنا

سوال: [۴۸۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یوم الشک کسے کہتے ہیں، اس کی کتنی شکلیں ہیں، وہ کونسی شکل ہے جس میں روزہ رکھنا حرام ہے، بعض جگہ سے اطلاع ملی چاند ہو گیا، بعض جگہ سے اطلاع ملی نہیں ہوا، یا بعض جگہ سے اطلاع ہی نہیں ہے، مثلاً دہلی ریڈیو نے بتایا چاند ہو گیا، لکھنؤ بمبئی نے کہا کہ ابھی تک چاند کی کوئی اطلاع نہیں ہے، تو کیا آنے والا دن یوم الشک کہلائے گا، جس میں روزہ حرام ونا جائز ہے؟

المستفتي: محمد زید سنبھلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یوم الشک میں روزہ رکھنا کسی بھی صورت میں حرام نہیں ہے، البتہ بلا رؤیت ہلال کے شک وتردد کے ساتھ ۳۰/ شعبان کو یکم رمضان سمجھ کر روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

وكره فيه أي يوم الشك كل صوم من فرض وواجب إلا صوم نفل جزم به بلا ترديد بينه وبين صوم آخر الخ. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، قديم/ ۳۵۵، دار الكتاب ديوبند/ ۶۴۷)

وکره الصوم تنزيها إن نویٰ يوم الشک واجبا سواء كان ذلک الواجب رمضان أو غيره لكن كراهة رمضان أشد من كراهة غيره . (شرح النقايه ، اعزازيه ديوبند/ ۱۷۰، وهكذا فی الهندية قديم۱/ ۲۰۰، ۲۰۱، جديد زكريا ۱/ ۲۶۲، فتاویٰ قاضيخان علی هامش الهندية، زكريا ۱/ ۲۰۶، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۱۲۹)

اگر دہلی ریڈیو پر صدق کا ظن غالب ہے اور لکھنؤ ، بمبئی پر نہیں ہے، تو یوم الشک نہیں ہے، روزہ ضروری ہے، اور اگر لکھنؤ ، بمبئی ریڈیو کے اعلان پر اعتماد ہے اور دہلی ریڈیو پر نہیں ہے۔ تو یوم الشک ہے، روزہ مکروہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ؍ رمضان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۹۳/۲۴)

۸/ باب صدقة الفطر

صدقۂ فطر سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال: [۴۸۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) صدقۂ فطر کا نصاب کیا ہے، نیز اس کے نصاب اور زکاۃ کے نصاب میں بنیادی فرق کیا ہے؟

(۲) کیا شوہر کے ذمہ بیوی اور بالغ اپاہج اولاد کی جانب سے صدقۂ فطر نکالنا واجب ہے، نیز کیا آدمی کے لئے اپنی بیوی اور بالغ اولاد کی جانب سے بدون ان کی اجازت کے نکالنا جائز ہے؟

(۳) صدقۂ فطر کی مقدار موجودہ اوزان سے کتنی ہے؟ کیا صاحب وسعت کے لئے کشمش یا کھجور سے صدقۂ فطر نکالنا افضل ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) زکوٰۃ کا نصاب دوسو درہم چاندی یا اس کی قیمت ہے، اور بارہ ماشہ کے تولہ کے حساب سے اس کی مقدار ساڑھے باون تولہ ہے، اور آج کل کے گراموں کے حساب سے ۶۱۲ رگرام اور ۳۶۰ رملی گرام اس کا وزن ہے۔

(مستفاد: ایضاح المسائل/۱۱۲)

اور زکوٰۃ کا جو نصاب ہے وہی نصاب صدقۂ فطر کا بھی ہے مگر دو چیزوں میں صدقۂ فطر اور زکوٰۃ میں فرق ہے۔

(۱) وجوب صدقۂ فطر کے لئے مال نامی یعنی مال تجارت یا سونا چاندی روپیہ پیسہ کا ہونا لازم نہیں بلکہ حوائج اصلیہ سے زائد گھر کے سامان مثلاً برتن اور گھر میں رکھے کھانے غلہ اور ضرورت سے زائد کپڑے وغیرہ کی بھی قیمت لگے گی اور وجوب زکوٰۃ کے لئے ان چیزوں

کی قیمت نہیں لگتی۔

(۲) زکوۃ کے واجب ہونے کے لئے حولان حول لازم ہے، یعنی جس مالِ نامی کا مالک ہے پہلی مرتبہ اس کے اوپر سال گذرنا ضروری ہے، یعنی جو شخص اب تک مال نصاب کا مالک نہیں ہوا ہے، وہ مالک ہوجانے کے بعد اس نصاب پر سال گذرنا بھی ضروری ہے بعد کے سالوں میں جس مال کا اضافہ ہوتا رہے گا، اس پر سال گذرنا لازم نہیں ہے، بلکہ اداء زکوۃ کے وقت جتنا مال موجود ہو اتنے مال میں سے زکوۃ نکالنا واجب ہوجاتا ہے، اور صدقۂ فطر کے واجب ہونے کیلئے نصاب کے اوپر سال گذرنا لازم نہیں ہے۔

تجب فی کل مأتی درهم خمسة دراهم .(هندیه ، کتاب الزکاة، الباب الثالث فی زکاة الذهب ، زکریا ۱/۱۷۸ ، جدید زکریا دیوبند۱/۲٤۰)

ومنها کون النصاب نامیا ومنها حولان الحول . (هندیه ، زکریا ۱/۱۷٤، جدید زکریا دیوبند۱/۲۳۵)

صدقة الفطر تجب علی حر مسلم مکلف مالک لنصاب أو قیمته وإن لم یحل علیه الحول – إلیٰ قوله– ولم یکن للتجارة . (مراقی الفلاح، دارالکتاب دیوبند/۷۲۳)

لأنّه یشترط فی الزکاة الحول والنصاب النامی– إلیٰ قوله– ولیس شییء من ذلک شرطاً هنا. (شامی، زکریا۳/۳۲۵، کراچی۲/۳٦۹)

(۲) شوہر کے ذمہ بیوی کی طرف سے صدقۂ فطر نکالنا واجب نہیں ہے، اسی طرح اپنی بالغ اولاد کی طرف سے نکالنا واجب نہیں ہے، بلکہ اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے نکالنا واجب ہے، ہاں البتہ اگر شوہر اپنی خوشی سے بیوی کی طرف سے صدقۂ فطر نکالے یا بالغ اولاد کی طرف سے نکالنا چاہے ان کی اجازت سے نکالے یا ان کی اجازت کے بغیر نکالے دونوں صورتوں میں راجح اور مفتی بہ قول کے مطابق ان کی طرف سے صدقۂ فطر ادا ہوجاتا ہے، یہی بالغ اپاہج اولاد کا بھی حکم ہے۔

عن ابن عمر أنه كان يعطى صدقة الفطر عن جميع أهله ، صغيرهم وكبيرهم ،عمن يعول ، الحديث. (سنن الدار قطنى ، زكاة الفطر ، دارالكتب العلميه بيروت ۲/۱۲۳، رقم: ۲۰۶۰)

لو أعطىٰ صدقة الفطر عن زوجته وأولاده الكبار الذين هم فى عياله أجزأه ، وإن لم يأمروه ذلك ، وفى الخانية: وعليه الفتوىٰ . (الفتاوىٰ التاتارخانيه ، قديم ۲/۴۲۴، جديد زكريا ۳/۴۶۱، رقم: ۴۸۵۱)

وإذا أدى عن الزوجة والولد الكبير بغير إذنهما جاز وظاهر الظهيرية: أنه لو أدى عمن فى عياله بغير أمره جاز مطلقا . (البحرالرائق ، زكريا ۲/۴۴۰، كراچى ۲/۲۵۲)

ولاتجب على الرجل صدقة الفطر عن أولاده الكبار -إلىٰ- سواء كان أصحاء أو زمناء فى ظاهر الرواية . (الفتاوىٰ التاتار خانية قديم ۲/۴۲۲، جديد زكريا ۳/۴۵۹، رقم: ۴۸۴۶)

وتجب عن نفسه وطفله الفقير الخ. (هنديه ، زكريا ۱/۱۹۲، جديد زكريا ديوبند ۱/)

(۳) صدقۂ فطر کی مقدار ڈیڑھ کلو ۶۴۰ گرام ۶۴۰ ملی گرام ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۱۰۱)
اور یہ مقدار گیہوں یا آٹا یا اس کی قیمت کے حساب سے ہے، اور کشمش یا کھجور سے نکالیں گے تو اس مقدار کے دو گنے ہوں گے، اگر سرمایہ دار کشمش یا کھجور سے صدقۂ فطر نکالیں گے تو ان کے لئے افضل بھی ہوگا، اور ثواب بھی زیادہ ملیگا، اسلئے کہ اس میں فقراء کا زیادہ فائدہ ہے۔

أخرج أبو دؤد عن ابن عباسؓ قال: فرض رسول الله ﷺ هذه الصدقة صاعاً من تمر أو شعير أو نصف صاع من قمح على كل حرأو مملوك ذكر أو أنثى صغير أو كبير الخ. (ابو داؤد، كتاب الزكاة ، باب من ردى نصف صاع من قمح، النسخة الهندية ۱/۲۲۹، دارالسلام رقم ۱۶۲۲، نسائى ، كتاب الزكاة، باب التمر فى زكاة الفطر الحنطة، النسخة الهندية ۱/۲۷۰، دار السلام رقم: ۲۵۱۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۰۵۱/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۵/۱ھ

کیا غریب شخص پر بھی صدقۃ الفطر ادا کرنا لازم ہے؟

سوال: [۴۸۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا غریب لوگوں پر بھی صدقۂ الفطر ادا کرنا واجب ہے، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ صدقۃ الفطر کے بغیر روزہ ناقص رہ جاتا ہے، چاہے آدمی غریب ہی کیوں نہ ہو کیا یہ بات درست ہے؟

المستفتي: محمد قاسم، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صدقۂ الفطر صاحب نصاب پر واجب ہے غریب کے ذمہ اس کی ادائیگی واجب نہیں ہے، اور رمضان کے روزے صدقۃ الفطر کی ادائیگی کے بغیر صحیح ہوجاتے ہیں، البتہ صدقۃ الفطر روزہ میں کوتاہی کا کفارہ بن جاتا ہے، اسلئے اس فضیلت کو غرباء بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

تجب موسعا في العمر عند أصحابنا وهو الصحيح على كل مسلم ذى نصاب فاضل عن حاجته الأصلية ، وإن لم ينم . (تنویر الابصار مع الدر المختار ، کتاب الزکاۃ، باب صدقة الفطر کراچی ۳۵۸/۲، زکریا۳/ ۳۱۰تا ۳۱۳)

عن بن عباس رضى الله تعالىٰ عنه، قال فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم زكاة الفطر طهرة للصيام من اللغو الرفث وطعمة للمساكين ومن أداها قبل الصلوٰة فهى زكاة مقبولة ومن أداها بعد الصلوٰة فهى صدقة من الصدقات. (مستدرك ، کتاب الزکاۃ ، قدیم ۵۶۸/۱، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، بیروت ۵۷۷/۲، رقم: ۱۴۸۸، السنن الکبریٰ للبیهقی، قدیم ۱۶۳/۴، دارالفکر ۹۸/۶، رقم: ۷۷۶۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍۷؍۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر:۶۲؍۳۶ ۷۷۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸؍۷؍۱۴۲۳ھ

صدقۂ فطر

سوال: [۴۸۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صدقۂ فطر کتنا دینا چاہئے ،نصف صاع کا وزن کیا ہے؟ بعض لوگ دو کلو ۴۱؍گرام کے قائل ہیں،اور بعض ایک کلو ۶۶۶؍گرام کے قائل ہیں،اب یہ بتائیں نصف صاع کا وزن آپ کے نزدیک کیا ہے؟ مع دلائل بیان فرمائیں؟

المستفتي:محمد سلطان احمد کشمیری، گاؤں: نیراپان، ڈاکخانہ،ہابڑا، ضلع: پونچھ، جموکشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق:نصف صاع کا وزن بغیر کمی زیادتی کے ہمارے حساب سے /۱۳۵؍تولہ کا ہوتا ہے، اور ایک سو ۱۳۵ تولہ ۱۵۷۴۶۴۰ ملی گرام کا ہوتا ہے اور ۱۵۷۴۶۴۰ ملی گرام=۱۵۷۴؍گرام اور ۶۴۰؍ملی گرام کے ہوتے ہیں، = ڈیڑھ کلو ۷۴؍گرام، ۶۴۰ ؍ملی گرام کا ہوتا ہے، خلاصہ یہ نکلا کہ نصف صاع کا وزن ڈیڑھ کلو ۷۴ گرام ۶۴۰ ؍ملی گرام کا ہوتا ہے ۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍شعبان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر:۱۳۵۸؍۲۵)

فطرہ کی مقدار

سوال: [۴۸۵۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فطرہ کے کتنے کلو گیہوں ہوتے ہیں،روپئے کتنے ہوتے ہیں؟

المستفتي: حافظ سلامت جان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صدقۂ فطر کی مقدار نصف صاع گیہوں جو موجودہ اوزان کے اعتبار سے ڈیڑھ کلو ۴۷؍گرام ، ۶۴۰؍ملی گرام گیہوں ہوتے ہیں، احتیاطاً ڈیڑھ کلو۴۵؍گرام دیا جائے۔

عن ابن عباس قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ : صدقة الفطر عن کل صغیر وکبیر، ، ذکرو أنثی إلیٰ قوله نصف صاع من بر أوصاع من تمر أوصاع من شعیر. (سنن الدارقطنی ، زکاۃ الفطر ، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۱۳۱، رقم: ۲۱۰۰)

وهی نصف صاع من بر أو دقیقة أو زبیب أو صاع تمر أوشعیر. (تنویر الابصار مع الدرالمختار ، کراچی۲/ ۳٦٤، زکریا۳/ ۳۱۸) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۷۴)

صدقۂ فطر کی مقدار

سوال: [۴۸۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صدقۂ فطر کی مقدار شرعاً نصف صاع ہے دور حاضر میں گندم اور دیگر اشیاء خوردنی کیل وصاع سے فروخت نہیں ہوتیں بلکہ تول اور وزن سے کام لیا جاتا ہے، تو موجودہ دور کے لحاظ اور کلو گرام کے حساب سے صدقۂ فطر کی مقدار کیا ہے؟ صحیح حساب لگا کر جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: فرید احمد قاسمی، جلال پور، ضلع: لکھیم پور کھیری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نصف صاع کا وزن ۱۳۵؍تولہ کا ہوتا ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ قدیم۱/ ۴۲۸، جدید زکریا۳/ ۴۱۱، فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۳۰۵، ۶/ ۳۳۷)

اور۱۲؍ ماشہ کا ایک تولہ گیارہ گرام ۶۶۴ ؍ملی گرام کا ہوتا ہے، لہٰذا نصف صاع کا وزن موجودہ اوزان کے اعتبار سے ڈیڑھ کلو ۴۷ ؍گرام ،۶۴۰ ؍ملی گرام ہوتا ہے، یہ حساب بلا کسی کمی زیادتی کے لگایا گیا ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۱۲؍شوال ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۲؍۲۰۰)

صدقۂ فطر کی مقدار کیا ہے؟

سوال: [۴۸۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فطرہ کی مقدار کیا ہے؟ آجکل کے حساب سے، بعض لوگ کہتے ہیں، کہ تین کلو ہے اسکی صحیح مقدار کیا ہے؟ حدیث کی روشنی میں بیان فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حدیث میں صدقۂ فطر کی مقدار نصف صاع گیہوں آئی ہے، جس کو خلفائے راشدین، ائمہ مذاہب نے اختیار کیا ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ أدّوا زكوٰة الفطر صاعاً من تمر أو صاعاً من شعير أو نصف صاع من بر، الحديث: (طحاوی شریف، المکتبة الاشرفیه دیو بند ۱/ ۳۵۰)

وقد روی عن أبی بكر أيضاً وعن عثمان بن عفان فی صدقة الفطر أنها من الحنطة نصف صاع ، الحديث:(طحاوی شریف، المکتبة الاشرفیه دیوبند۱/ ۳۵۰)

اور نصف صاع کا وزن ۱۲؍ ماشہ کے تولے سے ۱۳۵ تولہ ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ قدیم ۱/ ۲۲۴، جدید زکریا ۳/ ۴۱۱)

اور بارہ ماشہ ایک تولہ گیارہ گرام ٦٦ ؍ملی گرام کا ہوتا ہے، لہٰذا نصف صاع کا وزن گراموں کے حساب سے ڈیڑھ کلو ۴۷ ؍، گرام ۶۴۰ ؍ملی گرام ہوگا، جس کی قیمت آج کے بازار میں ٦٠/ ۴ فی کلو کے حساب سے ۳۰/ ۷ پیسے بنتی ہے، اس مرتبہ مدرسہ شاہی نے احتیاطاً

ساڑھے سات روپیہ کا اعلان کردیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍رمضان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۲۴۲/۳۶)

تعداد صدقۂ فطر

سوال: [۴۸۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صدقۂ فطر ایک آدمی پر کتنا ہوتا ہے، صاف حساب کرکے عنایت فرمائیں؟

المستفتي: محمد ارقم، امام سڑک والی مسجد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک آدمی کا صدقۂ فطر نصف صاع گیہوں ہے جس کی مقدار موجودہ اوزان کے حساب سے ڈیڑھ کلو ۴۷؍گرام، ۶۴۰/ ملی گرام گیہوں ہوتی ہے، آپ احتیاطاً ڈیڑھ کلو ۴۰؍گرام نکال دیجئے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ قدیم ۱/۴۲۴، جدید زکریا ۳/۴۱۱، فتاویٰ دارالعلوم ۶/۳۰۵)

عن ابن عباس قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: صدقة الفطر عن كل صغير وكبير، ذكرو أنثى إلىٰ قوله نصف صاع من بر أوصاع من تمر أوصاع من شعير. (سنن الدارقطنی ، زکاة الفطر ، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/۱۳۱، رقم: ۲۱۰۰)

وهي نصف صاع من بر أو دقيقة أو سويقة أو زبيب أو صاع من تمر أو شعير. (تنویر الابصار مع الدرالمختار ، کراچی ۲/۳٦٤، زکریا ۳/۳۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۹۷۰)

صدقۃ الفطر کا وزن

سوال: [۴۸۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صدقۂ فطر کے بارے میں یہاں خاص طور پر جنوبی ہند میں ہر سال صدقۂ فطر کی مقدار کے سلسلہ میں اختلاف ہوتا ہے، مختلف پرچوں، اشتہاروں، کارڈوں میں مختلف مقدار صدقۂ فطر کی لکھی جاتی ہے، کسی میں پونے دوکلو، کسی میں دوکلو، کسی میں سوادوکلو، کسی میں ڈھائی کلو، کسی میں پونے تین کلوتک کی مقدار لکھی ہوئی ہوتی ہے، اوراس کی بنیاد کتابوں میں جو لکھی ہوئی مقدار پونے دوسیر ہے، چونکہ یہاں مختلف علاقوں میں سیر کا وزن بھی الگ الگ ہوتا ہے، کسی علاقے میں ایک سیر کا وزن ڈیڑھ کلو کے برابر ہوتا ہے، کسی علاقے میں ایک سیر دوکلو کے برابر ہوتا ہے، کسی علاقے میں ایک سیر سوادوکلو کے برابر ہوتا ہے، اس علاقہ میں سیر کا زون کلو سے بڑھا ہوا ہے، اسلئے ہر علاقہ والا اپنے علاقہ کے سیر کا حساب لگا کر صدقۂ فطر کی مقدار یا اس کی قیمت طے کرتا ہے، اور لکھتا ہے جس کی وجہ سے ہر سال صدقۂ فطر کی مقدار میں بہت زیادہ فرق ہوجاتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ خود ہمارے اکابرین کی کتابوں اوران کے فتاویٰ میں مختلف مقدار لکھی ہوئی ہے۔ (اکابرین کی رائے اوران کے فتاویٰ کی نقل بھی دوسرے پرچے میں منسلک ہے) جس کی وجہ سے کسی ایک مقدار پر مسئلہ بتلانا مشکل ہوجاتا ہے، اس لئے گذارش ہے کہ مفتی بہ قول کے مطابق صحیح مقدار کیا ہے؟ اورآج کے دور میں جو اوزان رائج ہیں، یعنی کلوگرام ایک فطرہ کا وزن کے حساب سے صحیح کتنا ہوتا ہے، مہربانی فرما کر تحریر فرمائیں؟

اکابرین کے اقوال لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، صحیح مقدار جو کلو سے بنتی ہے، اس کو تحریر فرمائیں؟ تاکہ سائل کو جواب دینے میں آسانی ہو؟

المستفتی: عبدالعزیز قاسمی، مہتمم مدرسہ ضیاء العلوم، بائی پاس روڈ، اننت پور (اے پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آج کل کے کلوگرام کے حساب سے صدقۂ فطر کی

مقدار گیہوں اور آٹے سے ڈیڑھ کلو ۴۷ر گرام، اور ۶۴۰ رملی گرام ہے اور کھجور اور کشمش سے کوئی ادا کرنا چاہتا ہے، تو اس کا دوگنا وزن ہوگا، ۳رکلو ۱۴۹ر گرام اور ۲۸۰ رملی گرام صدقۂ فطر بنے گا، اب اس کی جو بھی قیمت آپ کے علاقے میں بنتی ہے وہی ادا کریں۔ (مستفاد: ایضاح الطحاوی ۳/ ۱۷۷، ایضاح المسائل/ ۹۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۱/۲۱ھ

صدقۂ فطر کی مقدار کے بارے میں اکابرین علماء کی رائے اور ان کے فتاوے

(۱) ایک کلو پانچ سو چوہتر گرام چھ سو چالیس ملی گرام صدقۂ فطر کی مقدار ہوتی ہے۔ (مستفاد: جدید فقہی مسائل ۱/ ۲۲۷، مولانا محمد خالد سیف اللہ رحمانی صاحب)

(۲) پونے دوسیر یا پونے دو کلو صدقۂ فطر کی مقدار ہے، احتیاط کے طور پر پورے دوسیر یا زیادہ دیدینا چاہئے، (مستفاد: مسائل روزہ مولانا محمد رفعت صاحب/ ۳۱۳)

(۳) نصف صاع کا وزن اسی روپئے بھر کے سیر سے تقریباً پونے دوسیر ہوتا ہے، پس صدقۂ فطر میں گیہوں (اسی روپئے بھر کے سیر سے) پونے دوسیر دینے چاہئے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۴/ ۳۱۱، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب)

(۴) پونے دوسیر گندم فطرہ میں دینا چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۳۰۴، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب)

(۵) صدقۂ فطر میں اسی تولے کے سیر سے پونے دوسیر گیہوں دینا چاہئے، نصف صاع کے ایک کلو پانچ سو چھتر گرام ہوتے ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۷/ ۱۹۷)

(۶) صدقہ ہر شخص کی طرف سے پونے دوسیر گندم یا اس کی قیمت دے سکتا ہے۔ (مستفاد: آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/ ۴۱۵، مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی)

(۷) پونے دوسیر گندم یا اس کی قیمت دینا چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ عثمانی ۲/ ۷۷)

(۸) صدقۂ فطر دوکلو سے بھی زائد دینا چاہئے ۔(مستفاد: احسن الفاویٰ ۴/۴۱۶، مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

(۹) انگریزی سیر کے حساب سے سوا دوسیر نوتولہ سات ماشہ کی مقدار صدقۂ فطر ہوتا ہے، یا یوں کہا جائے کہ پانچ ماشہ کم دوسیر ڈیڑھ پاؤ ہوتا ہے، الیٰ آخر صدقۂ فطر کی مقدار دوسیر ایک پاؤ نوتولے سات ماشہ ہوتی ہے ۔(مستفاد: علم الفقہ ۴/ ۴۸۶، مولانا عبد الشکور صاحب)

(۱۰) اسی تولے کے حساب سے نصف صاع پونے دوسیر ہوتا ہے، مگر احتیاطاً پورے دوسیر ادا کرنا چاہئے ۔(مستفاد: امداد الاحکام ۳/ ۴۲، حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی)

موجودہ اوزان کے اعتبار سے صدقۃ الفطر کی مقدار

سوال: [۴۸۵۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی کا روزہ یا نماز سخت بیماری کی وجہ سے چھوٹ جائے اور انتقال ہوجائے تو ایک نماز اور ایک روزہ کا کتنا فدیہ ادا کرنا ہوگا ؟

المستفتي: منظور علی شمسی ، پیر غیب، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق : ہر ایک روزہ کا ایک فدیہ ہوتا ہے، اور ہر نماز کا ایک فدیہ ہوتا ہے، اور روزانہ چھ نمازوں کے فدیہ ہونگے اسلئے کہ وتر کا بھی فدیہ لازم ہوتا ہے، اور ایک فدیہ کی مقدار ایک صدقۂ فطر ہے اور ایک صدقہ فطر موجودہ اوزان کے حساب سے ڈیڑھ کلو ۴۷ رگرامی ۶۴۰ رملی گرام گیہوں ہے ، قیمت ادا کرنا ہو تو بازار سے معلوم کرلیا جائے یہ نصف صاع کی مقدار ہے۔

عن ابن عباس قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ : صدقة الفطر عن كل صغير وكبير، ذكر و أنثى إلىٰ قوله نصف صاع من بر أوصاع من تمر أوصاع من شعير .(سنن الدارقطني ، زكاة الفطر ، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۱۳۱، رقم: ۲۱۰۰)

لصلوٰة كل وقت من فرض اليوم والليلة حتى الوتر لأنه فرض عملي عند الإمام (قوله) أنه لكل صلوٰة فدية هي نصف صاع من بر أو دقيقة الخ. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي قديم /٢٣٨، جديد دارالكتاب ديوبند /٤٧٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۹۴۰/۳۴)

صدقۂ فطر ایک مسکین کو دیا جائے یا متعدد کو؟

سوال: [۴۸۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فتاویٰ عالمگیری میں صدقۂ فطر کے متعلق **تبيين** کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک شخص کا صدقۂ فکر دو یا زیادہ مساکین کو دینا جائز ہے، عبارت یوں ہے؟

يجب دفع صدقة الفطر كل شخص إلى مسكين حتى لو فرقه على مسكينين أو أكثر لم يجز الخ. (عالمگیری، باب صدقه فطر ١/١٩٣)

لیکن قاضی خان اور بہشتی زیور میں شرح تنویر کے حوالہ سے لکھا ہیکہ جائز ہے تو صحیح کیا ہے؟ مسئلہ کی تحقیق سے آگاہ فرمائیں؟

المستفتي: محمد رمضان، کٹیا، ضلع: ندیا، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: واقعی تبیین کے حوالہ سے عالمگیری میں ایسا ہی نقل کیا ہے، لیکن وہ مفتی بہ قول نہیں ہے، مفتیٰ بہ قول یہی ہے کہ ایک شخص کا فطرہ متعدد افراد کو دینا جائز ہے اور درست ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۷۶)

وفي التنوير وجاز دفع كل شخص فطرته إلىٰ مسكين أو مسكين على المذهب كما جاز دفع صدقة جماعة إلىٰ مسكين واحد بلاخلاف

الخ. (تنویر الابصار مع الدر، کتاب الزکاۃ، باب صدقۃ الفطر، مصری۲/۱۰۷، کراچی ۲/۳٦۷، زکریا ۳/۳۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍شوال ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲٦؍۱۹۹۳)

مقررین صدقۂ فطر میں کھجور کا نصاب کیوں نہیں بیان کرتے؟

سوال: [۴۸۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صدقۂ فطر جو ہندوستان میں عام طور پر ادا کیا جاتا ہے، وہ گیہوں یا جو یا ان دونوں کی قیمت ہے جبکہ کھجور بھی صدقۂ فطر کی قسم میں داخل ہے، جیسا کہ کھجور ایک صاع، جو ایک صاع، گیہوں نصف صاع تو خود کھجور یا کھجور کی قیمت کیوں نہیں بیان کرتے ہیں، صرف گیہوں یا جو یا ان دونوں کی قیمت بیان کر دیتے ہیں، آخر ایسا کیوں ہے؟ کھجور بھی تو انہی اوزان میں داخل ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صدقۂ فطر کی ادائیگی میں گیہوں یا جو یا ان دونوں کی قیمت بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں لوگوں کیلئے آسانی ہے، کیونکہ گیہوں ہندوستان کی غالب خوراک ہے، اور بغیر کسی پریشانی کے مہیا ہو جاتی ہے، برخلاف کھجور کے کہ یہ ہندوستان کی غالب خوراک نہیں ہے، اسلئے آسانی کے پیش نظر اس کو بیان کیا جاتا ہے، لیکن کوئی شخص خوشی سے کھجور یا اس کی قیمت ادا کرتا ہے تو بھی جائز اور درست ہے۔

وکان الفقیه أبو جعفر دفع الحنطة أفضل فی الأحوال کلها. (الفتاویٰ التاتار خانیة، کتاب الصوم، الفصل الثالث عشر فی صدقة الفطر، قدیم ۲/۴۲۰، جدید زکریا۳/۴۵۵، رقم: ۴۸۳۸، شامی کتاب الزکاۃ، باب صدقۃ الفطر، زکریا ۳/۳۲۲، کراچی۳/۳٦٦)

وهو من غالب قوت المخرج عنه وأفضل الأقوات البر. (الفقه علی المذاهب الأربعة ۱/٦۲۹)

وینبغي أن تکون الحنطة أولیٰ إذا کان فی موضع یشترون الأشیاء

بالحنطة. (خانیه علی الهندیة،زکریا ۱/ ۲۳۱، جدید ۱/ ۱٤٤)

وذکر المنصوص علیه للتیسیر لأنهم کانو یتبایعون بذلک. (البدائع الصنائع بیروت ۲/ ۷۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍رجب ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۷۴۵/۳۲)

مالدار مسافر پر صدقۂ فطر لازم ہونے میں کہاں کے مال کا اعتبار؟

سوال: [۴۸۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص سفر عمرہ پر گیا ہوا ہے، اس کے پاس حالت سفر میں بقدر نصاب مال یعنی روپیہ پیسہ وغیرہ موجود ہے اور یہ مال اسکی حوائج اصلیہ سے زائد ہے، نیز اسکے گھر پر بھی حوائج اصلیہ سے زائد بقدر نصاب مال موجود ہے، تو اب اسپر صدقۂ فطر واجب ہوگا یا نہیں؟ اور نصاب میں اس مال کا اعتبار ہوگا جو اسکی جیب میں موجود ہے یا اس مال کا جو اس کے گھر پر ہے کہاں پر حوائج اصلیہ سے زائد مال کا اعتبار ہوگا، جس کی وجہ سے اسکے اوپر صدقۂ فطر واجب ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: جس شخص کے پاس بحالت سفر بقدر نصاب مال موجود ہے اور وہ اس کی حوائج اصلیہ سے زائد ہے تو اسپر صدقۂ فطر واجب ہے، اور صدقۂ فطر واجب ہونے میں اس مال کا اعتبار ہوگا جو اس کے پاس بحالت سفر موجود ہے۔

هي واجبة علی الحر المسلم المالک لنصاب فاضل عن حوائجه الأصلية فتجب علیٰ مسافر وصبي ومجنون ویعتبر ہ مکانه لنفسه. (مجمع الانهر، کتاب الزکاة، باب صدقة الفطر، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۳۳٤)

فاختلف التصحیح کما تریٰ فوجب الفحص عن ظاهر الروایة والرجوع إلیها والمنقول فی النهایة معزیا إلی المبسوط أن العبرة لمکان

من تجب عليه لابمكان المخرج عنه موافقاً لتصحيح المحيط فكان هو المذهب ولهذا اختاره قاضيخان في فتاواه مقتصراً عليه . (البحرالرائق، کراچی ۲/۲۵۰، زکریا۲/۴۳۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/۱۱/۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۲۱/۴۰)

وہاں کی قیمت کا اعتبار ہوگا جہاں سے صدقۂ فطر ادا کیا جائے

سوال: [۴۸۶۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید رمضان میں عمرہ کرنے کیلئے سعودی عرب گیاہوا ہے، وہاں پر اسکے پاس نصاب سے زائد پیسہ موجود ہے، تو اب اس کے اوپر صدقۂ فطر لازم ہے، اس نے ہندوستان میں اپنی بیوی کو فون کیا کہ میرا بھی صدقۂ فطر ادا کردینا تو ایسی صورت میں اب بیوی ہندوستانی کی قیمت کے اعتبار سے صدقۂ فطرہ ادا کرے گی یا سعودیہ کی قیمت کے اعتبار سے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صدقۂ فطر کی ادائیگی میں وجوب ادا یعنی جہاں ادا کیا جارہا ہے، وہاں کی قیمت کا اعتبار ہوگا، سبب وجوب یعنی جہاں مالک ہے وہاں کی قیمت کا اعتبار نہ ہوگا، لہٰذا صورت مسئولہ میں زید کی بیوی ہندوستان کے گیہوں وغیرہ کی قیمت کے اعتبار سے زید کا صدقۂ فطر ادا کرے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۹/۶۲۲، محمودیہ میرٹھ ۱۴/۳۷۴)

وتعتبر القيمة يو م الوجوب وقالا يوم الأداء –إلىٰ –ويقوم في البلد الذي المال فيه . (شامی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم، زکریا۳/۲۱۱، کراچی ۲/۲۸۶)

ويقومها المالك في البلد الذي فيه المال حتىٰ لو بعث عبداً للتجارة إلىٰ بلد آخر فحال الحول تعتبر قيمته فى ذلك البلد. (ہندیہ، زکریا ۱/۱۸۰، جدید۱/۲۴۱)

ويقوم العرض بالمصر الذي هو فيه حتى لو بعث عبداً للتجارة فى بلد آخر يقوم فى ذلك الذي فيه العبد. (البحرالرائق، زکریا ۲/۴۰۰، کراچی ۲/۲۲۹)

وإن كان المولىٰ بعث عبده إلىٰ مصر آخر لحاجته تعتبر قيمة العبد في المصر الذى فيه العبد ، وإن كان العبد في المفازة تعتبر قيمته فى أقرب الأمصار إلىٰ ذلك الموضع . (الفتاوىٰ التاتار خانية، زكريا٣/١٦٥، رقم: ٤٠٠٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/۱۱/۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۲۲/۴۰)

فطرہ کی رقم کنٹرول ریٹ سے لگائی جائے یا بازار ریٹ سے؟

سوال: [۴۸۶۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فطرہ کی جو صحیح رقم ہے وہ کنٹرول ریٹ سے لگائی جائے، یا بازار ریٹ سے، جو بھی مسئلہ ہو وضاحت فرما کر جواب سے مطلع فرمائیں، عنایت ہوگی؟

المستفتي: نثار احمد، محلّہ سرائے گلزاری مل، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت اسلامی میں قیمت لگانے میں بازاری بھاؤ کا اعتبار ہوتا ہے، کنٹرول ریٹ کا اعتبار نہیں ہوتا۔

القيمة الثمن الذي يقدره المقوّمون للسلعة أو الشيىء الخ. (لغة الفقهاء کراچی/٣٧٤، قواعد الفقه /٤٣٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴۱۰/۲۷)

صدقۂ فطر میں کہاں کی قیمت کا اعتبار ہوگا؟

سوال: [۴۸۶۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک ہندوستانی شخص جو دبئی میں سروس کرتے ہیں، وہ اپنے رشتہ داروں سے کہتے ہیں، کہ میری جانب سے صدقہ فطر ادا کر دینا۔

اگر وہاں کی کرنسی کے حساب سے ادا کیا جائے تو ایک سوبیس روپے ہوتے ہیں، آیا وہ ہندوستانی رشتہ دار ہندوستانی کرنسی کے اعتبار سے ادا کریں یا دبئی کی کرنسی کے حساب سے ادا کریں؟ اور اگر اس شخص کی جانب سے پونے دوکلو گیہوں ادا کر دئے جائیں تو کافی ہوگا یا نہیں یا وہاں کی کرنسی کے حساب سے ادا کرنا لازم ہوگا؟

المستفتي: عبدالاحد، لاجپت نگر، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: صدقۂ فطر ادا کرنے کیلئے اس طرح وکیل بنانا جائز ہے، اور وکیل جہاں کے مال سے فطرہ ادا کریگا وہاں کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اور ایک صدقۂ فطر کی مقدار موجودہ اوزان کے حساب سے ڈیڑھ کلو ۴۷ رگرام ۶۴۰ رملی گرام گیہوں یا اس کی قیمت جو چاہے ادا کرسکتا ہے اور اس میں ہندوستانی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/۳۰۶)

وجاز دفع القيمة أنها تعتبر يوم الوجوب (إلىٰ قوله) ويقوم في البلد الذي المال فيه الخ. (شامی، كتاب الزكاة، باب زكاة المال كراچی ۲/۲۹۹، زكريا ۳/۲۲۹، هنديه زكريا ۱/۱۸۰، جديد ۱/۲٤۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸۴۱/۲۸)

صدقۃ الفطر کی ادائے گی میں کس جگہ کی قیمت کا اعتبار ہے

سوال: [۴۸۶۳]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب دوسرے ملک میں مقیم ہیں جہاں وہ کام کرنے کی نیت سے گئے ہوئے ہیں، بموقع عیدالفطر وہ اپنے اہل خانہ کو بذریعہ فون یہ حکم دیتے ہیں، کہ میرا صدقۂ فطر آپ ہی ادا کردینا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگران کے اہل خانہ ہندوستان میں ان کا صدقۂ فطر ادا کردیں تو کس ملک کی قیمت کے اعتبار سے ادا کریں؟ ہندوستان کی؟ یا جہاں وہ صاحب مقیم ہیں، اسی طرح اگر وہ لوگ گیہوں وغیرہ کے ذریعہ صدقۃ الفطر ادا کرنا چاہیں، تو کس طرح کریں، کہاں کا اعتبار کیا جائے گا؟

المستفتي: محمد خالد قاسمی، دھامپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دوسرے ملک میں جوآدمی مقیم ہے اس کی طرف سے ہندوستان میں صدقۂ فطر ادا کرنا جائز اور درست ہے، اور اگر صدقۂ فطر گیہوں سے ادا کیا جاتا ہے، تو نصف صاع گیہوں ادا کریں گے اس لئے کہ یہ منصوص ہے اور اگر قیمت کے ذریعہ صدقۂ فطر ادا کیا جائے، تو جس ملک میں صدقۂ فطر ادا کیا جارہا ہے، اس ملک کی قیمت کا اعتبار ہے، لہٰذا ہندوستان کی قیمت کے اعتبار سے صدقۂ فطر ادا کیا جائیگا۔

لا عن زوجته وولده الكبير العاقل ولو أدى عنهما بلا إذن أجزأه استحسانا للإذن عادة الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب صدقة الفطر کراچی ۳۶۳/۲، زکریا ۳۱۷/۳، الفتاوی التاتارخانیه، کتاب الصوم، باب صدقة الفطر زکریا۳/ ٤٦١، رقم: ٤٨٥١، هدایه، اشرفی دیوبند۱/ ۲۰۹)

مَنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ أَهْلِيْكُمْ. (مائدہ: ۱۸۹)

وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا يوم الأداء ويقوم في البلد الذي المال فيه. (شامی، زکریا ۲۱۱/۳، کراچی ۲۸۶/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر:۴۰/ ۱۱۲۹۹)

صدقہ فطر کن کن چیزوں سے ادا کر سکتے ہیں؟

سوال: [۴۸۶۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صدقۂ فطر صرف گیہوں یا آٹا یا اسکی قیمت ہی سے دینا چاہئے یا کھجور وغیرہ دینا بھی احادیث سے ثابت ہے، اگر ثابت ہے تو اس کی کیا مقدار واجب ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: گیہوں اور آٹا کے علاوہ کھجور اور انگور یا اس کی قیمت دینا بھی درست ہے، مگر ایسی صورت میں مکمل ایک صاع یا ایک صاع کی قیمت ادا کرے اور ایک صاع کی مقدار موجودہ اوزان کے اعتبار سے تین کلو ۱۴۹ گرام، ۲۸۰ ملی گرام ہے۔(مستفاد: ایضاح المسائل/ ۹۸)

عن ابن عمر قال: فرض رسول اللہ ﷺ زكاة الفطر صاعاً من تمر أو صاعا من شعير الحديث: (صحيح البخارى، كتاب الزكاة، باب فرض صدقة الفطر، النسخة الهندية ۱/ ۲۰٤، رقم: ۱٤۸۱، ف: ۱۵۰۳، صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب زكاة الفطر النسخة الهندية ۱/ ۳۱۸، بيت الافكار رقم: ۹۸٤)

نصف صاع من بر أو دقيقة إلىٰ قوله أوصاع تمر أو شعير. (تنوير الابصار مع الدر المختار، كتاب الزكاة باب صدقة الفطر كراچى ۲/ ۳٦٤، زكريا ۳/ ۳۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۵/ ۷۲۷۹)

صحابۂ کرام کا کشمش اور کھجور سے صدقۂ فطر ادا کرنا

سوال: [۴۸۶۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خلفائے راشدین میں سے کسی سے یا اجلۂ صحابہ میں سے کھجور یا کشمش سے صدقۂ فطر ادا کرنا ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو حدیث شریف مع حوالہ تحریر فرمائیں؟

المستفي: ذاکر اللہ، آندھرا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جی ہاں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے صدقۂ فطر میں کھجور و کشمش ادا کرنا ثابت ہے۔

عن ابی سعید الخدریؓ قال: كنا نخرج الصدقة صاعاً من شعير. (بخاری شریف، کتاب الزکاة، باب فرض الصدقة الفطر ۱/۲۰۴، رقم: ۱۴۸۳، ف:۱۵۰۵)

عن عياض بن عبد الله بن سعد بن أبى سرحٍ العامري أنه سمع أباسعيد الخدریؓ يقول كنا نخرج زكوٰة الفطر صاعاً من طعام أو صاعاً من شعيرٍ أو صاعاً من تمرٍ أو صاعاً من أقطٍ أو صاعاً من زبيب. (بخاری ۱/۲۰۴، رقم: ۱۴۸۴، ۲/۱۳۱، رقم:۱۵۰۶، باب صدقة الفطر صاعا من تمر ف: ۱۵۰۶)

عن نافع عن ابن عمرؓ قال: فرض رسول الله ﷺ صدقة الفطر صاعاً من تمر أو صاعامن شعير – فكان ابن عمر يعطى التمر فأعوز أهل المدينة من التمر فأعطىٰ شعيراً. (بخاری ۱/۲۰۵، رقم: ۱۴۸۹، ف:۱۵۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۷/محرم الحرام ۱۴۳۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۸۵/۴۰)

چاول کے ذریعہ سے صدقۂ فطرادا کرنا

سوال: [۴۸۶۶]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صدقۂ فطر میں گیہوں یا جو یا کھجور یاان اشیاء کی قیمت دی جاتی ہے،لیکن اگر یہ چیزیں کسی کے پاس نہ ہوں اوران کے عوض میں کوئی اور چیز مثلاً چاول یا چنا وغیرہ دینا چاہیں تو کیاان کی مقدار اسی نص کے مطابق ہوگی یا کم زیادہ ہوگی ،اگرکم زیادہ نہ ہوں تو گیہوں ، جو، کھجور، میں سے کس کے بقدر دی جائیگی ،گیہوں کے یاجو، کھجور کے؟

المستفتي: محمد سعید دیوریاوی، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صدقۂ فطر میں اگر گیہوں،جووغیرہ کے بجائے نصف صاع گندم کی قیمت کے بقدر چاول دیا جائے یااس کی قیمت دی جائے جونصف صاع کی قیمت کے برابر ہے،تو جائز اور درست ہے۔(مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم قدیم ۳۲۲/۶)

ومالم ينص عليه كذرة وخبز يعتبر فيه القيمة الخ. (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر زكريا۳/ ۳۱۹، كراچی ۲/ ۳٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ

۱۹/ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۸۹۱/۲۸)

صدقۂ فطر کے روپیہ سے کپڑا دینا

سوال: [۴۸۶۷]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنے صدقۂ فطر کے روپیہ سے کپڑا خریدااوراس کپڑے کو مستحق صدقہ کو دیدیا اب آیا کہ زید کا صدقۂ فطرادا ہوا یانہیں !مہربانی فرما کر جواب سے نوازیں عین کرم ہوگا؟

المستفتي: مجیب الرحمٰن ندیاوی، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ادا ہو جائے گا!

”کما استفاده من الدر المختار“ وجاز دفع القيمة في زكاة وعشر وخراج وفطرة ونذر وكفارة غير الإعتاق الخ. (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم كراچی ۲/۲۸۵، زكريا ۳/۲۱۰، حاشية الطحطاوی، دار الكتاب ديوبند/۷۲٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۵۴۶)

صدقۂ فطر کی رقم دوسری جگہ ارسال کرنا

سوال: [۴۸۶۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اس سال صدقۂ فطر میں نے ساتھی کے کہنے پر بیس رمضان المبارک کو بمبئی ایک مستحق عورت کیلئے ارسال کر دیا جبکہ فی الحال یہاں پر بھی مستحق لوگ تھے، تو کیا میرا صدقۂ فطر ادا ہوا یا نہیں؟

المستفتي: حبیب اللہ تاج، سعودیہ عربیہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ اپنا صدقہ فطر مستحق تک پہونچا چکے تو آپ ذمہ سے بری ہوگئے، لیکن زکوٰۃ صدقۂ فطر وغیرہ کی ادائیگی کے وقت پہلے اپنے رشتہ دار پڑوسیوں وغیرہ پر نظر ڈالنی چاہئے، اس کے بعد دوسری جانب توجہ کریں، تو یہ افضل ہے۔

عن سلمان ابن عامر يبلغ به النبي ﷺ قال: إذا أفطر أحدكم فليفطر على تمر – إلىٰ – وقال: الصدقة على المسكين صدقة وهي على ذي الرحم ثنتان صدقة وصلة . (كتاب الزكاة، باب ماجاء في الصدقة على ذي القرابة، النسخة الهندية ١/١٤٢، دار السلام رقم: ٦٥٨)

لأن فيه رعاية حق الجوار فكان أولىٰ .(شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف کراچی ۲/۳۵۳، زکریا ۳/ ۳۰۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۹۹۰/۳۵)

صدقۂ فطر و چرم قربانی کی رقم مدرسہ کی تعمیر میں لگانا

سوال: [۴۸۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں میں مکتب مدرسہ ہے اسکے مدرس کی تنخواہ یا عمارت میں اپنی بستی کا فطرہ وصول کر کے لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اور چرم قربانی کی قیمت اور زکوٰۃ کا پیسہ لگانا اور اس سے مدرس کی تنخواہ دینا یا مدرسہ کی عمارت بنانا کیسا ہے؟

المستفتي: حاجی علاؤالدین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ، صدقۂ فطر اور چرم قربانی کی رقم مدرسین کی تنخواہ اور عمارت میں لگانا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۱۱۸)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة ولا يصرف إلىٰ بناء نحو مسجد الخ. (الدر المختار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا ۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳۴۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶۴۳/۳۱)

کیا فطرہ کی رقم مکتب میں صرف کرنا درست ہے؟

سوال: [۴۸۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کمیٹی

کے لوگ عیدگاہ میں تمام نمازیوں سے صدقۃ الفطر وصول کرتے ہیں، اور فقیر وغیرہ سے تملیک کرا کر اس رقم کو مکتب میں مدرس کی تنخواہ میں دیتے ہیں، جبکہ مکتب کی بہت سی کھیتی وغیرہ بھی ہے، جو لوگوں نے وقف کی تھی، تو کیا فطرہ کا پیسہ مکتب میں لگانا جائز ہے؟ مسئلہ کی وضاحت اس طرح فرمائیں کہ معاملہ واضح ہو جائے؟

المستفتي: محمد قاسم،
متعلم مدرسہ شاہی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صدقۂ فطر کا پیسہ مدرس کی تنخواہ میں اور مکتب کی تعمیر میں لگانا جائز نہیں ہے، لہٰذا کمیٹی والوں کو مدرس کی تنخواہ کیلئے تملیک کا حیلہ اختیار کر کے صدقۃ الفطر وصول نہ کرنا چاہئے، بلکہ مکتب کے وقف کی آمدنی یا صدقات نافلہ سے تنخواہ دی جائے، اور اگر مدرس کی تنخواہ کی فراہمی کی کوئی شکل نہیں ہے، جس کی وجہ سے مدرس کے چلے جانے کا خطرہ ہے، تو ضرورت شدیدہ کی وجہ سے مدرس کی تنخواہ کے لئے حیلۂ تملیک اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة لا یصرف إلیٰ بناء نحو مسجد ...... **وکل مالا تملیک فیه.** (شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف، کراچی ۲/ ۳٤٤، زکریا ۳/ ۲۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/۷/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۷۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۷/۱۴۲۳ھ

غیر مالک نصاب شخص کو صدقۃ الفطر و چرم قربانی کی رقم دینا

سوال: [۴۸۷۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص مالک نصاب نہ ہو تو اس کو صدقۃ الفطر یا چرم قربانی کی رقم دینا جائز ہے یا نہیں؟ تشفی

بخش جواب مطلوب ہے، جواب دیکر ممنون فرمائیں؟

المستفتي:سعید احمد دیوریاوی،
متعلم مدرسہ شاہی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:جی ہاں مالک نصاب نہ ہو یا نصاب کے بقدر اشیاء غلہ وغیرہ کا مالک نہ ہو اس کیلئے صدقہ فطر اور چرم قربانی اور ان کی رقم دینا جائز ہے اور حلال ہے۔

إِنَّمَا الصَّدُقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا ، الآية: (سورة التوبة: ٦٠١)

مصرف الزكاة هو فقير وهو من لهٗ أدنى شيء أي دون نصاب أو قدر نصاب غير تام الخ. و تحته فى الشامية وهو مصرف أيضاً لصدقة الفطر الخ. (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا٣/٢٨٣، كراچی ٢/٣٣٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ذیقعدہ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۸/۲۸۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱۱/۱۴۱۲ھ

صدقۂ فطر کی رقم دوسرے ملک میں بھیجنا

سوال: [۴۸۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صدقۂ فطر کی رقم ایک ملک سے دوسرے ملک میں بھیجنا کیسا ہے؟ ایک یتیم لڑکی کی شادی کے نام پر کچھ رقم جمع ہے اس رقم میں سے کسی اور مد میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ قرآنی دلائل سے دونوں باتوں کا جواب تسلی بخش عنایت فرمائیں؟ نوازش ہوگی؟

المستفتي: شفیع احمد اعظمی، بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جس ملک سے بھیجی جائے اگر وہاں زیادہ ضروتمند نہیں ہے، تو وہاں سے اس ملک میں بھیجنے میں کوئی قباحت نہیں ہے، جہاں زیادہ ضرورت مندلوگ ہیں، یا زیادہ متقی اور ضروت مند علماء اور طلبہ ہیں، یا قریبی رشتہ دار ہیں، ورنہ منتقل کرنا مکروہ ہوتا ہے۔

وكره نقلها إلا إلىٰ قرابة أو أحوج أو أصلح أو أورع أو أنفع للمسلمين (إلىٰ قوله) أو إلىٰ طالب علم الخ. (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا۳/۳۰٤، كراچی ۲/۳۵۳)

اورنابالغ کے مال میں تصرف جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اس کے بالغ ہوجانے کے بعدوہ اگر بخوشی اجازت دیدے تب جائز ہوسکتا ہے؟

لايملك التصرف فى المال الخ. (هدايه، كتاب النكاح، باب الأولياء والاكفاء، اشرفي ديوبند۲/۳۱٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۹۱۶)

کیا غیر مالک نصاب ملازم صدقہ کا مصرف ہے؟

سوال: [۴۸۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص مدرسہ میں ملازم ہے، اور مدرسہ سے اس کی تنخواہ متعین ہے، مدرسہ سے کھانا وغیرہ نہیں ہے، ایسے شخص کیلئے صدقہ کا گوشت کھانا کیسا ہے؟ ایسا شخص صدقہ کا گوشت کھا سکتا ہے یا نہیں؟ جواب صحیح سے نوازیں؟

المستفتي: احسان الحق قاسمی، گرام مہولیہ ضلع سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مال نصاب کا مالک نہیں ہے تو جائز ہے، ورنہ نہیں۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا ، (سورة التوبة: ٦٠)

وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة الخ. (شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف کراچی ۲/ ۳۳۹، مصری ۲/ ۷۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۱۱)